

خصوصیاتِ مصطفیٰ ﷺ

محکم دلائل و کمال سیدنا امین، مقصد: اعلیٰ حق سید المرسلین الشریف الحسن الشیخ ابو محمد
رحمہ اللہ لیسے خاتم النبیین کی زیارت کے عظیم گوشے سے پیچ و پید و دو چیمازی
راہِ مصیبت و کلمات کے بعد یہ اسلوب میں جامع المفصل و تریالی قدرہ و فخر

جلد سوئم

تانیف

مولانا محمد ہارون معاویہ

فہم لہجہ اسلام آباد، وٹن کری
دستور و جہیزہ قاسم انصاری، روہی

مولانا ہارون معاویہ
روہی پاکستان

واللہ اشاعت

بعد حقوق ملکیت حق امانت تراہنی محفوظ ہیں

ہاتھ	خلیس اسٹاک لاؤنی
ہمہ مت	فروری ۱۹۹۵ء میں تراہنی
نقصہ	534 صفحات

تراہنی سے تراہنی

حق تراہنی کا معنی ہے کہ جس چیز پر کسی شخص کا حق ہے، وہ اس چیز کو کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ یہ چیزیں جیسے کہ عمارتیں، زمینیں، گاڑیاں، اثاثے، وغیرہ۔
 یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔

تراہنی سے تراہنی

تراہنی کا معنی ہے کہ جس چیز پر کسی شخص کا حق ہے، وہ اس چیز کو کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ یہ چیزیں جیسے کہ عمارتیں، زمینیں، گاڑیاں، اثاثے، وغیرہ۔	تراہنی کا معنی ہے کہ جس چیز پر کسی شخص کا حق ہے، وہ اس چیز کو کسی دوسرے شخص کو دے سکتا ہے۔ یہ چیزیں جیسے کہ عمارتیں، زمینیں، گاڑیاں، اثاثے، وغیرہ۔
یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔	یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔
یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔	یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔
یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔	یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔
یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔	یہ چیزیں جو کسی شخص کے ہوتی ہیں، وہ اس شخص کے ہوتے ہیں۔

تراہنی سے تراہنی

ISLAMIC BOOKS CENTRE
11, AZIZIYAH WELLS ROAD
SINGAPORE 119971

AZHAR ACADEMY LTD.
SUKSESSEH, SINGAPORE
SINGAPORE, SINGAPORE 119971

تراہنی سے تراہنی

DARUL ILMU AL-ISLAMIA
11, AZIZIYAH WELLS ROAD
SINGAPORE 119971

MAHARAJA ISLAMIAH BOOK STORE
SUKSESSEH, SINGAPORE
SINGAPORE, SINGAPORE 119971

اجمالی فہرست

- ۶۳..... خصوصیت نمبر ۵۱.....
 رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا
- ۷۱..... خصوصیت نمبر ۵۲.....
 رسول اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو نجدہ ہجاء بنایا
- ۷۲..... خصوصیت نمبر ۵۳.....
 رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے
- ۸۱..... خصوصیت نمبر ۵۴.....
 رسول اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی
- ۸۴..... خصوصیت نمبر ۵۵.....
 رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الحکم عطا فرمائے
- ۱۲۸..... خصوصیت نمبر ۵۶.....
 رسول اکرم ﷺ کی جان کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے
- ۱۳۸..... خصوصیت نمبر ۵۷.....
 رسول اکرم ﷺ کے لئے مالِ نسیمت حلال کر دیا گیا
- ۱۴۲..... خصوصیت نمبر ۵۸.....
 رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا
- ۱۶۸..... خصوصیت نمبر ۵۹.....

رسول اکرم ﷺ کا نام آپ کے کمالات کا آئندہ دار ہے

خصوصیت نمبر ۶۰..... [۸۰]

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

خصوصیت نمبر ۶۱..... [۹۰]

رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے انجس گے

خصوصیت نمبر ۶۲..... [۹۶]

رسول اکرم ﷺ کے گھورے حلقہ بھنگوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۶۳..... [۱۰۳]

رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا

خصوصیت نمبر ۶۴..... [۱۰۹]

رسول اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوا

خصوصیت نمبر ۶۵..... [۱۱۷]

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے امتدال کی دولت عطا فرمائی

خصوصیت نمبر ۶۶..... [۱۲۳]

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۶۷..... [۱۲۹]

رسول اکرم ﷺ کے ہموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے

خصوصیت نمبر ۶۸..... [۱۳۹]

رسول اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

خصوصیت نمبر ۶۹..... [۱۴۲]

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں

خصوصیت نمبر ۷۷..... ۳۹۶

رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے عباد پیدا فرمائے

خصوصیت نمبر ۷۸..... ۳۷۷

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

خصوصیت نمبر ۷۹..... ۳۹۳

رسول اکرم ﷺ کی سیرت مانگیر اور دانی نمونہ عمل ہے

خصوصیت نمبر ۸۰..... ۵۱۱

رسول اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھول جائے گا

خصوصیت نمبر ۸۱..... ۵۱۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہوس میں سے کچھ نام دیئے

خصوصیت نمبر ۸۲..... ۵۲۷

رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا انتداب عظیم خصوصیت کا حامل ہے



تفصیلی فہرست

- ۲۰..... انساب
- ۲۱..... عرض مؤلف
- ۲۲..... تقریظ..... از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدشتی صاحب مدظلہ العالی
- ۲۳..... تقریظ..... از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین چری صاحب مدظلہ العالی
- ۲۴..... تقریظ..... از حضرت مولانا مفتی رفیع احمد صاحب بالا کوٹی مدظلہ العالی
- ۲۵..... تقریظ..... از محترم مولانا حافظ محمد اصف کرناٹوی صاحب مدظلہ العالی
- ۲۶..... انبیاء، اہل بیت کے مرتب میں جزئی ثبوت اور ایک ضروری تطبیق
- ۲۷..... ایک ضروری وضاحت
- ۲۸..... مقدمہ کتاب (مجموعہ مکتوبات جلد سوم)
- ۲۹..... نبوت و رسالت کی وضاحت و تفصیل
- ۳۰..... نبوت و رسالت اور قرآن
- ۳۱..... نبوت و رسالت کا تجربہ
- ۳۲..... نبوت و رسالت اور بشریت
- ۳۳..... نبوت و رسالت وحشی ہے
- ۳۴..... نبوت و رسالت اور عصمت
- ۳۵..... نبوت و رسالت کی جمع گیری
- ۳۶..... منصب، رسالت و نبوت

نبوت و رسالت محمدی ﷺ ۵۷

ختمِ رسالت و ختمِ نبوت ۶۰

نبوت و رسالت کی بحث کا خلاصہ ۶۲

خصوصیتِ نمبر ۵۱ ۶۴

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا

ایک ضروری تنبیہ ۶۵

اکاؤن نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں ۶۶

خصوصیتِ نمبر ۵۲ ۷۱

رسولِ اکرم ﷺ سے نئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو جہدہ گاہ بنایا

ہاں نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں ۷۱

خصوصیتِ نمبر ۵۳ ۷۴

رسولِ اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے

ترجمہ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں ۷۴

خصوصیتِ نمبر ۵۴ ۸۰

رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی

چونکہ ہر شخص کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں ۸۰

خصوصیتِ نمبر ۵۵ ۸۲

رسولِ اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے

بچپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۸۲

خصوصیت نمبر ۵۶..... ۱۲۸

رسول اکرم ﷺ کی جان کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے

بچپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۲۸

خصوصیت نمبر ۵۷..... ۱۳۸

رسول اکرم ﷺ کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا

تین نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۳۹

خصوصیت نمبر ۵۸..... ۱۴۲

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا

انھوں نے نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۴۳

خصوصیت نمبر ۵۹..... ۱۴۸

رسول اکرم ﷺ کا نام آپ ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے

اسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۴۹

خصوصیت نمبر ۶۰..... ۱۸۰

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

ساتھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۸۱

خصوصیت نمبر ۶۱..... ۱۹۰

رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۹۰

قیامت کے دن حضور ﷺ عرش الہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے..... ۱۹۲

خصوصیت نمبر ۶۲..... ۱۹۶

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدا اُٹیں بلند

ہوئیں

اسی نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۱۹۷

خصوصیت نمبر ۶۳..... ۲۰۳

رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا

ترجمہ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۲۰۵

خصوصیت نمبر ۶۴..... ۲۰۹

رسول اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت

میں داخل ہوگا

چونکہ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۲۱۰

جنت میں بغیر حساب جانے والوں کی صفات..... ۲۱۳

خصوصیت نمبر ۲۵..... ۲۱۷

- رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی
 چنانچہ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں ۲۱۷
- امت محمدیہ ﷺ کا اعتدال اور لفظ وسطا کی تشریح ۲۱۸
- اعتدال سے متعلق مزید تفسیر و تشریح ۲۱۹
- اعتدال امت کی حقیقت و اہمیت اور اس کی کچھ تفصیل ۲۲۰
- امت محمدیہ ﷺ میں ہر قسم کا اعتدال ۲۲۳
- اعتدال کی اعتدالیں ۲۲۵
- نعم اور عبادت میں اعتدال ۲۲۶
- معاشرتی اور تمدنی اعتدال ۲۲۷
- اقتصادی اور مالی اعتدال ۲۲۷
- شہادت کے لئے عدس و نقد و نا شرط ہے ۲۲۸
- وصف اعتدال سے متعلق مزید وضاحت ۲۲۹
- اعتدال کا معنی اور مطلب ۲۳۲
- رسول اکرم ﷺ اور اعتدال کی اہمیت ۲۳۵
- اسلام میں اعتدال پسندی کی اہمیت ۲۳۶

خصوصیت نمبر ۲۶..... ۲۳۴

- رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں
 چنانچہ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں ۲۳۴

خصوصیت نمبر ۲۹..... ۲۹۲

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی
صدا میں بلند ہوئیں

۲۹۲..... نیز نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں۔

خصوصیت نمبر ۳۰..... ۲۹۶

رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا
فرمائے

۲۹۶..... نیز نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں۔

۲۹۹..... امام حق حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ

۳۰۸..... حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

۳۱۱..... امام ابو حنیفہ کی جوانی اور تعلیم

۳۱۳..... امام ابو حنیفہ حضرت حماد کی خدمت میں۔

۳۱۴..... امام اعظم ابو حنیفہ اور علم حدیث۔

۳۱۵..... امام ابو حنیفہ حرمین کی طرف۔

۳۱۶..... امام ابو حنیفہ مدینہ کی طرف۔

۳۱۷..... امام ابو حنیفہ امام باقر کی خدمت میں۔

۳۲۳..... امام ابو حنیفہ کی احتیاط و تحقیق۔

۳۲۵..... امام ابو حنیفہ اور تدوین فقہ۔

۳۳۱..... امام ابو حنیفہ کی وفات حضرت آیات۔

خصوصیت نمبر ۶۷..... ۳۶۰

رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے

۳۶۰..... سرخ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

۳۶۰..... خراسان کے ایک یہودی پر آنحضرت ﷺ کے نام کا نقش

۳۶۱..... آسمان اور زمینوں میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے نام کے نقش

۳۶۲..... لوح محفوظ میں قلم کی سب سے پہلی تحریر اور آپ ﷺ کا ذکر

۳۶۳..... درختوں کے پتوں پر آپ ﷺ کے نام کے نقش

۳۶۴..... گلاب کی پھوٹی ہوئی پریجیب تحریر

۳۶۵..... انگوٹھ کے دانے میں لفظ محمد ﷺ کا نقش

۳۶۵..... جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام کے قدرتی نقوش

۳۶۶..... بدلوں کے ظاہر سے اوتارنے والے کی تحریر

۳۶۶..... واقعہ خضر و موسیٰ میں دیوار ادا کے خزانے کی حقیقت

۳۶۷..... سونے کی اس تختی پر عبرت سیرگلمات اور آنحضرت ﷺ کا ذکر

۳۸۷..... آویسوں اور جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام اور لکھ کے نقش

۳۸۷..... نومولود بچے کے مولود صوں پر لکھ کا نقش

۳۸۸..... ایک افتادہ پتھر پر تحریر

خصوصیت نمبر ۶۸..... ۳۸۹

رسول اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے

۳۹۰..... از سرخ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

- ۳۳۱۔ امام ابوحنیفہؒ کے خاں و عادات۔
- ۳۳۲۔ امام ابوحنیفہؒ کا حلیہ اور گفتگو۔
- ۳۳۳۔ امام ابوحنیفہؒ کی ولادت۔
- ۳۳۴۔ امام ابوحنیفہؒ کی تعلیمات۔
- ۳۳۵۔ فقیر المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ۔
- ۳۳۶۔ مہمان نوازی۔
- ۳۳۷۔ علماء اور طلبہ کی اعانت۔
- ۳۳۸۔ حجاج کی اعداؤ۔
- ۳۳۹۔ جو روئے خاں اور اہل حاجت کی امداد۔
- ۳۴۰۔ امیر المومنین فی اللہ سیدنا محمد بن اسماعیل بخاریؒ۔
- ۳۴۱۔ مجتہد الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔
- ۳۴۲۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت، نسب۔
- ۳۴۳۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت، سعادت۔
- ۳۴۴۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد۔
- ۳۴۵۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم و تربیت۔
- ۳۴۶۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تحصیل علوم کی تفصیل۔
- ۳۴۷۔ امام ابوحنیفہؒ کو اجازت تجویذ قرأت۔
- ۳۴۸۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شادی۔
- ۳۴۹۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اجازت بیعت و وفات والد ماجد۔
- ۳۵۰۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اور کس وفد رئیس۔
- ۳۵۱۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا علمی استغراق۔
- ۳۵۲۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ کا سفر حجاز۔

- ۳۹۷..... حضرت شاہ ولی اللہ کے تجاویزِ امائدہ
- ۳۹۹..... حجت الاسلام امام شاہ ولی اللہ کے تصدیق و عملی کار، موس کا خلاصہ
- ۳۹۹..... حضرت شاہ ولی اللہ اور اشاعتِ قرآن
- ۴۰۲..... حضرت شاہ ولی اللہ اور دینی قرآن
- ۴۰۲..... حضرت شاہ ولی اللہ اور شاعتِ حدیث
- ۴۰۳..... حضرت شاہ ولی اللہ کا دینی حدیث
- ۴۰۴..... حضرت شاہ ولی اللہ کے سلسلہ حدیث کی مقبولیت
- ۴۰۵..... حضرت شاہ ولی اللہ کا مقامِ عظمت
- ۴۰۶..... حضرت شاہ ولی اللہ اور حدیثِ نعمت و تحمیدِ الہی
- ۴۰۷..... حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات و حسرتِ آیات
- ۴۰۷..... حضرت شاہ ولی اللہ کے اخلاق و عادات
- ۴۰۸..... حضرت شاہ ولی اللہ کا فقہی مسلک
- ۴۰۹..... حضرت شاہ ولی اللہ کی بعض اصیتیں اور شخصیتیں
- ۴۱۰..... حضرت شاہ ولی اللہ کی تصنیفات و تالیفات
- ۴۱۱..... حضرت شاہ ولی اللہ کی شہسخت اور رب و شاعر
- ۴۱۸..... حضرت شاہ ولی اللہ کی ہول و امجاد
- ۴۲۰..... حضرت شاہ ولی اللہ کے چار صاحبزادوں کے مختصر حالات
- ۴۲۰..... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی
- ۴۲۰..... شاہ رفیع الدین محدث دہلوی
- ۴۲۱..... شاہ عبدالقادر محدث دہلوی
- ۴۲۱..... شاہ عبدالغنی محدث دہلوی
- ۴۲۲..... حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

- ۳۲۳..... طالب علمی میں خواب
- ۳۲۴..... نیک اور خواب
- ۳۲۵..... سادگی و سرفروسی
- ۳۲۶..... سخاوت و مہربان نوازی
- ۳۲۷..... بہادرانہ روی کا آئینہ
- ۳۲۸..... عرقاری کے وارث
- ۳۲۹..... اجنبی دوست و رشتہ
- ۳۳۰..... دارالعلوم دیوبند کا قیام
- ۳۳۱..... عثمان محمد علی علیہ السلام پر چند واقعات
- ۳۳۲..... زندگی کے آخری ایام
- ۳۳۳..... وفات و تدفین
- ۳۳۴..... قطب الامم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی
- ۳۳۵..... چند واقعات و کرامات
- ۳۳۶..... نماز کا شوق اور عینِ حاضری
- ۳۳۷..... طلبہ کے جوئے اٹھائے
- ۳۳۸..... پہلا حج اور کرامات کا ظہور
- ۳۳۹..... حوالات اور مصائب پر صبر
- ۳۴۰..... حرمین اور اس کے تعلقات سے محبت
- ۳۴۱..... نماز میں خشوع و خضوع کا سفر
- ۳۴۲..... نماز میں سبکی و سہولت پر عمل
- ۳۴۳..... حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی
- ۳۴۴..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کا ضبط اوقات و تنظیم کا

- ۳۵۳..... خیراتی زندگی.....
- ۳۵۵..... داخلی زندگی.....
- ۳۵۶..... کچھ واقعات و کرامات.....
- ۳۵۶..... جہاں تہذیب آئے، وہاں تہذیبی قوم ہو گئی.....
- ۳۵۸..... تفسیر کلمے میں آپ کو کتنا روپیہ ملا.....
- ۳۵۸..... دین اور دنیا دونوں میں عزتیں: دینی.....
- ۳۵۹..... تین چیزوں کی پابندی سے سوکھنے کا راز.....
- ۳۶۰..... نو مسلم کا جھوٹا پیڑ پکھڑا کر دینا.....
- ۳۶۰..... خیریت الہیہ کے ایک مستجاب اندوختہ شاعر کا واقعہ.....
- ۳۶۲..... حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے نزدیک اہل علم کی شان.....
- ۳۶۳..... ہائی تعلیمی جماعت حضرت مولانا محمد امجد علی.....
- ۳۶۳..... مولانا کا وطن اور خاندان.....
- ۳۶۵..... مولانا کی اہم خصوصیات.....
- ۳۶۹..... شیخ العربیہ کا غم حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی.....
- ۳۶۹..... کچھ اوصاف اور واقعات و کرامات.....
- ۳۶۹..... ذکر عبادت.....
- ۳۷۱..... اجتماع شریعت و سنت.....
- ۳۷۱..... عزیمت اختلاف.....
- ۳۷۲..... سادگی اور بے تکلفی.....
- ۳۷۳..... تواضع اور انکساری.....
- ۳۷۴..... قناعت و استغفار.....
- ۳۷۵..... یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو کچھ تباہ ہے.....

قارئین سے ایک گزارش..... ۴۷۶

خصوصیت نمبر ۱..... ۴۷۷

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

اکثر ہوں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۴۷۸

خصوصیت نمبر ۲..... ۴۹۳

رسول اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور وائی نمونہ عمل ہے

بہتر ہوں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۴۹۴

خصوصیت نمبر ۳..... ۵۱۱

رسول اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا

تہتر ہوں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۵۱۲

خصوصیت نمبر ۴..... ۵۱۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے

چتر ہوں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۵۱۶

آپ ﷺ کے اسمائے مبارک کی تعداد..... ۵۱۶

خصوصیت نمبر ۵..... ۵۲۷

رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیات کا حامل ہے

چتر ہوں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں..... ۵۲۸

آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اور اسکے نتائج و تعلیمات..... ۵۲۹

ماخذ و مراجع..... ۵۳۵

مؤلف کی چند دیگر کتب..... ۵۵۰



انتساب

حضورِ روزِ قنات، خراجِ شمع، رانیِ کورِ حضرت محمد ربی مصلحیؐ کے نام،
جو باعثِ تخلیقِ کائنات بن کر ایسی میں تشریف لائے اور اپنی صفاتِ انبیا سے دنیو کے گنا
لوپ اندھیراں کو بہ نون سے روشن کر گئے۔

رخِ مصلحیؐ کو دیکھتا تو پیوں نے چنا سیکھا
یہ مرمیؐ ہے مصلحیؐ کا کہ شبِ فم نے ڈھلا سیکھا
یہ زمیں رکی ہوئی تھی یہ قلبِ آہوا تھا
چلے چپ مرے کچھ تو دنیا نے چنا سیکھا

محمد، رونِ معانیؐ

عرض مؤلف

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب و مفضل حضرت محمد ﷺ کے بے شمار فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں اور انہیں زینتِ رحمت سے مزین فرمایا ہے گویا کہ آپ ﷺ سرِ سرِ رحمت ہیں، آپ ﷺ کی جملہ صفات و فضائل تمام مخلوقات کے لئے باعثِ رحمت ہیں، آپ ﷺ کی زندگی عینِ رحمت اور آپ ﷺ کا رفیعِ اعلیٰ سے ملنا عینِ رحمت ہے، الغرض آپ ﷺ جن و انس کے لئے رحمت ہی رحمت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا شہرہ بلند فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: **وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ** "اور ہم نے تمہاری خاطر تمہارے ذکر کا آواز بلند کر دیا۔"

اللہ کی قسم! بالکل ایسا ہی ہوا دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا خوب چرچا فرمایا، دنیا میں کوئی خطیب بواعظ اور نمازی ایسا نہیں ہے جو اللہ کے نام کے بعد آپ ﷺ کا نام نہ لیتا ہو اور اشهد ان لا اله الا الله کے ساتھ اشهد ان محمدا الرسول اللہ کہتا ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماءِ حسنیٰ میں سے دو مبارک نام رُفوف اور رحیم اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو عطا فرمائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ** "دیکھو! تم لوگوں کے پاس ایسا رسول آیا ہے جو خود تم ہی میں سے ہے تمہارا انسان میں پرنا اس پر شاق ہے تمہاری فلاح کا و جہل سے ایمان لانے والوں کے لئے وہ شفیع اور رحیم ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد ﷺ کو ایسی دل رہائش و صورت سے نوازا جو رہنمائی و زیبائی میں بے مثل اور انتہائی حسین و جمیل ہے اور اس سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی اس حسن و جمال میں آپ ﷺ کا شریک و کسیم نہیں۔ چنانچہ خوبصورتی کی جملہ صفات میں سے وافر حصہ آپ ﷺ کو عطا کیا گیا اور دل ربائی کی جملہ ادائوں میں آپ ﷺ کو شریک کیا گیا حتیٰ کہ مختلف قسموں کا ذوق جمالیات رکھنے والے اگر آپ ﷺ کے رخِ انور کو دیکھیں تو آپ ﷺ کی ہر ادائ اور ہر پہلو میں اپنے لئے سامانِ طمانیت پائیں اور کوئی بھی زلویہ ان کے ذوقِ پرگرائی کا باعث نہ ہو۔

خصوصیات کو مرتب کیا گیا یعنی ہر جلد میں پچیس خصوصیات شامل کی گئیں۔

یہ عظیم کتاب اب سے کئی مہینوں قبل آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جاتی لیکن تاخیر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ پیدا ہوا کہ کیوں نہ ایسا ہو جائے کہ اس مقدس کتاب کا کچھ کام صاحب خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے مقدس شہر مدینہ منورہ میں روزہ رسول ﷺ کے سامنے پیش کر دیا جائے، چنانچہ اللہ رب العالمین نے فضل فرمایا اور رمضان المبارک میں عمرے کی سعادت حاصل ہوئی تو چونکہ اس وقت تک یہ چاروں جلدوں کی کمپوزنگ ہو چکی تھی، لہذا ہندسے نے سفر میں چاروں جلدوں کا ایک پروف اپنے ساتھ رکھ لیا، اور مسلسل تقریباً ۱۲ دن تک شب و روز روزہ رسول کے سامنے میں پیش کر کتاب کو آخری ترتیب دی، یعنی کچھ کانٹ چھانٹ ہوئی، کچھ مزید اضافے ہوئے، کہیں کہیں کچھ وضاحت یا تہدات کی ضرورت محسوس ہوئی تو اسے پورا کیا گیا، اور مزید اس مقدس جگہ کی روحانیت کے نتیجے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے ذہن میں ڈالا اسے بھی ترتیب دیا، الغرض اس کتاب کی آخری مکمل ترتیب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے روزہ رسول ﷺ کے سامنے میں پیش کر مرتب کی، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم ہی سے ہوا، اور نہ ”من آثم کم من دانم“ بہر حال اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ وحدہ لا شریک کا کروڑوں بار شکر ادا کروں تو بھی کم ہے۔

اور اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے کہ اس کتاب کو مرتب کرنے میں بھی میرا کوئی کمال نہیں ہے کیونکہ یہ نہ تو میری تصنیف ہے اور نہ ہی تحقیق، لاشک یہ سب کچھ اکابرین کی کتب سے استفادے کے بعد ترتیب دیا گیا مواد ہے، اور اس بات کا میں کھلے دل سے اقرار کرتا ہوں، تا کہ کسی محترم کے دل میں کسی غلط فہمی کی وجہ سے بدگمانی پیدا نہ ہو، ہاں اللہ اس عاجز نے شب و روز محنت کر کے 300 سے زائد کتابوں کے ہزاروں صفحات کو بار بار کھنگالا اور مختلف کتابوں میں بکھری خصوصیات کو یکجا کیا، مشکل الفاظ کو جدید اسلوب میں ڈھالنے کی کوشش کی، جدید دور کے نئے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے نئی ذہنیت کے حامل مسلمانوں کے لئے زیادہ سے زیادہ آسان بنانے کی کوشش کی، اس کام کے لئے مجھے کس قدر بار یک نین اور شب و روز کی

محنت سے کام لے کر اپنا پڑا امیرِ عالم و خیرِ خدائے وحدۃ الاشتریک اس سے بخوبی آگاہ ہے، اور بے شک میری نظر بھی اسی ذات پر ہے، اور اسی ذات سے اچھے بدلے کی امید ہے، کوئی قابلِ احترام دوست مجھ گنہگار کے بارے میں کچھ بھی کہے مجھے اس کی قطعاً کوئی پروا نہیں ہے، پروا دیا فکر تو تب ہو کہ دنیا والوں سے بدلے کی امید وابستہ ہو، بس میرا اللہ مجھ سے راضی ہو جائے اس کے بعد اور کچھ نہیں چاہیے۔

اور اسی طرح اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں جیسا کہ چاروں جلدوں میں بھی جا بجا یہ وضاحت کی گئی ہے کہ خصوصیاتِ مصلحتی کو نکلنے کا مقصد نعوذ باللہ دیگر انبیاءِ کرام کی تنقیص نہیں ہے اور نہ ان کے مقام و مرتبے کو کم کرنا مقصد ہے بلکہ حیثیت صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری نبی ﷺ کو جو مقام ملا ہے امت کے سامنے اسے اجاگر کیا جائے اور امت کو تعلیماتِ نبوی ﷺ کی طرف آنے کی دعوت دی جائے بے شک جب امت اپنے نبی ﷺ کے مقام و مرتبے کو سمجھے گی تو ان کے دل میں اپنے نبی ﷺ کی محبت پیدا ہوگی اور اپنے نبی ﷺ کی سنتوں پر چلنا آسان ہوگا کیونکہ امت کے ہر فرد کی فلاح و کامرانی اب صرف اور صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کے دامن سے وابستہ ہے، لہذا ذہن میں رہے کہ اگر خداوندِ استے کسی کے دل میں دیگر انبیاءِ کرام سے متعلق کوئی سادھی منفی خیال آیا تو اس کا ایمان اس کے پاس باقی نہیں رہے گا، اور یہ بات کوئی اپنی طرف سے نہیں کہی جارہی بلکہ خود خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیمات میں اس کی تلقین کی گئی ہے، جیسا کہ مختلف مقامات پر تفصیل آپ ملاحظہ فرماتے رہیں گے انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! بندہ کما جز کی یہ کاوش آپ کے ہاتھوں میں ہے، مگر کچھ اچھا لگے تو اس گنہگار کی آخرت کی کامیابی کے لئے دعائے خیر کے ذریعہ اور اگر کچھ غامی یا کمزوری نظر آئے تو برائے مہربانی ایک گمزور اور ناقص مسلمان سمجھتے ہوئے معاف کر دیجئے گا اور اگر رہنمائی ہو جائے تو ایک بہت بڑا احسان ہوگا، آپ کے مشغول کا دلی خیر مقدم ہے کیونکہ بندہ رہنمائی اور مشغول کا طالب اور پیاسا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اور اب ضروری ہے کہ اپنے ان تمام مہربانوں کا شکریہ ادا کروں کہ جن حضرات نے مجھے مشورے دیئے، میری رہنمائی اور حوصلہ افزائی فرمائی، جن میں سرِ دست میرے استاذِ محترم میری

ماہ علمی جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے قدیم استاد اہل بیت حضرت مولانا محمد انور بدشتی صاحب مدظلہ ہیں کہ استاد محترم نے اس کتاب کے لئے ٹرسٹ قائم کیا تحریر فرما کر مجھ عاجز کے سر پر دست شفقت رکھا۔

اسی طرح شکریہ ادا کرتا ہوں، استاد محترم جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاد اہل بیت حضرت مولانا مفتی عبدالکبیر دین پوری صاحب مدظلہ العالی کا کہ حضرت استاد محترم نے باوجود شدید مصروفیات کے بندے پر شفقت فرماتے ہوئے تقریظ تحریر فرمائی۔

اور میرے مشفق استاد کہ جن کی شفقت کے سائے تلے میں نے جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی میں آٹھ سال کے شب و روز گزارے، استاد اہل بیت اور عظیم تعلیمات جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی حضرت استاد العلماء مولانا اعجاز الرحمن صاحب مدظلہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ حضرت استاد صاحب نے بھی اس کتاب کے حوالے سے میری دوسلا افزائی فرمائی اور قیمتی مشورے دیئے۔

پھر سی طرح استاد اہل بیت دارالعلوم کورنگی کراچی حضرت استاد العلماء مولانا عزیز الرحمن صاحب مدظلہ کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے، کہ حضرت مدظلہ نے میرے کام کو خوب پسند فرمایا، میری دوسلا افزائی فرمائی اور بہت سے اچھے ایجنے مشورے بھی دیئے، اور اسی طرح میں خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے استاد حضرت مولانا مفتی بدشتی احمد صاحب بالاولیٰ مدظلہ کا کہ جنہوں نے میری گزارش پر ایک جامع اور مانع تقریظ تحریر فرمائی اور بہت سی باتوں کی بڑے اچھے انداز میں وضاحت فرمائی، اور بہت سے قیمتی مشورے بھی دیئے۔

اسی طرح شکریہ ادا کرنا ضروری ہے برادر کبیر جلد۱۱ علوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی کے فاضل، مشہور خطیب اور ایک رسالے کے مدیر حضرت مولانا حافظ محمد اصغر کمالوی صاحب کا کہ جنہوں نے میری کتاب کے لئے تقریظ بھی تحریر فرمائی اور کتاب شروع کرنے سے لے کر آخر تک دقتا و تھان کے مشورے بھی میرے شامل حال رہے، دعا و اذہن

مفتی صفیر احمد صاحب، مفتی عمر انور بدایونی صاحب، مفتی وقاص احمد صاحب، مولانا محمد سفیان بلند صاحب، مولانا شید احمد صاحب، حضرت مولانا حمید اللہ صاحب علیہ رحمۃ اللہ، مدرسہ عربیہ قاسم العلوم میرپور خاص، مکتبہ یوسفیہ کے مالک، برادر کبیر جناب حضرت مولانا محمد یوسف کھوکھر صاحب، استاذ اللہ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم اور مولانا محمد عمران سردار صاحب، استاذ مدرسہ عربیہ قاسم العلوم، ان حضرات کا بھی شکریہ ادا کرنا ہوں، بے شک ان حضرات کا مجھ پر احسن ہے کہ مختلف موقعوں پر ان سے بھی مجھے مفید مشورے ملتے رہے اور ان کا تعاون میرے شغل حال رہا میری دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے اس تذکرہ اور تمام پر مشغول معاونین کو دونوں جہانوں کی خوشیوں نصیب فرمائے، آمین۔

اس کے علاوہ بھی میں دیگر ان تمام اصحاب کا شکریہ ادا کرتا ہوں، مکہ جنہوں نے اس کتاب کی ترویج میں لے کر کچھ دن تک اور کتاب کی اشاعت تک میرے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون کیا، خصوصاً دارالاشاعت کراچی کے مالک جناب ضلیل اشرف عثمانی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے میری تمام کتابوں کو انتہائی اہتمام کے ساتھ شائع کر کے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان تمام اصحاب کو دونوں جہانوں کی شادمانیاں نصیب فرمائے۔ آمین!

اور میں اپنے اللہ وحدہ لا شریک کی بارگاہِ قدسی میں دست بدعا ہوں کہ وہ ذات پاک اس کتاب کو میری پہلی کتابوں کی طرح منید اور کاہنہ بنادے اور ہم سب کو طوالتِ نیت کے ساتھ دین کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اور تمام قارئین سے بھی درخواست ہے کہ وہ مجھے میرے والدین، اساتذہ کرام کو اپنی خصوصی دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں، اور اگر آپ کو اس کتاب میں کوئی غامی اور کمزوری نظر آئے تو ضرور آگاہ فرمائیں، آپ کا بہت شکریہ ہوگا۔ آپ کے ہر مشورے کا وہی خیر مقدم ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا عطا فرمائے۔ آمین!

واسلام آپ کا خیر اندیش محمد بارون معاذیہ

فضل جلد۱ معلوم، سنا میہ علامہ محمد یوسف غوری کی ناکھ کراچی

ساکن میرپور خاص سندھ

تقریظ

از حضرت استاذ العلماء مولانا محمد انور بدخشانی صاحب مدظلہ العالی

استاذ الحدیث جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرت پر پہلی صدی ہجری سے لے کر گزشتہ چودہ صدیوں میں ہزاروں کتابیں اور لاکھوں مضامین و مقالات لکھے جا چکے ہیں، جن کا احاطہ کرنے کے لیے مستقل کتابیات اور فہرستیں تیار کی گئی ہیں، اگر اس پورے ادبیات سیرت کا اندازہ لگایا جائے تو شاید تاریخ انسانی میں کوئی دوسری شخصیت ایسی نہیں جس پر اس قدر اور ہمہ پہلو مواد تیار ہوا ہو، بلکہ یوں کہا جائے کہ سیرت کا موضوع محققین اور محبین و عاشقین کے لیے ایک مستقل میدان تحقیق و تصنیف بن گیا، خود متعلقات سیرت اس قدر متنوع اور وسیع ہیں کہ ان کا احاطہ کرنے کے لیے الگ کتابی جائزے کی ضرورت ہے، سیرت طیبہ کے ان مراجع و مصادر پر توجہ کریں تو ایک جہان سیرت اپنی تمام تر وسعتوں کے ساتھ ہمارے سامنے ہے، سیرت نبوی کے ماخذ پر غور کیا جائے تو درج ذیل سولہ علوم و فنون اس کا سرچشمہ ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے مقام پر اہم ہے:

- ۱۔ قرآن مجید ۲۔ کتب تقاسیر ۳۔ کتب تاریخ ۴۔ کتب شامل نبوی ۵۔ کتب دلائل النبوة
- ۶۔ کتب شروخ احادیث ۷۔ کتب احادیث، خطبات، مکاتیب، معاجزات، دستاویزات،
- ۸۔ کتب آثار و اخبار ۹۔ ظہر و خرائط سیرت ۱۰۔ کتب نعت رسول ۱۱۔ کتب انساب ۱۲۔ کتب
- ہجرات ۱۳۔ کتب تاریخ حریمین ۱۴۔ کتب اسما و رجال ۱۵۔ ادب عربی ۱۶۔ سفرنامہ حریمین
- سیرت النبی کے مطالعے کا شوقین جب آگے بڑھ کر دیکھتا ہے تو اس موضوع پر

کتاہوں کی کثرت اس کو اور حد حیرت میں ڈال دیتی ہے کہ گذشتہ چودہ سو سال سے مسلسل لکھا جا رہا ہے مگر ہنوز روزوں کا معاملہ محسوس ہوتا ہے اور یہ بذات خود امتیازات سیرت کا ایک صمیم اور حیران کن باب ہے درحمت عالم کی ذات و سیرت سراپا امتیاز ہے، صحیحین میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ نے از خود پانچ درجہ ذیل امتیازات گنوائے، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے پانچ ایسے امتیازات دیئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں ملے (۱) ابھی ایک، وہ کی مسابقت باقی ہو کہ دشمن پر میرا عیب طاری ہو جاتا ہے (۲) ساری رات زمین میرے لئے اور میرے امتی کے لیے سجدہ و ریا کز و بناوی گئی ہے موجود و جوں جو ہے نماز پڑھ سکتا ہے (۳) قسمت کاٹاں میرے لیے حلال کر دیا گیا ہے جو پہلے کسی پر حلال نہیں تھا (۴) مجھے شفاعت کا حق عطا کیا گیا ہے (۵) پہلے انبیاء اپنی اقوام کے لیے خاص ہوا کرتے تھے مگر میں ساری دنیا کے لیے نبی ہو کر آیا ہوں۔

رسول اللہ کے خدائیں امتیازات پر عربی زبان میں کافی کتابیں ہیں جن میں امام جلال الدین سیوطیؒ کی "انصاف الکبریٰ" اور حافظ ابن قیمؒ کی "ازاد المعاد" سرفہرست ہیں، اس کے علاوہ ابو نعیم سیبانیؒ کی "دلائل اللہ" بھی اس موضوع پر مشہور کتابوں میں سے ہے، فقاری زبان کے مشہور شاعر اور صوفی بزرگ عالم مولانا جامیؒ نے فارسی میں "شواہد نبوت" کے نام سے ایک مستحق کتاب لکھی جس میں تمہوں نے حضور ﷺ کے وہ امتیازی ہوصاف و حضور کی ذات مبارکہ میں پائے جاتے ہیں مسات الملک الملک عنوانات کے تحت بیان کئے ہیں، اردو زبان میں حضور ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات پر ایک مستحق اور مفصل کتاب کی ضرورت عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی، اس کی کوہارے بامعہ علوم اسلامیہ علامہ بخاریؒ ہاؤن کراچی کے ہونہار نوجوان فاضل مولوی محمد بارون معاویہ نے بخوبی پورا کیا اور انتہائی محنت کے بعد مختلف کتابوں سے مواد منتخب کر کے چار ضخیم جلدوں میں پیش کر دیا ہے، میں اس کتاب کا تفصیلی مطالعہ تو نہ کر سکا لیکن موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہ کہہ کر حق قابل عذر نہیں ہوتا اس میں نہ ہوگی، فاضل موصوف زمانہ غالب علمی سے ہی

جامعہ میں تقریری و تحریری مرکزوں میں پیش کشیں رہے اور اب میرپور خواہ میں دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ نیز اس سے قبل بھی مختلف موضوعات پر نئی تقریریں تیار و کتابیں طبع ہو کر اہل حق تعالیٰ میں حاصل کر چکی ہیں۔ "نا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نفع کی اس محنت کو منظور بھی کرے۔ ظیف قیوں فرمائے اور ہم سب کو آنحضرت ﷺ کی سیرت و سنت پر چلنے والا بنائے۔ آمین۔"

(حضرت استاذ اعلم، مولانا محمد انور بدخشانی (صاحب مدظلہ العالی)

استاذ المحدث جمعۃ العلوم "ملا یہ عالم محمد یوسف بنوری" کا نیا کرچی

تقریظ

از استاذ العلماء حضرت مولانا مفتی عبد المجید دین پوری صاحب مدظلہ العالی
 نامہ رئیس دارالافتاء و استاذ الحدیث جلد۱ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی
 سیرت کا موضوع سبب بہارِ گمشدہ کی طرح ہے جس کا ہر پھول اپنی جگہ اہم ہے۔ یہ گل
 چمن کا ذوق ہے کہ وہ کس پھول کو چتا ہے۔ لیکن جو پھول چٹنے سے رو جائے وہ ہرگز چٹنے
 والے پھول سے غیر اہم نہیں۔ سیرت کا موضوع انتہائی متنوع ہے۔ قدم قدم پر جدید اپنے
 پائے بہت سے محدثین نے اسے موضوع بحث بنایا ہے اور ہر مصنف نے اسے ایک نیا
 اسلوب دیا ہے۔ ”خصوصیات مصطفیٰ ﷺ“ ایہ موضوع ہے جس پر عربی میں بہت بڑا ذخیرہ
 موجود ہے اور اردو میں اگرچہ سیرت نبوی ﷺ کا ذخیرہ عربی سے کسی طور پر کم نہیں۔ اور متفرق
 طور پر یہ موضوع کسی حد تک اس میں پایا جاتا ہے لیکن اسی موضوع پر یکجا طور پر قاطبِ قدر
 ذخیرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ عزیز محترم مولانا ہارون معاویہ زید علیہ کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے
 چار ضخیم جلدوں میں تصنیف کر کے اردو کے دامن کو اس موضوع سے مالال کر دیا۔ کتاب کی
 اجتماعی فہرست پیش نظر ہے۔ فہرست کے عنوانات سے موضوع پر جامعیت کا اندازہ ہو جاتا
 ہے۔ عزیز موصوف نے بندہ ناچیز سے کچھ قیسے کی فرمائش کی، بندہ قیسے لکھانے کفن سے
 نااہل ہے۔ پھر بھی صاحب خصوصیات ﷺ کی محبت کے تقاضے اور اس پر شفا صمد مصطفوی ﷺ
 کے حصول کی امید پر چند سطروں خواہ قرطاس کر دی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ عزیز موصوف کی اس کاوش کو قبول فرما کر ہم سب
 کے لئے ذخیرہ آخرت بنادیں، آمین)

(حضرت استاذ العلماء مولانا مفتی عبد المجید دین پوری (صاحب مدظلہ العالی)

نامہ رئیس دارالافتاء و استاذ الحدیث جلد۱ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

تقریظ

از حضرت مولانا مفتی رفیق احمد صاحب بالاکوٹی مدظلہ العالی

استاذ جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف انوری ناؤن کراچی

﴿الحمد لله حمدا كثيرا طيبا مباركا فيه مباركا عليه كما يحب ربنا ويرضى والصلوة والسلام على حبيبه المصطفى ورسوله المجتبیٰ علی الہ وصحبہ وعشرته واهل بيته الاطهار الاتقياء وعلى كل من يهديهم اهتدى. اما بعد! فساعدوا الله من الشيطان الرجيم، بسم الله الرحمن الرحيم هوامزسلنگ الارحمة للعلمين﴾ ترجمہ اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر۔ (انور الایمان مولانا مفتی امجدی مدظلہ العالی)

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام مخلوق میں سب سے اعلیٰ و افضل شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان میں بھی فضل و کمال کے مختلف درجات رکھے ہیں بعضوں کو دوسرے بعض پر مختلف حیثیات میں فضیلت سے نوازا، بعض کو انوار العزیز کا خاص اعزاز بھی عطا فرمایا پھر ان تمام برگزیدہ ہستیوں کے فضائل و کمالات کو ایک ہستی میں یکجا فرمادیا، یہ ہستی مجمع فضل و کمال، سید الانبیاء، مقصود الخالق، سید الکونین، اشرف الرسل، شفیع الامم، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین ﷺ کی ذات اطہر ہے، جو عالمگیر نبوت کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

عالمگیر نبوت آپ ﷺ کی منفرد خصوصیات میں سے اولین خصوصیت شمار ہوتی ہے، آنحضرت ﷺ اپنی ذات اور صفات میں بے پناہ خصوصیات کے مالک ہیں جو منضبط

یا منتشر انداز میں تقریباً احادیث و سیرت کی ہر ہر کتاب میں موجود ہیں، تاہم باقاعدہ عنوان کے تحت میری ناقص معلومات کے مطابق اپنے موضوع کی جامع دستاویز کتاب، مؤرخ صدیقی جرحی کے مشہور مضمون وحدت نامہ جس میں مولانا محمد علی (۱۸۶۹ھ-۱۹۱۱ھ) نے ترتیب دی، جس میں آنحضرت ﷺ کی بڑی بڑی خصوصیات و تقریرات ایک سو پچاس باب کے تحت ذکر فرمایا ہے، اس کتاب میں تنبیح و استقراء کے طور پر چیدہ چیدہ و دستاویز خصوصیات و معجزات تقریباً ۱۰۰ فرمادیئے گئے ہیں جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی اور سستی شریک نہیں، علامہ سیوطی نے اس کتاب کا نام "کشفایہ الطائب اللیب فی خصائص الحیب" رکھا، جو بعد ازاں "الحکم النکبریٰ للسیوطی" کے نام سے مشہور ہوا، استدلال کوئی عرب و عجم کے مختلف منابع متعدد بار اس عظیم کتاب کی اشاعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں، اور مختلف بلاد میں مقامی زبانوں میں اس کتاب کے ترجمے بھی ہو چکے ہیں۔

اس کتاب اور اس خاص موضوع کی دستاویز پر خدمت پہ بھی آنحضرت ﷺ کی خصوصیت و کرامت ہے، اسی کرامت و خصوصیت کا تسلسل کہیں یا مظہر، یہ زیر نظر مجموعہ بھی ہے جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس مجموعہ میں بھی علامہ سیوطی کی بیرونی و افتاء سے باوصف ہوتے ہوئے منفرد مصطفیٰ ﷺ کی ایک سو (۱۰۰) منفرد خصوصیات و امتیازات کو جمع فرمایا گیا ہے۔

یہاں پر روایت ہندی کے خاطر میں لیکن ہے یہ کہا جائے کہ علامہ سیوطی کی خصوصیات کبریٰ جو اپنے اور ترجمہ کے ساتھ بھی ہمارے پاس دستیاب ہے تو اس عظیم کارنامہ پر مزید کسی اضافہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس حوالہ سے صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کافی ہے کہ قرآن کریم اور سیرت طیبہ یہ دونوں ایسے موضوعات ہیں کہ ان موضوعات کی جس انداز سے جن پہلوؤں سے جتن بھی خدمت کی جائے، وہ کافی وافی نہیں کہہ سکتی، یہ بھی قرآن کریم اور حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت میں سے ہے۔

تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ حضور ﷺ کے خصوصیات پر عربی کتب کے اردو تراجم میں

سلاست و روانگی کی تشنگی کا احساس باقی رہتا ہے، اس لئے اس موضوع پر سلیس و رواں انداز میں خدمت کی ضرورت زبان، لہجہ اور تعمیرات میں رونما ہونے والے تعمیرات کی وجہ سے محسوس ہوتی رہے گی، موجودہ دور کی اسی ضرورت کے تحت ہمارے جامعہ کے ایک فاضل مولانا محمد ہارون معاویہ حفظہ اللہ تعالیٰ نے اپنی یہ تالیفی کوشش پیش فرمائی ہے۔

مولانا محمد ہارون صاحب ہنوری ٹاؤن کے سابق طالب علم جو اب فاضل کہلاتے ہیں، طالب علمی کے زمانہ میں جامعہ میں تقریر و بیان کے میدان کے شہسوار ہونے کی حیثیت سے شہرت و تعارف کے حامل رہے اور تقریری مقابلوں و مسابقوں میں سبقت سے ہمکنار ہوتے رہے ہیں، زمانہ طالب علمی ہی سے انہیں تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر سے بھی قلبی و عملی لگاؤ ہو چکا تھا فراغت کے بعد تحریری میدان میں بھی موصوف نے نہ صرف یہ کہ اپنی سابقہ نمایاں شناخت باقی رکھی بلکہ موجودہ دور کے کثیر التالیف مصنفین کی صف میں شامل ہو چکے ہیں، موصوف فراغت کے بعد چند ہی سالوں میں ایک درجن سے زائد کتابوں کی جمع و ترتیب کا اعزاز حاصل کر چکے ہیں۔

مولانا محمد ہارون معاویہ صاحب کی حالیہ تالیف ”خصوصیات مصطفیٰ ﷺ چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔

جس میں آپ ﷺ کی امتیازی خصوصیات اور کمالات سے بحث فرمائی گئی ہے، کتاب کا مکمل مسودہ تو ہمارے سامنے نہیں ہے البتہ مؤلف موصوف نے مسودہ کی فہرست کے کچھ صفحات بطور تعارف کے پیش فرمائے تھے، فہرست کے مطالعہ سے اور خود مؤلف کی زبانی کتاب کا قدرے کفایت جو تعارف ہوا، اس سے کتاب کی افادیت، موضوع سے مناسبت اور امتیازی حیثیت و اہمیت کا جو صحیح اندازہ ہوا وہی اس بات کا داعیہ بنا کہ آنحضرت ﷺ کے سیرت طیبہ کے امتیازی پہلو کی اس عظیم خدمت میں ہمارا بھی معمولی حصہ ہو جائے اور حضور ﷺ کی شفاعت نصیب ہو جائے ﴿اللہم ابلغنا بغیتنا بمنزل لہ صلی اللہ علیہ وسلم لدیک﴾

آنحضرت ﷺ کی امتیازی خصوصیات و کمالات چونکہ اس کتاب کا موضوع ہے اس لئے ایک اصولی بات کی یاد دہانی بھی اس موقع پر نہایت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اہل نفس و دماغ میں سے کسی صاحب فضل و کمال کی خصوصیت اور امتیازی شان کو بیان کرنے میں اولاً تو "مقابلہ" کا انداز ہی اختیار نہیں کرنا چاہئے، اگر کسی ہستی کے درجہ و درجہ کو کافی مثالوں ہی سے بیان فرمایا جائے تو پھر الفاظ و تعبیرات کا چناؤ ایسا ہونا ضروری ہے کہ کسی ہستی کی تفصیل و تحریم کسی دوسری ہستی کی تفصیل و تحریم کا مظہر نہ ہو، ورنہ یہ عمل خیر اپنی اصلیت سے جدا ہو کر موافقہ و انحراف کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ اعلاہ الذی من ذلک۔

ہمارے مؤلف موصوف نے اس اصول پر کاربند ہونے کا بھرپور اطمینان دیا ہے، اور ہمیں بھی موصوف کی گزشتہ کارکردگی کے تناظر میں احتیاط و ذمہ داری کو ملحوظ کا حسن ظن ہے، ہاں حسن ظن کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے قبل مؤلف موصوف نے اپنی ہر کتاب کے جس مواد میں اپنی اختراعات اور تعبیرات سے زیادہ اپنی کتابوں کے مراجع و ماخذ یعنی اسلاف کی کتابوں کے مواد پر انحصار کیا ہے جو یقیناً اعتماد و اور استناد کی ضمانت کی حامل ہیں۔

اسلاف کی کتابوں پر انحصار میں مؤلف موصوف نے جس دیانت داری اور امانت داری کا ثبوت دیا ہے، اس سے مؤلف کی شخصیت اور ان کی تائیل خدمت کو بھرپور اعتماد کا فائدہ حاصل ہوگا، انشاء اللہ، کیونکہ ہمارے اس دور میں اس نوعیت کے مرتبین و مؤلفین عام طور پر "سرقہ غنیبہ اور علمی خبیثت" جیسے القاب و الزمات کے لئے بجا طور پر محل و مورد بنے ہوئے ہیں، جنہوں نے بزرگوں کی باتوں، ذاتیات اور مکاتبات بلکہ ہمارے کے ہمارے مضامین و مقالات کو اپنی تالیفات کے بھوکے پیٹ بھرنے کے لئے "من دین" مقلد کر دینے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں فرمائی، ہاں اتنا ضرور کیا کہ جہاں ان بزرگوں نے اپنا اپنے بزرگوں کا نام نہ لگایا ہوا تھا وہاں ہمارے بعض جدید مؤلفین نے اپنا اور اپنے کسی بزرگ کا نام نہ لگایا، پھر حاکم اور مشکم کے مصنفوں پر اکتفا فرمایا۔

چروکی اور بددیانتی کی اس ناخوشگوار فضا میں اگر کوئی عالم دین و پوری امانت و دینی دینندہ دینی اور سچائی کے تقاضوں کے ساتھ کوئی تالیفی خدمت منقرعہ م پر لائے تو یقیناً وہ قہسین تشیع کا مستحق ہے۔ میرٹ طیبہ کی خدمت سے ادنیٰ تعلق کے تعلق کے بعد یہ امر باہت ہے کہ یہ چندہ طریق تحریر ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مصوف کے علم و عمل میں مزید برکت اور ترقی نصیب ہو، ان کی دینی خدمات کو ان کے نئے ان کے اساتذہ کرام اور والدین گرامی کے لئے ذخیرہ آخرت اور وسیلہ نجات بنائے اور ہم سب کے لئے مراوط مستقیم پر چلنے آسان فرمائے، اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل کام نہیں، بہت آسان ہے ہر مفسر کی توفیق و قبولیت اسی کے پاس ہے۔ ﴿وَصَلَّى اللہ علی النبی الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین﴾

(حضرت مولانا مفتی) رفیق احمد بامکونی (صاحبہ مدظلہ العالی)

استاذ جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف عثمینی مدظلہ العالی

تقریظ

محترم مولانا حافظ محمد اصغر کرناؤی صاحب مدظلہ العالی

ناظم اعلیٰ، مسجد الارشاد الاسلامی (مہاراجہ کی مسجد) صدر کراچی

فاضل، جامعہ العلوم الاسلامیہ علامہ محمد یوسف عذری ناؤن کراچی

رسالت مآب ﷺ کی سیرت طیبہ اور اسوۂ حسنہ پر زمانہ نبوت سے اہل دانش و اہل قلم اور علماء امت مسلسل لکھتے آ رہے ہیں، اور صبح قیامت تک لکھتے ہی رہیں گے، چونکہ بعد از خدا آمت کے درتیم ہی کا مقام ہے۔ اسی بنا پر لکھا گیا۔

بعد از خدا بزرگ تو ہی قصہ مختصر

حال ہی میں ایک دانشور کی تحریر مطالعہ سے گزری جس میں موصوف نے سیرت مصطفیٰ ﷺ پر لکھی جانے والی کتب کی تعداد تین ہزار سے زائد بتائی ہے، جس میں پچاس کتابیں فقط طبع مبارک سے متعلق ہیں، چنانچہ کئی کئی جلدوں پر مشتمل ضخیم کتابیں تاجدارِ مدینہ راحت قلب و سینہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت و اخلاق حسنہ کی عکاسی کر رہی ہیں، آپ ﷺ کی سیرت پر تحریر شدہ کتب کی تعداد اس قدر زیادہ ہونے پر حیرت کی بات نہیں چونکہ آپ ﷺ کی سیرت کا طویل باب ہے جس کا بین نبوت صدیقہ بنت صدیق اہل عائشہؓ کا فرمان ہے کہ پورا قرآن آپ کا اخلاق ہے۔ خداے بزرگ و بڑتر کے بعد سب سے اونچی سستی اور اس دنیا کی آخری نسل تک کے لئے ہادی و رہبر سرِ دارِ انبیاء، خاتم النبیین ﷺ ہیں جس کے روشن چہرے اور بکھری زلفوں کی قسمیں خود خالق ارض و سما نے مقدس کلام میں اٹھائی ہیں یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز فرمایا کہ اسے پیغمبر میں نہیں وہ کچھ دوں گا کہ تو راضی ہو جائے گا، یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، نیز قرآن میں وردِ عسا لک ذکر فرما کر آپ ﷺ کا نام ہمیشہ کے لئے بلند و بالا کر دیا اور پھر آپ ﷺ کے نام کا چناؤ بھی ایسا ہوا کہ منکر بھی آپ ﷺ کا نام (محمدؐ) لے تو باعتبار حق خود بخود آپ ﷺ کی تعریف و توصیف ہو جائے یہ بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، ہاں یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے کہ ساتوں آسمانوں پر حضرات انبیاء نے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ ﷺ کے لئے

عرش کے دروازے کھلے پھر آپ کو صوب کا مکتب ملا اور خود اندھلی نے آپ سے گفتگو فرمائی۔

چنانچہ یہ اس باعثِ مسرت ہے کہ فاضلِ نجوم نے عزیزِ مولا امام محمد باقرؑ کو عادیہ نے
خواجہ فاضل اور زیدی خدمت کے احسان کے تحت اپنی برحق جگہ کی ہم اہم خصوصیات کو بھیجا
کر کے کاغذِ مضمحلہ کیا اور چار ہندوں میں آپ کی موصوفیات جمع کر دیں۔

مولانا محمد باقرؑ نے عادیہ سے سداۃ تعالیٰ والہامہ بکھڑا کر کے ماموں زاد بھائی میرزا علی نقی
معروف زیدی اور محمد جامعہ صومرا اسلامیہ ملا۔ بخاری ہادیوں نے اپنی سے سندِ قرنت عہدِ صلح کی
سے زہدِ طالبِ علمی سے فی ثمرہ و تقریر و کتب - ملاف کا مطالعہ موصوف کا محبوبِ مشغلہ رہا ہے
اور زہدِ حدیث اگلے سال - تہذیب و تہذیب یہ ان تالیف میں کہ مرکز الہامیہ تحریر (۱۳) کتب شائع
دارِ مفسرِ امام پر تھیں ہیں چنانچہ - میدانِ تالیف و تصنیف کے شعیب و فاضل نے غزلی آقا کی
ماتیں کرنے سے بعد خصوصیات کے لئے فکرِ انہماک ہے یہ چار ہندوں پر مشتمل آپ کی جگہ کی
.. خصوصیات کا نو ہفتہ درجہ ذیل درجہ اول شریعت ہے اس کی تشریح خصوصیات سے چاہی گئی ہے کہ
موصوف کو لکھنے سے حسبِ خصوصیات ہے کہ وہ خدا غیب کے سامنے بیٹھ کر نہ سکتا صفات
تحریر فرمائے ہیں - دستِ کار میں دو اہلِ مطالعہ محسوس بھی تحریر کے ہیں - ہم خود بھی ہوں
گئے رہا آپ اس کتاب میں آپ کی عقلمندی (تفہیم) کی .. خصوصیات کو بڑھ سکتے ہیں
جس کے عام وہ ہیں - اس بھی بالتفصیل مضمون ہیں .. ان پر لانا شروع دیکھائی کتاب بھی
ہو جو مضمون ہے تحقیق یہ ہے کہ اس قبیلہ خودخوان نے اپنی عمر میں میں بہت بڑا کام کر دیا
ہے یہ محض فاضل کا کائنات ہی کی نعمت و نوازی ہے۔

واقعہ الحروف نے چاروں ہندوں پر ان ہزاروں لکھوں ہے - نتیجہ اسے خود بخود پتا ہے
.. محمد اللہ ایک جامع اور مفرد کام کی ہے ہرگز و حدیث کی دستِ ہماہور کے رہا اہلِ مال
موصوف کی شبِ روزی اس کا شرفِ قدسیت ہے - ہر صفتِ محنت و مشق سے اسے یہ
فرماے اور خود ان کے لئے اور ہمارے پر ہے خدا ان کے لئے فرما رہا ہے کہ اسے اور اہلِ علم
و علمت - اس کو اس سے مستثنیٰ فرما ہے - شیعہ و سنی ہیں۔

مولانا محمد باقرؑ نے زیدی امامیہ سے تعلق رکھتا ہے

ناتمام صحیحہ اور اس کے بعد اپنی اپنی صمدیہ اور اپنی

ہے، ان دونوں صدائقوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی تشریح کی ضرورت ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت انبیاء کرام تمام کمالات نبوت و فضائل اخلاق سے یکساں مرفراز تھے زمانہ اور ماحول کی ضرورت اور مصداق الہی کی بناء پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور تمام انبیاء میں یکساں نہیں ہوا بلکہ بعض کے بعض کمالات اور دوسروں کے دوسرے کمالات نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانے کے حالات کے لحاظ سے کمال نے اظہار کی ضرورت ہوئی وہ چوٹی شہادت سے ظاہر ہو، دوسرے کمال کا جس کی اس وقت ضرورت پیش نہیں آئی، یہ محکمات یہ منہر ظاہر نہیں ہوا۔ حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے قیور کے لئے مناسب موقع و محل کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہوتا اس سے کسی کمال کے جو انہی ضعیف ہوتی ہے، اس لئے اگر بعد مضرورت حال ان انبیاء کرام کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (انھوں) ہند) ان کمالات و فضائل سے متصف نہ تھے۔

غزوہ بدر کے قیدیوں کے ہاں میں حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب فد یہ لے کر بنو کے چھوڑنے کا اور حضرت عمرؓ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تو آنحضرتؐ نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت و رحمت میں لوگوں کے قلوب مختلف بنائے ہیں۔ اے ابو بکر! تمہاری مثال ابراہیم و یحییٰ کی۔ اور۔۔۔ عمر! تمہاری مثال نوح اور موسیٰ کی ہے۔ یعنی ایک فرقہ سے رحم و کرم کا اور دوسرے سے شدت کا اختیار ہوا۔

(ابو جعفر محمد باقر عظیمی)

اس حدیث میں اسی نقطہ اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو انبیاء کے مختلف احوال و حالات میں رونما ہوا ہے، لیکن حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نبوت پر نہ کہ فخری اور عمومی تھی اس لئے ضرورت احوال آپ ﷺ نے تمام کمالات نبوت آپ ﷺ کی زندگی میں عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے اور آپ ﷺ کی نبوت کے تمام عالم ناب کی ہر گونہ دنیا کے لئے مشعل

ہدایت بنی اور خلعت کدہ عالم کا ہر گوشہ آپ ﷺ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پُر نور ہوا۔ اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار میں ایسا پہلو (نمودہ باللہ) پیدا نہ ہونے پائے جس سے دوسرے انبیاء کی توہین یا کسر پیدا ہو، اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے۔ (حوالہ سیرت النبی ﷺ جلد اول)

ایک ضروری وضاحت

علامہ سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو دوسرے انبیاء کے مقابلے میں جو خصوصیات اور فضیلتیں دی گئیں اسکے نتیجے میں بقیہ تمام انبیاء میں معاذ اللہ نقص اور خامی ثابت ہو جاتی ہے، ہر مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے نبی ﷺ بغیر استثناء تمام دوسرے انبیاء کرام سے افضل ہیں، مگر اس عقیدے کی وجہ سے کسی نبی کے حق میں کوئی نقص اور خامی ثابت نہیں ہوتی، اس اعتراض کا جواب بھی دینے کی ضرورت نہیں تھی مگر میں ڈرتا ہوں کہ اگر کوئی جاہل آدمی یہ اعتراض سنے گا تو وہ کہیں آنحضرت ﷺ کی ان تمام خصوصیات سے بی انکار نہ کر دے جن کی وجہ سے آپ ﷺ کو دوسرے تمام انبیاء پر فضیلت حاصل ہے، جاہل آدمی یہ سوچ سکتا ہے کہ چونکہ ان خصوصیات کو ماننے کی وجہ سے دوسرے انبیاء میں خامیاں ثابت ہوتی ہیں لہذا آپ ﷺ کی خصوصیات سے بی انکار کر دیا جائے، اس کے نتیجے میں پھر وہ شخص میا ذی اللہ کفر و گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا (اس بناء پر اس اعتراض کا جواب دینا ضروری سمجھا گیا) یہاں تک علامہ سیوطیؒ کا حوالہ ہے)

مقدمہ الکتاب

خصوصیات مصطفیٰ ﷺ جلد سوم

قابل احترام قارئین! خصائص مصطفیٰ ﷺ کی جلد سوم شروع ہونے سے پہلے جلد اول اور جلد دوم کی طرح یہاں بھی ایک مقدمہ پیش کیا جا رہا ہے، جس میں نبوت اور رسالت کے بارے میں تفصیل پیش کی جا رہی ہے مثلاً نبوت اور رسالت کے بارے میں قرآن کیا کہتا ہے اور نبوت و رسالت کا کیا مقام ہے اور خصوصاً دیگر انبیاء کے بعد ہمارے نبی ﷺ کو جو نبوت و رسالت عطا ہوئی اس کا مقام و مرتبہ کیا ہے، چونکہ ہماری کتاب کا موضوع رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات کو واضح کرنا ہے تو موضوع کی مناسبت سے مطلقاً نبوت و رسالت کو جاننا ضروری ہے، چنانچہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ذیل کا مقدمہ ترتیب دیا گیا ہے، جو خصائص مصطفیٰ ﷺ کی جلد سوم میں پیش کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ دیگر خصوصیات کی طرح اس مقدمے کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا انشاء اللہ، لہذا لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

نبوت و رسالت کی وضاحت و تفصیل

رسالت اور نبوت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں، رسالت و نبوت کے معنی "سفارت" اور پیامبری کے ہیں، رسالت اور نبوت ایسی سفارت کو کہا جاتا ہے، جو حق تعالیٰ شانہ نے انسانوں تک اپنے تشریف کی احکام پہنچانے اور اپنی راہ پر انہیں گامزن کرنے کے لئے قائم کی بعض کے نزدیک رسالت اور نبوت میں معمولی سا فرق ہے، اسی بناء پر ان کے ہاں رسول اور نبی کی تعریف میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

حق تعالیٰ نے رسالت و نبوت کا سلسلہ جاری فرما کر انسانوں پر بہت بڑا احسان کیا، رسالت و نبوت کے ذریعے انسان کو اصل اور نقل کا اندازہ ہوا، کھرے اور کھوٹے کی تمیز ہوئی، حق کی روشنی ملی اور جہالت کا اندازہ ہوا، حق کے فوائد سے شناسائی ہوئی اور باطل کے نقصانات سے آگاہی ہوئی، نفع نقصان کی الگ الگ پہچان ہوئی اسے کامیابی و ناکامی کا علم ہوا، اسے ان حقائق کا علم ہوا جنہیں مان کر انسان ہمیشہ کے لیے کامیاب و کامران ہو جاتا ہے اور ایسے مضرات سے بچنے کی توفیق ملی جو ان کے لیے سراسر نقصان اور باعث خزلان تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا مقصد کئی مقامات پر بیان کیا، کہ انسان کا مقصد پیداؤں حق تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے، اس کی عبادت اور احکامات کی پیروی ہے، حق تعالیٰ کی بندگی سے دنیا و عقبیٰ کی کامیابیاں اور کامرائیاں نصیب ہوں گی، اس کی اطاعت و پیروی سے اطمینان قلب نصیب ہوگا، غرضیکہ اس کی فرمانبرداری میں اس کے لیے دونوں جہان کی کامیابی ہے۔

اب یہ بات حاصل طلب ہے کہ اللہ کے احکامات کیا ہیں؟ اللہ نے کیا حکم دیا؟ اس نے کس چیز سے روکا؟ حلال کیا ہے اور حرام کیا؟ اور انسان کی زندگی، اس کے نشیب و فراز اور بہار زندگی کے مختلف موسموں میں اسے کیسے رہنا ہے؟ اس کا معاش اور طرز زندگی کیسا ہو؟ دنیا میں کیا کرے تو اس کی صفات میں حسن پیدا ہوگا؟ اور کون سے امور سرانجام دے تو اس کے اعمال میں چنگی پیدا ہو؟ الہی احکامات کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے؟ اور ان پر نتیجہ کب مرتب ہوگا؟ اس قسم کے بے شمار سوالات انسانی ذہن و دماغ سے نکلتے ہیں، ان سوالات کے جوابات کے لئے انسانی عقل ہے، لیکن وہ محدود ہے کتنے ہی کامل مکمل کتنے ہی ذہین فطین انسان کیوں نہ ہوں؟ وہ سوچتا چلا جائے دماغ کے روزن میں بے شمار باتیں آئیں گی، کبھی وہ اس نیلگوں آسمان کی طرف نظریں دوڑا دوڑا کر دیکھے گا، پھر اس پر سوچتا چلا جائے گا، کبھی پہاڑوں کے غیر متناہی سلسلہ پر نظریں دوڑائے گا، کبھی سرسبز

و شاداب درختوں اور لہلہاتے کھیتوں پر نظریں مرکوز کرے گا، غرضیکہ انسان اپنی ہمت و کوشش کے مطابق ہاتھ پاؤں کو حرکت دے گا مگر انسان انسان ہے، اس کی عقل بھی ایسی نہیں کہ ہر سوال کا جواب خود سے دے اور سوچے۔

بے شمار باتیں انسان کے دل پہ دستک دیتی ہیں، مگر دل بھی چونکہ انسانی دل ہے، اس میں بے شمار باتیں آتی ہیں، اور چلی جاتی ہیں، از خود آنے والی باتوں کو چاہے انسان تسلیم کرے یا نہ کرے، تسلیم کرے اس کی مرضی تسلیم نہ کرے اس کی مرضی، مگر وہ مقام ان باتوں کا ٹھکانہ اور مستقر نہیں ہے، بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جو گہری چھاپ کی طرح انسان کے دل پر لگ جاتی ہیں، اور کئی باتیں انسانوں کی جمعیت مل کر سوچتی ہے، اجلاسوں اور کانفرنسوں کے ذریعے اجتماعی اور اجتماعی غور و فکر کے بعد کسی چیز کے بارے میں حتمی رائے قائم کی جاتی ہے مگر رفتہ رفتہ ان آراء اور تفکرات میں نئے نئے شوشے کسی نہ کسی گوشے سے اٹھنے شروع ہو جاتے ہیں، جس سے اجتماعی فکر کا شیرازہ بکھر جاتا ہے، کسی چیز کے خیر یا شر، بھلا اور برا ہونے کے لئے انسان کے پاس سب سے بڑے یہی تین واسطے ہیں۔ سب سے پہلے عقل سے اس کے حسن و قبح کی جانچ پڑتال کرے گا، پھر قلب و دھڑکی گہرائی سے اسے جانچنے کی کوشش کرے گا، بالآخر وہ تھک ہار کر کسی دوسرے کے سہارے سوچنے اور الجھن دور کرنے کی کوشش کرے گا مگر دوسرے بھی اسی جیسے ہوں گے، وہ منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔

اسی طرح جب حق تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، پھر اس کا سلسلہ جاری کیا تو اس کے ارد گرد، زمین و آسمان، کیا نعمتیں تھیں؟ اوپر دیکھتے تو آسمان اس کا سا تہان تھا، سورج اس کے لیے روشنی بکھیر رہا تھا، چاند اس کی اندھیری راتوں میں چاندنی بکھیر رہا تھا، ستارے اس کی نظریں اپنی طرف مرکوز کراتے رہتے تھے، ہنر و اور درخت اسے اپنی طرف مائل کر رہے تھے وہ صحراء جن میں دور دور تک کوئی انسان نظر نہ آتا تھا، ایسے پہاڑ جن کی چیز مفقود تھی، غرضیکہ انسان کے لیے پیدا کی جانے والی ہر چیز تھی، مگر انسان نہ تھا اگر تھا تو خال خال، پھر جب رفتہ رفتہ انسان چھلنے پھولنے لگا تو حق تعالیٰ کا سفیر اور نمائندہ ان کی راہنمائی کرنے لگا، سب سے

پہلے جس انسان کو سفارت و نمائندگی کا شرف ملا وہ انسانوں کے باپ حضرت آدم تھے جن سے ایک طرف نسل انسانی کا آغاز ہوا دوسری طرف پیغامات ربانی کا سلسلہ جاری و ساری ہو گیا۔

رسالت ایک بہترین ذریعہ ہے جس سے انسان کو اپنے خالق و مالک کی پہچان ہوئی، انسان کو معلوم ہوا کہ یہ آسمان کیوں بنایا گیا؟ زمین کی تخلیق کیوں ہوئی؟ ہر طرح کی نعمتیں پیدا کرنے کا مقصد کیا؟ یہ ساری باتیں نبوت اور رسالت کے واسطے سے انسان کو حاصل ہوئیں، اور یہ اتنا عمدہ طریقہ ہے حق تعالیٰ کی معرفت کا کہ اس کے بجز کوئی اور راہ انسان کے لیے مفید نظر نہیں آتی، اگر کسی ذریعہ اور واسطہ سے حق تعالیٰ کی کجی معرفت اور حقیقی پہچان ہوئی تو وہ صرف اور صرف رسالت ہے، جس سے انسان نے دنیا کی خیر و شر کی پہچان کی، برے اور بھلے کی پہچان کی، مضر اور مفید کی شناسائی ہوئی، دنیا اور آخرت کی پہچان ہوئی، حلال اور حرام کی تمیز ہوئی، سچ اور جھوٹ کی تمیز ہوئی، جس طرح دیکھنے کے لئے آنکھ میں تلی ضروری ہے اسی طرح حق تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے رسالت اور نبوت ضروری ہے، اگر یہ سلسلہ نہ ہوتا تو انسان حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ اگر رسالت و نبوت کا تاج کسی غیر انسانی مخلوق کے سر پر سجایا جاتا، تو انسان کے لئے مشکل پیدا ہو جاتی، انسان کی ضروریات کو سمجھتا اور اس کے مرض کی تشخیص کے لیے اس کی پیار بغضوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی روحانی اصلاح کر دیتا کسی مجھے ہوئے اور تشدید انسان ہی کا کام ہو سکتا ہے، جو تمام انسانی خوبیوں سے سرشار ہونے کے باوجود عام انسانوں کے لیے ایک نمونہ اور اسٹینڈرڈ ثابت ہو اس لیے حق تعالیٰ نے تاج رسالت انسانوں کے سر پر ہی سجایا۔

نبوت و رسالت اور قرآن

حضرات انبیاء کرام کی رسالت اور نبوت کے ذکر سے قرآن مجید ابھرا ہے، مختلف و مخیروں نے اپنی رسالت اور نبوت کا اقرار ان الفاظ میں کیا، و لکنسی رسول من رب

الْعٰلَمِیْنَ (۸۸) لیکن میں پروردگار عالم کی طرف سے رسول ہوں حضرت موسیٰ نے فرعون کے دربار میں اعلان کیا یَقُوْعُوْنَ اِلَیَّ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ (۸۹) اے فرعون میں رب العالمین کی طرف سے رسول ہوں۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی رسالت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن حکیم نے بتایا: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ”حضرت محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، آپ ﷺ سے قبل بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔ حضرت رحمت للعالمین ﷺ نے اپنی رسالت و نبوت کا ذکر ان الفاظ میں کیا: ﴿اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ بَعْثَنِیْ اِلَی الْعِبَادِ اَدْعُوْهُمْ اِلَیْ اَنْ یَّعْبُدُوْا اللّٰهَ وَلَا یُشْرَکُوْا بِهِ وَانْزَلَ عَلَیْ کِتَابٌ﴾ (مسند احمد بن حنبل ج ۵)

”میں اللہ کا رسول ہوں، مجھے اس نے بندوں کی طرف مبعوث کیا میں اس بات کا داعی ہوں کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ شرک نہ کریں، اور میرے اوپر کتاب اتاری گئی ہے، صلح حدیبیہ کے مقام پر اپنی رسالت کو واشگاف الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ ﴿وَاللّٰهُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ اَنْ کَذِبْتُمْوْنِیْ﴾ (بخاری) ”واللہ میں اللہ کا پیغمبر ہوں، اگرچہ تم مجھے جھٹلاؤ۔“

نبوت و رسالت کا تجزیہ

اللہ تعالیٰ نے رسالت کے ذریعے اپنا پیغام انسانوں تک پہنچایا، اور انسانوں کی رشد و ہدایت اور فلاح و نجات کے لیے انسانوں کا ہی انتخاب فرمایا، انسانوں کے لیے کسی غیر انسان یا کسی دوسری مخلوق کو راہنما نہیں بنایا، حضرت آدمؑ سے اس سلسلہ کو جاری کیا، اور حضرت نبی اکرم ﷺ پر اس کو ختم کر دیا، حضرت آدمؑ سے حضرت نبی اکرم ﷺ تک کئی ہزار سال کا عرصہ گزرا، کہیں نبوت و رسالت کس انداز میں کام کرتی ہے اور کبھی کس انداز میں سینکڑوں سالوں کی محنت سے کہیں درجنوں افراد تیار ہوئے، اور کہیں اندھیر نگر میں چھائی رہتی مگر رسالت مایوس نہیں ہوتی، بلکہ امر خداوندی کے تحت رسول اپنا کام کرتا رہا، اگر کسی

مقام پر ایک آدمی بھی تھا تو اس پر بھی کما حقہ جنت کی عاب ذیل میں یہ آئینہ دکھایا جاتا ہے کہ یہ لوگ کن اوصاف کے مالک تھے، جو شانِ روزِ محنت کرتے تھے اور اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔

نبوت و رسالت اور بشریت

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے انسان کا انتخاب کیا، انسانوں کا قائد اور راہنما انسان ہی کو بنایا، جو انسانی ضروریات کو سمجھ کر ان کی راہنمائی کرے، کسی فرشتہ یا جن کو انسان کی معائنہ قیادت نہیں تھی، جو انسانی ضروریات اور مجبوریوں سے یکسر خالی ہوں، ورنہ جن لوگوں کو نبوت و رسالت سے سرفراز و مہیا ان کی قوموں نے بے شک دہلِ مطالبہ کیا کہ آسمان سے کوئی فرشتہ اترے، کتاب اترے، آسمان کی طرف پیڑ مٹی چڑھتی ہو، جس پر چڑھنے والا چڑھے اور ہم پچھم خود اس کی آمد و رفت دیکھیں، مگر انسانوں کے خالق نے ساری باتیں سننے کے باوجود اپنی مشاعرہ مرضی کے مطابق انسانوں کے لئے انسان ہی کو چنا۔

رحمتِ دو عالم کو کہا گیا کہ یہ لوگ فرشتوں کو دولتِ نبوت سے سرشار کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں ان کو بتادیں کہ اگر زمین کی پشت پر فرشتے رواں دواں ہوتے تو ہم ان کے لیے فرشتوں ہی کا انتخاب کرتے، مگر چونکہ یہ نوعِ انسانی سے متعلق ہیں اس لیے ان کا راہنما انسان ہی کو بنایا گیا، ارشاد ہے: ﴿فَقُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مُلْكُكَ يَمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنُؤْتِيَهُمْ مِنْ أَسْمَاءِ مَلَائِكَةٍ﴾ (ہی مرآۃ: ۱۵)

”اگر زمین میں فرشتے رواں دواں ہوتے ملور آباد ہوتے تو ہم ضرور آسمان سے ان پر کسی فرشتے کو رسول بنا کر مارتے۔“ قرآن مجید نے واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صفتِ رحمت سے مصروف ہی کو نبی بنایا، حضرت محمد ﷺ کو بنایا گیا کہ ﴿وَمَا مَسَاوِئُهُمْ مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالٌ نُوحِيَ إِلَيْهِمْ﴾ (ہوسف)

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی صرف آدمیوں کی طرف وحی کی وحی نبوت صرف

مردوں کی طرف کی گئی۔

انبیاء کو جن اقوام کی طرف اور جن اشخاص کی طرف بھیجا جاتا تھا، وہ ان کی دعوت سن کر یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ تو ہمارے جیسے انسان ہیں۔ ان انتم الا بشر مثلنا اور پھر انبیاء بھی جواباً کہتے تھے کہ اس میں باعث عار اور قابل اعتراض بات کون سی ہے ان نحن الا بشر مثلکم۔ ہم تو تمہارے جیسے ہی انسان ہیں۔

پھر انبیاء کے مخاطبین کو عام اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کیسے نبی ہیں، یہ کھانا کھاتے ہیں بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ انہم لیاکلون الطعام ویمشون فی الاسواق۔

قرآن حکیم نے معترضین کے اعتراضات نقل کیے اس کے باوجود کہیں بھی قرآن نے الہی موقف کو کمزور پیش نہیں کیا کہ چند لوگ انسانوں کا رسول ہونا پسند نہیں کرتے اس لئے نوع انسانی کے لئے انسانوں کی بجائے کسی اور کو رسالت و نبوت دی جائے، بلکہ قرآن نے یہاں تک واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو رسالت سے سرفراز کیا ان کے لیے نبیاں اور اولاد بھی بنائی، ﴿وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ (رد)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ سے کئی مرتبہ اعلان کروایا گیا کہ میں تمہارے جیسا انسان ہوں، صرف اتنی بات ہے کہ مجھے نبوت و رسالت کی عظیم دولت سے سرفراز کیا گیا جیسا تمہیں اس دور رکھا گیا۔ ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ اِلَيَّ﴾ (الکہف)

بخاری کی روایت کے مطابق حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنْ يَاتِبْنِي الْخَصْمُ فَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَكُونَ الْبَلَّغُ مِنْ بَعْضٍ فَاحْسِبْ اَنْهُ قَدْ صَدَّقَ وَاَقْضَىٰ لَهُ بِذَلِكَ فَمَنْ قَضَيْتَ لَهُ بِحَقِّ مُسْلِمٍ فَاَتَيْتَاهُ هِيَ قِطْعَةٌ مِنَ النَّارِ فَلْيَاخُذْهَا اَوْ فَلْيُشْرِكْهَا﴾ (بخاری ج ۱)

”میں انسان ہوں، میرے پاس مقدمے کا فریق آتا ہے، ممکن ہے تم میں سے ایک دوسرے سے زیادہ جرب زبان ہو میں اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں جس کے لیے کسی مسلمان کے حق کا فیصلہ کیا گیا وہ یہ سمجھ لے کہ آگ کا ٹکڑا ہے پھر چاہے اس

کو لے لے جو چاہے اس کو چھوڑ دے۔“

ایک مرتبہ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہ جملہ فرمایا تھا: ﴿الکتاب کل شیء تسمعه

(ابوداؤد)

ورسول بشرو تکلم فی الغضب والرضا﴾

”کیا تم ہر چیز کو لکھتے ہو، جس کو سنتے ہو، حالانکہ رسول اکرم ﷺ انسان ہیں (کبھی)

غصہ اور خوشی کی حالت میں کلام کرتے ہیں۔“

رسالت اور نبوت کا سنہری تاج انسان ہی کے سر پر رکھا گیا اور یہ حق تعالیٰ کی

عظمت شان کی علامت اور انسانیت کا کمال ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے ودیعت کیا، چونکہ نبی

انسان ہوتا ہے، اور ایسا عام انسان نہیں جو ہم اور آپ دیکھتے ہیں بلکہ نبی انسان ہونے کے

باوجود عمدہ صفات کا مالک ہوتا ہے، اس کی زندگی نہایت پاکیزہ اور ستھری ہوتی ہے، خواہ وہ

زمانہ نبوت میں ہو یا اس سے قبل کی زندگی میں جس انسان کے سر پہ نبوت و رسالت جیسی

بھاری ذمہ داری عائد کی گئی اس کا تمام سلسلہ صاف اور ستھرا رہا، اگر حق تعالیٰ رسالت کی ذمہ

داری کسی انسان کو نہ سونپے کسی فرشتے اور جن کو سونپ دیتے تو وہ امر الہی کو من و عن

پہنچا دیتے مگر ان احکامات کو نافذ نہ کر سکتے، ان میں وہ اوصاف ہی نہیں جن کا انسان حامل

ہے، انسان کو تو ضرورت ہے ایسے قائد اور راہنما کی جس میں اس جیسی صفات ہوں، اس

جیسے تقاضے ہوں، اس جیسی ضروریات ہوں، مگر اس کے باوجود وہ ممتاز اور کھمرا کھمرا نظر

آئے، اس کی نشست و برخاست، گفتار و کردار، چال چلن اس کا کریم و کردار آمینہ کی مثل

سب کے سامنے واضح اور شفاف ہو، اس کا ماضی بے داغ ہو، اس کا حال تابناک اور مستقبل

روشن ہو، تمام انسانی خواہشات کے باوجود اس کی نظر غلط نہیں دیکھتی، اس کے کان غلط آواز

نہیں سنتے، اس کی زبان غلط نہیں بولتی، اس کا دماغ غلط نہیں سوچتا، اس کے ہاتھ کسی گردن پر

نہیں پڑتے، اس کے پاؤں کسی غلط جانب نہیں چلتے، اس کی خواہشات مادیت اور دنیوی

زندگی کے تابع نہیں بلکہ اعلم الہامین کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق کام کرتی ہیں

گویا کہ نبوت و رسالت کا عظیم منصب انسان ہی کو دیا گیا، جو دوسرے انسانوں کے لیے

نہ نہ اور آئینہ میل نہ، ہونو دیکھی ادکارات الہیہ کی پاسداری و پاسبانی کرتا رہا اور دوسروں کے لیے حق کی مشعلیں روشن کرتا رہا اودیے سے دیے چراغ سے چراغ روشن دتا ہاں کرتا رہا، اگر کسی دوسری حقوق کو یہ نہ داری دی جاتی تو وہ رعب و دبدبہ سے کچھ نہ کچھ کام چلا لیتی مگر اصلاح انسانیت کا جو حقیقی لطف تھا وہ کبھی حاصل نہ ہوتا۔

نبوت و رسالت و صمی ہے

نبوت و رسالت وحی چیز کا نام ہے، کبھی نہیں ہے ﴿اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ﴾ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اس عظیم منصب کو کس شخص کے سپرد کرے، یہ منصب عظیم کسی مجاہدے، محنت اور ریاضت سے انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا، چلہ کشی، عبادت و ریاضت، محنت و مجاہدے، ذکر و اذکار سے انسان کو وایت مل سکتی ہے، مگر نبوت و رسالت نہیں مل سکتی چاہے وقت کا کتنا ہی بڑا ولی کیوں نہ ہو، وہ اس انتظار میں ہو کہ اب ولایت کی منزل ملے ہوگئی، رسالت ملنی چاہیے یہ امر محال ہے، یہ منصب اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے وہ جسے پسند کرتا ہے اسے عطا فرماتا ہے، وصحیت کے ساتھ اس کا تعلق ہے، کسب و محنت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔

رسالت ملنے سے قبل حضرت موسیٰ چالیس روز تک روزے کی حالت میں طور پہاڑ پہ رہے، حضرت عیسیٰ چالیس روز تک بیابان و سنان جنگل میں محو عبادت رہے، رحمت دو عالم ﷺ قبل از نبوت چالیس سال تک غار حرا میں فکراتی عبادت میں مصروف رہے، یہ ریاضتیں اور عبادتیں انسان میں حق تعالیٰ کے احکامات قبول کرنے کی صلاحیت اور استعداد کو پیدا کر دیتی ہیں مگر یہ محال ہے کہ اس قسم کی عبادات کو دیکھ کر حق تعالیٰ کسی کو نبوت و رسالت کا عظیم منصب دے دیں۔

قرآن حکیم میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں اور فرشتوں میں سے جس کا چاہیں رسالت کے لیے انتخاب کریں، چنانچہ انسانوں میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا

انتخاب کیا مگر کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے نبوت اور رسالت کا منصب طلب کیا ہو، یا ریاضت، بچاؤ سے اسے حاصل کیا ہو، کسب و محنت کے بغیر اس کا متمنی ہوا ہو ایسا کہیں نہیں ہوا۔

نبوت، رسالت اور عصمت

اللہ تعالیٰ جس انسان کو نبوت و رسالت کا منصب عنایت فرماتے ہیں اس کی عصمت پر دنیا بگشت نہائی نہیں کر سکتی، عصمت کا معنی ہے، بچانا، روک لینا، محفوظ رکھنا، عاصم اسم فاعل ہے، بچانے والا، معصوم اسم مفعول ہے بچایا ہوا، محفوظ کیا ہوا، شریعت کی اصطلاح میں عصمت کے معنی گناہوں سے بچانے کے ہیں، اور معصوم کا معنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچایا ہوا ہے، اس سے کوئی گناہ صادر نہیں ہو سکتا، مسلمانوں کے اجتماعی عقیدہ میں یہ بات ہے کہ اولاد آدم میں معصوم صرف اور صرف انبیاء کی ذات مقدسہ ہیں، انبیاء پنے ہوتے ہیں، اس لیے ان سے گناہوں کا صدور نہیں ہو سکتا۔ ارشادِ ربانی ہے ﴿الہم عبدنا لعن المصطفین الاخیار﴾ ”تغییر ہمارے ہاں منتخب اور پسندیدہ لوگ ہیں۔“

چونکہ انبیاء کو حق تعالیٰ نے نفوس قدسیہ سے مختص کیا ہے، اور انہیں روحانی و جسمانی ملکات و کمالات سے نوازا ہے وہ تمام مخلوق سے صوری اور معنوی کمالات سے ممتاز ہو گئے، وہ اسرارِ خداوندی کے خزانے بنادیئے گئے، انبیاء حق تعالیٰ کے اسمائے صفات کے مظہر ہیں، انسانوں میں وہ لوگ حق تعالیٰ کی تجلی خاص کا محل ہیں اور محض وہی ہیں۔ ﴿اللہ اعلم من حیث یدخل رسالتہ﴾ ”اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کہاں اپنا پیغام بھیجے۔“

جب اللہ تعالیٰ علیٰ کل شیء قدير ہے، یم بذات الصدور ہے، تو وہ خوب جانتا ہے کہ اس امانت کا کون مستحق اور اس ذمہ داری سے عہدہ برا ہونے کا کون سب سے زیادہ لائق ہے، جب حق تعالیٰ انتخاب ہی ایسے شخص کا کریں، تو پھر ظاہر ہے اسے گناہوں سے بچانا اور

محفوظ رکھنا بھی اسی کا کمال ہے۔ رسالت و نبوت کی نعت سے جسے مال مال کیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ خود اس کی راہنمائی کرتا ہے اور اسے محفوظ بھی رکھتا ہے، کہ کہیں اس کی زبان سے ایسا جملہ نہ نکل جائے جو شان رسالت کے خلاف ہے۔ ﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ لَهُمْ لَاحِزًا﴾ (دقی ہونے سے پہلے) اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے، یہ زبان کی عصمت ہے کہ نبی امر خداوندی کے بغیر زبان کو حرکت نہ دے۔ ”خواہش نفس سے نبی کوئی بات نہ کرے۔“ ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ ”اور نبی اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں بولتا، وہ وہی کہتا ہے جو اس کی طرف وحی ہوتی ہے۔“ نبی کا دل بھی آواز حق کے بغیر نہیں دھڑکتا۔ ﴿لَوْلَا إِنْ شِئْنَا لَكُنَّا تُرَابًا﴾ ”اگر ہم نے آپ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو آپ ان کی طرف کچھ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے۔“ نبی کا ذہن بھی کوئی ایسی بات نہیں سوچتا جو عصمت کے خلاف ہو۔ ﴿مَنْ قَرَأَ فَلْيُحْسِنِ الْإِسْلَامَ﴾ ”ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ بھولنے نہ پائیں گے مگر جو چاہے اللہ بھول چوک ہو سکتی ہے، جو عصمت کے منافی نہیں ہے مگر اس کا اہتمام یہ کیا گیا کہ اپنے نبی ﷺ کو قرآن اس انداز میں پڑھانے کا کہا گیا، جو بھولنے نہ پائے بعض آیات منسوج اقوال و ہیں، جو خود حضور ﷺ نہیں بھولے بلکہ اللہ کی حکمت کے تحت وہ بھلا دی گئیں، نبی کی رائے میں بھی عصمت کا اس انداز میں خیال رکھا گیا ہے، کہ کوئی بات نبی اپنی مرضی کے مطابق نہ کرے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ بِالْحَقِّ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”ہم نے آپ کے پاس یہ نوشتہ بھیجا ہے، واقعہ کے موافق تاکہ آپ ان لوگوں کے درمیان اس کے مطابق فیصلہ کریں، جو کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلادیا ہے۔ قرآن حکیم میں رحمت للعالمین ﷺ کی عصمت فعلی کا یوں ذکر ہے۔ ﴿مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ﴾ ”تمہارے دوست نہ راہ حق سے ہٹے اور نہ غلط راستہ پر چلے۔“ رسول رحمت ﷺ منال و اقوال و دونوں سے معصوم ہیں۔

ان آیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ تاج رسالت جس کے سر پر رکھتے ہیں اس کی حفاظت بھی آپ ہی کرتے ہیں، اس سے کوئی ایسی بات سرزد نہیں ہونے دیتے جو تکمیل مشن اور مقصدِ رسالت کے لیے سم کاقل ہو، نبی گناہ نہیں کرتا اور نہ ہی گناہ کی طرف جھل کر جاتا ہے، اگر بغرضِ خدا گناہ نبی کی طرف چل کر آئے تو حق تعالیٰ نبی اور گناہ کے درمیان اپنی قدرت کی چادر چال کر دیتے ہیں جس سے نبی بچ نکلتا ہے، جیسا کہ حضرت یوسفؑ کا مشہور واقعہ ہے کہ عزیزِ مصر کی بیوی نے محفل کے دروازے بند کر دیئے اور یوسفؑ کو دعوت گناہ دینے لگی، مگر حضرت یوسفؑ کی زبان پر معاذ اللہ معاذ اللہ کا ورد جاری ہو گیا، اللہ نے اپنی قدرت کا اظہار کیا، یوسفؑ گناہ سے بچ گئے۔

نبوت و رسالت کی ہمہ گیری

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی شد و ہدایت اور فلاح و نجات کے لیے ہر قوم میں انبیاء کا سلسلہ جاری رکھا حق تعالیٰ نے چونکہ جنت اور دوزخ ان دونوں کو پیدا کیا ہے، دوزخ حق تعالیٰ کے غضب کا مقام ہے، اور جنت اس کے انعام کی جگہ ہے، جنت کی خوشخبری سنانے اور دوزخ کے ہولناکیہ منظر سے ڈرانے کے لیے ہر دور میں نبی بھیجے، ان میں امۃ الاخلاقیہ فیہا خلیفہؑ ”کوئی بھی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ آیا ہو۔“

قرآن حکیم میں انبیاء کے ذکر میں آتا ہے۔ ﴿فَبَعَثْنَا النَّبِيَ مُوسٰی﴾ ومنزل معهم الكتاب بالحق ﴿فہر اللہ نے نبی بھیجے، خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ بھی کتاب اتاری۔“

حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰ و ہارونؑ، حضرت زکریا و یحییٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت یسعؑ، حضرت یونسؑ، حضرت لوطؑ، علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذکر کے بعد یوں ارشاد ہوا۔ ﴿وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا مِنْ اٰلِیْنٰہُمْ﴾

المحکم والنہی کہ ”یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت دی۔“ حضرت رحمت اللعالمین ﷺ کا ارشاد ہو۔ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْمُكَفِّرِينَ الْمُخَلَّفِينَ﴾ ”اے نبی اللہ سے ڈر، میرے اور کافروں اور منافقوں کی پیروی نہ کیجئے۔“ اور یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ انبیاء، مطاع مطلق ہیں مگر آلِ حکمران ہر وقت غیر کی مطاع اطاعت کا حکم دیا گیا۔ اور شاربانی ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَسُولٍ إِلَّا يَطُاعُ بِاللَّهِ﴾ ”اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر یہ کہ اس کی تابعداری کی جائے اللہ کے حکم سے۔“ دوسرے مقام پر رسول کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کہہ دیا ہے۔ ﴿وَمَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ اللَّهَ﴾ ”اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔“ دوسرے مقام پر واضح طور پر اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا یوں حکم دیا گیا۔ ﴿فَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”فرد بیعت اللہ کا حکم، نو اور رسول کا حکم۔“ نو رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت کی ثبات دی گئی۔ ﴿وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ بَدْخَلْهُ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، داخل کرے گا اسے باغات میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہے گا۔“ اور اطاعت نہ کرنے والے کو ساتھ ہی جہنم کی آگ سے ڈرایا گیا۔

حضرت رحمت اللعالمین ﷺ سے کہہ لیا گیا۔ ﴿فَطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ﴾ ”فرد بیعت اللہ کا حکم، نو اور رسول کا حکم۔“ نو رسول کی اطاعت کرنے والے کو جنت کی ثبات دی گئی۔ ﴿وَمَنْ يَطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ بَدْخَلْهُ جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، داخل کرے گا اسے باغات میں، جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، ان میں وہ ہمیشہ رہے گا۔“ اور اطاعت نہ کرنے والے کو ساتھ ہی جہنم کی آگ سے ڈرایا گیا۔

حضرت رحمت اللعالمین ﷺ کی اتباع کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی زندگی کو امت کے لیے بہترین نمونہ قرار دیا گیا۔ ﴿وَلَقَدْ كَانَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُمُوهٌ حَسَنَةٌ﴾ ”ایسے تھے تمہارے لیے رسول اگر وہ خلاق زندگی میں بہترین نمونہ موجود ہے۔“ ان آیات میں مطلقاً نبی کی رسالت و نبوت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ نبی کی اطاعت کرنے والوں کو جنت

کی خوشخبری سنائی گئی، اور نافرمانوں کو دوزخ کے بھیا تک حالات سے ڈرایا گیا، پھر نبی کی زندگی کو امت کے لئے اسوہ حسنہ قرار دیا گیا، نبی کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت قرار دیا گیا۔

منصب رسالت و نبوت

منصب رسالت جس قدر عظیم ہے اسی قدر اس میں گنجشک اور الجھن پیدا کی گئی، اس منصب کو اگر ایک طرف لوگوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا تو دوسری طرف کئی ناواقف اندیش جبلاء نے اس منصب کا تمسخر اڑایا، کبھی یوں کہا گیا کہ اس منصب کے لائق یہی شخص تھا کوئی اور اس کے اہل نہیں تھا، کبھی یوں کہا گیا کہ ہماری آنکھوں کے سامنے فرشتہ وحی لے کر کیوں نہیں اترتا، کبھی یہ ہرزہ سرائی کی گئی کہ یہ رات کو بیٹھ بیٹھ کر آیات بنا تا ہے اور صبح کو وہ پڑھ کر سنا دیتا ہے، کبھی یوں کہا جاتا کہ اگر یہ نبی ہے تو چاند کے دو ٹکڑے کر دے، اگر یہ نبی ہے تو زمین سے جھٹسے اور نہریں جاری کر دے، اگر یہ نبی ہے تو اس کے پاس اللہ کے خزانے کیوں نہیں؟ اگر یہ نبی ہے تو بازداروں میں کیوں چلتا پھرتا ہے، یہ کھاتا پیتا اور ہنستا مسکراتا کیوں نظر آتا ہے؟ فرض کیا کہ جہالت کی ماری ہوئی انسانیت نے اپنے ذہنوں کی بھڑاس نکال نکال کر انبیاء کو ستایا اور پریشان کیا، انسانوں کے ایک گروہ نے انبیاء پر الزامات عائد کئے، ان کی عصمت اور پاکیزگی پر حملے کیے ان کے حلیے اور وضع قطع کی نقلیں اتاریں، ان کو دشنام دیا گیا کسی نے کہا کہ حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے کہا کہ حضرت عیسیٰ اللہ کے بیٹے ہیں، کسی نے انبیاء کو طعنہ آمیز دھمکیاں دیں۔ حضرت موسیٰ پر تو نامردگی کا الزام لگا دیا تھا، فرض کیا کہ جتنے منہ اتنی باتیں ہوتی رہیں، حالانکہ اللہ وحی کے ذریعے ان تمام الزامات و اتہامات کی صفائی پیش کرتے رہے کہ جس منصب پر تم کیڑے نکالتے ہو، اور اپنے فرسودہ ذہنوں کے مطابق بات کرتے ہو اس منصب کا یہ تقاضا قطعاً نہیں ہے، حضرت رحمت دو عالم ﷺ سے کہلوا لیا گیا، کہ انہیں آپ اتنا کہہ دیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں نہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ہی فیہب دان ہوں۔

﴿وَلَا اقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خِزَانُ الْمَلَّةِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ وَلَا اقُولُ اَنِّي مَلَكٌ﴾ حضرت مریمؑ پر جب انگشت نمائی کا اندیشہ ہوا، اور لوگوں نے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے متعلق دریافت کیا تو حضرت مریمؑ نے اپنے نومولود بچے کی جانب اشارہ کر دیا، حضرت عیسیٰؑ نے ماں کی گود سے ماں کی صفائی پیش کی۔ ﴿اَنسَى عَبْدَ الْمَلَّةِ اَنسَى الْكُتُبِ وَجَعَلَنِي لَيْسًا﴾ ”میں اللہ کا بندہ ہوں اللہ نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔“

پھر ایک وقت آیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیروکاروں نے حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی الوہیت اور خدائی کا دعویٰ کر دیا قرآن حکیم نے اس نظریہ کا توڑ پیش کیا، اور واضح کیا کہ یہ دونوں ماں بیٹا ایک ذات کے بندے اور پیروکار ہیں، ان میں خدائی صفات نہیں ہیں، وہ تو اللہ کے در کے سوانی اور محتاج ہیں۔

حضرت نبی اکرم ﷺ کے سامنے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم مختلف شہروں اور علاقوں میں جاتے ہیں مختلف شاہوں اور حکمرانوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کی رعایا ان کے سامنے سجدہ ریز ہو رہی ہے، اور ہمارے نزدیک آپ کا رجبہ اور مقام ان شاہوں سے کہیں زیادہ ہے اگر حکم فرمائیں تو ہم آپ کو سجدہ کیا کریں حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے عظیم منصب کی لاج رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: کہ میری امت میں یہ جائز نہیں کہ کوئی انسان کسی انسان کے سامنے سجدہ کرے اگر ایسا ہوتا تو میں عورت کو عظیم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کے سامنے سجدہ کرتی۔

اللہ تعالیٰ نے جو عظیم منصب انبیاء کو دیا اس کا تقاضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی ربوبیت و بندگی کا ڈنکا بجایا جائے، اللہ کی مخلوق کو جہالت کی تاریکیوں سے علم کی روشنیوں کی طرف لایا جائے بشرک کے اندھیروں سے نکال کر توحید کی مشعل ان کے ہاتھ میں تھما دی جائے، رسومات و روایات کا قلع قمع کر دیا جائے، اور ان کی جگہ نبوت و رسالت کے نورانی طریقوں کو رواج دیا جائے، مخلوق خدا کو بندوں کی بندگی سے نکالا جائے، دنیا کے آسزائوں سے

انسانوں کو بشارت ایک اللہ کے آستانہ رحمت کے سامنے انہیں جمع کیا جائے، اللہ کے حکم کے مطابق مخلوق کی خدمت کی جائے، اور پھر رسول و نبی انسانوں کو زندگی کی صحیح راہ بتائے، جس پر چل کر دونوں جہانوں میں ان کی کامیابی ہوگی۔

رسول کی ذمہ داری ہے کہ وہ انسانوں کو اللہ کی کتاب کی تعلیم سے سرشار کرے، ان کے قلوب سے کھوٹ، کینہ، اور حسد کی بیماریوں کو مٹھ دے، اور انہیں ایسی قابل فہم باتوں کی تلقین کرے، جن پر چل کر ان کی زندگی منشا خداوندی کے مطابق گزرے، حضرت رحمت اللعالمین ﷺ کی بخت کے ذکر میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ ﴿وَهْدِيَ الْبَلَدِیُّ بَعَثَ هِیَ الْاٰمِیْنِ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اَلْحَکْمَ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَ مَذٰی﴾

اللہ نے امیوں سے ایک باعزت رسول اٹھایا، جو ان پر آیات تلاوت کرتا ہے اور ان کے دلوں کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب کی اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے، گویا کہ اس مقام پر نبوت کے ذمہ چار کام لگے۔ ۱۔ (۱) تعلیم کتاب (۲) تعلیم حکمت (۳) انسانوں کا مجموعی لحاظ سے تزکیہ (۴) انسانوں پر آیات کتاب کی تلاوت۔

جس شخص کو رسالت کا تاج پہنایا گیا ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاشرہ کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے، لوگوں کو اللہ کی منشا کے مطابق ادا کرے اور ان کی باتوں سے بچنے کی تلقین کرے، جس طرح ارشاد باری ہے۔ ﴿یٰۤاٰمِیْنُ رُوْحُہُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْہِیْہُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ﴾ ”وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے، اور بدی سے انہیں روکتا ہے۔“

تو یہ ایک صاحب منصب شخص کی ذمہ داری ہے، کہ وہ کرہ ارض پر خالق کائنات کے احکامات نافذ کرے، اس کی مخلوق کے دلوں کی کچی اور زلیغ کو دور کرے، ان سے زنگال اتار کر انہیں آئینہ کی طرح صاف کر دے، ان کو ایسا بنا دے کہ وہ صبح و شام یا دالہی سے سرشار رہیں ان کے سر اللہ کی یاد سے جھکے ہوں اور اللہ کی یاد سے دھڑک رہے ہوں، ان کی آنکھیں اس کی یاد سے اشکبار ہوں، جنت کی آس اور امید رکھیں، اور جہنم کے عذاب الیم سے ڈرتے رہیں۔

منصب رسالت کے مخاطبین کی ذمہ داری ہے، کہ وہ اس منصب کی تعلیم و توفیر کریں وہ اس عظیم منصب کا لحاظ رکھیں، اس کی عظمت و قدر کا ہر وقت پاس رہے، رسول جس بات کا حکم دیں اس کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا جائے، اور جس سے روکیں اس سے فوراً رکا جائے، جو چیز تمہاری اس لئے لیا جائے۔ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ ”اور جو چیز تمہیں رسول دے اسے لے لو اور جس چیز سے وہ تمہیں روکے اس سے رک جاؤ۔“

حضرت نبی اکرم ﷺ کے بارے میں قرآن حکیم نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ آپ ﷺ پر اس لیے کتاب اتاری تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں۔ ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ﴾ ”بے شک ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب اتاری تاکہ لوگوں کے درمیان آپ فیصلے کریں، جو آپ کو اللہ دکھائے۔“ جب اہل ایمان رحمت دہ عالم ﷺ کے فیصلے سنتے تو پکاراٹھتے تھے، بمعنا واطعنا ہم نے من لیا اور ہم نے اطاعت کی۔

نبوت و رسالت محمدی ﷺ

تمام انبیاء کے آخر میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو رسالت سے سرفراز کیا گیا تھا، جتنا یہ منصب آپ کو آخر میں ملا اس سے ہزار ہا گنا زیادہ مرتبہ اور مقام بھی بلند ملا، آپ کو صرف رسول نہیں امام المرسلین بنایا گیا، آپ کو صرف نبوت سے سرشار نہیں کیا گیا بلکہ نبی الانبیاء بنایا گیا، نبیوں کا نبی اور نبیوں کا امام ”آپ کی رسالت صرف مکہ والوں کے لیے نہیں، مدینہ والوں کے لیے نہیں، طائف اور حجاز والوں کے لیے نہیں بلکہ عرب و عجم کے لیے، شرق سے غرب تک کے لیے، شمال سے جنوب تک کے لیے دنیا کے ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک کے لیے بلکہ اولین و آخرین کے لیے، قیامت کے صبح طلوع ہونے تک کے لیے آپ کو نبی و رسول بنایا گیا، جس طرح آپ کی رسالت دائمی ہے اسی طرح آپ کا

پیام سرمدی ہے آپ کی شریعت دائمی ہے آپ کے اصول محکم اور عالمگیر ہیں، آپ کی نبوت و رسالت ہمہ گیر اور عالمگیر ہے، آپ کے سر پہ صرف رسالت و نبوت کا تاج ہی نہیں رکھا گیا بلکہ آپ کو کائنات کے لیے رحمت بنایا گیا ہے۔

آپ ﷺ کو رسالت سے اس وقت نوازا گیا، جب چاروں سمت جہالت و سفاہت کا دور دورہ تھا نشان نور گم تھا، اور ظلمت کا بے راتھا، حق و صداقت کی شعاعیں دور دور تک نظر نہیں آتی تھیں، قتل و بربریت عام تھی، لڑائی جھگڑے خواہ خواہ مول لئے جاتے تھے، ایک معمولی سی بات پر جھگڑا چلا تو نسلوں کی سلیس نانیٹ کے گھاٹ اتار دی جاتی تھیں، کہیں جانوروں کو پانی پلانے پر جھگڑا اور کہیں گھڑ دوڑ میں، جھگڑا اہل عرب کی ذہانت و فطانت کا یہ عالم تھا کہ اپنے شجرے تو ایک طرف رہے اپنے جانوروں کے شجرہائے نسب بھی ازبر تھے، مگر دوسری طرف ان کی جہالت کا یہ عالم تھا کہ سچ اور جھوٹ کی کوئی تمیز نہ تھی، حق و باطل ان کے ہاں ایک ترازو میں ملتے تھے۔

حضرت ابراہیم واسماعیل کے نام لے کر جیتے تھے، دین کے علمبردار اور سپہ سالار کہلاتے اور فخر محسوس کرتے تھے، مگر اس دین حنیف کی پاسداری کا یہ عالم تھا کہ یہی دین کے علمبردار گھٹیا افعال میں مبتلا تھے، برائیوں اور بدیوں نے ان کے ارد گرد ڈیرے جمائے ہوئے تھے، دین کے علمبردار شرک کے خوگر بن چکے تھے، اسماعیل، و ابراہیم کا تعمیر کردہ خانہ کعبہ جو محض عبادت خدا کے لیے بنایا گیا تھا نہت نئے دیوتاؤں کی آماجگاہ بنا ہوا تھا تین سوساٹھ بتوں کو سجدے اور رکوع کے قابل سمجھ رکھا تھا، اور انہیں خانہ کعبہ میں سجا رکھا تھا مختلف بیماریوں کے مختلف شفا دہندے تجویز کر رکھے تھے، انسانی اعضا میں تین سوساٹھ جوڑوں کی نسبت سے تین سوساٹھ بت بنائے ہوئے تھے۔

ظلم کی حد یہ تھی کہ باہل باپ اپنی بیٹی کو زندہ درگور کر دیتا تھا، جب کسی طویل سفر پہ روانہ ہوتا تو اپنی اہلیہ کو کہہ جاتا تھا، کہ اگر بچہ پیدا ہو تو فیہا اگر بیٹی پیدا ہو تو اسے گھڑا کھود کر زمین میں ڈال دینا، کئی لوگوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت رحمت دو عالم ﷺ کو اپنی

داستان سنائی تو آپ ﷺ کی آنکھیں اٹکبار ہو گئیں۔

اس عالم میں جب دنیا بالکل تباہی کے دہانے پہ کھڑی حالت یاس میں انگلیاں چیں رہی تھی، اس و امید کی کرن بن کر نبی اکرم ﷺ جلوہ گر ہوئے، آپ نے جہالت کے اندھیروں میں علم کے چراغ روشن کئے، امیوں میں تعلیم کتاب و حکمت جاری کی، شرک و کفر کے اندھیاروں میں توحید و سنت کے دھپ جلانے، آپ نے کئی سال مکہ میں ظلم و ستم برداشت کئے طے ہے، گھالیاں سنیں، اپنے ساتھیوں کی قربانیاں پیش کیں، آزمائشوں کے دریا عبور کئے پھر اپنے صحابہ کو حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا، پھر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ خود مدینہ کی طرف ہجرت کی جہاں رو کر آپ نے ایک ریاست قائم کی، جو سب سے پہلی اسلامی ریاست تھی، یہاں آپ نے امر خداوندی کے تحت کفر کے سرخیلوں اور سرغنوں کا مقابلہ کیا، کئی معرکوں میں انہیں شکست و ہزیمت سے دوچار کیا، اور اسلام کی صداقت و حقانیت کا لوہا منوایا، اور اسلامی پرچم بلند کیا۔

آپ ﷺ نے رفتہ رفتہ اصلاح امت کی طرف بھی توجہ دی، عبادت و ریاضت کی تعلیم دی، کتاب و سنت کے اصول و قوانین بیان کئے، اسلامی زندگی کیسے بنتی ہے؟ اس پر محنت کی، امت میں دین کی نہریں اور چشمے کیسے جاری ہوں؟ اس کی منصوبہ بندی کی، صحابہ کرام کی جماعتوں کی جماعتیں اشاعت اسلام کے لیے مختلف علاقوں میں روانہ کر دیں، عدل و انصاف قائم کیا، غرضیکہ منصب رسالت کا جو جو تقاضا تھا اسے پورا کرتے تھے۔

آپ ﷺ چالیس سال تک نظریاتی عبادت کے لئے غار حرا کی طرف جایا کرتے تھے، چالیس سال کی تکمیل پر جبرائیل دجی لے کر حاضر ہوئے، پھر سلسلہ نبوت چل پڑا، کچھ عرصہ خاموش تبلیغ کی، پھر حکم خداوندی سے اعلانِ کام شروع کر دیا، فاران کی بلندیوں پہ پہلی اعلانِ دعوت دی، مکہ اور مدینہ کل تیس سال تک اللہ کے پیغامات پہنچاتے رہے، دشمنوں کو دوست بناتے رہے، اجنبیوں کو قریب لاتے رہے، مخالفوں کو حامی بناتے رہے، مارنے والوں کو معاف کرتے رہے، اپنے رشتہ داروں کے قاتلوں کو عام معافی دیتے رہے، مدینہ میں

رباؤں پر برہونے کے بعد کھرج کیا جائے اور ان خلوں کو عام معافی دی، اپنے اخلاق اور عمدہ و خصلت سے بڑے بڑے دشمنوں کو مہم کر لیا کرتے تھے۔

ختم رسالت و ختم نبوت

پہلے پہلے اللہ قوموں کی اصلاح کے لیے نبی بھیجتے تھے، ان کے عقائد کے مطابق نبی آتے رہے، ایسے وقت تھا جب امتیں یا تو صحیح معنوں میں امتیں نہ تھیں، مگر تھیں تو ان میں ابھی خالی تھی، وہ بہت بڑی ذمہ داریاں اٹھانے کی استعداد نہیں رکھتی تھیں، پہلے لوگ اس اتنا ہی کر سکتے تھے کہ ان کا کوئی مسئلہ اچھا کیا تو نبی نے آکر سلجھا دیا، یہ روح انسانی کے یہ وہ اہم صوبہ ہیں، ایک ختم نبوت سے پہلے کا دور اور دوسرے ختم نبوت کے بعد کا دور چونکہ نبوت و رسالت کا مقصد تو یہی ہوتا ہے، کہ خالق اپنے خاص بندے کے ذریعے اپنا پیغام تکمیل تک پہنچاتے، اب پہلی امتوں میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ وہ اللہ کا پیغام دوسروں تک پہنچاویں، وہ ابھی خام حالت میں تھیں جس طرح سوہا گان سے نکل کر خام حالت میں ہوتا ہے پھر اس پر تدریج بخشنی اور توانائی آتی رہتی ہے، جب رفتہ رفتہ خالی دور ہوتی گئی، انسان میں اللہ تعالیٰ کے احکامات دوسروں تک پہنچانے اور نبوی طریقے کے مطابق محنت کرنے کی صلاحیت پیدا ہوئی تو اس نورانی سلسلہ کو ختم کر دیا گیا، ختم رسالت و نبوت سے پہلے جو انسانیت کی خالی تھی، رفتہ رفتہ ویر کی جاتی رہی، اسی بناء پر ہر قوم اور امت میں نبی اور رسول تشریف لاتے رہے مگر ان میں سے کسی کی تعلیم کو بقا و دوام حاصل نہ ہو سکا، ورنہ یہاں نہ ضرورتی تھا، اس لیے اُمّان کی تعلیم کو بقا حاصل ہو جاتا تو اس سلسلہ کو مہم کر دیا جاتا جس سے انسانوں میں وہ بخشنی پیدا ہو سکتی، نہ بہت بڑی ذمہ داری اٹھانے کی صلاحیت کھلی، اگر یہ بخشنی اور حفا و پیدا نہ ہوتا تو پھر خلافت و نبابت کا تصور نہ بھر سکتا، جو ختم نبوت کے بعد ابھر کر سامنے آیا۔

ختم نبوت کے بعد جو ہر انسانیت کی خالی دور کرنے کا مرحلہ ختم ہو چکا تھا، اب انسانی صلاحیتوں اور استعدادوں میں بخشنی و توانائی آچکی تھی، اب اس سلسلہ کو بند کرنا ناموزن

تھا، اب نبیوں اور رسولوں کا آنا، ان کی تعلیمات میں کمی پڑی اور رد و بدل کرنا سخت مضرت تھا، اسی بناء پر ایک رسول کی تعلیم کو اصح، اور نفع قرار دیا گیا اس کی نبوت کو اکمل اور اعلیٰ قرار دیا گیا، اس کے دین کو عالمگیر اور دائمی بنا دیا گیا، اس کی نبوت کو قیامت تک کے لیے حتمی اور آخری قرار دیا گیا، اس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، رسول نہیں آئے گا، کوئی کتاب نہیں آئے گی، ارشاد باری ہے: ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمُ النَّبِيِّينَ﴾ "حضرت محمد ﷺ تمہارے مروجوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، مگر وہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔" لغت عرب میں ختم کے معنی بند کرنے "مہر لگانے" ختم کر دینے اور کام سے فارغ ہو جانے کے ہیں مثلاً ختم الاسماء برتن کا منہ بند کر دیا، ختم الکتاب خط پر مہر لگا دی۔ ختم علی القلب دل پر مہر لگا دی، ختم الشیء (بلغ آخره) شے کے آخر تک پہنچ گیا، ختم القوم (آخرهم) قوم کا آخری آدمی، ختم العمل (فرغ من العمل) کام سے فارغ ہو گیا۔ (ہندوستان تحریک کا تاریخی معیار)

حضرت رحمت دو عالم ﷺ پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا، آپ تمام انسانوں کے رسول ہیں، ہر قوم کے ہر گروہ کے لیے رسول ہیں، علیحدہ رسول و نبی کی ضرورت ختم ہو گئی، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ "اور ہم نے آپ کو عام انسانوں کے لیے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔"

حضرت محمد ﷺ سے ہی کہلوایا گیا۔ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا﴾ "آپ فرمادیں اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔"

آپ ﷺ کو جو دین دیا گیا، اس دین کو اکمل و مکمل قرار دیا گیا، کہ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل کر دیا ہے۔

حضرت رحمت اللعالمین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نبی اسرائیل کی قیادت انبیاء کرتے تھے، جب کسی نبی کا وصال ہو جاتا تھا تو دوسرا نبی اس کا جانشین ہوتا تھا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا، بلکہ خلفاء ہوں گے۔ (بخاری ج ۱ کتاب المناقب)

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری اور مجھ سے پہلے گزرے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی اور خوب حسین و جمیل بنائی مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی، لوگ اس عمارت کے گرد چکر لگا کر دیکھتے، اور اس کی خوبی پر اظہار حیرت کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اس جگہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی؟ وہ اینٹ میں ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔ (بخاری ج ۱)

حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ﴿فَهَجَتْ فَخْتَمَتِ الْأَنْبِيَاءُ﴾ (پس میں آیا اور میں نے انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا۔) حضرت رحمت دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ﴾ (مہمبہ میں منیٰ) رسالت و نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا، میرے بعد اب نہ کوئی رسول ہے اور نہ نبی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿كَانَ كَلِمَتِي يَسَعُ الْيَوْمَ خَاصَّةً وَيَسَعُ الْيَوْمَ كُلِّ أَحْمَرَ وَسَوْدَ﴾ (مسلم) ”ہر خاص نبی اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا اور میں ہر سرخ و سیاہ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَأَمْسَلَتِ السَّيِّئَاتُ الْخَلْقَ كُلَّهَا وَخَتَمَ بِسَيِّئَاتِهِ النَّبِيُّونَ﴾ (مسلم) ”میں تمام مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں اور میرے اوپر نبیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔“

نبوت و رسالت کی بحث کا خلاصہ

- (۱) رسالت و نبوت کے ذریعے حق تعالیٰ مخلوق تک اپنا پیغام پہنچاتے ہیں۔
- (۲) رسول انسان ہوتے ہیں لیکن عام انسانوں جیسے نہیں، بلکہ ان میں اعلیٰ صفات ہوتی ہیں۔

(۳) انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔

(۴) رسالت کسب و محنت سے نہیں ملتی، بلکہ وحی چیز ہے، جسے خدا چاہتا ہے دے دیتا ہے۔

- (۷) ہمہ گیر اور عالمگیر رسالت صرف حضرت محمد ﷺ کی ہے۔
 (۶) نبی مطہر عظمیٰ ہوتا ہے اس کی اتباع ضروری ہے۔
 (۵) شیعہ رسالت عظیم ہوتا ہے اس کا لٹا کر کھنا ضروری ہے۔
 (۴) رسالت محمدی تمام رسولوں کی رسالت سے افضل و اعلیٰ ہے۔
 (۳) آپ ﷺ رسالت و نبوت کے آخری تاجدار ہیں، آپ کے بعد نبوت کا سلسلہ بند کر دیا گیا، آپ ﷺ کا کام آپ کی امت کے ذمہ لگا دیا گیا ہے نبوت ختم ہو گئی مگر کار نبوت ابھی باقی ہے امت کے ہر شخص کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نبوی دین کا خود بھی سمجھے اور دوسروں کو سکھائے۔
 (چند وجہ و دلائل اسنادی منقولہ)

يَا زَبَّ حَلٍّ وَسَلِّمْ مَا نَبِئًا أَبَدًا عَلَي خَيْرِ حِكْمٍ خَيْرِ الْخُلُقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۵۱

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا

قابل احترام و رمن: رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکاون نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاص رعب عطا فرمایا تھا" جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایہ ہے کہ بھلا اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجہد میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سامنے میں ترتیب دیا ہے، کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سامنے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور میرا پتہ محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور محرابیہ پیارے روضہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! خصوصیات مصطفیٰ ﷺ جلد سوم کی پہلی اور مجموعی طور پر اکاون نمبر خصوصیت شروع کی جا رہی ہے، ابے شک دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور پاک ﷺ کو دیگر انبیاء کی نسبت ایک خاص رعب عطا فرمایا تھا جیسا کہ آپ ﷺ نے خود بھی فرمایا کہ مجھے خاص رعب عطا کیا گیا، جو دیگر انبیاء کو عطا نہیں کیا گیا، آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں اسی کی تفصیل کو پیش کیا گیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی ہمارے

ہیں۔ سورتوں کی خصوصیات جو اربع الکلمہ میں داخل ہیں، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئیں ہیں وہ ان سب کو جامع ہیں، یعنی تکمیل دین اور ختم نبوت ان دونوں سے متعلق پچھلی جلدوں میں تفصیل کا کام پیش کر دیا گیا ہے، ان ہر دو خصوصیات کی اہمیت کے پیش نظر ایک بار پھر انکا مطالعہ کر لیا جائے تو بہتر ہے، انشاء اللہ۔ بہر حال انہما کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر اٹاتا ہے۔

چنانچہ خصوصیات معظی ﷺ کی اس تیسری جلد میں پہلے مندرجہ بالا احادیث میں آنے والی خصوصیات کی تفصیل کو پیش کیا جا رہا ہے اور اس کے بعد دیگر خصوصیات پیش کی جائیں گی انشاء اللہ، لیکن ملاحظہ فرمائیے:-

اکادین نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یہ بظاہر کمزور و درجے یا درجہ نگار تھے اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسا ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ، مگر ان میں سے کسی کو بھی نام ثانی کے رعب اور بیت کا انعام عطا نہیں ہوا اور تاریخ اس بات پر شاہد ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز گواہی دے رہا ہے، سب جاہلی اور سبکی غربت سے ہوا، مگر انجام موسیٰؑ طاقت و اداری سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا اور ان سب سے مافوق یہ تھا کہ آپ ﷺ کی تمام تر قوت، طاقت، رعب و بیت سب اللہ کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے کم کمشیوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز دی اور یہ اثر پیدا ہوا کہ آپ ﷺ جس راستے سے نکل جاتے، گمنام گار اور مجرم سر اطاعت ختم گردیتے اور اپنی سیرہ کاریوں پر عنادت کا اظہار کرتے تھے۔

متعدد احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے فتح وغیرت، رعب و ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی، یہاں تک کہ میری دھماک ایک مہینہ کی مسافت تک پہنچا کر رہا ہے۔ عوام ابنِ ظلموں نے مقدمہ میں فنونِ جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے، وہی وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خدا دادِ ربوبیت چھا جاتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ام گرامی کو یہ شرف اسے عطا ہوا کہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صدائے حق کیسے راستہ صاف ہو، قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا ”سَالِفِيْ بَنِي قُلُوْبٍ الْفٰلِیْنَ كَفَرُوْا وَ الْوٰعِبِ“ (کل) ”مغرب کافروں کے دلوں میں رعب ڈالوں گا۔“

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی کہ ”فَلَذِ بَنِي قُلُوْبِهِمُ الْوٰعِبِ“ (دور دور) ”اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔“

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ رکھنے والے بہادر و ہر شے کواریں بجھا بھا کر آئے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی تو کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے، نہینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے اور جن کو اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا جب انہوں نے مرتد بنی کی بجائے بڑے بڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی، خیبر کے قلعہ ثعلبہ یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دھنسا لشکر اسلام طلوع ہوا تو ان کے منہ سے جھجھکی گئی کہ ”محمد کا لشکر“ ابوسنین جو بارہ ایک فریقِ مقابل کی حیثیت سے میدانِ جنگ میں فوجوں کے پرے لگا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اسکو لے کر اسلام کے موجزن رہائے اُمّی کا تقارر دیکر رہے تھے اور رنگِ برنگ کے علم بگاڑوں کے سامنے سے گزر رہے تھے تو ہرے دستہ اور نے علم کو دیکھ کر کانپ

کاتب جانتا تھا۔ ایں ہمہ اس ہمسہ بیت کا حال کیا تھا، نا آشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا، بچے خبر اس سے رعب کھاتے تھے اور با قبر پروا نہ کرتے تھے کہ مستحکم و مستول اللہ والالبین حفظہ ائفہ علی الکفار و خفاءہ بینہم۔ ”محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں پر بخاندی اور آپس میں رحم دل ہیں۔“

ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرہ مبارک پر نظر پڑی، کاتب گیا، فرمایا ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی۔ حضرت محرمہ سہیلی نے اپنے بیٹے اسود سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمانہ نہ میں ہیں، آپ گمراہ اور وہ لوگ پکانے لگے، باپ نے کہا جہاں چوراہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم جا رہیں، یہ بیت، یہ قار، یہ دہ، یہ رعب، تیغ و سنان کی چمک فوج و عسکری کے حلاطم، جلاوٹوں کی صف بندی اور تیغ و کف سپاہیوں کی نمائش سے کس بیوا ہوا بلکہ۔

بیت حق است ایں از خلق نہیں بیت ایں مرد صاحب دلق نیست (نہی)

(عروہ سرحد النبی ص ۱۰۷)

اور رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت سے متعلق کا ضیٰ سلیمان منصور پوری اپنی مایہ ناز کتاب رحمۃ اللعالمین میں رقمطراز ہیں، استفادہ عام کے لئے اُسے بھی پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے:-

نبی ﷺ کے ۲۳ سالہ عہد نبوت پر نظر ڈالو اور عالم تبلیغ و دعوت کے لیے شہر مکہ کے اندر دلوں تباہی مکہ سے باہر، یکہ دن رات ہو یا دن تنہا تشریف لے جایا کرتے تھے مگر کسی شخص کو حضورؐ پر جاں مٹاں حملہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔

منذویوں اور میلوں میں جہاں بڑا ہوا شیخوں اور بچوں مختلف قبائل کا اجتماع ہوا کرتا تھا، حضور ﷺ جاتے اور مکہ توحید کا اعلان فرماتے، دیوتا دیوی کے ماننے والوں میں سے کوئی بھی حضور ﷺ پر حملہ آور نہ ہو سکتا تھا۔

مکہ سے دور دراز قبائل میں جو خشونت اخلاق اور خوں ریزی دے باکی میں بہت زیادہ مشہور تھے، حضور نے تبلیغ کے لئے متعدد چکر لگائے، اس سفر میں ابو بکر صدیقؓ کے سوا اور کوئی بھی حضور کے ہمراہ نہ ہوتا تھا، ابو بکرؓ سے بھی ان قبائل کو کچھ تعارف نہ تھا، حضور ﷺ ہر جگہ دعوت فرماتے، ہر ایک کے سامنے، توں کی نفی فرماتے لیکن کوئی بھی حضور ﷺ کے سامنے برسرِ پیکار نہ آتا۔

آغا سفرِ ہجرت سے تین روز پہلے ایک ایک قبیلہ کا بہادر دشمنوں نے جمع کر لیا تھا، انہوں نے حضورؐ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تھا، لیکن ہر ایک کے دل پر کتنا رعب تھا کہ تحفے تو ذکر اندر داخل ہونے کی کسی میں جرأت نہ تھی، ساری رات اس انتظار میں پوری کر دی کہ حضورؐ خود ہی باہر تشریف لائیں تو یہ حملہ کریں جب حضورؐ گن تہا باہر بھی نکلے تو شاہت الوجوہ لایمنصرون کے کلام سے ان کو فہمہ بھی دلایا اور مٹھی بھر خاک اٹھا کر ان کے سروں پر بھی پھینک دی، بایں ہمہ کسی نے سر نہ اٹھایا اور حضور کے چہرہ تا پاؤں کی طرف کوئی نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھ سکا۔

طائف کا حکمران اور تمام باشندے حضورؐ کے خلاف ہیں، بکران کی سنگ باری اور شرارت صرف اسی حد تک محدود ہے کہ حضورؐ کی تقریر نہ ہو سکے، آخر وہی اہل طائف ہیں اور وہی ان کا حکمران ابن عبد یلیل، کہ خود مدینہ میں حاضر ہوتے اور داخل اسلام ہو جاتے ہیں نصرتِ بالرب کی مثالیں اس زمانہ کی بڑی بڑی سلطنتوں کے حالات سے بھی ہو رہی ہیں، یمن سلطنت ایران کے قبضہ سے نکل جاتا ہے، اور کسی جنگ کے بغیر مطیع اسلام ہو جاتا ہے، مگر سلطنت ایران یمن کی طرف منہ بھی نہیں کرتی، اس لیے کہ حضورؐ کا رعب ان کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا۔

شمالی عرب سلطنت روما کے اقتدار سے نکل جاتا ہے اور روما کا شہنشاہ فراہمی افواج اور حملہ آوری کا حکم بھی جاری کر دیتا ہے اور اسی کی مدافعت کے لیے حضورؐ عرب کی سرحد تک تک تشریف بھی لے جاتے ہیں مگر ایک مہینہ کی راہ پر (یروشلم میں) بیٹھتے ہوئے ایپھر کا دل

خوف سے بھر جاتا ہے اور سابقہ احکام جنگ کو منسوخ کر کے دم بخود ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔
عرب کی قدیم ترین سلطنتیں حیرہ و عسسان قائم ہیں، انہی کے دربار کے شعرائے
خاص حسان بن ثابت اور کعب انصاری تاج پوش بادشاہوں کو چھوڑ کر یوریا نشین رسولؐ کے
آستان پر حاضر ہو گئے ہیں مگر ان سلطنتوں میں سے کسی کو یہ حوصلہ نہیں پڑتا کہ اپنے
شعرائے خاص کو واپس لینے کے لیے ہی اکتہار طاقت کریں اور دربار عالی کے خدام تک کو کئی
دھمکی سے ملا ہوا فقرہ بھی پہنچا سکیں۔

ذی ظلم، ذی ایران کی حکومتیں یمن کی جانب اور مکہ سے متصل قائم ہیں ان میں
سے ہر ایک حکومت کے پاس باقاعدہ فوج بھی موجود ہے اور خزانے بھی معمور ہیں، وہ گھر
بیٹھے حضورؐ کا کلہ پڑھنے لگے ہیں، عدوان و سرکشی کا خیال تک بھی ان کے دماغ میں نہیں آتا۔
ذوالکلاع حیرہ کے اپنے گھر میں بیٹھا چند ہزار علاموں سے سجدہ کراتا اور خدا کہلاتا
ہے لیکن ایسے رسولؐ سے وہ بھی دل ہی دل میں ڈر رہا ہے جس نے کئی ایسے دعاوی فرعونیت کو
غرقاب کر دیا، اس عہدہ و رسولؐ کہلانے کا رعب مجبور و معبود بننے والے کو مغلوب کیے ہوئے
ہیں۔

نبی ﷺ کی یہ صفت خاص نزدیک و دور ہر جگہ جلوہ گستر تھی، امیر المومنین علی المرتضیٰ کا
فقرہ ہے، معن راہ بدبہتہٗ ہائے جو کوئی حضورؐ کے سامنے یکا یک آجاتا وہ دہشت زدہ ہو جاتا
یہ دہشت الہیہ تھی جو رعب بن کر حضورؐ کی شہمت و عظمت کو دو بالا کر رہی تھی، ”وصلی اللہ
علی حبیبہ محمد والہ وبارک وسلم“

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

(نکولہ رحمۃ اللہ علیہ بن عبد سوم)



خصوصیت نمبر ۵۲

رسول اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ باون نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتا دیا جائے تو بہتر ہے، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایہ ہے کہ بھلا اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجہد میں بیٹھ کر وضو رسول ﷺ کے سامنے میں ترتیب دیا ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! مجملہ خصوصیات میں سے ذیل کی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کے صدقے آپ ﷺ کی ساری امت کے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنادیا، بے شک یہ صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے اس سے پہلے کسی بھی نبی اور کسی بھی امت کے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ نہیں بنایا گیا، مزید تفصیل آپ ﷺ کے لئے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

باون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کیلئے چند گھری ہوئی چار دیواریوں کے محتاج ہیں، گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر رہتا ہے، یہود اپنے

صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں، میرائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے، یہاں تک کہ بت پرست تو میں بھی اپنے بت خانوں ہی کی چار دیواری کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتی ہیں لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس تب وکل اور سنگ و خشت کی چار دیواریوں میں محدود نہیں، وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جاسکتا ہے، کوہ و صحرا، جنگلی وری، مسجد وغیر مسجد، ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جاسکتا ہے، وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے، مسجدوں کے باہر بھی ہے، اس کی قربانی مشرق و مغرب، ہر جگہ گزرتی ہو سکتی ہے۔

اَسْتَاغْفِرُكَ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ وَتَجَنَّبُكَ يَا رَبِّ الْعَالَمِينَ۔ ”جدھر منہ پھیرو، ادھر ہی خدا کا منہ ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا کہ ”میرے لئے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی۔“ یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور اس کے آخری مذہب ہونے کا علان عام کرتا ہے۔ (توالہ بیت النبی ﷺ ج ۱)

اور آپ ﷺ کی اس خصوصیت سے متعلق صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ یہ وہ اپنے نسب اور میرائی اپنے نسب کے بغیر نماز نہ پڑھا کرتے تھے، بخوشی بھی پاک و آگ کے متعلق کلمہ کے بغیر سرگرم عبادت نہ ہوا کرتے تھے، خود کا بھی حال مسکروں کے متعلق تھا۔

مسلمانوں کی شہ زہ عبادت کی محتاج اور نہ کسی نبی ہادی کی قبول توہ کی ان کو حاجت ہے، ان کا گرمایا ہوا دل اور روشن آنکھیں آگ کی حرارت اور قیامت سے بے نیاز ہیں، اسی لیے روئے زمین کا ہر ایک گوشہ اور ہر ایک قطعہ ان کی سجدہ و بڑی کے لیے موزوں ہے:

يَسْجُدُونَ لِلّٰهِ قِيَامًا وَ قُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ ۚ يُسْتَخَارُ فِيهِ لُغْلُغٌ ۚ

حالت طاری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کو حضور کی مسجد بنا دیا۔

یہ شرف اسی حقائق شناس کو ملے جس کی نگاہ میں کائنات کا چہرہ چہ توحید کے ترنم میں ہے، جس کے سامنے ریگستان کا ذرہ ذرہ انوار قدسی کا آئینہ دار ہے، جسے ہر شے ظہیر جمال لم بزل اور مرآۃ جلالتی نظر آتی ہے جس کے کالوں میں پتھروں کی صیقل اور سبزہ کی تحمید ہر

وقت گونج رہی ہے، جسے آسمان وزمین کی فضاء بگبیر وز مزہ جلیل سے بھری ہوئی نظر آتی ہے، اسی کے لیے تمام روئے زمین مسجد بھی بنا دی گئی۔

اور آپ ﷺ نے اپنے اس خصوصیت سے متعلق حدیث شریف میں ﴿فَجُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضَ مَسْجِدًا ۖ وَأُطْهِرُهَا﴾ فرمایا کہ روئے زمین کو میرے لئے مسجد و طہور بنا دیا گیا چنانچہ سمجھ لیا جائے کہ یہاں طہور سے مراد وضو ہے اطراف بدن کا ہدایت شرعی کے مطابق پانی سے دھونا وضو کہلاتا ہے، وضو نماز کے لیے شرط ہے۔ مگر نماز کا ترک کسی حالت میں روا نہیں، عام طور پر یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ شرط کے نہ ہونے سے مشروط بھی مفقود ہو جانا چاہیے اور جہاں وضو کے لیے پانی میسر نہ ہو، وہاں نماز بھی معاف ہو جانی چاہیے۔ لیکن کیا نماز ان لوگوں پر معاف ہو جاتی ہے جو گھاس کے پتے پتے سے وحدہ لاشریک کے سننے والے اور درخت کے پتے پتے کو فخر معرفت جاننے والے ہیں۔ ضرور تھا کہ انسان حصول طہارت کے لیے کوئی دوسری تدبیر اختیار کرتا انسان مٹی ہی سے بنا ہے مٹی ہی اس کی اصل ہے اور مٹی ہی اس کو بن جاتا ہے، مٹی ہی مخلوقات کا گوارہ ہے اور مٹی ہی سے کائنات ارضی اپنی خوراک حاصل کرتی ہے، اس لیے اس مٹی ہی کو طہور بھی بنا دیا گیا، ہندوؤں میں سندھیا کے لیے ہون ضروری ہے اور ہون کے لئے تین چیزوں کا ہونا ضروری ہے اس میں سے ایک گھی بھی ہے گھی کے سولہ چھپے آگ میں ڈالنا ضروری ہیں ہر ایک چھپے چھپے ماشکا ضروری ہے (ستارہ ہلال) سندھیا کے لیے ہون کی شرط نے اور ہون کے لیے ۳۶ چیزوں کی موجودگی کی شرط نے ہندو قوم کے افراد کو سندھیا سے محروم کر دیا ہے۔ مٹی کہاں نہیں مل سکتی؟ جہاں پانی نہ ہوگا، وہاں پر مٹی تو ضرور مل جائے گی، خاک آلود ہاتھوں کا چہرے پر پھر لینا اس عجز و فقر کو ہی ظاہر کرتا ہے، جس نے طہور تراب پر ایماندار کو مجبور کیا۔ الغرض یہ خصوصیت نبی ﷺ ہی کی ہے کہ حضور ﷺ نے خراب روئے زمین کو ہمارے لیے طہور بنا دیا اور حضوری بارگاہ ربانی سے کسی حالت میں بھی دور و مجبور نہ ہونے دیا۔ (نورالرحمۃ للعالمین جلد اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصیت نمبر ۵۳

رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تریچن نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ تمام انبیاء کے مقابلے میں آپ ﷺ کی پیروی کرنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے، جیسا کہ آپ آنے والے صفحات میں اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، جسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترحیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعے سے ہمارے قلوب میں آپ ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ لیجئے تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

تریچن نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم و ہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں، یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں، وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر بلیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے۔ حضرت نوح سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھتے جائیے، حضرت موسیٰ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جن کے ماننے والے سو (۱۰۰) بھی ہوں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کوششوں کے جولا نگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں، کہیں

گوسالے کو پوچھتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں صرف روشی اور جاہ بازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر یاد رکھتے ہیں کہ چند پہاڑی انسان ان کی شیریں گفتگاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ مرغ باغک دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن یہ شخص صرف مصلیٰ اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ ﷺ نے تنہا بے یار و مددگار متلاشی برحق کو خدا سے توحید دی، جو اب میں آئیے آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۲۳ سال نہ گزرنے پائے تھے کہ یہ مسلمان عرب کا زور و زلفہ لا اِلهَ اِلَّا اللّٰہ سے پر شور ہو گیا اور جب آپ نے اسی ملک کی سرزمین کے لئے حیمۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ چاندروندہ کار وائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا ہے، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاء ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا۔

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "ایک دفعہ مجھ پر (عام مثل میں) تو میں خوش کی گئیں، بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے، بعض تنہا ہی تھے، ان کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا، اسنے میں ایک بڑی بیڑ نظر آئی۔ خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوں، تو تنہا گیا کہ یہ موسیٰ اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارے کی طرف دیکھو، اتنا سوادِ عظیم نظر آیا کہ اس سے آفتاب چھپ گیا، پھر کہا گیا ہے کہ اب ادھر بھی دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا ہے کہ یہ سب میری امت ہے۔" (مسند ابی داؤد، ترمذی، ابی حاتم، ابی یوسف)

اور رسول اکرم ﷺ اسی عظیم خصوصیت سے متعلق سیرت حلیہ کے مصنف اپنے انداز میں یوں رقم طراز ہیں کہ خود آپ ﷺ کے زمانے کے لوگوں کے علاوہ آپ سے پہلے کے زمانے والوں کے لئے بھی، اور آپ کے بعد کے زمانے والوں کے لئے بھی، یہاں تک

کہ درختوں اور پتھروں کے لئے بھی آپ کو نبی بنایا گیا، ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ ”نہی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا رہا ہے، یعنی اپنے زمانے کے تمام انسانوں کی طرف یا کسی خاص جماعت کو رامت کی طرف۔“

چنانچہ ان میں سب سے پہلے حضرت نوح ہیں کیونکہ ان کو ان تمام انسانوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا تھا جو ان کے دور میں اس زمین پر بستے تھے۔ جب ان کو یعنی حضرت نوح کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی خبر دی کہ سائے کشی والوں کے ان پر کوئی ایمان نہیں لائے گا تو انہوں نے ان باقی تمام آدمیوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بدعا کی کہ ان پر عذاب نازل فرمائے، مگشتی کے یہ لوگ کل ملا کر ہی آدھی تھے جن میں چالیس مرد تھے اور چالیس عورتیں تھیں۔ مگر کتاب عوارف المعارف میں یہ ہے کہ کشی والوں کی تعداد چار سو تھی۔ (ان دونوں میں لوگوں کی تعداد کے بارے میں جو اختلاف ہے اس کو دور کرنے کے لئے) یہ کہا جاتا ہے کہ چار سو کی تعداد انسانوں اور غیر انسانوں سب کی ملا کر تھی کیونکہ اس میں جانور بھی تھے اس طرح یہ اختلاف دور ہو جاتا ہے۔

غرض حضرت نوح کی بدعا کے بعد طوفان آیا اور تمام زمین پر پلینے والے اس سے ہلاک ہو گئے صرف وہ لوگ زندہ رہے جو ان پر ایمان لے آئے تھے تو اگر نوح ”تمام انسانوں کے بظہر نہ ہونے کو ان کی مخالفت کرنے اور بت پرستی کرنے کی وجہ سے نوح سے ان کے حق میں بدعا نہ کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ چلو مائیں معذبین حتیٰ نبعت رسولاً“ اور ہم بھی سزا نہیں دیتے جب تک کہ کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے۔“

یہ بات ثابت ہے کہ نوح ہی وہ پہلے نبی ہیں جو بتوں کی پوجا کرنے والوں کے خلاف نبی بنا کر بھیجے گئے، کیونکہ بت پرستی سب سے پہلے ان ہی کی قوم نے شروع کی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو نبی بنا کر ظاہر فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بت پرستی سے روکیں۔

آدم کے متعلق روایت ہے کہ وہ سب سے پہلے رسول ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں اور اس کے پسندیدہ

طریقوں پر چلیں۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ آدم کو وہ سب باتیں بتلائیں جو حق تعالیٰ کو پسند ہیں نیز وہ جو نا پسند ہیں تو اس کے ذیل میں ان کو یہ بھی حکم فرمایا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ باتوں پر عمل کرنے کے لئے حضرت حوا کو حکم دیں اور نا پسند باتوں سے بچنے کی ہدایت کریں۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ ”اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی بہشت میں پھر کھاؤ دو دونوں ان میں سے با فراغت جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے۔“

چنانچہ بعض علماء کا قول ہے کہ نبوت و پیغمبری کی حقیقی اور عین منشاء یہی ہے۔ بہر حال اس کے باوجود بھی یہ بات ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ کی نبوت اگرچہ ساری دنیا کے لوگوں کے لئے عام تھی مگر وہ عمومیت اس عمومیت کے برابر نہ تھی جو آنحضرت ﷺ کو عطا فرمائی گئی تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت ان لوگوں تک کے لئے بھی عام ہے جو آپ کے زمانے کے بعد دنیا میں آنے والے ہیں۔ لہذا اب یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے کہ طوفان کے بعد زمین پر سوائے مسومنوں کے کوئی باقی نہیں رہا تھا اور جس سے حضرت نوحؑ کی نبوت کا سب کے لئے عام ہونا ثابت ہو جاتا ہے اور جب حضرت نوحؑ کی نبوت بھی ساری دنیا کے لئے عام تھی تو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب ہوگا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا فرمائی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کبھی کسی کو نہیں دی گئیں، اور ان میں سے ایک میری نبوت کا ساری دنیا کے لئے عام ہونا ہے تو گویا کچھلی سطروں میں نوحؑ اور آنحضرت ﷺ دونوں کی نبوتوں کے عام ہونے کے باوجود ان میں جو فرق ظاہر کیا گیا ہے اور اس کے ذریعے آپ ﷺ کی نبوت کی فوقیت ظاہر کی گئی ہے اس کے بعد یہ اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔

اس اشکال کا ایک جواب علامہ حافظ ابن حجرؒ نے بھی دیا ہے مگر اس کچھلے جواب کے بعد وہ بھی اہم نہیں رہتا) علامہ ابن حجرؒ نے اس کا یہ جواب دیا تھا کہ نوحؑ کی نبوت کو جو

عمومیت حاصل ہوئی اور طوفان کے بعد حاصل ہوئی، کیونکہ اس وقت سوائے ان کے ہانے والوں کے زمین پر کوئی دوسرا باقی نہیں رہا تھا اور نہ اصل کے لحاظ سے ان کی نبوت کو یہ عمومیت حاصل نہیں تھی، جب کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت اصل کے لحاظ سے ہی ساری دنیا کے لئے عام تھی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح کے تبلیغ شروع کرنے اور طوفان کے آنے کے درمیان ایک سو سال کا فاصلہ تھا، یہ بات ثابت شدہ ہے کہ آدم سے لے کر نوح سے پہلے پہلے جتنے نبی گزرے ہیں ان سب کی نبوت کا اصل منشاء اور مقصد یہ تھا کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر ایمان لانے کی ہدایت کریں اور خدا کے ساتھ شرک نہ کرنے کی ہدایت کریں مگر چہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرک اور بت پرستی حضرت نوح کے زمانے میں شروع ہوئی اور اس کے بعد سے ہی باقی ہے۔

اس بارے میں یہودیوں اور بن کے ساتھ یہودیوں کے ایک خاص فرقے عیسویہ جو عیسیٰٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں ان کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ میں طور پر صرف عربوں کے لئے ظاہر ہوئے تھے، یعنی اسرائیل کے لئے نہیں اور یہ کہ آنحضرت ﷺ سچے نبی تھے (مگر صرف عربوں کے لئے ہی آپ کی پیروی کرنی ضروری تھی دوسری قوموں کے لئے نہیں) تو یہودیوں کا یہ قول فاسد و رافعو ہے، کیونکہ جب انہوں نے یہ بات تسلیم کر لی کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہ کہ آپ ﷺ بوجہ بولنے میں جھوٹ کچھ نہیں کہتے تو پھر انہوں نے آپ کی اس بات پر کیوں یقین نہیں کیا کہ آپ ﷺ ساری دنیا کے نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں کیونکہ یہ حدیث تو قرآن کے ساتھ ثابت ہے کہ آپ ﷺ تمام انسانوں کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

مولف میرتبہ علیہ کہتے ہیں: حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رُسُلٍ إِلَّا بِلِسَانٍ فَهْمٍ﴾ ”اور ہم نے تمام پہلے پیغمبروں کو بھی ان ہی کی قوم کی زبان میں بھیج دیا کریم جان“ (جس کا مطلب بظاہر یہ ہوتا ہے کہ ہر نبی صرف اس قوم کے لئے ہوتا ہے جن کی زبان وہ بولتا ہے، لہذا کسی نبی کو ساری دنیا کا نبی کیسے کہا جاسکتا ہے کیونکہ وہ ساری دنیا کی

زبانیں تو ظاہر ہے ہون نہیں سکتا اس کا شکل کا جواب بعض علماء نے دیا ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نئی کی جوت صرف اسی تو متک محدود ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس قوم میں وہ تخلیق کر رہا ہے اسی کی زبان وہ ہوتا ہوتا کہ وہ خود پہلے ان کی ہدایت کرے اور پھر اس سے ہدایت حاصل کرنے والے دوسروں تک دو پیغام پہنچا دیں۔ اور اس طرح اس نئی کی زبان نہ بنے والوں یعنی دوسری قوموں تک ترجماؤں کے ذریعہ اس نئی کا پیغام پہنچ جائے۔

لہذا یہ بات ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی دنیا کے انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اگر چہ آپ اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب یعنی قرآن پاک عربی ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت یحییٰ بنی اسرائیل کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے تھے اور موسیٰ کو عبرانی زبان میں کتاب جتنی تو رات دی گئی اور عیسیٰ کو عبرانی زبان میں انجیل دی گئی حالانکہ بنی اسرائیل میں بہت سے لوگ وہ بھی تھے جو عبرانی زبان یا سریانی زبان نہیں سمجھتے تھے جیسے ادوام تھے کہ وہ بنی اسرائیل تو تھے مگر ان کی زبان یونانی تھی والقد علم۔

(معاذ سیرتہ صفحہ ۱)

يَا زَبَّ صَلِّ وَسَلِّمْ ذُبَمَا اَيْنَا عَلٰى حَبِيْبِكَ غَيْرَ الْمَخْلُوْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۵۴

رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی

قاضی انترم قارئین! رسولِ اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چون نبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسولِ اکرم ﷺ کی دعوت تمام دنیا والوں کے لئے تھی“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، محمد اللہ و مگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی اللہ تعالیٰ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر ترتیب دینے کی توفیق عطا ہوئی، اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی ہمارے نبی ﷺ کی امتیازی اور فہم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی دعوت کو تمام دین والوں کے لئے بنایا جبکہ دیگر انبیاء اکرام کی دعوت محدود علاقے اور محدود زمانے تک کے لئے ہوتی تھی جیسا کہ اس خصوصیت کے ذیل میں وضاحت کی گئی ہے، لیکن اب اس خصوصیت کا مطالعہ شروع فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

چون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

رسولِ اکرم ﷺ کے پیروں اور حلقہ مجوس کی کثرت تعداد کا ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے، مان کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھینروں کی نگہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور جنس کی طرف ہوئی، کالے گورے، مدی، حبشی، عرب، عجم، ترک، ہندوستانی، چینی، ہندی، سب آپ ﷺ میں برابر کے خندار ہیں۔

قرآن نے کہا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ﴾ ترجمہ: ”اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لئے بھیجا ہے۔“

اور فرمایا: ﴿يُشْرِكُ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَىٰ عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ نَذِيرًا﴾ ”بابرکت ہے وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا تاکہ وہ تمام دنیا کو ہوشیار کرے“ صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا اور میں تمام دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں۔“ اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں ”اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھتے جاسیے، سب کے پیروؤں کو اس کی زندگی میں خود اسی قوم و ملک کے اندر محدود پاؤ گے لیکن آپ ﷺ کے حلقہٴ بگوشوں میں خود آپ ﷺ کی زندگی میں عرب کے علاوہ مسلمان، عجمی، صہیب، رومی، ہلال حبشی سب کو پاؤ گے، سلاطین عالم کے نام آپ ﷺ کا دعوت نامہ بھی اسی تعیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔“

(بحوالہ سیرت النبی ﷺ جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۵۵

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پچپن نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم عطا فرمائے“ بہر حال مہملہ خصوصیات میں سے خصوصیت ہذا بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ خود زبان اقدس سے ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ جوامع الکلم عطا فرمائے جو دیگر انبیاء کو نہیں ملے، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ رب العالمین کو اپنے آخری نبی ﷺ سے سب سے زیادہ پیار تھا کہ اپنے آخری نبی ﷺ کو وہ کچھ عطا کیا جو کسی بھی نبی کو عطا نہیں کیا، بے شک ”ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ“۔

امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے بھی ہمارے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین

پچپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

دنیا میں آسانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں، تو راۃ اقوام کی تاریخ اور احکام و قوانین کا مجموعہ ہے عقیدہ توحید رسالت کے سوا تمام دیگر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام واقف اخلاق سے یکسر خالی ہیں۔ زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے۔ سفر ایوب میں صرف عقیدہ تقدیر رضا کی تعلیم ہے۔ امثال سلیمان صرف مواعظ و حکم ہیں۔ دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ

وعدامت، پیشین گوئی اور ماتم ہیں۔ انجیل کا صحیفہ حضرت مسکا علیہ السلام کی سرگزشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے، لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کو جو صحیفہ ملا وہ جوامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے، وہ تورات بھی ہے زبور بھی ہے اور انجیل بھی اور کچھ ان سے زیادہ بھی، اس لئے آپؐ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے بتاقتی میں حضرت واثلہؓ بن اسحاق سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا ”مجھے تورات کی جگہ سبع طوال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثنیٰ دی گئیں۔ اور سور مفصلات زیادہ ملیں۔“ ابو نعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثنیٰ تورات کی جگہ مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں۔“

اس لئے قرآن مجید، تورات، زبور، انجیل کو جامع ہے اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواظب بھی ہے، دعا و مناجات بھی ہے، اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں، تمام مراسم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور شعبہ کیلئے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات موجود ہیں، صرف تورات کے اسفار شمسہ، یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا سرمایہ نہیں، یہاں تک کہ ان کے عقائد اور عبادات بھی اُن کے صحیفوں کے رہین منت نہیں اور وہ اُن کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں، لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں، باہر جو کچھ ہے تو احادیث اُس کی عملی توضیح و تفسیر ہے، وہی تہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لئے اس کے پیروکار مل حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سینکڑوں لطائف ہیں، اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں اور صوفیاء اور ارباب حال نے متعدد نکتے پیدا کئے ہیں، تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا

لوراکلی جوامع الکلم کی کا حدیث ہو سکا۔

تو معلوم ہوا کہ ”جوامع الکلم“ سے مراد قرآن مجید بھی ہے، کون ہے جو قرآن کے جوامع ہوتے سے انکار کر سکے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس جگہ وہ کلام مقدس بھی مراد ہے جسے ”حدیث نبوی“ میں صہبا الصلوٰۃ و السلام کہا جاتا ہے۔

بہت کئی شخص ان الفاظ پاک پر غور کرے گا، جو حضور پر نور کے دل و زبان سے گوشت و لیس تک پہنچے، اسے یقین ہو جائے گا کہ بے شک یہ کلام ”کلام نبوت“ ہے، مختصر، سادہ، صاف، پر صدق معافی کا خزینہ، ہدایت کا گنجینہ۔

اسی کتاب ”نصا نص مصطفیٰ ﷺ“ کی چاروں جلدوں کے متعدد مقامات پر احادیث پاک کو بجا پیش کیا گیا ہے، قارئین کو تدریجاً تفسیر کے بعد کلام نبوی کی جامعیت کا حال کھل جائے گا، اور بخوبی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ کلام صدق صرف مصطفیٰ نبوی ہی سے جلوہ گر ہو سکا ہے، اب ذیل میں برکت کے لئے اور بطور نمونہ دو احادیث پیش کی جا رہی ہیں ان میں سے دوسری حدیث کی مکمل تشریح پیش کی جائے گی، جس کے مطالعے سے انشاء اللہ آپ ﷺ کی زبان القدس سے نکلے ہوئے جوامع الکلم کی اہمیت کا اندازہ ہو جائے گا، لیکن ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی حدیث پاک یہ ہے۔ **لَا يَأْكُم وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسُّسُوا وَلَا تَنَافَسُوا وَلَا تَحَاسِدُوا وَلَا تَبْتَغُوا وَلَا تَدَابُرُوا وَلَا تَوَاعِلُوا** اَللّٰهُ اَخَوَانَا كَمَا اَمَرَكَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْلِيهِ وَلَا يَحْقِرُهُ بِحَسَبِ امْرٍءٍ مِنْ اَشْرَاكٍ يَحْقِرُ اَخَا الْمُسْلِمِ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ مَالُهُ وَدَمُهُ وَ عَرْجَتُهُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُورِكُمْ وَاجْسَادِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ اِلَى قُلُوبِكُمْ وَاعْمَالِكُمْ اتَّقُوا هَهَا التَّقْوَى هَهَا وَيُثْبِتُ اِلَى صِدْقِهِ اَلَا لَا يَبِيعُ اَخُوَانَا وَلَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ اَنْ يَهْجُرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ وَاعْرِضْهُ اِلَى النَّاسِ اَلَا النَّاسُ وَهَلَا لَفْظُ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ

تعالیٰ عنہ ﴿

ترجمہ..... "خبردار بدگمانی کو عادت نہ بنانا، بدگمانی تو بالکل جھوٹی بات ہے، (۲) لوگوں کی عیب جوئی نہ کرنا (۳) اور نہ ایسی باتوں کو اپنے کان تک پہنچنے دینا (۴) بڑھنے کے لیے مت جھگڑنا (۵) باہمی حسد نہ کرنا (۶) باہمی بغض نہ رکھنا (۷) کسی کی پس پشت برائی نہ کرنا (۸) اے اللہ کے بند و آپس میں بھائی بھائی ہو کر رہنا جیسا کہ تم کو اللہ کا حکم ہے (۹) مسلم مسلم کا بھائی ہے بھائی پر نہ کوئی ظلم کر لے (۱۰) نہ اسے رسوا کرے نہ حقیر جانے (۱۱) انسان کے لیے یہی برائی بہت زیادہ ہے کہ اپنے مسلم بھائی کو وہ حقیر سمجھا کرے (۱۲) مسلم کا خون عزت دوسرے مسلم پر بالکل حرام ہے (۱۳) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں اور جسموں کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا ہے (۱۴) دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تقویٰ یہاں ہے تقویٰ یہاں ہے۔ (۱۵) خبردار ایک کی خرید پر دوسرا شخص خریدار نہ بنے۔ (۱۶) اللہ کے بندو! بھائی بھائی بنو۔ (۱۷) مسلم پر حلال نہیں کہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑ دے۔ (بحوالہ بخاری ترمذی و مسلم)

اس کے بعد دوسری حدیث بمع کمل تشریح کے پیش کی جا رہی ہے، جس کے ایک ایک کلمہ مبارک کی وضاحت ہمارے ایمان میں اضافے کا ذریعہ بنے گی انشاء اللہ۔ واضح رہے کہ اس حدیث کی تشریح ہم نے قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ کی شاہکار تصنیف "رحمۃ اللعالمین" جلد سوم سے لی ہے مزید تفصیل جاننے کے لئے وہاں مراجعت کی جاسکتی ہے، استفادہ عام کے لئے اسے یہاں بھی نقل کر دیا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیے۔

دوسری حدیث پاک یہ ہے ﴿عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن سنتہ فقال المعرفة راس مالی والعقل اصل دینی والحب اساسی والشوق مرکبی و ذکر اللہ انیسی والثقة کنزی والحزن رفیقی والعلم سلامی والصبر رذائی والرضا غیمتی العجز فخری والزهد حرفتی والیقین قوتی والصدق شفیعہ والطاعة حسبی والجهاد

خلق فی وفرة عینی فی الصلوة ﴿﴾

ترجمہ:..... "حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) کیا ہے فرمایا معرفت میرا اس المال ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے محبت میری بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے ذکر الہی میرا انیس ہے، اعتماد میرا خزانہ ہے حزن میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میری غنیمت ہے، عجز میرا فخر ہے، زہد میرا حرفہ ہے، یقین میری خوراک ہے، صدق میرا ساتھی ہے، طاعت میرا بچاؤ، جہاد میرا خلق ہے اور میری آنکھوں کی خشک نماز میں ہے۔"

تشریح:..... اب ذیل میں حدیث میں بیان کردہ ہر ہر خصلت کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے ملاحظہ فرمائیے:

(۱)..... الصعوفة داس مالی (معرفت میرا اس المال یعنی میری اصل پونجی ہے)۔ اس المال اس رقم کو کہتے ہیں جس کے بغیر تجارت کا آغاز ہی نہیں ہو سکتا جس سے تاجر اپنی تجارت کو شروع کیا کرتا ہے، حدیث بالا میں معرفت کو اس المال فرمایا گیا ہے۔

معرفت لغت میں شناخت کو کہتے ہیں، اصطلاح عرفاء میں اس کا استعمال ابتداء پر بھی ہوتا ہے اور نہایت پر بھی۔ واضح ہو کہ معرفت کی ابتداء، خوئنس انسانی کی شناخت سے ہوتی ہے، معبودہ ہے جس کے شعور کا آغاز خود اپنے محبوب کی شناخت سے ہو۔

بائبل اور قرآن مجید میں سیدنا آدمؑ کی بابت ہے کہ تمیز کے بعد سب سے پہلے انہوں نے یہ شناخت کیا کہ وہ برہنہ ہیں، پھر اسی وقت انہوں نے درختوں کے پتے جمع کیے اور ان کو ٹانگ ٹانگ کر اپنی برائیگی کا پردہ بنایا۔ پھر اعظم کا اپنی اولاد کو یہ پہلا سبق ہے کہ جب انسان کو اپنا کوئی نقص یا عیب نظر آئے تو فوراً اس کے ازالہ کی تدبیر کرنا چاہیے،

لغت اور شرح میں معرفت اور علم کے دو الفاظ ہیں جو شناخت کے لیے آتے ہیں، اہل علم کے نزدیک لفظ علم کا درجہ لفظ معرفت سے برتر ہے، گو تصوفین کی اصطلاح میں اب

لفظ معرفت کا درجہ لفظ علم سے برتر سمجھا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنَ الرُّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ." "جب انہوں نے وہ کلام سنا جو رسول پر اتارا گیا تب ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ انہوں نے حق کی شناخت کر لی۔"

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ كَمَا نَزَّلْنَا الْأَنْبِيَاءَ مِنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ "جس دن ہم ان کو اٹھائیں گے (اور وہ سمجھیں گے) گویا دن کی ایک گھڑی کے برابر ہی وہ قبروں میں رہے ہیں تب وہ آپس میں ایک دوسرے کی شناخت کر لیں گے۔" "وَجَاءَ أَخُو يُوْسُفَ فَلَدَخَلَ عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ" "جب یوسف کے بھائی مصر آئے اور یوسف کے سامنے گئے تو یوسف نے ان کو شناخت کر لیا۔" "الَّذِينَ آمَنَاهُمْ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ" "جس کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کی شناخت رکھتے ہیں جیسی شناخت ان کو اپنے فرزندوں کی ہے۔"

ہر چہ آیات بالا میں معرفت کا لفظ مستعمل ہوا ہے اور اس فعل کے فاعل انسان ہیں، اب لفظ علم کو مندرجہ ذیل آیات میں دیکھیے: "فَاعْلَمُوا أَنَّمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ بَلَدَلًا" "یہ اللہ کے علم سے نازل کیا گیا ہے۔" "أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ" "اللہ نے قرآن کو اپنے علم سے نازل فرمایا ہے۔" "قُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا" "اے نبی یہ دعا کیجئے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھائیو۔"

ان آیات میں علم کو ذات رب العالمین سے نسبت ہے۔ بلحاظ معنی معرفت و علم میں فرق یہ ہے کہ معرفت کسی شے کی ذاتی شناخت کو کہتے ہیں اور علم کا اطلاق اس شے کے اندرونی احوال پر آتا ہے۔ لہذا معرفت کو تصور اور علم کو تصدیق کہا جاسکتا ہے۔

حدیث بالا میں معرفت کو اس المال فرمانے سے اسی ابتدائی سلوک کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ جب کہ انسان کو اپنے بندہ ہونے کی اور رب العالمین کے مالک ہونے کی شناخت کا آغاز ہوتا ہے، یہی شناخت یہی احساس بندہ کے لیے ہادی راہ بن جاتا ہے۔

واضح ہو کہ اہل تصوف نے امارت اور شواہد معرفت پر تفصیلی گفتگو کی ہے شبلی فرماتے ہیں، جنید بغدادیؒ سے پوچھا گیا عارف کسے کہتے ہیں؟ فرمایا پانی کا رنگ ظرف کے رنگ کا سا نظر آیا کرتا ہے، اس قول کے معنی یہ ہیں کہ بندہ پر الوان عبودیت کا ظہور ہوتا ہے، وہ کبھی اطلاقے ربانی کے سامنے صابر ہوتا ہے، اور کبھی نعمائے ربانی کے سامنے شاکر، کبھی وعدہ ہائے صدق کی بشارت سے اس کا قلب فلد بہار ہوتا ہے، اور کبھی مواعید الٰہی سے وہ سراپا بغز و انکسار اذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عارف کی تین نشانیاں ہیں: ۱۔۔۔۔۔ نور معرفت پر نور و روع غالب ہو، ۲۔۔۔۔۔ اعتقاد باطن حالت ظاہر سے متاقتض نہ ہو، ۳۔۔۔۔۔ نعم الٰہیہ کی فراوانی سے محارم الٰہیہ میں نہ گر پڑے۔

حقیقت یہ ہے کہ معرفت سے ہیبت پیدا ہوتی ہے، اور اس ہیبت ہی کے اندر انس و انشراح ہوتا ہے، حدیث صحیح میں ہے: ﴿اَنَا اَعُوْذُكُمْ بِاللّٰهِ وَ اَشَدُّكُمْ لَهْ عَشِيْقٌ﴾ ”میں تم سب سے بڑھ کر اللہ کا عرفان رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس کے سامنے خشیت والا ہوں۔“ گویا معنی بالاکو الفاظ بالا میں ظاہر فرمادیا گیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ معرفت وہ نور ہے، جو مومن کے سینہ میں رکھ دیا جاتا ہے کہ وہ صفات ربانی کو سمجھ سکے اور شواہد و براہین کا استعمال کر سکے۔ عارف، صفات پر ایمان رکھتا ہے، اور ان کو تشبیہ سے بالاتر سمجھتا ہے، وہ تشبیہ کی نفی کرتا ہے اور تعطیل سے پرہیز کرتا ہے، آگے بڑھ کر وہ صفات و ذات کی تفریق سے اجتناب کرتا ہے اور آگے بڑھ کر وہ جملہ وسائل و سائل، براہین، اور شواہد سے منہ موڑ کر اپنے قلب و روح کو اپنے ملک کے انعام پر چھوڑ دیتا ہے تب اسے معرفت کا حصہ بقدر ظرف حاصل ہو جاتا ہے۔ ﴿صَوَاطِئُ الدِّیْنِ اَنْعَمْتُ عَلَیْہِمْ﴾ کا اشارہ اسی راز کی طرف ہے۔

(۲)۔۔۔۔۔ العقل اصل دینی (میرے دین کی جز عقل ہے) عیسائیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ مذہب میں عقل کو دخل نہیں، وہ عقیدہ تنسیخ کے متعلق کہا کرتے ہیں کہ اس کی بنیاد ہم انسانی سے بالاتر ہے۔ وہ شاگرد کو تنسیخ کی تعلیم دیتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ اس لقمہ کو طلق

سے نیچے نکل جاؤ خواہ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے۔ مگر اسلام ایسے احکام نہیں دیتا، عقل اور عاقلین کی فہمیات آیات قرانیہ سے بخوبی واضح ہے۔

۱..... کذلک نفصل الاٰیۃ لقوم یعقلون ”ہم اسی طرح آیات کو کھول کھول کر عقل والوں کے لیے بیان کیا کرتے ہیں۔“

۲..... ولقد ترکنا اٰیۃ بینۃ لقوم یعقلون ”ہم نے اس کے روشن نشان چھوڑے ہیں عقل والوں کے لیے۔“ قرآن پاک میں خارج از عقل لوگوں کی مذمت فرمائی گئی ہے۔

۳..... ویجعل الرجس علی الذین لا یعقلون ”رجس انہی پر ہے جو عقل نہیں رکھتے۔“ بتلایا گیا کہ علم و عقل لازم و ملزوم ہیں اور انہی دونوں کی آمیزش سے نتائج صحیحہ پیدا ہوتے ہیں۔

۴..... وما یعقلہا الا العالمون ”ان باتوں کی عقل اہل علم ہی کو ہے۔“
پیشک جو شخص احکام شریعت کو پڑھے گا اور ان حکمتوں پر بھی غور کرے گا جن کی وجہ سے ان احکام کا نفاذ ہوا تو اسے بالیقین معلوم ہو جائے گا کہ عقل کے ساتھ احکام شریعہ کا تعلق بہ طریق محکم ہے۔

نماز کے لیے یہ حکم پڑھے! ان الصلوٰۃ نہی عن الفحشاء والمنکر ولذکر اللہ اکبر۔ (سورۃ بقرہ) ”نماز تو بدکاریوں اور برے کاموں سے روکنے والی ہے اور تحقیق اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔“

روزے کے لیے یہ حکم پڑھے: کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ”تم پر روزے لکھ دیے گئے جیسا کہ تم سے پہلوں پر لکھے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ حاصل کرو۔“

ادائے زکوٰۃ کے متعلق یہ حکمت معلوم کیجئے: لئن شکرتکم لازیدنکم. اگر تم شکر کرو گے تو میں تم کو بڑھاؤں گا۔“

حج کی بابت جو حکم ہے اس کے فوائد پر غور کیجئے۔ لیشہدو امنافع لہم۔ ”تا کہ تم اپنے اپنے نفع کو دیکھ لو۔“

قصاص کا اثر مجرم کے لیے ایسے ہی عذاب و سزا کا ہے۔ ”تا کہ اپنے برے کام کا وبال دیکھے۔“ قصاص کا اثر فائدہ مالک کے لیے تو لکم فی القصاص حیوۃ۔ ”تمہاری زندگی قصاص ہی کے جاری کرنے میں ہے۔“

ہاں عقل ہی کو دوسرے مقام پر فطرت انسانی بتایا گیا ہے، عقل ہی برہان کی برتری کو تسلیم کرتی ہے اور اسی لیے مخالفین کو فرمایا گیا: قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صدقین۔ ”کہہ دیجئے کہ تم اپنی برہان پیش کرو، اگر تم سچے ہو عقل، جبر و اکراہ کے مخالف ہے اور اسی لیے کتاب حیدر میں ہے: لا اکراہ فی الدین۔ ”دین کے معاملہ میں کچھ جبر نہیں۔“ ان جملہ شواہد سے ثابت ہے کہ اسلام کا شجرہ پاک سر زمین عقل میں لگایا گیا ہے اور علم کے پانی سے اسے پالا گیا ہے۔ نبی الامی ﷺ کا یہ فرمانا کہ العقل اصل دینی اس دین کے منجانب اللہ ہونے پر دلیل قاطعہ ہے وما یدکرو الا اولوالالباب۔

مسلمان جو انواروں میں دیکھا جاتا ہے کہ وہ عقل سے مراد خود اپنی عقل اپنا فہم سمجھا کرتے تھے یہ دانش کی پہلی دلیل ہے۔ جو لوگ قانون سلطنت کے فہم سے بھی عاری ہیں، جو لوگ خود انسانوں کی بنائی ہوئی، ایجادات کے عقل اتارنے سے عاجز ہیں، ان کا کیا حق ہے، اپنی عقل سے برتر عقل کا کوئی درجہ ہی تسلیم نہ کریں اور اپنے فہم کو صاحب شریعت کے فہم سے بالاتر سمجھنے لگیں۔

۳۔ وَالْحُبُّ اَسَاسُی (محبت میری بنیاد ہے) واضح ہو کہ تغزل و ابیات میں لفظ عشق کا استعمال زیادہ تر ہوتا ہے۔ مگر فرقان حمید اور حدیث پاک میں لفظ عشق اور اس کے مشتقات کا استعمال نہیں ہوا، اس سے ظاہر ہے کہ یہ ایک دلیل لفظ ہے اور اصل لغت کے لحاظ سے معنی حب سے عاری ہے، قاموس میں ہے ”الجنون لھنون والعشق من قلبہ جنون“ کی بہت سی اقسام ہیں، عشق بھی یکے از ان جملہ ہے۔ لہذا لفظ حب کی تحقیق پر زیادہ

توجہ کرنا چاہیئے، زبان عرب میں اس لفظ سے پانچ محاورات پائے جاتے ہیں:

۱..... حُبُّ الْأُنْسَانِ دانت روشن اور صاف ہیں۔

۲..... حُبُّ الْمَاءِ پانی نضر ہوا یا کیزو ہے، انہی معنی کے لحاظ سے بلبلے کو حباب

کہتے ہیں،

۳..... حُبُّ الْبَغِيضِ اونٹ نے گھٹنے ٹیک دیے، اس محاورہ میں حب کو لزوم و ثبات

کے معنی میں لیا گیا۔

۴..... حُبُّ دَانِدِ حَمِّ بَا صِل شے، اسی لیے سیدائے دل کو حَبَّةُ الْقَلْبِ کہتے ہیں

، اسی لیے دانہ کو حب (جس کی جمع حبوب ہے) بولتے ہیں۔

۵..... حُبُّ الْمَاءِ وہ جو ہر جس میں پانی خضر جاتا ہے، یہاں حفاظت و نگہداشت

کے مفہوم کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔

اصل مادہ کے ان معانی کو دیکھو، اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ لفظ حُبُّ کو جب کہ وہ بطور

اسم مستعمل ہوتا ہے۔ حرکت ضمہ دی گئی ہے، جو جملہ حرکات میں قوی تر ہے اور اس سے

مقتصد یہ ہے کہ حُبُّ میں اوصاف صفاد بہا اور علو دارقواء اور لزوم و ثبات کا ہونا پایا جائے، حُبُّ

ہی کو جملہ فضائل کا اصل الاصول قرار دیا جائے اور حُبُّ ہی کے حفظ و تمسک کو مایہ حیات

انسانی ثابت کیا جائے۔

چونکہ محبت ان جملہ اوصاف پر حاوی و مشتمل ہے، اللہ تعالیٰ نے اثبات محبت کے

متعلق کلام پاک میں فرمایا ہے: ﴿وَيُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا

لِلَّهِ﴾ ”یہ لوگ فیروں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے مگر جو ایمان والے ہیں وہ اللہ

کی محبت میں بہت زیادہ محکم ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا بندوں کو ہونا اور بندوں کی محبت کا اللہ عزوجل کو ہونا

ہر دو امور کا ثبوت فرمایا ہے فسوف ياتسى الله يقوّم يحبههم ويحبونہ۔ ”اللہ تعالیٰ ایسی

قوم کو اسلام میں لائے گا جن سے اللہ محبت کرتا ہوگا، اور وہ اللہ سے محبت رکھتے ہوں گے

احادیث پاک میں بھی اس امر کا وضوح کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

۱..... ان احب الاعمال الى الله الايمان بالله ثم الجهاد "اعمال میں

سے اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارا ایمان ہے ہو پھر جہاد ہے۔"

۲..... احب العمل الى الله ما ذاؤم عليه صاحبه. "سب سے پیارا عمل اللہ

کے ہاں وہ ہے جس پر عمل والا ادا مت کرے۔"

۳..... ان الله يحب ان يؤخذ به خصيه. "اللہ کو پسند ہے کہ اس کی رخصت پر

عمل کیا جائے۔"

۴..... احب الاعمال الى الله الصلوة على اول وقتها. "سب اعمال

سے زیادہ پسند اللہ تعالیٰ کو وہ نماز ہے، جو اول وقت پر پڑھی جائے۔"

احادیث بالا میں تو اللہ تعالیٰ کی اس محبت کا ذکر تھا جو اسے اپنے بندوں کے اعمال

سے ہے اب بندوں کی محبت کا ذات پاک کے ساتھ ہونا، آیت ذیل میں بصراحت

ہے۔ قل ان كان اباؤكم وابناؤكم وازواجكم وعشيرتكم واموال

اقتربتكموها وتجارة تخشون كسادها ومساكن ترضونها احب اليكم من الله

ورسوله وجهاد في سبيله فتربصوا حتى ياتي الله بامره. "کہہ دیجئے کہ اگر

تمہارے ماں باپ، بیٹے، بیٹیاں، بہن، بھائی، بیویاں اور خویش قبیلہ اور مال جسے تم سمیٹتے

ہو اور تجارت جس کے گھٹنے سے ڈرتے ہو اور مکانات، جن کو پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے

اور اس کے رسول سے اور اللہ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تب انتظار کرو یہاں

تک کہ اللہ اپنا حکم جاری فرمائے۔"

اس آیت میں انسان کی اس محبت کا جو اسے مادر، پدر، دختر، پسر، برادر و خواہر، خویش

و قبیلہ، تجارت و صنعت و قرو باغ اور مال و زر سے ہوتی ہے، اثبات فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا

ہے کہ ان سب اشیاء کی محبت کا انسان کے لئے ہونا ایک فطری امر ہے۔

اس کے بعد اجنبیت کا مسئلہ شروع فرمایا کہ اگر مذکورہ بالا محبت مغلوب ہے اور اللہ

تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کی محبت ان جملہ انواع محبت پر غالب تر ہے، تب تو سب کچھ ٹھیک لیکن اگر خدا فخر اسے اللہ و رسول ﷺ کی محبت سے ان اشیاء کی یا ان اشخاص کی محبت بڑھ گئی تب معاملہ سخت مشکل ہے اور اس بارہ میں جو کچھ حکم اللہ تعالیٰ چاہے گا وہی جاری فرمائے گا۔ حکم بالا میں قرآن کریم نے تمدن اور تخیل کا راز منکشف کر دیا ہے اور توحش و ترہب کو چھوڑ کر افراط و تفریط کے وسط میں شاہراہ عدل قائم فرمادی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے محبت کی حقیقت اگر معلوم کرنی ہو تو اس کے لیے ایک ہی لفظ بیان کر دینا کافی ہے، وہ عبودیت ہے، یہی محبت یا عبودیت جملہ محاسن اعمال کی سرچشمہ ہے محبت ہی سے اثابت الی اللہ کی صفت پیدا ہوتی ہے اور محبت ہی خوف ورجا کا معدن ہے محبت ہی ہے جو انسان کو کبھی مقام رضا پر اور کبھی مقام شکر پر متمکن کر دیتی ہے۔ صبر بھی وہی صبر ہے جس کی بنا محبت پر ہو، ورنہ اس کا نام بیچارگی ہوگا۔ زہد بھی وہی زہد ہے جس کا منشا محبت ہو، ورنہ اس کا نام عدم و سترس ہوگا، حیا بھی وہی حیا ہے جس کی ولادت محبت سے ہو، جو ادب و تعظیم کی ہوا میں پللی ہو ورنہ اس کا نام انفعال طبع ہوگا۔ فقر بھی وہی فقر ہے، جو محبت کو بجانب محبوب ہوا و ردل اپنی تمام تر قوت کے ساتھ محبوب کی جانب منجذب ہو جائے، ورنہ اس کا نام تنگ دستی ہوگا۔

الغرض محبت ہی قوت القلوب ہے، اور محبت ہی غذاء الارواح ہے محبت ہی قرۃ العین ہے، محبت ہی حیوۃ الابدان ہے، محبت ہی دل کی زندگی ہے۔ محبت ہی کامیابی کو دوام و بقا کا تاج پہناتی ہے۔ محبت ہی بقا کو بلندی ارتقاء پر بٹھلاتی ہے۔

اب ہم مدارج محبت کا ذکر کرتے ہیں۔

۱..... محبت کی ابتدا و علاقہ سے ہوتی ہے، یعنی دل کا تعلق جو کسی جانب پیدا ہو جائے

۲..... اس تعلق کو ارادہ قوی بناتا ہے۔

۳..... اب کشش پیدا ہوتی ہے، اور جس طرح پانی نشیب میں خود بخود جاتا ہے

اسی طرح محبت کو محبوب کی طرف وہ کشش لیے جاتی ہے۔

۳۔۔۔ اب سوزش پیدا ہوتی ہے اور دل میں ہر وقت ایک جلن رہے لگتی ہے۔

۵۔۔۔ اب پیار نمودار ہوتا ہے اور محبت محبت سے دل شاد ہو جاتا ہے۔

۶۔۔۔ اس پر ترقی و افزائی ہوتی ہوئی تو شغف کا تسلا ہو جاتا ہے اور محبت کا اثر قمر قلب (دل کے گہراؤ) تک پہنچ جاتا ہے، مصائب کے برداشت اور موافقات کی سبکی نظر سے لگتی ہے، تدبیر قرب اور موافقات، وصل کی درستی میں شب و روز گزرنے لگتے ہیں۔ محبوب کے سوابق و دیگر تقررات منقطع ہو جاتے ہیں، محبوب ہی کی کا تصور جسم پر اور محبوب ہی محبت دل پر حکمران بن جاتی ہے۔

۷۔۔۔ اس سے اگلی حالت کا نام خشق ہے سیر غلامی سے بنایا گیا ہے، یہ ایک نعل زرد پھونوں والی ہوتی ہے، جس درخت پر چڑھ جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور یہی حال اس مرض کے مریض کا بھی ہوتا ہے۔

۸۔۔۔۔۔ اس سے آگے درجہ حقیقہ ہے، حقیقہ کے معنی "غلامی" ہیں۔ اس وقت انسان خود اپنے ہی خیالات کا غلام بن جاتا ہے اور ان سے رہنمائی پاتا اس کے اختیار سے باہر ہو جاتا ہے۔

۹۔۔۔۔۔ اعلیٰ ترین درجہ کا نام عبودیت ہے، جب کہ محبت ہر ایک دعویٰ سے دست بردار ہو جاتا ہے جب کہ دنیا میں کوئی شے اس کی نہیں رو جاتی ہے جب کہ اس کا جسم، اس کا دل، اس کی روح، اس کی تشائس کی مراد خود اپنے لیے نہیں رو جاتی ہے، اور وہ ان سب کو خوش خوشی پھوڑ کر معبود کے معبود ہونے پر بس کر جاتا ہے اور اس امر پر قانع بلکہ شاکر ہوتا ہے کہ وہ اپنے معبود کا عبد کوہلایا کرے۔

۱۰۔۔۔۔۔ اس سے بھی بالاتر درجہ خلقت کا ہے، اب تو جسم کا ایک ایک بال اور شخص کی ایک ایک حرکت اور سینہ کا ایک ایک سانس متعلق المراد بن جاتے ہیں جذبات اور مشاعرات کا خاتمہ ہو جاتا ہے دل و دماغ طبع و روح میں پوری طاقت اور کامل وحدت کے ساتھ آپک ہی محبوب کا خاص رضوان مقصود و مطلوب بن جاتا ہے، وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ محبت کا

مقصود نہیں بلکہ محبوب کا مقصودم محبت کا مطلوب نہیں بلکہ محبوب کا مطلوب۔

عام طور پر ہم انسانی اس کیفیت کے تعلق سے غار سا ہے اور اس درجہ کی تکمیل صرف سیدنا ابراہیمؑ نے اور سیدنا مصطفیٰ ﷺ نے کی ہے الفاظ درود پاک میں یہی دو نام ایک دوسرے کے مشبہ و مشبہ بہ کی طرح واقع ہوئے ہیں، ایک کو تقدیم کی اولیت حاصل ہے اور دوسرے کو اتمام کی افضلیت۔

اللہم صل علی محمد و علی ال محمد کما صلیت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید۔ اللہم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراہیم وعلی ال ابراہیم انک حمید مجید۔
یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انتقام سے پیشتر ان اسباب کا ذکر کر دیا جائے جو جالب محبت اور جاذب محبت ہیں تاکہ کوئی سعادت مند ان سے تمتع حاصل کر سکے، اسباب بقا و ارتقاء محبت الہیہ درجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرأت فرقان حمید۔ قرأت کے تحت میں تاویر معانی اور فہم مراد ربانی (ہر دو)

شامل ہیں۔

۲۔ نماز فرائض کے علاوہ نوافل کی مواعیت و کثرت۔

۳۔ دوام ذکر: اس لفظ کے اندر ذکر لسانی، اور قلبی دونوں شامل ہیں، ذکر بالخال

اور ذکر بالعمل بھی اسی مفہوم کے اندر ہیں۔

۴۔ اسماء و صفات الہی کا مطالعہ و مشاہدہ بذریعہ قلب۔

۵۔ اللہ عز و جل کی نعمت ہائے ظاہری و باطنی اور احسانات مادی و روحانی کا

تذکار۔

۶۔ مقامات عبادت میں کمال ادب اور حضور تام کے ساتھ وقوف قلبی۔

۷۔ ذوق حضور میں قلب کا انعکاس کلی۔

۸۔ اپنی خواہشات کا احکام ربانی پر ایثار۔

۹۔ مجھ کو وصاؤتین کی محبت۔

ان اسباب سے منافرت جو اللہ تبارک و تعالیٰ اور بندہ مابین کے درمیان بعد و دوری کا موجب ہیں، ان امور کی موانعت سے امید ہے کہ دوسرے شے محبت جو انسان کی سر زمین قسب میں ودیعت ہے، اور جسے خس و خاشاک ملائکہ نے بند کر رکھا ہے، پھر فوارہ سال جوش زن ہو اور پوری رفتار سے چلا ہو اگشتہ از آفتاب کی سیرانی کا ذریعہ بنے۔ السلام اوزق حبک وحب من یحببنی الی حبک

قارئین کتاب کو حضور ﷺ کے الفاظ و الحب اصاصی پر ایک بار اور تکرر کرینا چاہئے کہ جس ایوان عظمت نشان کی بنیاد محبت ہو، وہ عمارت کیا ہوگی اور اس مکان کا تکمیل کس نشان کا ہوگا۔ یہی سبق ہے جو سیرت محمدیہ کے پڑھنے والے کو یاد رکھنا چاہئے۔

۳۔ والشوق من یحبی لا شوق میری سوا کی ہے، اور شوق ہو کہ قرآن مجید میں لفظ "شوق" وارد نہیں ہو، اور یہی لفظ "لقد" کا استعمال ہوا ہے۔ اس کا جہد غائب ہے کہ عسائے فن کے نزدیک فیصلہ طلب یہ، مرے کہ حصول دیدار کے بعد بھی شوق باقی رہتا ہے یا نہیں؟ بعض کی رائے یہ ہے کہ "شوق" تو اس سفر کا نام ہے، جو محبت کو ہی لب محبوب لے جاتا ہے، لہذا جب منزل تصور پہنچ گئے تو سفر کا خود بخود ختم ہو گیا۔

مگر حدیث پاک میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے، حدیث زیر شرح میں بھی اور ایک دوسری صحیح حدیث میں بھی، جس کے ساتھ ظاہر ہے۔ سالک للقاء النظر الی وجہک والشوق الی لسانک، "تیرے چہرہ پر لگاؤ والے کی لذت اور تیرے لقا کے شوق کا سوال کرتا ہوں۔"

حدیث زیر شرح میں شوق کو مرکب بنایا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ شوق آثار محبت میں سے ایک اثر کا نام ہے اور اس کا درجہ اصل محبت سے کمتر ہے، کیونکہ شوق محبت ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ ہاں شوق!

وہ پنگاری ہے جو دل کو کمرائے رکھتی ہے۔ دلہنت ہے جو شمع قلب سے اٹھتی ہے

شوق ہی اعضاء جو روح کو منتقلہ اعمال بناتا ہے اور شوق ہی اعمال میں مدد و مست پیدا کرتا ہے شوق ہی ہے جو آواز کے، نرونی کو غصہ و نفی سے بھی قریب تر رکھتا ہے اور شوق ہی ہے جو ہر ایک شکستہ پر کوائل پر اور رکھتا ہے شوق ہی ہے جو غاروں کی گہرائی کو ناکہ اور پہاڑوں کی پستیوں کو کھد و بھنا کرتا ہے یہ شوق ہی ہے جو محبت صادق کی راہ میں مشغول افروز کی کرتا ہے اور یہ شوق ہی ہے جو کسی درمیانی منزل پر محبت اولیہ کا کوئی نام نہیں لینے دیتا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مقدادہ شوق مقدادہ رحمت پر مبنی ہے یہ محال ہے کہ فدا و انی محبت میں شوق کا صبر پایا جائے یا کسی محبت کی صورت میں شوق کی کثیر اور جداں ہو۔ سچ ہے کہ سارا ملک کے لیے شوق سے بڑھ کر کوئی سوا ہی نہیں، یہ وہی مرکب ہے جو کھائیوں کو پہناتا ہے اور امتحان کے خطرناک میل پر سے صاف گزرتا ہوا جنت لقا تک پہنچا دیتا ہے۔ "فقطویہ للمصنفین و طوبی للصحیحین"۔

۵۔ ذکر اللہ انیسوی (اللہ کا ذکر صبر منوں ہے)

امام ابن القیمؒ فرماتے ہیں: ذکر ہی اہل ایمان کا ذرا راہ ہے جسے کروہ سحر کیا کرتے ہیں ذکر ہی وہ منشور (پاسپورٹ) ہے جسے دکھا کر وہ آگے بڑھ سکتے ہیں، ذکر ہی دلوں کی زندگی ہے، جس کے بغیر اجساد بجز لہ و زور رہ جاتے ہیں، ذکر حق وہ اختیار ہے جس سے ہر نر و نر و شتموں کو ہٹایا جاتا ہے، ذکر حق وہ پانی ہے جس سے دل کی آگ بجھائی جاتی ہے، ذکر حق وہ دریا ہے جس سے باطن کا روگ دور کیا جاتا ہے قرآن مجید میں ذکر کو دس طریقے سے بیان کیا گیا ہے:-

۱۔ ذکر حکم دیا گیا: "تم مطلق بھی یہاں اللہ میں امنو، الذکر والذکر ذکر و التذکرہ" (اے ایمان والو! اللہ کا ذکر کیا کرو، بہت ذکر کرنا۔) "وہ حکم مقید بھی و الذکر ربک فی نفسک تضرعاً و خفیۃ" (اپنے رب کو یاد کرو، اپنے دل میں عاجزی اور خوف سے۔) "و مبحوہ بکرة و اصیلا" (اللہ کی تسبیح کیا کرو صبح و شام۔)

۲۔ غفلت و نسیان: ذکر سے نئی فراموشی کو مٹا دینا "و الذکر منہم الذکر" (اللہ

فانسابهم انفسهم "مست جو تم ویسے جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو نیسان میں چھوڑا۔"

۳..... فلاح و نجات کو کثرت ذکر پر معلق فرمایا ہے واذكروا لله كثيرا لعلکم تفلحون ﴿۳﴾ "اللہ کا ذکر بہت بہت کیا کرو کہ تم فلاح پاؤ۔"

۴..... اعلیٰ ذکر کی طرح دُعا فرمائی ہے والذاکسیرین اللہ تکبیرا والذاکرات اعد الله لهنم مغفرة واجرا عظيما "مرد اور عورتیں اللہ کا بہت بہت ذکر کرنے والے انسان کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔"

۵..... فان للذين ذکر کے خسران کا اعلان فرمایا گیا ہے ہما الذین امنوا لعلکم تفلحون ولا اولادکم عن ذکر اللہ ومن یفعل ذلک فاولئک ہم الخاسرون اے ایمان والو! تمہارا زوال اور تمہاری اولاد تم کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ کریں جس نے ایسا کیا وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔

۶..... ذکر کو جملہ اعمال سے افضل راقل بتلایا ہے ان الصلوة تنھی عن الفحشاء والمنکر وللاکبر اللہ اکبر "نماز بڑا کربوب، ہر برے کاموں سے ہٹا دیتی ہے اور اللہ کا ذکر تو بہت بڑھ کر ہے۔"

۷..... قرآن مجید پر تدبر سے واضح ہوتا ہے کہ جملہ اعمال صالحہ کا اختتام بیان ذکر پر ہوتا ہے، چنانچہ حکم نماز پر فرورک بیٹھے فاذا قضیت الصلوة فاذکروا لله قیاما وقعودا وعلی جنوبکم۔ "جب تم نماز سے فارغ ہو جاؤ تو تھکد کو یاد کرو، کھڑے بیٹھے اور کروت پر لیٹے ہوئے۔ اور اختتام حکم نماز جمعہ کو پڑھئے فاذا قضیت الصلوة تشروا علی الارض وابتغوا من فضل الله واذکروا لله كثيرا لعلکم تفلحون "جب نماز ہو چکے تب اپنی اپنی جگہ تکمیل جاؤ، اللہ کے فضل کی تلاش کرو اور اللہ کا بہت بہت ذکر کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔" اور اسی طرح اختتام حکم صیام پر تدبر کیجئے ولعکبروا لله علی معلکم تا کہ تم اللہ کی بزرگی کو، اس لیے کہ اس نے تم کو ہدایت کی ہے۔ اور اسی طرح اختتام حکم حج کو

دیکھیے، فاذا قضیتہم مناسککم فاذکروا للہ جب مناسک پورے کر چکوجب اللہ کا ذکر کرو۔ اور انتہا تم حیات بھی اگر ذکر پر ہو تو اس کے لیے حدیث پاک میں داخلہ جنت کا وعدہ ہے ادخلہ اللہ الجنة۔

۸..... ذکرین کوئی صاحبان عقل و ہوش فرمایا گیا ہے ﴿ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنهار لآیۃ لا ولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً علی جنوبہم﴾ ”آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور شب و روز کے الٹ پلٹ کرانے میں بیشک نشانیاں ہیں عقل و مغز والوں کے لیے جو اللہ کو کھڑے بیٹھے اور کر دھڑوں پر یاد کیا کرتے ہیں۔“

۹..... ذکر الہی جملہ اعمال کے ساتھ ساتھ پایا جاتا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر ہی روح الاعمال ہے نماز کے متعلق ہے ﴿واقم الصلوۃ لذكری﴾ ”نماز کو قائم کرو میرے ذکر کے لیے۔“ حدیث شریف میں چند اعمال کا ذکر کر کے ان کا ذکر الہی کے لیے ہونا ظاہر فرمایا گیا ہے ﴿واللہ جعل الطواف بالیت والسعی بین الصفا والمروة ورمی الجمار لاقامة ذکر اللہ﴾ ”خاند کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کے درمیان سعی اور ننگریوں کا چلنا تا ذکر الہی کی اقامت کے لیے مقرر ہوا ہے۔“

صحیح مسلم کی حدیث عن ابی ہریرۃ میں اہل ذکر کو مغفروں فرمایا گیا ہے یعنی اہل تفرید و توحید۔ ابودرداء سے مسند احمد میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿الا البشکم بخیر اعمالکم وازکھا عند ملیکم وارفعھا فی درجاتکم وخیر لکم من انفاق اللہب و الفضة وان تلقوا عدوکم فتضربوا عنقہم ویضربون عنقکم قالوا وما ذلک یارسول اللہ قال ذکر اللہ عزوجل﴾ ”کیا میں تمہیں آگاہ نہ کروں کہ تمہارے اعمال میں بہتر کیا ہے اور تمہارے مالک کے نزدیک سب سے ستر کیا ہے اور تمہارے د بات میں سب سے بلند تر کیا ہے اور جو روزیم کے خرچ سے بھی بہتر ہے جو اس سے بھی بہتر ہے کہ دشمنوں کو طمان کی گردنیں کاٹو یا وہ تمہاری گردنیں کاٹیں، صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا اللہ کا ذکر۔“

صحیح مسلم میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا: ﴿لَا يَفْعَدُ فُؤَادُكَ أَنْ يَكُونَ اللَّهُ لَا فَتُفْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَغُشْيَتَهُمُ الرَّحْمَةُ وَنُزُلَتْ عَلَيْهِمُ الْمَكْبَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِي مَنْ عِنْدَهُ﴾ جو لوگ اللہ کا ذکر کرنے کو نہیں سمجھتے ہیں، فرشتے ان کے گرد آکر آ جاتے ہیں، رحمت ان پر چھا جاتی ہے، سکینہ ان پر نازل ہوتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کا ذکر اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کے حلقہ میں تشریف لائے اور پوچھا کہ کیوں بیٹھے ہو، عرض کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی حمد کر رہے ہیں، اس پر کہ میں اسلام کی راہ دکھلائی ہو، اہم پر احسان فرمایا، کیا تم یہ کہتے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہاں تمہارے عرض کرتے ہیں: قرأ يا ايها النبی اسم الله حلفكم تهمه لكم ولكن انساني جبريل عليه والسلاطه فاخبرني ان الله يساهي بكم السلام حكمة﴾ سنو! میں نے تم سے حلف نہیں لیا، یہ سبب جھوٹ کے بہت کے، لیکن میرے پاس تو جبریلؑ ابھی آئے تھے، انہوں نے مجھے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ تمہاری وجہ سے ملائکہ پر فخر کرتا ہے۔

ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ کون سا عمل افضل ہے، فرمایا: ﴿إِنْ لَمْ يَخْلُقِ اللَّهُ الدُّنْيَا وَلَمْ يَخْلُقِ رُطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”جب تو دنیا چھوڑے تو تیری زبان اللہ کے ذکر سے ترو تازہ رہے۔ ایک نور شخص نے عرض کیا کہ مجھے احکام اسلام تو بہت زیادہ معلوم ہوتے ہیں، مجھے صرف ایک چیز بتلا دیجئے، فرمایا: ﴿لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”تیری زبان ہمراہ ذکر الہی میں جاری رہتی چاہئے۔ مسند وفیرہ میں جابر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: ﴿يُنَادِي بِهَا النَّاسُ ادْعُوا إِلَى دِيَارِ الْجَنَّةِ﴾ اے لوگو! یمن ہائے بہشت کی سیر کرو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یمن ہائے بہشت کسے کہتے ہیں فرمایا: ﴿مَجَالِسُ الْمَذْكُورِ﴾ ”ذکر کی مجلسیں۔“ اور فرمایا: ”صبح و شام ذکر الہی برابر کیا کرو، تم

میں سے جو کوئی یہ چاہتا ہو کہ اس امر پر غور کرے کہ اللہ کا درجہ خود اس کے دس میں کیا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر دے کو ویسا ہی درجہ عطا فرماتا ہے جو اس کے نزدیک اللہ کا درجہ ہوتا ہے۔

صحیح ترمذی و مسند وغیرہ میں ہے، نبی ﷺ نے اپنے پدر بزرگوار پر اللہ سے روایت کیا ہے: **اَقْرَأْتُكَ مَنِ السَّلَامِ وَاجْبُرْهُمْ اَنْ لَوْهَ الْجَنَّةِ طَيِّبَةُ الثَّرِيَةِ عَذِيَّةُ السَّاءِ وَبَنَاهَا فِيهَا اَنْ اَنْ عَرَّاسَهَا سَبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ** ”اپنی امت سے میرا سلام کہہ دیجئے اور یہ دیجئے کہ جنت پاکیزہ زمین، نیچے پانی والی ہے، و وسعہ جہنم ہے اور وہاں کے گل، بونے سبحان اللہ و الحمد للہ ان ہی ہیں۔“

صحیحین میں ابوموسیٰ سے روایت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا: **مَنْ مَثَلَ الْمَثَلِ الَّذِي بَلَغَ كُورِهِ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْعَبْدِ** ”جو شخص اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی مثال زندہ جیسی ہے اور جو شخص ذکر نہیں کرتا، اس کی مثال مردہ جیسی ہے۔“

روایت صحیح میں ہے کہ نبی ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: **مَنْ مَثَلَ الْمَثَلِ الَّذِي بَلَغَ كُورِهِ وَالَّذِي لَا يَذْكُرُهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْعَبْدِ** ”جو کوئی شخص میرا ذکر چکے چکے کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر اپنی ذات سے کرتا ہوں، جو کوئی میرا ذکر کسی مردہ کے اندر کرتا ہے میں بھی اس کا ذکر ایسے مردہ میں کرتا ہوں جو ان کے گروہ سے بہتر ہے۔“

یاد رکھئے، کہ ذکر کے تین طریقے ہیں: صرف زبان، ذکر کرتے ہو، یہ ادنیٰ درجہ ہے۔ صرف دل ذکر کرنا ہو، یہ متوسط درجہ ہے۔ دل اور زبان دونوں ذکر کر رہے ہوں، یہ درجہ اعلیٰ ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے، اقدس ذکر بھی نہیں ہیں۔

۱..... اسما و صفات اور ان کے معانی کا ذکر نہ کرنا، زبان اور قلوب الٰہی۔

۲..... مردہ نبی، احلال و حرام کا ذکر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اور ان اور علیہ السلام کا بیان

یاد رکھئے کہ مراتب ذکر بھی نہیں ہیں۔

۱..... وہ ذکر جو غفلت و نسیان کو اڑا دیتا ہے۔

۲..... وہ ذکر، جو قیود سے چھڑا کر بھائے شہود تک پہنچا دیتا ہے۔

۳..... وہ ذکر، جو انسان کو اپنی یاد سے فراموش کر کے ذکر حقانی ہی کے ساتھ وابستہ و زندہ کر دیتا ہے۔ مبارک ہے وہ انسان، جسے ذکر ربانی نے اپنا فریفتہ بنالیا ہے۔ مبارک ہے وہ صاحب ایمان، جس نے فنائے عالم کا سبق بھائے رب العالم سے سیکھ لیا ہے۔

۶..... الْيَقِظَةُ كَحُزْنِي (اعتماد الہی میرا خزانہ ہے) اصل اس بارہ میں سیدنا موسیٰ کی ماں کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَإِذَا خَفْتُ عَلَيْهِ لَهَا لَقِيَهُ فِي الْمِمْقَاتِ وَلَا تَحْزَنْ﴾ جب تجھے موسیٰ کی جان کا ڈر ہو تب اسے دریا میں ڈال دینا اور ایسا کرتی ہوئی نہ خوف کھانا نہ غم کرنا۔ یہ ظاہر ہے کہ اس خاتون بلند پایہ کو اگر اللہ عز و جل کے فرمودہ پر اعتماد قوی نہ ہوتا تو وہ کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنے بچہ کو دریا میں نہ ڈال دیتی۔

لہذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اعتماد ہی چشم توکل کی پتلی ہے، اور اعتماد ہی دائرہ تقویٰ کا مرکز ہے، اور اعتماد ہی قلب سلیم کا سودا ہے، یہ اعتماد بوقت یا س بھی ہوتا ہے اور انسان مصائب کی حالت میں اپنے رب پر اعتماد کرتا ہے اور اس کے خلاف نہ زبان پر کوئی حرف لاتا ہے اور نہ دل میں کوئی وسوسہ، یہ اعتماد بوقت امید بھی ہوتا ہے، اور انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی سابقہ ربوبیت اور اپنے عدم استحقاق کی حقیقت، بنو بی مشکف ہو جاتی ہے۔

واضح ہو کہ ایسا اعتماد تمام نظام عام پر چشم بصیرت کے کھولنے سے حاصل ہوتا ہے جب کہ انسان کو نظر آ جاتا ہے کہ ہر مادات کا ذرہ ذرہ، نباتات کا پتہ پتہ، ارضیات و سمادیات کا ریزہ ریزہ ہر ایک عرض کا جو ہر اور ہر ایک جوہر کا وجود اسی کے انعام سے فیض یاب اور اسی کے احسان کی دولت سے مالا مال ہے، یہ نظارہ بندہ کے اعتماد کو قوی بناتا ہے، اور یقین کلی بندہ جاتا ہے کہ یہ ناجیز بندہ بھی اس کے لطف عام سے کبھی محروم نہیں رہ سکتا۔

۷..... وَالْحُزْنُ وَفِيقِي (اندوہ دل میرا رفیق ہے) خوف و خشت بھی ایسے دلفنظ ہیں جو اردو میں حزن کے مترادف سمجھے جاتے ہیں، لیکن زبان عرب میں ہر ایک لفظ کا مفہوم

انگ انگ ہے، خوف کا اطلاق زیادہ تر محسوسات پر ہوتا ہے، حقیقت کا اطلاق غیر محسوسات پر بہ کثرت ہوتا ہے حزن اس اندوہ قلب کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کی بہتری، دہبودی کے متعلق دل، اسی دل میں جوڑن ہوتا ہے، گولب خاموش ہوتے ہیں، کتاب اللہ میں لفظ حزن کا استعمال انبیاء و اصفیاء کے لیے بہ کثرت ہوا ہے اللہ نے نبی ﷺ کی بابت فرمایا ہے ﴿لَا يَحْزَنكَ هُوَ لَكُمْ﴾ "میں کی باتوں سے اے نبی آپ کو حزن نہ ہونا چاہیے۔"

چونکہ نبی ﷺ کی شفقت و رافت نوع انسانی کے ساتھ بہت بڑھی ہوئی تھی اور حضور ﷺ ان مافرماتوں کے عواقب اسور کا خیال کرتے ہوئے اکثر اندوہ گین رہتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے حزن نہ کرنے کا حضور کو ارشاد فرمایا قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس حدیث نبوی کی بھی روایت کی ہے جو نبی کریم ﷺ نے غار ثور میں رفتن صادق ابو بکر سے فرمائی تھی یعنی لا تحزن صدیق کا نہائی دل نبی ﷺ کے رنج و آزار کو دیکھ کر پاش پاش ہو رہا تھا۔ تب نبی ﷺ نے "لا تحزن ان اللہ معنا" فرمایا کہ اب حزن سے قصر اُس تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں لفظ لطیف یہ تھا کہ اس معیت ربانی کا وسیع جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل تھے۔ اس حزن سے ہرگز داخلی ثابت کیا جائے جسے عشق نے سما سکتا یا رکے متعلق بھانپنا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اسمِ اعظم ”اللہ“ کے ظلال میں جو معیت شامل ہے وہ جملہ اسماءِ حسنی کے ظلال سے بدرجہً علیا ہے اور کائنات، عارف کی تکمیل ہی، اسم ذات ”اللہ“ کی سیر میں ہوتی ہے اور جب معیت الہی کا ظہور ان اللہ معناء کے نور میں ہوتا ہے تو جملہ اسماء کی قلت و وقعت بھی اسی کے تحت میں داخل ہوتی ہے اور کائنات کے جملہ اسباب و غل و رقط و مفصل ہو جاتے ہیں۔ مادر موسیٰ کو جو وحی ربانی ہوئی وہ یہ تھی: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا﴾ تعزونی انا رادہ الیک وجاعلوہ من المرسلین ﴿﴾ ”آپ خوف نہ کیجئے اور مرزوں کیجئے ہم اسے میرے پاس واپس کریں گے، ہم اے مرسلین میں سے بنائیں گے۔“ ذرا غور کرو کہ خوفِ حسی کے مقابلہ میں بھی ایک بشارت موجود ہے اور مرزوں غیر حسی کے ساتھ

بھی ایک بشارت شامل ہے۔ خوف کے مقابلہ میں یہ کہ بچہ جسے تو دریا میں ڈال دے گی، اللہ تعالیٰ اسے تیرے ہی پاس واپس کر دے گا۔ حزن غیر حسی کے مقابلہ میں یہ کہ اسے نبوت کی وہ نعمت ملے گی، جس کا ادراک ہو اس نہیں کر سکتے، ان آیات پر تہہ براور وقوع کے بعد حدیث زیر عنوان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے، کہ وہ حزن جو ہر وقت پیرا بہن دل پاک رکھتا تھا، وہ یا تو امت آئمہ کی بخشش کا تھا یا امت عاصہ کی ہدایت کا۔

دل قدسی میں خلق خدا کی محبت بھری تھی، اور علامۃ الناس کی ہمدردی و غم گساری حضورؐ کے رگ و پے میں ساری تھی، ایک ایک جان کی نجات کا خیال حضورؐ کو اس طرح رہتا جیسے گڈڑ یا گواہی ایک ایک بکری کا، اس کی سو بکریوں میں سے اگر ایک بھی طلعہ ہو جاتی اور بھٹائیوں میں رہ جاتی ہے تو گڈڑ یا سمجھتا ہے کہ اگر اسے ساتھ نہ لیا گیا تو وہ بھڑیے کا شکار ہونے والی ہے، وہ اس ایک کے پیچھے جاتا ہے اور اسے ہلاکت کے منہ سے نکال لاتا ہے۔ نبی ﷺ کا یہ حزن کبھی قلب پاک سے الگ نہ ہوا، بسا اوقات تہجد میں سارا سارا وقت امت کے لیے دعا کرنے میں وقف فرما دیتے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ صرف اسی ایک آیت کے دہرانے میں پوری رات بسر فرمادی: ﴿إِن تَعْلَبْهُمْ فَنَاہِمُ عِبَادِكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اگر تو ان کو عذاب دے گا تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو بخش دے گا تب تو غالب حکمت والا ہے۔“

۸۔۔۔ وَالْعِلْمُ سَلَاحٌ (میرا ہتھیار علم ہے) واضح ہو کہ متصوفین متاخرین نے علم کا درجہ حال سے کم قرار دیا ہے، حالانکہ معاملہ بالعکس ہے۔ علم حاکم ہے، حال محکوم ہے۔ علم ہادی ہے، حال تابع ہے۔ علم امام ہے، حال ماسوم ہے۔ دائرہ علم دنیا و آخرت پر وسیع ہے، دائرہ حال صرف صاحب حال تک ہے۔ حال ایک تنگ بُنا ہے، اگر علم کی حفاظت نہیں تو یہ تلوار اسی کی کاٹ کرتی ہے جس کے ہاتھ میں ہو۔ حال ایک ایک آگ ہے جس پر کسی کی غمرانی نہ ہو، حال ایک منہ زور گھوڑا ہے، اگر اس کے منہ میں علم کا گام نہیں تو وہ اپنے سواری کی اور پھر خود اپنی ہلاکت کا موجب ہوتا ہے۔

لیکن علم ہی ہے، جو حیات القلوب ہے، نور الہی ہے، شفاء الصدور ہے، ویا نس المعقول ہے، علم ہی اللہ لا رواج ہے، اور علم ہی سوس سوشین ہے، علم ہی وہ میزان ہے، جس میں اتواں و احوال و امال وزن کیے جاتے ہیں، علم ہی وہ حاکم ہے، جو شک و یقین اور ضلالت و ارشاد میں فیصلہ دیتا ہے، علم ہی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت ملتی ہے، اور علم ہی سے رب العالمین کی تمجید و تحمید و توحید نصیب ہوتی ہے، علم ہی حلال و حرام میں فرق بخارتا ہے، علم ہی سواریت و ارعام کے مدارج ظاہر کرتا ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ علم کی ضرورت اکل و شرب سے بھی قوی تر ہے، آب و خوردیش کی ضرورت تو شب و روز میں دو بار پڑتی ہے، مگر علم کی ضرورت ہر ایک سانس پر ہے۔ علم ہی ہے جس کی تلاش میں کلیم اللہؐ موٹی نے سفر طویل اختیار کیا تھا، اور اس سفر میں تین سال کوثر سفر قرار دیا تھا۔ علم ہی ہے جس کی طلب و درخواست کرنے کا حکم اللہ عزوجل نے نبیؐ کو دیا تھا، "و فل رب زدنی علما" پڑھا کر، کراے اللہ مجھے علم میں بڑھایا کر۔ ذرا یہ تو خیال کر کہ دو ستایا باز جسے شکار پر سدھایا گیا، اور شکار پر لگایا گیا ہو، جسے عربی میں معلوم کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا علم سینے سے کس درجہ کو پہنچ جاتا ہے، کہ اس کا پکڑا ہوا شکار حلال ہوتا ہے، اور اس کی جنس کے دوسرے حیوان غیر مسلم کا پکڑا ہوا شکار حرام۔

یہ معلوم خارج انسانی کہلانے کا مستحق بن جاتا ہے، جب کہ اس کے لہائے جنس نجس الحسین ہیں۔ یہ درجہ اس کو کیوں مٹا اس کا سبب صرف علم ہے، صرف علم۔ اب یہ بھی یاد رکھیے کہ علم وہ ہے جس کی ابتدائی علامت اقامت دہس ہے، اور جس کی آخری شناخت رفیع جہل ہے۔ ہاں علم کے تین مدارج ہیں:-

درجہ اول..... (یا ابتدائی) وہ علم ہے جو قوت باصرہ کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے، وہ جو استفادہ صحیح سے قوت سامعہ کو حاصل ہوتا ہے، وہ جو ایک بڑی تعداد انسانی کے تجربہ متواتر کا نتیجہ ہوتا ہے۔

درجہ دوم.... جو علم ہے جو اجسام ازکیہ و باطن ظاہر و شہید ہوتا ہے، وہ جو اہل ہمت عالیہ

کے انفاس صادقہ کو عطا ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ ہر طرف خاموشی چھائی ہوتی ہے۔ درجہ سوم..... وہ علم ہے جسے عام طور پر علم لدنی سے موسوم کیا جاتا ہے، یہ علم عبودیت کا ثمرہ اور متابعت احکام حقہ کا پھل ہوتا ہے، جب کمال انقیاد کا مادہ راسخ ہو جاتا ہے اور جب مشکوٰۃ نبوت سے اخذ نور کی رغبت ترقی پذیر ہو جاتی ہے تب جواد مطلق کی جانب سے وہ معارف ایمانیہ اور حقائق اسمیہ کھول دیے جاتے ہیں، جس تک کسی فلسفی یا منطقی کا تخیل بھی نہیں پہنچ سکا ہوتا، ایسا علم خود اپنے لیے دلیل بھی ہے اور دوسرے کے لیے مدلول بھی۔

اس مقام پر ان مخالفین و معترضین کو بھی توجہ دلانا ضروری ہے جو کہا کرتے ہیں کہ ”اسلام بزرگ شمشیر پھیلایا گیا ہے،“ غور کیجئے کہ نبی ﷺ تو علم کو اپنی تلوار بتلا رہے ہیں اور ان فتوحات عظیمہ کو جو حاصل ہوئیں ثمرات علم قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت اللہ کے نبی ﷺ کا فخر انٹ چونہ، پتھر کی دیواروں، خندقوں پر قابض ہو جانے میں نہیں سکندر، تیور، ہلا کوخان، ہونا پارٹ نے ایسے تماشے دنیا میں بہت کھیلے ہیں اللہ کے نبی ﷺ کا امتیاز تو دلوں کے قلعوں اور قلوب کے حصوں کو فتح کر لینے میں ہے۔

یہ نظارہ خیبر میں نظر آیا کہ جن دنوں اسلامی لشکر نے ان یہودیوں کے جو ہمیشہ اہل ایمان کے خلاف ملک بھر میں آتش جنگ و جدال کو بھڑکائے رکھتے تھے، چند قلعے فتح کر لیے، تو انہی ایام میں نبی ﷺ کے حضور میں حبشہ کے نو مسلم سرداران دربار بھی حاضر ہوئے اور اسی اثنا میں ملک یمن سے بھی کئی سو مسلمانوں کا قافلہ باریاب سعادت ہوا، لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ یہودیوں کو کھلی آنکھ سے دکھلایا جائے، کہ وہ اللہ کے اور اس کے رسول کے مقابلہ میں انٹ پتھر کی دیواروں کے بھروسہ پر اڑے بیٹھے ہیں، جس کا علم سمندر پار حبشہ کو فتح کر رہا ہے، جس کا علم یمن کے بلند ترین پہاڑوں کی چوٹیوں پر اپنا علم صداقت نصب کر رہا ہے یہ وہ ملک ہیں جو کبھی حجاز کے زیر نگیں نہ ہوئے تھے۔

یہ حبش وہی ملک ہے جس کے جنرل اونرم نے یمن کو فتح کر کے ۶۰ ہزار فوج کا لشکر جہاد مکہ مکرمہ کے فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کے گرانے کے لیے مکہ سے چار میل کے فاصلہ پر

لاؤ اتفاقاً یہ واقعہ (جسے قرآن پاک نے واقعہ اصحاب الخیل کے نام سے بیان فرمایا ہے) نبی ﷺ کی ولادت اقدس سے صرف پچاس دن پہلے کا ہے۔ ان حملہ آوروں کو کیا معلوم تھا کہ خود ان کا بادشاہ رسولِ حجازی کی کفش برداری کی تمنا کرے گا اور سارا ملک اسی کعبہ کی سمت اللہ تعالیٰ کے سامنے سرِ عبودیت کو جھکائے گا۔

یاد رکھئے کسی ملک و قوم کو بزرگ شمشیر فتح یا مغلوب کرنے کے لیے ضروری ہے کہ حملہ آور کے پاس شمشیر زن بھی موجود ہوں جن کی دھاک ایسی بندھی ہوئی ہو کہ لوگ ان کی تلوار سے ڈر ڈر کر اپنا پہلا پیارا مذہب چھوڑنے پر آمادہ ہو جائیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ ایسے بہادر، ایسے تلواریں، ضرار بن الازور، شرجیل بن حسنہ، علی بن حاتم، بکر بن ابی جہل، مقداد بن الاسود، الکندی، مقدم بن معدی کرب، خالد بن ولید، زبیر بن العوام، اور علی مرتضیٰ جیسے کیوں کر اس شخص کے مطیع و فرمانبردار ہو گئے تھے۔ ان کی تلواروں پر نہتے، غریب و مسکین، بکریاں چرانے والے یتیم نے کیوں کر قبضہ کر لیا تھا، یہ ظاہر ہے کہ ایسے جری، ایسے باطل تو خوفِ شمشیر سے مطیع نہ ہوئے ہوں گے اور انہوں نے تو صرف خوفِ جان سے اپنے اپنے قدیم پیارے مذہب کو نہ چھوڑ دیا ہوگا۔ جب یہ امر مسلم ہو جائے تو قابلِ غور یہ رہ جائے گا کہ جب نبی ﷺ کے پاس کوئی ایسی شے، کوئی ایسی قوت، کوئی ایسی کشش موجود ہے، جو شیروں کا شکار کرتی ہے، تو پھر ان کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ بھیڑوں اور لومڑیوں کے لیے تلوار کا استعمال کریں۔ غور و فکر جتنا گہرا ہوتا جائے گا اسی قدر جلد یہ واضح ہو جائے گا، کہ حضور ﷺ کا استعمالِ سلاحی حقیقت کا مظہر ہے، جس کا کوئی بطلان نہیں ہو سکتا۔ جو کامیابی نبی ﷺ کو حاصل ہوئی، اس کا ذریعہ وہی علم صحیح تھا جو اللہ عز و جل نے حضور کو ازانی فرمایا تھا۔ وہ علم، جو ظلمات کو دور کر دیتا اور چٹنے والوں کو نور میں لے آتا ہے۔ وہ علم جو آنکھوں کو روشن، دل کو مینا بنا دیتا ہے۔ وہ علم ہے کہ "هَذَا بَصَانُ لِلنَّاسِ بِكَ صِفَتِ اِيْ بِرِصَادِقِ آتِيْ بِهٖ۔"

۹..... وَالصُّبُّرُ ذٰلِیْنِ (صبر میرا شاندار لباس ہے) قرآن مجید میں (۹۰) مقامات پر صبر کا ذکر فرمایا گیا ہے کتاب حمید نے ۱۶ طریقوں سے صبر کی توصیف فرمائی

ہے ہم اختصار کے ساتھ انشاء اللہ ان طریقوں کا ذکر کریں گے۔

اولیٰ .. اللہ تعالیٰ نے صبر کا امر فرمایا: ﴿قَالَ مَوْسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْعَوْا عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۖ وَقُلْ لِّرَبِّكُمْ أَسْمِعُوا عَالَمًا ۚ إِنَّ صَوْتَكُمْ لَا يَسْمَعُ سَمْعًا وَلَا بِأَبْصَارِكُمْ يَنْبَظُ ۚ وَتِلْكَ آيَاتُ الْكُفْرِ الَّتِي كُفِّرَتْ عَنْ قَوْمِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۚ﴾ "سوئی نے اپنی قوم سے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا سہارا رکھو اور مشتعل رہو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر اور نماز سے مدد حاصل کیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، آپہنیں میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔"

دوم .. صبر سے نفی فرمائی فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَرْشِ مِنَ الرُّسُلِ ۚ وَلَا تَسْجُدْ لِّلشَّمْسِ وَلَا لِّلْقَمَرِ وَلَا لِّشَيْءٍ مِّنْ دُونِهَا ۚ سَبِّحْ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۚ﴾ "صبر کیجئے جیسا کہ باہمت رسولوں نے صبر کیا اور ان کے لیے جلدی نہ کیجئے۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، آپہنیں میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔"

سوم .. صبر کی نفی فرمائی: ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، آپہنیں میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔"

چہارم .. اس صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، آپہنیں میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔"

پنجم .. صبر سے اپنی معیت کا اعلان فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، آپہنیں میں صبر کی تعلیم دیا کرو۔" ﴿وَاصْبِرْ ۚ إِنَّ صَبْرَكَ مِمَّا أَلْفَيْنَا بِكَ ۚ وَالصَّابِرُونَ فِي عِندِ رَبِّكَ الْأَوَّلِينَ ۚ﴾ "صبر رکھو، تیرا صبر تو اللہ کے لیے ہے۔"

ہم..... اعلان فرمایا کہ اہل صبر کو جزا بطریق احسن عطا ہوگا۔ چلو اسے جزیں
الطین صبر و اجروہم باحسن ما کانوا یعملون ﴿﴾ ”ہم صبر کرنے والوں کو ان کے عمل
کی جزا بہترین طریق سے دیں گے۔“

ہم..... خبر دی کہ اہل صبر کو عطیہ بلا حساب ملے گا۔ ﴿وانما یوفی الصابرون
اجرہم بغیر حساب﴾ ”صبر والوں کو ان کا اجر پورا پورا بلا حساب دیا جائے گا۔“
نہم..... اہل صبر کو بشارت دی گئی۔ ﴿ویشرو الصابرون﴾ ”صبر کرنے والوں کو
بشارت پہنچا دی جائے۔“

وہم..... اہل صبر کی نصرت و مدد کی ضمانت فرمائی۔ ﴿یسی ان تصبروا و تقوا
و یاتوکم من طورہم فلیمددکم ربکم بنعمۃ الایم من العاتکہ
مسرہین﴾ ”ہاں! اگر تم صبر و تقویٰ رکھو اور دشمن تم پر فورا آجائے تو تمہارا رب تمہاری مدد
پانچ ہزار ملائکہ سے جو نشان والے ہوں گے فرمائے گا۔“ حدیث شریف میں ہے۔ و اعلم
ان النصر مع الصبر۔

یا زہم..... اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اہل صبر علیٰ اعزاز ہوتے ہیں۔ ﴿و لمن
صبر و غلر ان ذلک لمن عزم الامور﴾ ”جس نے صبر کیا اور معافی دی تو یہ کام بڑی
ہمت کے ہیں۔“

دوا زہم..... فرمایا کہ اعمال صالحہ اور حقوق عظیمہ والے اہل صبر ہی ہوتے ہیں:
﴿و یملکم ثواب اللہ غیر لمن امن و عمل صالحا و لا یلقھا الا
الصبرون﴾ ”جہیں ثواب ہو، اللہ کا عطیہ ایمان اور نیک عمل والے کے لیے بہتر ہے اور
اس کو صرف صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔“ ﴿و ما یلقھا الا اللہین صبر و او ما یلقھا
الا فو حظ عظیم﴾ ”اس کو صبر والے ہی حاصل کر سکتے ہیں اور اسے وہی پاسکتے ہیں جو
بڑی قسمت والے ہیں۔“

یتر زہم..... بتلایا کہ آیات الحق سے انتفاع و ہر تہ صرف اہل صبر ہی حاصل کر سکتے

ہیں: ﴿ان اصخرج قمر مک من الظلمت الی النور و ذکر ہم بالیام اللہ ان فی ذلک لآیة لکل صابر شکور﴾ "ہم نے ساری کوکبہا جنی قوم کو تاریکی سے نکال کر نور میں لا دیا اور ان کو تاریخِ ہدیہ کا سبق دے کیونکہ اسی میں ہر صابر و شاکر کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔" اور فرمایا ﴿و من ایتاتہ الجوار فی البحر کلا اعلام ان یشاہدکم السرب فی ظلماتہن روا کد عنسی ظہرہ ان فی ذالک لآیة لکل صابر شکور﴾ "اللہ کی نشانیوں میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں اور طرکی طرح باند ہیں، اگر اللہ چاہے تو ہوا رک جائے اور یہ سب جہاز سمندر کے اوپر کھڑے کے کھڑے رہ جائیں، اس میں نشانیاں ہیں، ہر ایک مہر کرنے اور شکر کرنے والے کے لیے۔"

جہازِ دھم ... بتلایا ہے کہ مغلوب و محبوب تک فائز ہونا مرعوب سے نجات پانا، جنتِ اعلیٰ کا داخلہ ان ہی لوگ کے لیے ہے جنہوں نے مہر کیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿و الملاحکۃ یسلطون علیہم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم فعم عفی اللہ﴾ "فرشتے ہر طرف ان کے پاس حاضر ہوں گے اور کہیں گے کہ آپ مہر کے بدلے آج تم سلامتی میں ہو، اور آخرت کا گھر تو بہت ہی چھابے۔"

پانزدہم اعلیٰ مہر درجہ امامت پر فائز ہو جاتے ہیں: ﴿و جعلنا منهم ائمة یہتدون ہامرنا لہا صبر واکہ﴾ "ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے لوگوں کی رہنمائی کرتے تھے، جب کہ انہوں نے مہر کیا۔"

شانزدہم اللہ تعالیٰ نے مہر کا ذکر فرقانِ حمید میں اسلام و ایمان اور یقین و تقویٰ اور توکل و شکر کے ساتھ ساتھ فرمایا ہے، اور اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ عز و جل کے ہاں مہر کا کیا درجہ ہے۔ یہ سب تک سولہ اقسام کا ذکر قسم ہو گیا، اب یہ یاد رکھیے کہ مہر ایمان کے لیے ایسا ہی ہے جیسا کہ سر بدن کے لیے ہے بدن پر سر نہ ہو تو زندگی کہاں، ایمان کے ساتھ مہر نہیں تو ایمان کہاں! "سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے: ﴿عیسو عیسو اندر کناہ بالہ صبر﴾ صحیح حدیث میں ہے: ﴿عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ لہ

خیر و لبس ذلک لاحد الا لمومن ان اصابته سوء شکرو کان خیر له وان اصابته ضراء صبر فکان خیر له ﴿﴾ ”مومن کی حالت بھی عجیب سی ہے یعنی اس کی حالت سراپا خیر ہے اور یہ بات مومن کے سوا کسی دوسرے کو حاصل نہیں، اگر اسے کوئی شے خوش کرنے والی حاصل ہوتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے، اور اگر اسے کوئی شے ضرر رساں پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے، اور ایسا کرنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔“

واضح ہو کہ صبر کے لغوی معنی صبر (روک کے) ہیں۔ محاورہ ہے (فَقِيلَ فَلَانٌ صَبْرًا) فلاں شخص باندھ کر مارا گیا! آیت ذیل میں بھی یہی معنی ہیں: ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْعَدَاةِ وَالْعَشْیِ یُرِیدُونَ وَجْهَہٗ﴾ ”اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھیے جو اپنے رب کو صبح و شام پکارا کرتے ہیں اور صرف اسی کی ذات کے خواست گار ہوتے ہیں۔“ اصطلاح میں صبر کو اس لیے صبر کہتے ہیں، کہ اس میں بھی دل کو گریہ و زاری سے اور زبان کو شکوہ سے اور جوارح کو بے قراری سے روک لینا ہوتا ہے، معنی بالا کو ذہن میں رکھتے ہوئے یاد رکھو کہ صبر کی تین اصناف ہیں: صنف اول: طاعت الہی پر صبر۔ صنف دوم: مصیبت الہی سے صبر۔ صنف سوم: امتحان الہی پر صبر۔

صنف اول و دوم میں انسان کے کسب کا بھی دخل ہے، مگر صنف سوم میں کسب انسانی کو کوئی دخل نہیں، سیدنا یوسف علیہ السلام کے حالات پر غور کرتے ہوئے کہہ سکتے ہیں کہ باپ کی جدائی پر صبر اور چاہ میں گرا دیے جانے پر صبر بھی مقامات صبر میں سے ہیں، مگر امراۃ العزیز کی بات پر انکار کرنا صبر کی اعلیٰ قسم تھا، خصوصاً جب امور ذیل کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔ ۱۔ جوانی (۲) خالی مکان (۳) مجردی (۴) نفس کے مطابق خواہش کا ہونا (۵) بے وطنی جہاں خویش اقارب کا نہ دباؤ ہوتا ہے، نہ ان کی طرف سے حیا ہوتی ہے (۶) تنگدستی (۷) حسین عورت کی ذاتی درخواست (۸) اس درخواست کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا مکر و فریب (۹) لالچ اور خوشامد (۱۰) دھمکی، یہ سب ایسی چیزیں ہیں، جن کی موجودگی صدیق کے منصب صبر کو نہایت بلند کر دینے والی ہیں۔ ابن تیمیہ کا قول ہے کہ صبر پر طاعات

اور ضرر آگاہ ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔“

نبی ﷺ کی سیرت پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حضورؐ نے احکام الہی کی تبلیغ اہل ایمان کی تعلیم اہل خسران کے انداز، اہل عالم کی تدبیر اور اعلائے کلمۃ الحق کی تدبیر میں کس قدر مصائب و فوائب ہموں و غموں کی برداشت فرمائی تھی۔

کبھی حضور ﷺ کے آستان فیض پر غلاظت گرائی جاتی جس سے تشنہ طبع اور پریشانی و مانغ پیدا ہو، کبھی حضور ﷺ کی راہ پر گڑھا کھود کر اسے باریک باریک نکل یوں سے پاٹ دیا جاتا، گڑھے میں کانٹے بھر دیے جاتے کہ حضورؐ جب نماز تہجد کے لیے نکلیں تو زمین سمجھ کر اس پر پاؤں رکھیں اور گڑھے میں جا گریں، کبھی حضور ﷺ کی پشت مبارک پر (بحالت تنود) اونٹ کی اوچھڑی رکھ دی جاتی اور اسے کفار کی تفریح طبع کا سامان سمجھا جاتا، کبھی حضور ﷺ پر پتھر برسائے جاتے اور قرأت قرآن پاک سے آپؐ کو روکا جاتا، کئی سال کا ایسا زمانہ بھی حضور ﷺ پر گزرا ہے، جب حضورؐ کو ایک گھائی میں محصور رکھا گیا ہے، اور دانہ و خورش کا داخلہ بند کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ ہی کا حوصلہ تھا، حضورؐ کی کا دل تھا کہ صبر کیا کہ مالک نے بھی ﴿وَمَا صَبَرَكَ إِلَّا مَا لِلَّهِ﴾ کے ترغذ سے حضورؐ کو شرف فرمایا۔ حج ہاے نبی مقدس رسول ﷺ کے اب مبارک سے یہ زیارت تھا کہ ﴿الصبر و دانہ﴾ فرماتے اور صبر کو جمل و شان اور شوکت و وقار کا خلعت قرار دیتے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہ بقدر صبرہ علیٰ بلائہ و شکرہ علیٰ آلائہ و باریک و مسلم

۱۰..... وَالرِّضَاءُ غَيْمٌ مِّنِي (رضا الہی میری قیمت ہے) واضح ہو کہ رضا کہ متعلق امر تصوف کے تین اقوال ہیں۔

۱..... اہل خراسان کہتے ہیں کہ رضا بھی مقامات میں سے ایک مقام کا نام ہے اور انتہائے توکل یہی ہے، اور اس مقام کو بندہ اکتساب سے حاصل کر سکتا ہے۔

۲..... اہل عراق کہتے ہیں کہ رضا مضمحلہ احوال ہے، یہ مکاسب میں سے نہیں، بلکہ مواہب میں سے ہے۔

۳۔۔۔۔۔ تیسرے گروہ نے ہر دو اقوال کو جمع کر دینا چاہا، وہ کہتے ہیں کہ رضا ابتدائی درجہ میں آکثر ہے اور منجملہ مقامات ہے اور انتہائی درجہ میں محض عسیرہ بانی ہے لہذا منجملہ احوال ہے، گروہ اول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل رضا کی مدح و ثنا فرمائی ہے، اور اس صفت کے لیے شوق دلایا ہے، مگر یہ مقام آسانی نہ ہوتا اور مقدر بشری سے باہر ہوتا تو ایسا نہ کیا جاتا، نبی ﷺ نے فرمایا ہے: "خود اقی طبعہ الایمان من رضی باللہ و بالاسلام دینا و بمحمد رسولہ" ایمان کا ذاتی اس شخص نے چکھا جو اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔ "نیز فرمایا کہ جو شخص اذن اس کریم الخاق پڑھتا ہے اور حضرت ہمالہ و رسول الاسلام دینا و بمحمد رسولہ اس کے گنا بخش دیے جاتے ہیں۔ یہ دونوں احادیث اس شان کی ہیں کہ مقامات دین کا انہی پر مدار ہے، خود کریں تو ان سے چار امور بے ثبوت ملتا ہے۔

۱۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت والوہیت پر رضا مندی۔

ب۔۔۔۔۔ نبی ﷺ کی رسالت اور حضور کی اطاعت پر رضا مندی۔

ج۔۔۔۔۔ دین الہی پر رضا مندی۔

د۔۔۔۔۔ دین الہی کے سامنے تسلیم و انقیاد کا اقرار۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس شخص میں یہ ہر چہاں امور جمع ہو جائیں تو وہ صدیق ہے۔ ہاں! دعویٰ زبان سے آسان ہے مگر کامیابی امتحان دشوار ہے، خصوصاً جب کہ معاملہ یہ ہو کہ نفس کی مراد خواہش اس کے خلاف ہو۔

یاد رکھئے کہ الوہیت پر رضا مندی کے معنی یہ ہیں کہ محبت و ثابت اور تحمل الی اللہ میں توحید حاصل ہو خوف ہو تو اسی کا ہو، امید ہو تو اسی سے ہو، جملہ قوی کا انجیز اب اسی کی جانب ہو، اور عبادت کا مقصود توحید فی الاعمال ہو۔ ربوبیت پر رضا مندی کے معنی یہ ہیں کہ تدبیر الہی کی توحید حاصل ہو، توکل و اعتماد اور استعانت میں توحید ہو، اللہ تعالیٰ کے ہر ایک فعل کا خیر مقدم خوشنودی کیساتھ کرے۔

رسالت محمدیہ پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ احکام نبویہ کے مقابلہ میں اطاعت کلی اور تسلیم کلی شیوہ بن جائے اور حضور کی محبت بھری تعظیم اپنی جان سے بڑھ کر ہو۔ ہدایت اور حکم اور فیصلہ نبی ﷺ کی آستان پاک ہی سے حاصل کرے اور کسی دوسرے کی حکومت کا رد اور اسے وہ خصوصاً علوم لہیات کے متعلق، جہاں کسی دوسرے کا قول چل ہی نہیں سکتا۔

اسلام پر خوشنودی کے معنی یہ ہیں کہ جب اسلام کا کوئی حکم از قسم امر یا نہی ملے، اسے پورے اشراج خاطر سے قبول کرے اور اس کے خلاف اگرچہ وہ کتنے ہی معروف عالم کی طرف منسوب ہو، مگر قبول نہ کریں۔ اس مقام پر پہنچ کر بہت سے نام کے عالم یا صوفی و درویش یا شیخ تم کو مخالفت کرتے ہوئے نظر آئیں گے مگر رضا یا اسلام تو یہی ہے کہ جو حکم اسلام کا نہیں، اس پر ہرگز اہل ایمان کو یقین یا اطمینان نہیں کرنا چاہیے۔

اب یہ یاد رکھئے کہ رضا کا مقام تو کل و قبولی اور تسلیم کے بعد آتا ہے اور چونکہ اس کے حصول میں معصیت تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی فرضیت کا حکم نازل نہیں فرمایا، البتہ اس کا شوق ضرور دلایا ہے، لیکن دین معاوضے سے سوال ہوا کہ مسلم مقام رضا کیوں کر حاصل کر سکتا ہے۔ کہا جب وہ چار باتوں میں پختہ ہو جائے۔ (۱) عطا کو قبول کرے (۲) عدم حلیہ میں راضی رہے (۳) اقتیاض میں عبادت کرے (۴) اشراج میں حاضر و گاہ رہے۔

سیدنا امام حسین بن علیؑ سے کسی نے ذکر کیا کہ ابوذرؓ کیون کہتے ہیں کہ ان کو حضرت غنی سے اور عرض محبت سے زیادہ محبوب ہے۔ امام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوذرؓ پر رحم فرمائے، میرا قول تو یہ ہے کہ جس شخص کا اعتماد اللہ تعالیٰ کے بہترین انتخاب پر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی پسند کے سوا اور کسی شے کی تمنا ہی نہ کرے گا۔

فہرست بن عیاضؓ نے بشر حافیؓ سے فرمایا تھا: ”رضا کا درجہ مذہب سے برتر ہے، کیوں کہ جو راضی ہے وہ اس حالت سے دوسری حالت کا آرزو مند ہی نہیں۔“ امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھ کر بھیجا تھا: ﴿الخبیر کلہ فی الرضا فان استطعت ان ترضی والا فاصبر﴾ ”رضا میں تو سراپا قہر ہے اگر تم میں استطاعت ہے تو

اس درجہ میں رہو، ورنہ ”صبر“ کیا کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمَطْمَئِنَةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِي فِي عِبَادِي وَادْخُلِي جَنَّتِي﴾ ”اے اطمینان والے نفس، اپنے رب کی طرف رجوع کرو، اور اس حالیکہ تو رضا والا ہے اور رضا حاصل کر دو ہے، اب میرے بندوں میں شامل ہو جا، میری جنت میں داخل ہو جا۔“

یہ وہ قول ہے جو دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی بندہ سے کہا جائے گا، اور میدانِ قیامت میں بھی اسی کلمہ سے مؤمن کو مسرور الوقت کیا جائے گا، اللہ پاک کے پسندیدہ عباد کی جماعت میں داخلہ اور جنت میں پہنچنا، ہر دو انعام راضی و مرضی ہونے کی صفت پر ہیں۔

۱۱. وَالْعَجْزُ فُخْرِي (عاجزی میرا فخر ہے) عام طور پر مشہور تو یہ الفاظ ہیں الفخر فخری لیکن ماہرین علم الحدیث نے ظاہر کر دیا ہے کہ الفخر فخری کے الفاظ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔

صاحب مجمع البحار نے بھی والعجز فخری کے الفاظ کو بیان کیا ہے جیسا کہ حدیث زیر شرح میں موجود ہیں۔ عجز کے معنی در ماندگی ہیں اور کسی مفوضہ کام کو نہ کر سکتا، اس کے مفہوم میں داخل ہے، مفوضہ کام نہ کر سکنے کو کوئی مناسبت نبی ﷺ کی ذات اقدس سے نہیں ہو سکتی، کیوں کہ حضور کی حیات طیبہ تو سراپا سعی، مکمل جہد اور کامل عمل کا نمونہ رہی ہے۔

لہذا عجز سے مراد عجز بہ درگاہ احدیت ہے اور یہی معنی رب العالمین کے جاہ و جلال اور خاتم النبیین کے مقام و احوال پر صادق آتے ہیں۔ اہل ثروت کے حال پر نگاہ ڈالئے کہ دنیا میں تھوڑی سی کامیابی کے بعد ان کے غرور و چندا کی کیا حالت ہوتی ہے اور رسول اعظم ﷺ کی سیرت کو بھی غور سے دیکھئے۔ وہ رسول ﷺ جس کی نصرت و تائید زمین کے ہر ذرہ اور آسمان کے ہر ستارہ سے ہوتی ہو، جس کا حکم نفوس پر فرماں روا ہو، جس کی عظمت سے مائین السما و الارض پر آوازہ ہو وہ لمحہ بہ لمحہ عجز و اعتقاد اور تضرع و انکساری ہی کے تحیات و طیبات درگاہ احدیت اور آستانِ صعدیت پر پیش کر رہا ہے، اور اعتقاد کو افتخار سمجھ رہا ہے۔

نبی ﷺ کی کھلائی ہوئی دعاؤں کے کلمات و اکایات کو دیکھتے جن سے غفلت قلب کا نور اور حجابِ روح دور ہو جاتا ہے، کہ غافل سے غافل شخص کا دل بھی جاگ اٹھتا ہے اور بے اختیار سطوتِ الہی اور اشتیاقِ لم یزلی کے سامنے جھک پڑتا ہے۔ نمونہ کے طور پر ایک دعا کا اندراج کیا جاتا ہے، ناظرین اس کے اسلوب بیان پر غور کریں علومِ کائناتی کا اندازہ کریں اور دیکھیں کہ جس دل کی زبان سے یہ الفاظ نکلے وہ خود بھی اظہارِ بجز اور نیاز کو اپنے لیے کس قدر مایہ ناز و فخر و امتیاز سمجھتا ہے اور قمعین کو بھی کس نمونہ پر تیار کرنا چاہتا ہے۔

﴿اللَّهُمَّ اَنْتَ تَسْرِى مَكَائِنِى وَتَسْمَعُ كَلَامِى وَتَعْلَمُ سِرِّى وَعَلَامَتِى وَلَا يَخْفٰى عَلَيْكَ شَيْءٌ مِنْ اَمْرِى وَاَنَا الرَّجُلُ الْمُسْتَقِفُّ وَمُقَرَّرُ الْمُعْتَرَفِ بِذَنْبِى وَاَنَا الْمُسْتَغِيْثُ الْمُسْتَجِيْرُ اَسْأَلُكَ مَسْئَلَةَ الْمُسْكِيْنِ وَابْتَهِلُ اِلَيْكَ ابْتِهَالِ الْمُسْلِبِ الذَّلِيْلِ وَاَدْعُوْكَ دُعَاءَ الْخَائِفِ الضَّرِيْرِ وَدُعَاءَ مَنْ خَضَعْتَ لَكَ رَقَبَتَهُ وَقَاضَتْ لَكَ غَيْرَتُهُ وَذَلَّ لَكَ جِسْمُهُ وَرَجَمَ لَكَ اَنْفَهُ اَنْ لَّا تُخْلِعَنِىْ بِدُعَائِكَ شَقِيْقًا وَكُنْ لِىْ زَوْفًا رَّحِيْمًا يَا خَيْرَ الْمُسْتُوْلِيْنَ وَيَا خَيْرَ الْمُعْطِيْنَ﴾

”یا اللہ تو مجھے میری جگہ پر دیکھ رہا ہے اور میرا کلام سن رہا ہے، میری پیداواریاں کو خوب جانتا ہے میری کوئی بات بھی تجھ سے پوشیدہ نہیں، میں تو کاپٹنے والا، ڈرنے والا ہوں، میں اپنی کمزوری کا اقرار و اعتراف کرتا ہوں میں تو فریادی اور پناہ کا خواہاں ہوں، تجھ سے مسکین بن کر سوال کرتا ہوں گنہگار و ذلیل کی طرح تیرے سامنے پڑا رہا ہوں، تاہم خوفزدہ کی طرح مدد کی پکار کرتا ہوں میری پکار اس شخص کی سی ہے، جس کی گردن نیچی ہو جس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوں، جسم جھک گیا ہوا اور تاک زمین پر گر رہا ہوا مے مجھ کو محروم نہ رکھنا، میرے ساتھ رافت اور رحم کا برتاؤ کرنا، اے مالک تو سب سے بڑھ کر فریادرس ہے تو سب سے بڑھ کر جو دعو عطا کرے والا ہے۔“

اللہ اکبر! یہ معرفت کا وہ سبق ہے کہ اگر کوئی اہل ایمان دل اور زبان کے اس بجز و بیان کے ساتھ بارگاہِ منان میں حاضر ہو تو ضروری ہے کہ رحمت اس کی دستگیری فرمائے

و محبت اس کی شمع را دہنے، اخلاص و صداقت اسے خاک سے اٹھا کر گری قبول و عزت پر بٹھائے۔

۱۲۔ وَالْفُحْدُ جُرْفَتِي (زہد میرا پیشہ ہے) جُرْفَتِ اس صنعت یا وجہ کسب کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے گزارد کا ذریعہ بنائے، زہد اصل لغت میں عدم رغبت کو کہتے ہیں سو وہ یوسفؑ میں ہے ﴿وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الْفُحْدِ﴾ "تاکہ ان لوگوں کو یوسفؑ کے پاس رکھنے کی رغبت نہ تھی۔" اصطلاح شرعیہ میں دنیا اور مائے مہر و مشربہ دنیہ سے رغبت نہ رکھنے کو زہد کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے زہد یہ ہے کہ نہ موجود پر اکتا دو اور نہ مفقود پر ماتم ہو۔

امام احمد ثین احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں، زہد کی تین اقسام ہیں۔

۱۔ ترک حرام، یہ عوام کا زہد ہے۔

۲۔ حلال میں سے زائد شے کو چھوڑ دینا، یہ خواص کا زہد ہے۔

۳۔ ہر ایک اس کی شے کا ترک کر دینا جو توجہ الی اللہ سے روکنے والی دوسرے ذرائع کا زہد ہے۔ چنانچہ حدیث کے ہر دائرہ نظر پر غور کیجئے۔ حرف قوامی طریقہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنی معاش کے لیے لازماً ٹھہرائے اور یہاں نئی چیز لائے "زہد" نئی کو اپنا حرف بتلایا تو اس کے معنی یہ ہو گئے کہ اپنی توجہ کو ان سب اشیاء جملہ اسباب اور وسائل سے جو سوئی اللہ کی طرف لے جانے والے ہیں اپنا کر پورے، جتن، محنت اور پوری ہمت سے اللہ ہی کی طرف توجہ کرنے لگے، وسائل اور وسائل کو بیچ پوچھ سمجھ کر یا جائے وہ اعتماد جو دور و گار پر ہے، مسائل حاضرہ کو موجب حمانیت نہیں بنا سکے اور اسی مائدہ کا فقدان قلب میں کوئی تشویش نہیں پیدا کر سکتا۔ یہ زہد کی بلند ترین صورت ہے اور اس زہد پر یہ اعتراض بھی قائم نہیں ہو سکتا کہ زہد تو انسانی ذرائع کا مائل ہے یا زہد تو اصول تمدن کی مہکات کا ہم ہے۔

۱۳۔ الْيَقِينُ قَوْلِي (یقین میری روئی ہے) کو اس شخص کو کہ کتاب حید میں یقین

اور اس یقین کا بیان آیت متعدد میں ہوتا ہے ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا

و اولئك هم المفلحون﴾ ”جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اس پر جو تجھ پر اتارا گیا، نیز اس پر جو تجھ سے پہلے نازل کیا گیا اور وہ آخرت پر بھی یقین رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جو ہدایت ربانی پر ہیں اور یہی ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔“

آیات بالا پر غور کیجئے کہ ہدایت اور فلاح کو یقین ہی کا ثمرہ بتلایا گیا ہے ﴿و جعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا و كانوا اباياتنا يوقنون﴾ ”ہم نے انہی میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے کیونکہ انہوں نے صبر کیا تھا اور ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔“

آیت بالا میں امامت فی الدین کے منصب کو صبر اور یقین کے اتحاد کا نتیجہ فرمایا گیا ہے: ﴿و لى الارض ايات للموقنين و لى انفسكم﴾ ”یقین والوں کے لیے زمین میں اور خود ان کے نفس کے اندر نشانیاں موجود ہیں۔“

آیت بالا میں بتلایا گیا ہے کہ آیات ربانی کا مشاہدہ اور علامات سبحانی کا معائنہ اور پھر اس مشاہدہ و معائنہ سے نفع کا حاصل کرنا اہل یقین ہی کے لیے حاصل ہے۔

الغرض جو درجہ روح کا جسم انسانی میں ہے وہی درجہ یقین کا پیکر ایمانی میں ہے، یقین ہی اعمال قلب کی روح ہے، یقین ہی حقیقت صدائیت ہے، علماء میں اختلاف ہے کہ یقین کبسی ہے یا وہی ہے، ہمارے نزدیک بلحاظ اسباب تو کبسی ہے اور بلحاظ اصلیت وہی ہے۔ پہلے تسکریٰ فرماتے ہیں کہ مکاشفہ سے ابتدا ہوتی ہے، اور پھر انسان معائنہ و مشاہدہ کے مدارج کو طے کرتا ہوا یقین تک پہنچ جاتا ہے۔ ذوالنون مصریٰ فرماتے ہیں کہ یقین کی علامات تین ہیں۔

۱..... لوگوں سے میل جول کم ہو۔

۲..... کسی کے عطیہ پر مدح نہ کرے۔

۳..... کسی کے مذہب پر اس کی مذمت نہ کرے۔

انہی کا ارشاد یہ بھی ہے، یقین کی حقیقت یہ ہے کہ ہر شے میں نظر الی اللہ ہو، ہر

عالمہ میں رجوع الی اللہ ہو، ہر حالت میں استعانت باللہ ہو۔

واضح ہو کہ اگر مراتب یقین کی تفصیل کی جائے تو وہ تین ہیں: مرتبہ اولیٰ میں اوامر و نواہی، علم، معاد، علم الاسماء والصفات و اقل ہیں اور جب بندہ کو ان علوم کی حقانیت و صدق پر وثوق مکی ہو جاتا ہے تو اس مرتبہ کو حاصل کر لیتا ہے، مرتبہ ثانیہ میں استدلال کی ضرورت نہیں رہتی، دلیل فضول سمجھی جاتی ہے اور سماعت کا مقام رویت حاصل کر لیتی ہے، اس کو یمن الیقین کہتے ہیں۔ مرتبہ ثالثہ میں خود آفتاب حقیقت نورینہ ہوتا ہے، کلفت یقین جاتی رہتی ہے، حقانیت اپنے کمال کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے، اسے حق الیقین کہتے ہیں اور یہ درجہ صرف انبیاء کا ہے انہی کی جسم ظاہرین کے سامنے جملہ اسرار و خفایا منکشف ہوتے ہیں اور انہی پر علوم معاد کا ظہور ایسا ہوتا ہے، جیسے دوسروں کے لیے مادی اشیاء کا شہود۔ اب یہ غور کیجئے، کہ حدیث زیر شرح میں نبی ﷺ نے یقین کو اپنی غذا فرمایا ہے، یہ ظاہر ہے کہ غذائی پر جسم کا نشو و نما ہے اور غذائی سے جسم کی پرورش ہوتی ہے۔ یقین کو غذا بنانا ظاہر کر رہا ہے کہ حضورؐ اسباب مادیات سے کس قدر دور تھے، حضورؐ کی قوت یقین کا اندازہ کرنے کے لیے صحابہؓ کی قوت یقینیہ کا اندازہ کیجئے۔

ایک صحابی جنگ احد میں خوش انگور ہاتھ میں لیے ہوئے انگور کھا رہے تھے عزم یہ تھا کہ انگور کھا کر اور طاقت جسمانی بڑھا کہ شریک معرکہ ہوں گے، انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے سنا کہ شہادت کا ثمر جنت علیا ہے یہ سن کر انہوں نے انگوروں کی طرف دیکھا، پھر کہا کہ ان کے شتم کرنے میں تو دیر لگے گی، میں جنت کے لیے اتنی دیر کیوں کروں، یہ کہہ کر انگور پھینک دیے اور زر مگہ میں پہنچے اور جو ہر شجاعت دکھاتے ہوئے بزم گاہ رضوان کو جاسد حارے۔

نقیب محمدی عمید اللہ بن رواد انصاری کا حال بھی انہی سے ملتا ہوا ہے دشمن پر حملہ کر رہے تھے کہ ان کا چچر ایسا ہی تجنی لے آیا، کہا یہ تھوڑی سی پی لو، طاقت پا کر زیادہ لڑ سکو گے پیالہ ہاتھ میں لیا دو تین گھونٹ لے کر برتن پھینک دیا کہ مجھے اپنے احباب سے جلد تر ملاقات کرنا ہے۔ سچ ہے کہ یقین شکوک و ادہام کے حجاب کو چاک کر دیتا ہے، اس وقت

چہرہ حقیقت بے نقاب ہو جاتا ہے، روایت ایمانی کا درجہ بصارت معنی سے بالا تر پہنچ جاتا ہے، اور ایسا دیدہ ور شخص مغنیات کو مشاہدات سمجھتا ہوا حقائقِ اصلیہ اور معارفِ روحانیہ کو حاصل کر لیتا ہے۔

۱۴۔ وَالصَّدَقُ شَفِيعِي (صدق میرا ساتھی ہے)

جب ایک شخص کے ساتھ اس کو اغراض و مقاصد میں متفق و متحد ہو کر دوسرا شخص شامل ہو جاتا ہے تو وہ پہلے شخص کا شفیع کہلاتا ہے، لغت میں شفیع بمعنی جفت آتا ہے، کتابِ حمید میں ہے ﴿وَالشَّفْعُ وَالْوَتْرُ﴾ صدق، ہر شے کی اصلیت اور کمال کو کہتے ہیں، الفاظِ ذیل پر غور کیجئے:-

۱.....عزم صادق، اسی ارادہ کو کہیں گے جو تام و قوی ہو۔

۲.....محبت صادق، اسی محبت کو کہیں گے جو کامل و اصلی ہو۔

۳.....خبر صادق، وہی اطلاع ہے جس میں اصلیت کے سب اجزاء کامل و قوی ہوں، قرآن مجید میں صدق کے کئی مقامات کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ نبی ﷺ کو یہ دعا تلقین فرمائی گئی ہے ﴿وَرَبِّ ادْخُلْنِي مَدْخَلَ صَدَقٍ وَاخْرِجْنِي مَخْرَجَ صَدَقٍ وَاَجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطٰنًا نَصِرًا﴾ ”اے رب! مجھے خوبی کے ساتھ پہنچاؤ اور مجھ کو خوبی کے ساتھ لے جائیو اور مجھ کو اپنے پاس سے ایسا غلبہ دیجیو جس کے ساتھ نصرت ہو۔“

اس دعا میں مدخل صدق اور مخرج صدق کا سوال سکھلایا گیا ہے۔ مدخل صدق سے مراد بندہ کی وہ توجہ ہے، جو اللہ کے لیے اللہ کی جانب اور احکامِ الٰہی کی جانب بندہ کیا کرتا ہے، اس توجہ میں شائبہِ ریب و شک نہیں ہوتا، اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، نبی ﷺ کا داخلہ مدینہ المنورہ بھی اسی مدخل صدق میں داخل ہے، جس کی برکات و انوار لا انتہاء ہیں۔ مخرج صدق سے مراد بندہ کی وہ عزیمت ہے جو ہوا و ہوں اور اقتضائے طبع و نفس سے منہ موڑ کر اور امورِ خاکی سے دامنِ دل کو چھوڑ کر سب سے الگ ہو جاتا ہے۔

کوئی حجاب، کوئی رسم، کوئی امید، منفعت، کوئی خوف و ضرر بندہ کو اس خروج صدق

ظہور اور نور نظر آتا ہے۔

صلح حدیبیہ میں کفار نے ایک شرط یہ بھی کی تھی کہ جو شخص قریش میں سے مسلمان ہو کر مسلمانوں سے جا ملے گا ماسے قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا مگر جو شخص مسلمانوں میں سے نکل کر کفار میں جا ملے گا وہ مسلمانوں کو واپس نہ دیا جائے گا۔

شرط مذکور اپنے ظاہری الفاظ میں ذلت آمیز نظر آتی ہے، لہذا عمر فاروقؓ، اسید بن حضیرؓ، سعد بن عبادہ اور سہیلؓ بن حنیف جیسے غیرت مند ان اسلام نے جو شانہ روز "اعز الاسلام والمسلمین" کا ورد رکھتے تھے۔ اس شرط کی حمیت مسلمین اور عزت اسلام کے منافی سمجھا۔ جب انہوں نے اس بارے میں حضورؐ سے اپنی رائے کا اظہار کیا تو حضورؐ نے نہ ان کے دلائل کی تردید کی اور نہ ان کے اقوال کی تضعیف، بلکہ زبان عالی سے یہ فرمایا: ﴿انسی رسول اللہ ولست اعصیہ وھونا صری﴾ "میں اللہ کا رسول ہوں میں اس کے حکم کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار بھی ہے۔"

اس سے صاف روشن ہو گیا کہ نبی ﷺ کس قدر زیادہ طاعت و انقیاد الہی کے پابند تھے کہ حمیت و ہمایہ ظاہری اور وقار عزت یعنی ہاں مسلمانوں کی جنبہ داری یا مرتدین کی تعزیر کے مسلمہ اصول بھی حضور ﷺ کو ذوق اطاعت اور کمال انقیاد سے الگ نہ کر سکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حسن عمل کا بدلہ اسی جنس عمل کی صورت میں حضور ﷺ کو ازانی فرمایا اور حضور ﷺ کی اطاعت کو جملہ عالم و عالیشان پر فرض عین ٹھہرایا فرمایا: ﴿من یطع الرسول فقد اطاع اللہ﴾ "جس نے محمد رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی بھی اطاعت کی۔" اور فرمایا ﴿ان تطیعوہ تمسکوا﴾ "اے لوگو! اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پا لو گے۔"

۱۶. وَالْجِهَادُ خُلُقِی (جہاد میری خصلت ہے) جہاد، پوری کوشش سے کوئی کام کرنا، محنت، طاقت اور توجہ کو کسی کام میں لگا دینا، فطریق، طبیعت، جبلت، پیدا شدہ خصلت۔ جہاد شریعی کی دو اقسام ہیں: جہاد بالمال جہاد بالنفس، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَسِجَاهِدُونَ

فی سبیل اللہ بامو الکرم والفسکم ﴿﴾ ”اللہ کی راہ میں مالوں کے ساتھ اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔“ مال کی قربانی بھی سخت دشوار ہے، اور ایثار جانی بھی سخت مشکل، بہت لوگ جان کے بچاؤ میں مال کی پروا نہیں کرتے اور اکثر ایسے ہیں جو مال کے لیے جان کو بھی ہلاکت میں ڈال دینا آسان سمجھتے ہیں، جہاں مال اور جان دونوں کے نثار کرنے کا سوال ہو، وہاں پورا اثرنا اللہ تعالیٰ کے محض بندوں ہی کا کام ہے، بسا اوقات یہی مال و جان انسان کو اس کے فرائض ذاتی و قومی اور واجبات اخلاقی و دینی کے ادا کرنے میں سخت حائل ہو جایا کرتے ہیں لیکن راہ خدا کے فدائی ہر شے کو اپنے مولیٰ کی رضا پر قربان کر دیتے ہیں، قرآن مجید کی ایک آیت میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ﴾ ”اللہ کے بارے میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔“

اس جہاد سے مراد علم الہی کی تحصیل، رضائے ربانی کا حصول، بقرب سبحانی کا شوق، مدارج و جہات کا ارتقا، مراد ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس جہاد میں صرف طاقت اور اخلاص توجہ، معنی لغوی اور ایمان و عمل صالح، معنی شرعی ہمہ وجہ و درکار ہیں۔ جہاد کے معنی اعدائے دین کو قتل میں لانا، اعدائے کلمۃ اللہ کے لیے وسائل مالی و جانی کو جمع کر دینا بھی ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی سیرت پاک پر نگاہ ڈالیں کہ جہاد کی ان جملہ اقسام میں حضور ﷺ جملہ افراد امت سے کس قدر بڑھے ہوئے تھے۔ حضور ﷺ کا عزم و ارادہ اور نیت و تقنا، حضور کا آرام و قیام اسی جہاد فی اللہ کے لیے تھا، وہ آسودگی و آرمیدگی جو خاصہ اہل حکومت ہے۔ وہ دہن و ضعف جو لاحق احوال امراء ہے۔ وہ کسل و جمود جو محبوب مترقبین ہے، ان میں سے کسی کا بھی کوئی اثر ذات گرامی پر نہ تھا، جد و جہد، سعی و طلب، ارتقاء اور ارتقا، ہمو گداز، جزن و شوق حضور کے خدام دربار تھے، اور اسی اسوۂ عالیہ کا فیضان تھا کہ صحابہ کرم خویش و تبار سے، زن و اولاد سے جدا، ضیاع و زرع سے دور، آرام و آسائش سے نفور ہو کر ہمدتن، ہمہ دل جہاد فی اللہ میں مشغول تھے، اسی صفت عالیہ کے تحت میں انہوں نے وطن کو خیر باد کہا اور زیست دنیوی کو حیات دنیا قرار دیا، وطن سے نکلے اور تمام دنیا کو ہمت

بلند، عزم راسخ، طلب صادق، سعی مؤفوری ایسی تعلیم دے گئے کہ مشرق سے مغرب تک ﴿كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا﴾ کا آواز بلند ہو گیا۔

اسی نمونہ کا نتیجہ تھا کہ لوگوں نے دنیا کا دارالعمل ہونا سمجھ لیا۔ انفس کا پاس ہونے لگا، حیات ارضی کے بعد حیات روحی کا نظارہ آنکھ کے سامنے ہو گیا۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ مدت قلیل میں فوائد کثیرہ، فتوحات عظیمہ، غنائم وافرہ، نتائج عالیہ حاصل ہو گئے۔ کاش! مسلمان اسی علم و عمل کو مال زندگی سمجھیں اور سعی و طلب کو اپنی جہات و فطرت بنالیں اور وہ بھی دنیا کی زندہ اقوام میں زندہ کہلانے کا لقب حاصل کر سکیں۔

نہیں، نہیں، دنیا میں آج زندہ اقوام کہلانے والی قوموں کا مطمع نظر بہت پست ہے، اہل ایمان کو اپنی نیت و فعل اور عزم و عمل کے لحاظ سے اپنی ہمت کو بہت بلند رکھنا ضروری ہے تاکہ انہیں انبیاء و صدیقین اور شہداء کی معیت حاصل ہو جائے اور سعادت دارین کا تاج جسے تاج خلافت بھی کہا جاتا ہے ان کے سر پر رکھا جائے۔

۱۔ وَفَرَّقَ عَنِّي فِي الصَّلَاةِ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) حج عمر میں ایک دفعہ ہے اوائے زکوٰۃ کے لیے سال میں ایک دن کا مقرر کر لینا کافی ہے صوم رمضان گیارہ ماہ کے بعد آتے ہیں۔ مگر نماز ایک دن میں پانچ دفعہ پڑھنا فرض ہے، سات برس کے بچے کو نماز پر لگانے اور دس برس کے بچے کو ترک نماز پر تادیب کرنے کا حکم ہے، سفر ہو یا مرض، مفلسی ہو یا امیری، اسیری ہو یا آزادی، نوکری پر ہو یا گھر پر فرض نماز کسی وقت اور کسی جگہ ساقط نہیں ہوتی، جب تنگ ہو ش و ہواں درست ہیں، نماز کی فرضیت قائم رہتی ہے، اعمال میں نماز سب سے پہلے فرض ہوتی اور سب سے اخیر تک فرض رہتی ہے، نماز ہی کی بابت سب سے پہلے سوال بروزِ محشر ہو گا۔

علماء دین نماز ہے، شوکت اسلام نماز ہے، اسلام کا خیمہ اسی چوب پر استادہ ہوتا ہے، مسجدوں کی تعمیر، اذانوں کا اعلان، خطیب اور پیش اماموں کا تقرر سب کچھ نماز کے لیے ہے، حفاظ قرآن کی عزت و محراب مسجد سے آشکار ہوتی ہے، اور علمائے دین کی فضیلت منبر

مسجد سے نمودار ہے۔ نماز ہی اجتماع و تنظیم کی سبق آموز ہے، اور نماز ہی پابندی و اوقات کا محرک بنانے والی ہے نماز ہی مختلف المذاہب و فرقہ کو واحد مرکز پر لاتی ہے، اور نماز ہی قوم کے پسند کردہ امیر کی اطاعت کا عملی سبق پڑھاتی ہے۔

نماز بندہ کو بدن مہیاں اور مقام کو پاک و پاکیزہ اور صاف و نکل رکھنے کا ذریعہ ہے، نماز ہی سرخیز کی سکھلاتی ہے، اور نماز ہی یہود و تمیزوں و تقاضاؤں میں انسان کی صحت اور رویہ اور وقت کی حفاظت کرتی ہے، نماز ہی دل میں ایک ایسی کشش پیدا کر دیتی ہے، جس سے دل کا تعلق رب العالمین کی حضوری سے ہو جاتا ہے۔ نماز ہی برائیاں کو دور ہار النہی میں حاضر ہو سکنے کا عزاز عطا کرتی ہے، اور نماز ہی انسان اور رب میں سرگوشی و ہم کلامی کا رزگول دیتی ہے، نماز ہی کماںِ عبودیت ہے اور نماز ہی تکمیل انسانیت، نماز ہی اخلاقِ حسنة کی بازی ہے اور نماز ہی عباداتِ مسجد کی سر ہے، نماز ہی مغفرت و رحمت ہے اور نماز ہی برہان ہے، نماز ہی رب العالمین کے عالم گیر علم و قدرت کا یقین مستحکم ہوتا ہے اور نماز ہی سے فرزندِ انساں کی ہر نگیر اخوت کا سلسلہ چاند ر ہوتا ہے، نماز ہی سے احسانیات کے مراتب طے ہوتے ہیں، اور نماز ہی سے تقبیاتِ حضور کی اشاعت نور ہوتی ہے، جس دین میں نماز نہیں وہ دین، دینِ حق نہیں، مومنین کے لیے نماز کو معراج فرمایا گیا ہے، اور حالتِ سجدہ کو بندہ کا بارگاہِ سبحانی سے قریب تر ہونا نظر آیا گیا ہے۔ بزرگانِ دین سمجھتے تھے کہ پھلِ رحمت صرف نماز ہی میں سکینے پر اب ہوتا ہے اور ہر وقت سوچنے والا و مانع صرف نماز ہی میں اہمیت الی اللہ کا مزہ پاتا ہے، نماز ہی ہے جس کا اثر انسان کے جسم اور دل اور دماغ اور نفس و روح اور سر اور عقل پر یکساں پڑتا ہے اور نماز ہی ہے جو بہ حالت ارتقا انسان کو کھولتی صفاتِ بناویتی ہے۔

جملہ ادیان پر جو فضیلت اسلام کو ہزاراں جملہ یہ ایک بڑی دلیل ہے کہ اسلام ہی

بندہ کو باطنی وقت اللہ کے حضور میں لے جاتا اور یہ واسطہ و مگر براہِ راست عرضِ معروض کا موقع عطا کرتا ہے، جب نماز ہی یہ برکاتِ عبادۃ السالکین کے لیے ہیں تو کچھ شک نہیں ہو

جاتا کہ نبی ﷺ کی نماز اپنی توانائیت میں سارے جہان کی نمازوں سے اعلیٰ و برتر تھی۔ ایک مذہب نہیں، اور حب و خاسر کی عبادت کو ایک مصطفیٰ و مجتبیٰ سید اور نبی، حبیب رب العلیٰ کی نماز کے ساتھ کیا مناسبت و مشابہت ہو سکتی ہے۔ البتہ حدیث پاک سے اصل قدر مستطاب ہوا کہ نبی ﷺ کے کلے کلے خزانوں کو اپنی آنکھوں کی شہنائی کی شہنائی کو بنا کر چاہیے، جیسا کہ حضورؐ کی حالت تہاب سے نماز کو قرآن عظیم فرمایا ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم

(بحوالہ معقول۔ دیوبند کے محدثین و محدثین جلد ۱)

یا رب صلی وسلم ذابعا ابدا علی حبیبک خیر الخلق کلہم



خصوصیت نمبر ۵۶

رسول اکرم ﷺ کی جان مبارک کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھپن نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کی جان مبارک کی اللہ تعالیٰ نے خود قسم اٹھائی ہے“ بے شک دیگر خصوصیات کی طرح یہ بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے، جبکہ دیگر انبیاء کرام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایسی قسم نہیں اٹھائی، تو معلوم ہوا کہ یہ بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم نے آپ ﷺ کی اس خصوصیت کو تفصیل سے بیان کیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی سنتوں کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

چھپن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات پر فضیلت عطا فرمائی ہے، آپ ﷺ سے زیادہ اکرام واحترام کسی کو بارگاہ رب العزت میں حاصل نہیں، ایک تو یہ کہ صرف اور صرف آپ ﷺ کے ذکر کو بلند کیا گیا اور دوسری طرف حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی جان کی قسم کھائی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَعَسَآ رَكَّ اَلْهَمَّ لَفْیَ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُونَ﴾ (سہم) ”اے نبی ﷺ! آپ کی جان کی قسم وہ اپنی مستی میں مدہوش تھے۔“

یہ قسم اس تاریخی لمحے اور منظر کی توثیق کے لئے کھائی ہے، جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم والے ان کے مہمانوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتے تھے، اور حضرت لوط علیہ السلام ان سے کہہ رہے تھے کہ: ”لوگو! مجھے رسوا نہ کرو۔“ یہ عذاب سے پہلے کی ساعت تھی اور

پھر سورج نکلنے نکلنے سخت آواز کے دھماکے نے ان کو آلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس ہستی کو جس نہیں کر کے رکھ دیا۔ اس واقعے کی صحت اور شدت کے اظہار کے لئے رب العزت نے اپنے رسول ﷺ کی زندگی کی قسم کھائی ہے۔

نبیؐ نے دلائل الہیہ میں اور ابو نعیم اور ابن مرددہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات و کائنات میں کسی کو محمد معظمی ﷺ سے زیادہ عزت و مرتبہ عطا نہیں فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی تغیر یا فرشتے کی حیات پر کوئی قسم نہیں کھائی اور اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی عمر و حیات کی قسم کھائی ہے جو آنحضرت ﷺ کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔ (کمال معارف القرآن)

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر قرآن حکیم کی قسموں پر مختصر گفتگو کی جائے۔ قرآن حکیم کی قسمیں قرآنی مطالبے کا ایک مستقل عنوان اور باب ہیں۔ اس موضوع پر حافظ ابن قیم کی تالیف التبیان فی اقسام القرآن نہایت اہمیت رکھتی ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بھی اپنی تالیف الاتقان فی علوم القرآن کی نوع ۶ میں قرآن کریم کی قسموں پر کلام کیا ہے۔

قسم سے خبر کی تحقیق اور توكید مقصود ہوتی ہے، ”و“ حرف قسمیہ ہے، لیکن خبر سے بھی قسم کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ﴿وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اَنَّ الْمَنَافِقِيْنَ لَكَاذِبُوْنَ﴾ (نور ہد)۔

”اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافقین جھوٹے ہیں۔“ اللہ رب العزت نے یوں اس بیرائے میں اپنے قسم کھائی ہے۔

تحقیق و توكید کے علاوہ قسم، محاورہ اہل عرب کا اہم حصہ تھی، اور قرآن حکیم محاورہ عرب کی بے مثال مثال ہے۔

ہمارے لئے اللہ کے سوا کسی مخلوق کی قسم کھانا منع ہے۔ ہمارا شاہد اور گواہ وہی ہے جو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اور کائنات کی ہر چیز خواہ ابھی وقوع پذیر بھی نہ ہوئی ہو اس کے دائرہ عمل میں شامل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کو زبید دیتا ہے کہ وہ اپنی ذات عالیہ کے علاوہ اپنی مخلوق کو بھی اپنے قول کی شہادت کے طور پر پیش کرے۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے سات

مقامات پر اپنی ذات کی قسم کھاتی ہے۔

قرآن عظیم میں ارض و موات، فرشتوں، مقادیر، قدس، ستاروں، سورج کی جڑی، کوئی روشنی، رات (اور اس کی نشانیں) کی قسم کھائی گئی ہے اور ان چیزوں کی قسم جو اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور قدرت کی مظہر ہیں۔ مخلوقات کی قسموں میں ایسے مقامات بھی ہیں جہاں مضاف کو حذف کر دیا گیا ہے۔ "تمہا" اور "زیتون" کی قسموں میں رب محذوف ہے۔ "ارب التین" اور "رب الزیتون" یہ بات بدیہی اور بہت واضح ہے۔ ذیل کے بغیر مفعول کا وجود ممکن نہیں۔

قرآن حکیم کی قسموں کا ان مضامین و موضوعات سے گہرا رشتہ ہے جو قسم کے بعد پیش کئے گئے ہیں۔ جس چیز کی قسم کھائی گئی ہے وہ اس مضمون کی صداقت پر شہادت دیتی ہے۔ کوئی کہیں کوئی قسمیں ایک ساتھ آگئی ہیں مثلاً سورہ الشمس کی پہلی سات آیتوں میں سات قسمیں ہیں: ۱۔ سورج کی اور دھوپ چڑھنے کی ۲۔ چاند کی قسم جب وہ سورج کے پیچھے آئے ۳۔ دن کی قسم ۴۔ رات کی تار کی کی قسم ۵۔ آسمان کی اور اس کی تخلیق کی قسم ۶۔ زمین کی اور اس کے بچھائے جانے کی قسم ۷۔ انسانی نفس اور اس کی ارتقائی کی قسم۔

جن چیزوں کی قسم کھائی گئی ان کے تضاد اور پھیلنے سے انسان کے باہر اور کامیاب اور نامزد ہونے کی حقیقت اور مسائل ابھر کر سامنے آ گئے۔ اپنے نفس کو سنوارنے والا منزلی تک پہنچ گیا، اور نفس کو خاک میں ملانے والا خیران میں مبتلا ہوا۔ تقویٰ اور غور کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اور انسان کو ان میں سے کسی ایک کو چننے کا اختیار عطا کیا گیا ہے۔

قرآن مجید کی قسمیں اللہ تعالیٰ کے دین اور راہ ہدایت، انسانی تقدیر اور مسائل کائنات پر حاوی ہیں اور ہر سے دل اور ذہن کو نیکی کی حقیقت اور ہر ری حقیقت پر مطلع کرتی ہیں۔

قرآن حکیم کی قسموں کے تمام پہلوؤں کا مطالعہ ہمارا موضوع نہیں، اور ویسے بھی

اس کتاب عظیم کی تمام حکمتوں کو کون سمیٹ سکتا ہے۔ یہ حکمتیں تو آہستہ آہستہ گردشِ مہا و سال کے ساتھ ابھر کر ہمارے سامنے آرہی ہیں، لیکن ایک پہلو پر گفتگو کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کی بہت سے قسمیں رسول رب العالمین کے رہتے اور ان کی رسالت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی شہادت کا درجہ رکھتی ہیں۔

سورۃ النجم کی سورۃ ہے جس میں ذکر معراج بھی ہے۔ کئی دور کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اپنے حبیب ﷺ کی خاص طور پر دل دی کی ہے اور حرفِ تسلٰی سے نوازا ہے، عام الحزن کے بعد آپ ﷺ کو معراج بھیسی عظمت اور تھخہ عطا ہوا، سورۃ النجم کی ابتدائی چار آیتوں میں صاحبِ معراج ﷺ کے علوئے مرتبہ کا ذکر ہے، اور ستارے کو اس پر گواہ بنایا گیا ہے۔ ﴿وَالنَّجْمُ إِذَا هَوَىٰ ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ۝ وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۝﴾ (سورۃ نجم)

”قسم ہے ستارے کی جب وہ غروب ہوا، تمہارا رفق نہ بھٹکا نہ بہکا ہے، وہ نفس کی خواہش سے نہیں بولتا، یہ تو وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔“

ستاروں کو انسانی تاریخ میں رہنمائی کے لئے استعمال کیا گیا اور مخصوص حالات میں ستارے آج بھی قافلوں کی رہنمائی کرتے ہیں، بالخصوص ریگستانی علاقوں میں جہاں رات کو سفر کیا جاتا ہے، اور جدید آلات رہنمائی موجود نہ ہوں۔

یہاں ستارے کے غروب ہونے یا غروب شدہ ستارے کی قسم کھائی جا رہی ہے، یعنی اندھیرا غائب ہو چکا ہے اور کائنات کی ہر چیز روشن طور پر سامنے ہے یہ روشنی اس بات کی شاہد ہے کہ تمہارے رفق (محمد ﷺ) ہر اختیاری اور غیر اختیاری بہکاوے اور بھٹکنے سے محفوظ ہیں۔ ستارے کے سفر اور آفتابِ نبوت ﷺ کی زندگی اور سفرِ نبوت میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ: ”جس طرح آسمان کے ستارے طلوع سے لے کر غروب تک ایک مقرر رفتار سے جہنمیں راستے پر چلے جاتے ہیں، کبھی ادھر ادھر ہٹنے کا نام نہیں لیتے، آفتابِ نبوت ﷺ بھی اللہ کے مقرر کئے ہوئے راستے پر برابر چلے جاتے ہیں۔ ممکن نہیں کہ ایک قدم ادھر

یا اصرار پڑ جائے۔ ایسا ہوتو ان کی بعثت سے جو فرض متعلق ہے وہ حاصل نہ ہوا، انبیاء علیہم السلام آسمان نبوت کے ستارے ہیں جن کی روشنی اور رفتار سے دنیا کو رہنمائی ملتی ہے اور جس طرح تمام ستاروں کے غائب ہونے کے بعد آفتاب و درخشاں طلوع ہوتا ہے۔ ایسے ہی تمام انبیاء کرام کی تشریف آوری کے بعد آفتاب محمدی ﷺ مطلع عرب سے طلوع ہوا، پس اگر قدرت نے ان ظاہری ستاروں کا نظام اس قدر محکم بنایا ہے کہ اس میں کسی طرح کے تزلزل اور اختلال کی گنجائش نہیں تو ظاہر ہے کہ ان باطنی ستاروں اور روحانی آفتاب و ماہتاب کا انتظام کس قدر مضبوط و محکم ہونا چاہئے، جن سے ایک عالم کی ہدایت و سعادت وابستہ ہے۔ (تعبیر بیانی)

سورۃ البلد کا آغاز مکہ معظمہ کی قسم سے ہوتا ہے اور دوسری آیت میں نبی اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور اس طرح بلد الامین اور رسول الامین کا رشتہ ابھر کر سامنے آ جاتا ہے۔

﴿لَا قَسَمَ بِلَدِّهِ الْبَلَدِ ۝ وَانْتَ حَلَّ بِهٰذَا الْبَلَدِ ۝﴾ ”قسم کھاتا ہوں میں اس شہر کی، اور تجھ پر قید نہیں رہے گی اس شہر میں۔“

اللہ تعالیٰ نے اس شہر یعنی مکہ کی قسم کھائی ہے۔ مکہ مکرمہ جس کے انغوش میں کعبۃ اللہ ہے، دنیا میں اللہ کا پہلا گھر، اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ سے خطاب ہے، ان دونوں آیات کے معنوی ربط سے یہ مفہوم بھی ابھرتا ہے کہ مکہ معظمہ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ اس میں رسول امین ﷺ کا قیام ہے۔ انت حل بھذا البلد میں یہ مفہوم موجود ہے۔ ان الفاظ کا دوسرا مفہوم یہ سامنے آیا ہے کہ جس حرم میں جانور کا شکار نہیں کیا جاتا اور جس کی حرمت کا مشرکین قریش اتنا خیال کرتے ہیں وہاں ہر ظلم و ستم آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے رفقاء کے لئے حلال کر لیا گیا ہے اور تیسرا مفہوم ایک عظیم پٹن گوئی ہے، فتح مکہ کی خبر اور بشارت، اس اعتبار سے دوسری آیت کا مفہوم ہوگا کہ مقرر یہ شہر کفر کی بیخ کنی کے لئے آپ ﷺ کے لئے حلال کر دیا جائے گا۔ فتح مکہ کے موقع پر ایک دن کے لئے احکام حرم رسول اللہ ﷺ کے لئے معطل کر دیئے گئے تھے۔ اگرچہ فتح مکہ اس اعتبار سے ایک تاریخ معجزہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے تمام دشمنوں کے لئے یہ اعلان فرمادیا تھا کہ: ”لا تضریب علیکم الیوم“ لیکن دو ایک

افراد جن کے جرائم ناقابل معافی تھے فتح مکہ کے موقع پر قتل کئے گئے۔

سورہ یٰسین میں قرآن حکیم کی قسم رسالت محمدیہ ﷺ کی توحید و اثبات کے لئے کھائی گئی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يٰسٖن ۝ وَالْقُرْآنَ الْحَكِيمَ ۝ اِنَّكَ لَمِّنَ الْعٰمِلِيْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيْمٍ ۝﴾ (سورہ یٰسین)

”یٰسین۔ قسم ہے قرآن حکیم کی کہ تم یقیناً رسولوں میں سے ہو (اور) سیدھے راستے پر ہو۔“ سورہ یٰسین مکی ہے۔ یہ مکی عہد کے اس دور اور مرحلے کی سورہ ہے، جب نبی اکرم ﷺ قوت اور پامردی سے قریش اور اہل مکہ کو ان کی روش حیات کے نتائج سے ڈرا رہے تھے۔ یٰسین کو اس کی حیات بخش تعلیم اور انداز کی وجہ سے سید المرسلین ﷺ نے قرآن کا دل قرار دیا، اور اس کی حیات بخشی کے پہلو پر غور فرمائیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ”سورہ یٰسین اپنے مرنے والوں پر پڑھا کرو۔“ اس کی مصلحت یہ ہے کہ موت کے تجربے سے مومن اس یقین کے ساتھ گزر سکے کہ موت جنت اور حیات ابدی کا دروازہ ہے۔

”سورہ یٰسین“ کی یہ چار ابتدائی آیات اور ان میں قرآن حکیم کی قسم، سرورِ دو عالم ﷺ کے مرتبہ بلند کی ایک اور شہادت ہے۔ قرآن حکیم کے حروف مقطعات کے بارے میں ہمارا عقیدہ ہے کہ ان کا مفہوم اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے، لیکن ”یٰسین“ کے بارے میں صحابہ کرامؓ تابعین اور بعض ممتاز مفسرین قرآن حکیم کا قول ہے کہ ”یٰسین“ کے معانی ہیں ”یا انسان“، بعض کے نزدیک یہ ”یاسید“ کا مخفف ہے۔ اور ان دونوں مفہام میں سے آپ کسی کو قبول کریں، دونوں صورتوں میں یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی انسانوں کے عظیم ترین نمائندہ ہیں، اور آپ ﷺ ہی اولادِ آدم کے سید ہیں۔ ”یٰسین“ کے یہ معانی حضرت ابن عباسؓ، عکرمہ، ضحاک، حسن البصری، ابن جبیر وغیرہ سے منقول ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

اس خطاب کے بعد قرآن حکیم کی قسم رب العزت نے کھائی اور حضور ﷺ سے خطاب کے پردے میں اہل عرب اور قیامت تک کے انسانوں کو یہ بات بتائی گئی کہ محمد ﷺ رسولوں میں سے ہیں اور صراطِ مستقیم پر ہیں۔ وہ جس راستے کی دعوت دے رہے ہیں وہی

انسانوں کے لئے سیدھا راستہ ہے۔

قرآن کریم کے لئے یہاں حکیم کی صفت کا استعمال بھی رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے اظہار کے لئے ہے قریش اور اہل مکہ کو (ان کے بعد سارے انسانوں کو) ان کا رب پر بار ہے کہ قرآن حکیم کی حکیمانہ تعلیمات اور اس کی حیات بخش وصیات، سائر تصورات محمد ﷺ کے نبی برحق ہونے کا ثبوت ہیں۔ یہ وہ کلام ہے جس کے بارے میں مکررین حق کو دعوت دی گئی کہ اس کی مثل ایک ہی سورۃ لے آؤ۔ اور ایک سورت تو بڑی بات ہے ایک بہت ہی لے آؤ۔ اور سب نے اپنے آپ کو عاجز پایا۔

فخر زمین و زمین ﷺ کے ذکر گرامی اور مرتبہ عالی کو سورۃ الم نشرح کی آیت ورد فضلک ذکر تک میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ مشرکین اور قرآن حکیم کے معنوی ربط پر ذکر رکھنے والے سورۃ النحل کی سورۃ الم نشرح کو تو ام سورتیں قرار دیتے ہیں۔ قرآنی قسموں میں حضور ﷺ کے مرتبہ نبوت اور صداقت کے اس مختصر بیان کو ہم سورۃ النحل پر فتم کریں گے، انشاء اللہ۔

سورۃ النحل نبوت محمدی ﷺ کی ابتدائی عہد کی سورہ ہے۔ اس عہد کی سورتوں میں توحید، آخرت و ایمانیات کا ذکر ہے یا آپ ﷺ سے محبت الہی کا وہ اظہار ہے جو کار نبوت کی گراں باری کو آسان اور سہل بنانے کے لئے ضروری تھا۔ ابتدائے نبوت میں مختصر و مفید کے لئے سلسلہ وحی ایک بار سے زیادہ مرتبہ منقطع ہوا۔ سلسلہ وحی کے آغاز کے کچھ عرصے بعد ہی وحی کا سلسلہ بدھ ہوا جسے زمانہ فترت وحی کہتے ہیں۔ وحی کا تجربہ ایک عظیم تجربہ تھا۔ وحی الہی کے بوجھ کو صرف رسول کے اعصاب اور ان کا قلب ہی سہاڑ سکتا ہے۔ ورنہ اس بوجھ سے تو پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ بعد کے دور میں جب نبی کریم ﷺ کے لئے نزول وحی، معمول کا تجربہ بن گیا تھا، وحی کے ہزل ہوتے وقت اگر آپ ﷺ کسی اونچی پر سوار ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹنی اپنے پیٹ کو زمین سے لگا دیتی اور بیٹھ جاتی۔

اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ مختصر عرصوں کے لئے وحی کے سلسلہ کو روک دیتے۔ یہ واقعہ اتنا

ہی ناگزیر اور فطری تھا۔ جیسے دن کی روشنی اور ہنگاموں کے بعدرات کی تاریکی اور سکون جو انسان کو نیند کی دولت عطا کر سکے، اسی لئے اس سورۃ کا آغاز دن کی روشنی اور رات کے سکون کی قسموں سے ہوا ہے۔ ﴿وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ (سورۃ الضحیٰ)

قسم ہے صبح چڑھتے وقت کی (روز روشن کی) اور رات کی جب چھا جائے۔ اور ان دونوں قسموں کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور حبیب محمد ﷺ کو تسلی سے نوازا، آپ ﷺ کو اپنے لطف و کرم سے یقین دلایا کہ وہ آپ ﷺ سے ناراض نہیں اور نہ اس نے آپ کو چھوڑا ہے۔ یہ تو محض تمہید ہے، اس کے بعد رب ذوالجلال نے بشارت دی کہ آنے والا دور بہتر ہوگا اور وہ اپنے رسول ﷺ کو اتنا کچھ عطا کرے گا کہ آپ ﷺ کا دل خوش ہو جائے گا۔ ﴿مَا وَدَّعَکَ رِبْکَ وَمَا قَلٰی ۝ وَلِلْآخِرَةِ خَبِرٌ لَّکَ مِنَ الْاُولٰی﴾ ”تمہارے رب نے تم کو نہیں چھوڑا اور نہ وہ ناراض ہوا۔ اور آنے والا دور (آخرۃ) پچھلے دور (اولیٰ) سے بہتر ہے۔“

رسول کا نگہ اور سہارا اس کا رب ہوتا ہے۔ وہ اس کے پیغام ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے ساری دنیا کی مخالفت اور دشمنی مول لیتا ہے۔ وہ غیر اللہ کی خوشنودی اور ناراضگی کے خیال سے بالاتر ہوتا ہے۔ رب راضی تو جہاں راضی۔ رضائے رب انعام رسول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کے اظہار کے ساتھ ساتھ یہ نوید دی کہ آخرت، اولیٰ سے بہتر ہے۔ اس آیت کا بنیادی اور پہلا مفہوم وہ حقیقت ہے جو ہر رسول کے پیغام کا بنیادی حصہ رہی ہے۔ آخرت اور آنے والی دائمی زندگی یقیناً اس دنیا اور اس کی عارضی زندگی سے بہتر ہے۔ یہ دنیا تو آخرت کی کھیتی ہے۔ لیکن اس سورۃ کے سیاق و سباق، پس منظر اور موضوع کے پیش نظر یہ بات ایک بدیہی حقیقت کی طرح ابھرتی ہے کہ یہاں آخرت اور اولیٰ کے معانی میں پچھلا اور موجودہ دور اور آنے والا دور شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو مژدہ سنایا کہ ان آزمائشوں اور قریش کی ایذا رسانی اور ان کے طغیان و استہزاء سے تم تکمیل نہ ہوں۔ یہ کون ہیں یہ کہنے والے کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا۔ ہم تمہیں یہ

بشارت دیتے ہیں کہ ہر آنے والا مرحلہ اور دور، پچھلے مرحلے اور دور سے بہتر ہوگا۔ غم کے بادل چھٹ جائیں گے اور حقیقی مسرتیں تمہاری اور اہل ایمان کی زندگی کے مطالعہ پر چھائیں گی اور اللہ کا اجر و رحمت، مسلمانوں کی زندگی کو سرسبز و شاداب کر دے گا، ہفتائیں دم توڑ جائیں گی، دنیا تمہارے پیغام کو قبول کر لے گی، اور بات اس دنیا تک محدود نہ رہے گی بلکہ آنے والی دنیا اور زندگی تو تمہارے اور اہل ایمان کے لئے اللہ کی خوشنودی قائم رہنے والا اظہار اور اعلان ہوگی۔

ہر بشارت، ہر خوش خبری اور ہر سعادت اس سعادت میں سمٹ آئی ہے کہ تمہارے لئے آنے والا زمانہ پچھلے زمانے سے بہتر ہوگا۔ اور اللہ سے زیادہ صادق القول کون ہو سکتا ہے۔ اور مستقبل کی ان بشارتوں کی بنیاد حضور ﷺ کی زندگی کی ان تبدیلیوں کو بنایا گیا ہے جو قریش مکہ کے سامنے تھیں۔ قریش جانتے تھے کہ پیدائش سے پہلے ہی آپ ﷺ کے والد کا انتقال ہو گیا تھا، لیکن آپ ﷺ کو اس طرح پرورش اور شفقت کے ساتباؤں کے نیچے رکھا گیا کہ جس کی مثال کسی یتیم کی زندگی میں نہیں ملے گی۔ چھ سال کی عمر تک ام الملیح حضرت آمنہ کی آغوش مہر و عطا میں آپ ﷺ نے سانس لی۔ ان کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب آپ کی زندگی پر سایہ گستر رہے، وہی عبدالمطلب جو رب کعبہ پر انوث یقین رکھتے تھے۔ وہ ابرہہ کے لشکر والوں سے اپنے انوث واپس مانگنے گئے تھے، اور کعبے کے بارے میں پورے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ اس کی حفاظت اس کا رب کرے گا۔ حضور ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی وہ اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ طعن آمنہ میں پرورش پانے والا بچہ جب اس دنیا میں آئے گا تو زندگی کے ورق پر اپنا نشان ثبت کر دے گا۔ ان کی وفات کے بعد وہ اللہ کی ان طاقتوں میں شامل ہو گئے جن کا کام نبی آخر الزماں ﷺ کی حفاظت کرنا تھا۔ اور پھر اہل مکہ نے یہ بھی تو دیکھا تھا کہ بت پرستی، فسق و فجور، عیش و عشرت اور ظلم کی چھائی ہوئی فضا میں ملنے والا یہ نونہال (ﷺ) اگرچہ معاشرے کی ہر گمراہی سے محفوظ رہا، لیکن اسے اپنی منزل کی خبر نہ تھی۔ اسے اپنی منزل تو عہد شباب کے نقطہ عروج پر ملی جب حیرانی اور

حلاش کو اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی کے ذریعے ایمان، رب شناسی، کائنات فہمی اور انسان سازی کی اس دولت میں بدل دیا جسے نبوت کہتے ہیں۔

اہل مکہ نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اپنی عالیٰ نبی کے باوجود آپ ﷺ کے دامن میں دولت دنیا نہ تھی۔ پھر رب جلّیل نے آپ کو رزق کریم سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو آپ ﷺ کو مکہ کی سب سے باثروت خاتون کا تجارتی نمائندہ اور شریک تجارت بنایا اور پھر اس خاتون کی عائلی زندگی و وجود محمدی ﷺ کے نور سے روشن ہو گئی اور وہ آپ ﷺ کی شریک حیات بن گئیں۔ ایسی شریک حیات جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا، جس کا گھر پہلا دارالاسلام بنا، جس گھر کی فضاؤں میں علی المرتضیٰ کی پرورش ہوئی، اور جہاں زید بن حارثہ مکرم آدم و آدمیت کا نشان بنے، اور محبت نبی کے عظیم نشانوں اور علامتوں میں سے ایک قرار پائے۔ یہ سارا پس منظر اور بشارت عظمیٰ چار آیتوں میں سمٹ آئی ہے۔

﴿وَلَسَوْفَ يَعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ۝ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ۝ وَوَجَدَكَ عَانِلًا فَأَغْنَىٰ ۝﴾

”اور غریب آپ کا رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ خوش ہو جائیں گے، کیا ہم نے تمہیں یتیم نہیں پایا اور پھر (عزت کا) ٹھکانا دیا اور ہم نے تمہیں مستلاشی (اور حق کے لئے سرگرداں) نہیں پایا اور پھر راہ دکھائی، اور ہم نے آپ کو نادار پایا آپ کو فقی کر دیا۔“

سورہ ضحیٰ، سورہ الم نشرح، سورہ کوثر، سورہ محمد، سورہ فتح، قرآن حکیم کی کئی سورتوں اور بہت سے مقامات کی طرح رفع ذکر محمد ہے۔

(بحوالہ جنت جہنم مقام قرآن کے آئینے میں)



خصوصیت نمبر ۵۷

رسول اکرم ﷺ کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا

قابلِ احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سزاوارتہ نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے تشریفہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتانا چاہوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سرمایہ ہے کہ مجھ اللہ و دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاضِ الجہد میں بیچ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیچ کر روضہ اقدس میں آدام فرمانے والے عظیم پیغمبر اور ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ دلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوبہ سجد اور پھر پیارے روضہ کے سامنے ٹھہرا کر آقا ﷺ کی سیرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہم جلِ محترم قارئین! جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مالِ غنیمت کو حلال کر دیا، جبکہ دیگر انبیاء کرام اور ان کی امتوں کے لئے مالِ غنیمت حلال نہیں ہوا تھا، چنانچہ جیسا کہ خود زبانِ اقدس سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے لئے مالِ غنیمت حلال کر دیا گیا اور دیگر انبیاء کو یہ خصوصیت نہیں ملی، مزید تفصیل کے لئے آنے والے صفحات کا مطالعہ فرمائیے، جسے قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا گیا ہے امید ہے کہ اللہ اس خصوصیت کا مطالعہ بھی فائدے سے خالی نہیں دے گا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ بیچے

اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

ستاؤن نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

رسول اقدس ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ میرے لئے یعنی میری امت کے لئے تمام مال نفیست حلال کیا گیا ہے، جبکہ مجھ سے پہلے جو نبی گزرے ہیں ان میں جن کو جہاد کا حکم دیا گیا وہ تمام مال نفیست دوسروں کو دے دیتے تھے، اور اپنے اوپر اس کو حرام رکھتے وہ سب مال کو جمع کر لیتے تھے، یہاں نفیست میں حیوانات کے علاوہ سب چیزیں مراد ہیں جیسے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسرے اہل و متاع، کیونکہ جہاں تک حیوانات کا تعلق ہے جو مال نفیست میں آئے ہوں وہ لڑنے والوں کی ہی ملکیت ہوتے ہیں، انبیاء کے لئے ان میں کوئی بھی چیز مال نفیست کی حیثیت سے یعنی جائز نہیں ہے، کتاب و فاماں اسی طرح ہے، بعض روایتوں میں یہ ہے کہ آپ ﷺ کی امت پر مال نفیست حلال کیا گیا ہے جبکہ اس سے پہلے کسی امت پر نفیست کا مال حلال نہیں تھا۔

چنانچہ ایک روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پچھلے نبی جب مال نفیست سے پانچواں حصہ نکالتے تو آسمان سے ایک سفید رنگ کی آگ آتی تھی، اور اس مال کو کھالیا کرتی تھی اگر اس میں کوئی خیانت نہ ہوئی ہو، لیکن مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس مال کو اپنی امت کے غریب لوگوں میں تقسیم کروں (یعنی پانچویں حصے کو)۔

پچھلی امتوں پر مال نفیست حلال نہیں تھا بلکہ یہ آنحضرت ﷺ کی امت پر حلال کیا گیا ہے۔ مشکوٰۃ کی حدیث ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے نقل کیا ہے کہ ”ہم سے پہلے کسی پر بھی مال نفیست حلال نہیں تھا۔ کہ ہم پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمارے ضعف اور کمزوری کو دیکھ کر نفیست کے مال کو ہمارے لئے جائز فرمادیا ہے۔“

پچھلی امتوں میں یہ دستور تھا کہ نفیست کا مال اکٹھا کرتے اور اس کو جنگل میں بجا کر رکھ دیتے، اگر اس مال نفیست میں سے کسی نے کوئی خیانت اور بددیانتی نہیں کی ہے تو آسمان

سے آگ اترتی اور اس مال کو کھالیتی جس سے وہ سمجھ لیتے کہ ان کا جہاد قبول ہو گیا ہے۔ چنانچہ حضرت یوشع ابن نون کا واقعہ حدیث میں آیا ہے جسے ابو ہریرہؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے یہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے جس کا کچھ حصہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے:

”حضرت یوشع ابن نون نے ایک بستی جنگ کے ذریعہ فتح کی، اس کے بعد انہوں نے غنیمت کا مل جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیا آگ آئی مگر اس نے اس مال کو نہیں کھایا، حضرت یوشع نے یہ ماجرا دیکھ کر ساتھیوں سے فرمایا۔ تم لوگوں میں سے کسی نے یقیناً خیانت اور بددیانتی کی ہے (یعنی اس مال سے کچھ چھپا لیا ہے) لہذا اب یہ ضروری ہے کہ ہر قبیلے کا ایک ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، چنانچہ بیعت شروع ہوئی تو ایک شخص کا ہاتھ حضرت یوشع کے ہاتھ پر رکھتے ہی چپک کر رہ گیا، حضرت یوشع نے فرمایا: ”تمہارے قبیلے میں سے کسی نے بددیانتی کی ہے“ آخر اس قبیلے کے لوگ ایک گائے کا سر لائے جو سونے کا بنا ہوا تھا اور جسے انہوں نے چھپا لیا تھا اس کو انہوں نے جیسے ہی باقی مال کے ساتھ رکھا فوراً آگ آئی اور اس سارے مال کو کھا گئی۔ یہاں یہ بات بھی واضح دینی چاہئے کہ مال غنیمت اس مال کو کہتے ہیں جو غیر مسلموں سے جنگ کے نتیجے میں فتح کے بعد جنگ کے دشمن کے کمپ سے حاصل ہوتا ہے۔ (نور البیروت علیہ جلد اول)

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ حضرت موسیٰ و حضرت یوشع ابن نون کو فتوحات میں جس قدر مغانم حاصل ہوتے تھے ان کو نذر آتش کر دیا جاتا تھا، تو رات میں جانوروں تک کو جلادینے اور بستیوں میں آگ لگا دینے کا ذکر ملتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے غزوات میں سب سے پہلے غزوہ بدر میں غنیمت حاصل ہوئی، مال غنیمت جمع بھی ہوا، اور تقسیم بھی کیا گیا، لیکن پھر بھی لشکر میں ایسے لوگ موجود تھے جو شریعت موسوی کی نظیر پر مال غنیمت کا لینا خطرناک امر سمجھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہی کے اطمینان کے لیے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَوْ لَا كَسَابَ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لِمُسْكَمَ فِی مَا اخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۚ فَكُلُوا مِمَّا غَنَمْتُمْ حَلَالًا طَیْبًا﴾

”اگر اللہ کی طرف سے پہلے کتاب میں ایسا نہ ہوتا جب جو کچھ تم نے وصول کیا ہے اس کے لیے تم پر بڑا عذاب ہوتا جب تو نعمت کو حلال طیب سمجھو اور کھاؤ۔“

دوسری جگہ ہے: ﴿وَعَدَ كُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا﴾ اور دوسری جگہ ہے: ﴿وَلَمَّا خَسَفَ الْقَمَرُ رَأَوْا كِسْفًا مِّنَ النُّجُومِ نَازِلًا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا﴾ ”اللہ نے تم سے مغام کثیرہ کا وعدہ کیا جن کو تم حاصل کرو گے، لہذا یہ تو تم کو جلد ہی دے دی (خیر) اور دشمنوں کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا ہے تاکہ مومنین کے لیے یہ ایک نشان ہو اور تم کو اللہ صراط مستقیم پر چلائے گا اور بھی مغام نعمت ہیں تم کو ان پر قدرت نہیں مگر اللہ نے ان پر احاطہ کر رکھا ہے اور اللہ ہر شے پر قدرت والا ہے۔“

یہ مغام کثیرہ ہی ہیں جو سلطنت ہائے ایران اور روم پر فتوحات حاصل کرنے میں مسلمانوں کو حاصل ہوئیں چونکہ یہ وعدہ مومنین کو مخاطب فرما کر کیا گیا تھا، اس لیے اس وعدہ کا ایفاء بھی خلافت راشدہ کے وقت میں ہوا، جب کہ سرور کائنات ﷺ عالم بقا کو سدھار گئے تھے۔ واضح ہو کہ یہ ایک وعدہ نہ تھا، بلکہ مومنین سے تین وعدے کیے گئے تھے، دوسرا وعدہ یہ تھا کہ دشمن کے ہاتھ تم سے کوتاہ رہیں گے، اس وعدہ کے مطابق خلافت راشدہ کے وقت میں کوئی دشمن اسلامی فوجوں پر غالب نہیں آ سکا تھا۔

تیسرا وعدہ برایت صراط مستقیم کا تھا اور وہ بھی اپنی ظاہری و باطنی برکات کے ساتھ اسی طرح پورا ہوا جس طرح پہلے دو وعدے۔ اس آیت سے مجاہدین عہد خلافت راشدہ کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(تحریر: مولانا محمد امجد علی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۵۸

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا

قابلِ احترام ہر مومن! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تھا وہ ان نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے کزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بت دیا جائے تو بہتر ہے کہ کچھ اللہ و دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجہد میں پیش کر دیا۔ رسول ﷺ کے سامنے میں ترتیب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اپنا ایک بڑا احسان قرار دیا جیسا کہ قرآن میں ارشاد فرمایا جس کا منہج ہے کہ ”بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا۔“ (سورہ مزین) جبکہ پہلے انبیاء کرام میں سے کسی بھی نبی یا رسول سے متعلق اللہ تعالیٰ نے یوں نہیں فرمایا کہ اس نبی یا رسول کو بھیج کر ہم نے تم پر احسان کر دیا صرف اور صرف آپ ﷺ ہی سے متعلق فرمایا، بے شک یہ صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی خصوصیت ہے، آنے والے صفحات کے ذیل میں آپ ﷺ کی اسی خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، جسے ہم نے ”مقام محمد قرآن کے آئینے میں“ نامی کتاب سے چیدہ چیدہ نقل کیا ہے، امید ہے کہ موضوع کی مناسبت سے انشاء اللہ اس کا مطالعہ بھی قارئین سے خالی نہیں ہوگا جسے مطالعے سے انشاء اللہ معلومات میں بھی اضافہ ہوگا، لیکن ملاحظہ فرمائیے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اٹھاون نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

انسان بلکہ تمام مخلوقات کا وجود اللہ کی رحمت کا نتیجہ ہے۔ ہمارے رب کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا۔ یہی اللہ جو رحمت اور رحم ہے۔ دنیا سے عقیقی تک ہر ایک کے لئے اس کی رحمتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ اس کی ربوبیت بھی اس کی رحمت کا اظہار تمام ہے۔ وہ ہر مرحلے پر ہماری ہر ضرورت کو پورا کرتا ہے اور یوں ہماری صلاحیتیں اپنی تکمیل کو پہنچتی ہیں۔ ہماری کمیوں کو دور کر کے وہ ہماری بشریت کی تکمیل کرتا ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے۔ اور اللہ کی نعمتوں نے ہماری اور کائنات کی زندگی کو متنوع مالا مال اور ہمہ جہت بنا دیا ہے۔ سر بلندی، خوش حالی، سکون قلب، کائنات کا حسن، اعتدال اور توازن یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں جو ہمیں بلا طلب ملی ہیں اور دینے والے نے ان کی نشان دہی تو کی ہے مگر احسان نہیں جتایا ہے۔ نشان دہی بھی اس لئے فرمائی ہے کہ ہماری فکر میں اتنی سکت نہیں ہے کہ ہم ان نعمتوں کا احاطہ کر سکیں۔ احاطہ تو بڑی بات ہے ہمیں ان کے بارے میں سوچنے کی توفیق نہیں ہوتی، کیونکہ یہ نعمتیں بہت عام ہیں اور ان کے حصول کے لئے ہمیں کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑتی۔ سورج کی روشنی، زمین کی قوت نمو، ہوا، پانی۔ ہم میں سے کون ان نعمتوں کا پوری طرح ادراک کر سکتا ہے؟..... ہماری معاشرتی زندگی کا ہر خوشگوار پہلو اس کی نعمت ہے۔ ایمان کی دولت اس کی نعمت ہے، خوشی، خوفِ الہی، جہاد اور اس سے حاصل ہونے والا مال غنیمت، اللہ کی ہدایت، اقوامِ عالم میں ہمارے امت وسط ہونا، معرفتِ الہی، رسول اللہ ﷺ کے رجبے کا کسی حد تک ادراک۔ یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ اس پچھلی ہوئی کائنات کی بہت مختلف اور بظاہر کوئی باہمی تعلق نہ رکھنے والی چیزوں کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ ان سب کے درمیان تعلق اور رابطہ پیدا کرتا ہے۔

اللہ کی نعمتیں اتنی ہیں کہ کثرت کی وجہ سے ہمیں یاد نہیں آتیں۔ سورہٴ رحمن کے آئینے میں رب جلیل کی نعمتوں کا عکس ہمارے پردہٴ ذہن پر منعکس ہوتا ہے۔ قرآن کا عطیہ، آسمان

کی بلندیاں، میزان عدل اور توازن تخلیق۔ زمین کا ہمارے لئے بچھایا جانا۔ اس کے میوے، انسان، پھول اور ان کی خوشبوئیں۔ تم اللہ کی کس کس نعمت کو چھٹاؤ گے۔ یہ سورۃ الرحمن کی ابتدائی ۱۳ آیتوں کا خلاصہ ہے۔ اللہ کی نعمتوں کو قرآن کے صفحات اور اپنی زندگی میں دیکھنا شروع کیجئے تو زندگی تمام ہو جائے گی۔ اور نعمتوں کا احاطہ نہ ہو سکے گا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی رحمت کا اظہار ہیں۔ اس کے کئی اسمائے حسنیٰ یعنی صفاتی نام، رحمت، رحم اور انعام کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ باسط و رزاق، لطیف۔

اللہ نے یہ سب کچھ دیا اور کہیں اپنا احسان نہیں بتایا کیونکہ احسان جتنا اس کی شان کریمہ کے شایان نہیں۔ اور احسان جتنا تو عباد الرحمن کی شان کے مطابق نہیں قرآن میں کتنی جگہ اس کی مذمت کی گئی ہے۔

سورۃ المدثر میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَعْنُنْ تَمْتَكِنُ﴾ ”اور زیادہ حاصل کرنے کے لئے احسان نہ کرو۔“

یہ بات کار نبوت کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے کہی جا رہی ہے۔ یہ ہدایات ربانی میں سے ایک ہدایت ہے جو نبی ﷺ کو دی گئیں۔ اپنے رب کی بڑائی کا اعلان کرو، پاکیزگی کا بلند ترین معیار پیش کرو۔ یہ دراصل قریش مکہ اور انسانوں کو نبوت کے فرائض سے آگاہ کرنے کے لئے ہے۔ ورنہ ہر نبی اپنے فرائض کسی اجر کی خواہش اور تمنا کے بغیر انجام دیتا ہے اور ہادی اعظم ﷺ کا سید تو در انسانیت کا خزیذ تھا۔

”من“ کا مادہ من ن ہے۔ اس کے مادے کے کئی الفاظ اردو میں مستعمل ہیں۔۔

ممنون، ممنونیت، منت وغیرہ۔

من اللہ کا وہ احسان ہے۔ جو کسی منصوبہ بندی، کسی محنت اور مشقت کے بغیر انسان کو حاصل ہو جائے۔ اللہ کے ایسے کتنے ہی احسانات انسان پر ہیں۔ اس کی وحی ”من“ ہے جو ہم کو غلط فیصلوں، غلط طرز حیات، انسان کش نظریات سے بچاتی ہے۔ آزادی اللہ کا احسان ہے۔

اللہ کے احسان کا احاطہ ناممکن ہے اور اس کے یہ سارے احسانات ہماری زندگی کے لئے ضروری ہیں، اور ہمیں زندگی دینے والے نے کہیں احسان نہیں بتایا۔ ہاں صرف ایک احسان کا تذکرہ فرمایا۔ اس رسول کو بھیجئے کا احسان، جو مومنوں پر اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، اور ان کی حکمت سکھاتا ہے۔ آیات الہی، تزکیہ، کتاب اور حکمت کے بغیر زندگی سراسر خسارہ تھی۔

چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورہ البقرہ)

”بے شک اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو انہیں میں سے ان میں رسول مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت کرتا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے (انہیں پاک کرتا ہے) انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے قبل صریح گمراہی میں تھے۔“

اس آیت سے نبوت کے فرائض کے ساتھ ساتھ سرور کائنات، صاحب کوثر ﷺ کی ذات اور ان کے کمالات کے کتنے پہلو منور ہو جاتے ہیں۔ ﴿وَمُسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾

”انہیں میں سے ایک رسول۔“

رسول اللہ ﷺ جن لوگوں کے پاس اللہ کا پیغام لے کر آئے تھے وہ انہیں کے ساتھی، شناسا، ہم قوم، ہم شہر تھے، ان کے سامنے آپ کی ساری زندگی تھی، وہ ان ﷺ کی امانت اور صداقت کے شاہد تھے۔ ان سے بہتر اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ یہ اہل مکہ پر اللہ کا احسان تھا کہ اس نے انہیں مرحبہ آدم سے آشنا کرنے کے لئے انہیں میں سے صادق اور امین کا انتخاب کیا۔ وہ جو ان کے درمیان رہتا تھا، وہ جس سے ہر بات آسانی سے کی جاسکتی تھی۔ جس کی جاں سوزی گداز قلب، شفقت، ہمدردی، اور بے غرضی کا وہ ہر آن مشاہدہ کرتے تھے، جو ان کے درمیان بیٹھتا اور گفتگو کرتا تو بلا کسی امتیاز کے۔

رسول اللہ ﷺ ان کے درمیان بیٹھتے، اور بڑے فطری انداز میں ان کو اللہ کی باتیں

سناتے، آپ ﷺ کی گفتگو سے، آپ ﷺ کی خاموشی سے، آپ ﷺ کے اندازِ تبسم اور اسلوبِ تکلم سے، آپ کی قربت سے اہل مکہ اور قریش کی زندگی اور قلب بدلنے لگتے۔ جو ایمان لائے ان کے دلوں کی صیقل ہو گئی۔ ان کا ایک ایک لمحہ رضائے الہی کے مطابق بسر ہونے لگا۔ ان کا ذہن ایسا بنتا گیا کہ عقیدے کے تمام عقدے اور عمل کے تمام پہلو ان پر واضح ہوتے گئے اور اگر کبھی کوئی ذہنی الجھن پیدا ہوتی تو آپ ﷺ کی پر حکمت تشریحات اور حکیمانہ طرزِ عمل اس کو دور کر دیتا۔

اور اہل مکہ و قریش کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس احسان کو یاد دلایا ہے جو محمد عربی ﷺ کی صورت میں انہیں عطا کیا گیا تھا۔

آپ نے خدا کی توفیق و اعانت سے عمل و علم کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درمندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی۔ (تخیر عثمانی)

اور یہ قرآنی خطاب قیام قیامت تک ہر مسلمان سے ہے۔ صفحاتِ قرآن سے آج تک اس صادق و امین کی آواز ابھر رہی ہے۔ فداہمی واپی۔ ان کا اخلاق اور اسوۂ حسنہ آج بھی ہمارے لئے تزکیہ نفس کا راستہ ہے۔ کتبِ احادیث میں ان کے الفاظ آج بھی ہمیں کتابِ اللہ کے حقیقی مفہام کی تعلیم دے رہے ہیں، اور ہمارے لئے دبستانِ حکمت ہیں۔ کتبِ احادیث اور اسوۂ رسول ﷺ نشاناتِ راہ ہیں اور ہماری فلاح و نوز کا نسخہ۔

(بحوالہ حضرت علامہ محمد قرآن کے آئینے میں)

ذیل میں اب حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ کے خطبات سے حضرت کی ایک تقریر پیش کی جا رہی ہے، جس میں حضرت نے اپنے انداز میں آپ ﷺ کی ذات کے سب سے بڑے احسان ہونے کا بتلایا ہے، کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہمارے لئے احسانِ عظیم بنایا، یاد رہے کہ یہ تحریر نہیں بلکہ تقریر ہے، اس لئے پڑھتے وقت تقریر کے اسلوب ہی کو ملحوظ رکھا جائے، کیوں کہ حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ ایک بزرگ

شخصیت ہیں ان کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کا اپنا ایک نور ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اسے من و عن نقل کر دیا جائے، البتہ آخر میں کچھ وضاحت کے طور پر کچھ تفصیل بھی پیش کر دی گئی ہے، لیجئے اب ہمارے موضوع کی مناسبت سے حضرت کی تقریر پر ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو مل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ..... الخ"

اللہ جل جلالہ و عظموالہ نے اس آیت شریفہ میں اپنے ایک بڑے احسان کا ذکر کیا ہے۔ فرمایا کہ اللہ نے بہت بڑا احسان کیا مؤمنین پر ایمان لانے والوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے، انہی کی قسم میں سے ہے۔ انہی کی نوع میں سے ہے، یہ بہت بڑا احسان ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار احسانات ہیں ہمیں پیدا کیا کتنا بڑا احسان ہے، نہ پیدا کرتا تو ہمارا کیا زور تھا؟ پیدا کیا تو انسان بنایا، اگر انسان نہ بناتے جانور بنا دیتے تو ہمارا کیا کچھ زور تھا؟..... گدھے بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں کتے بھی اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ سانپ بچھو بھی اسی نے پیدا کئے ہیں۔ اگر خدا ہمیں انسان نہ بناتا، سانپ بچھو بناتا تو ہمارا کوئی زور تھا اس پر؟..... تو کیا ہوتا؟..... جو دیکھتا وہی مارنے کو دوڑتا، گدھا بناتا، بیل ہاتھی بناتا تو کیا ہوتا؟..... یہ سب بھی تو اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اس نے ہمیں انسان بنایا، کتنا بڑا احسان کیا، پھر انسانوں میں بھی کتنے انسان ایسے ہیں جو نہ بے شمار عوارض میں مبتلا ہیں، پریشانیوں میں مبتلا ہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ ٹوٹی ہوئی ہے، کسی کے معدے میں درد ہے، کسی کی کمر میں درد ہے، قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا، اللہ تعالیٰ نے ان ساری بیماریوں سے محفوظ فرمایا، کتنا بڑا احسان کیا، اور کتنے ہی انسان ایسے ہیں جو اپنے ہاتھ سے بت بناتے ہیں، اس کی پوجا پاٹ کرتے ہیں اس کو خدا، معبود اور حاجت روا سمجھتے ہیں، مالک الملک سے بہت دور جا پڑے ہیں، جانتے ہی نہیں اپنے پیدا کرنے والے

کو، اپنے خالق کو اور اپنے مازق کو پہچانتے نہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں کہ متوان کا مسلمان ہے لیکن کبھی مسجد میں نہیں آتے، کبھی قرآن نہیں پڑھتے، کبھی سر نہیں جھکاتے خدا کے سامنے، کبھی کلمہ نہیں پڑھتے، جانتے نہیں، تو اللہ نے کتنا بڑا احسان فرمایا کہ اپنے گھر میں آنے کی اجازت دی، مسجد میں آنے کی، مگر مہر لگا دیں، دلوں پر لڑکائی آسکتا ہے؟..... ہرگز نہیں آسکتا۔

ایک صاحبِ باوجود، ان کے ساتھ ملازم، ملازم نماز کا بہت پابند کہیں ساتھ لئے جا رہے ہیں، چلتے چلتے بازار سے کچھ سالن سودا خریدنا، ادھر اذان ہوگئی، ملازم نے کہا حضور میں تو جا رہا ہوں میرے آقا نے میرے مولانا نے مجھے بلایا ہے، اس نے کہا تیرا آقا تو میں ہوں تجھے کس نے بلایا؟..... اس نے کہا نہیں ایک دوسرا آقا ہے جو ہم سب کا آقا ہے اس نے بلایا ہے، اذان ہوگئی، مسجد میں جانے کے لئے حکم ہے، چنانچہ وہ باہر بیٹھ گئے اور ملازم مسجد کے اندر آگیا، ملازم نے نماز پڑھی، کچھ تسبیح و تحفہ پڑھتے رہا، دیر ہوگئی نہیں گیا، وہ صاحب آئے، آواز دی اسے آتا نہیں کیا ہو گیا؟..... ملازم نے کہا جا رہے ہیں، اس نے کہا ہاں کون نہیں جانے دیتا وہاں کون ہے؟..... دیکھا ادھر ادھر کوئی وہاں بیٹھا نہیں ہے، پھر کون جانے نہیں دیتا؟..... ملازم نے کہا وہی جو آپ کو اندر آئے نہیں دیتا۔ جو آپ کو اندر مسجد میں آئے نہیں دیتے وہ مجھ کو مسجد سے باہر جانے نہیں دیتے۔

اللہ میاں کی طرف سے کتنا بڑا احسان ہے کہ اپنے دربار میں اس نے آنے کی اجازت دے دی، دنیا میں کسی کلکٹر سے کسی ڈپٹی سے کسی بڑے آدمی سے ملنا جانا تو کتنی دیر لگتی ہے ماں کے یہاں درخواست بھیجوں ملازمین سے بات کرو، ٹیلی فون پر بات کرو، موت جتنا دانا تھا مقصد بتاؤ، کیوں آئے ہو یہ بتاؤ پڑے گا، پھر بھی انکھن ہے اجازت ملے یا نہ ملے۔ اللہ میاں کے یہاں کچھ نہیں، کوئی درخواست نہیں دیتا، کسی کی سفارش نہیں، آؤ وہ اعزاز و اکرام سے جلاتے ہیں، اجازت ہے، آؤ آؤ، اس لئے اللہ تعالیٰ کے احسان تو بہت ہیں بے شمار ہیں، و قرآن پاک اللہ نے نازل فرمایا، کتنا بڑا احسان ہے، ایک ایک حرف پر دس

نیکوں کا ثواب ملتا ہے، ایک ایک سرور عالی، ایسا کہ ثواب بہت بڑا، اقل ہوا اللہ شریف ایک مرتبہ بڑھنے پر ایک تہائی قرآن شریف کا ثواب ملتا ہے، بیس شریف ایک مرتبہ بڑھنے پر دس مرتبہ قرآن شریف بڑھنے کا ثواب ملتا ہے، ایسی ایسی نعمتیں اس نے دے رکھی ہیں، نماز کی دولت عطا ہوئی حضور ﷺ کی بدولت عطا ہوئی، پانچ وقت حاضری کی توفیق ملی، اور اللہ تعالیٰ قدر والی سے بلاتے ہیں، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب آدمی گھر سے دھو کر کے مسجد کے لئے نکلتا ہے تو ایک ایک قدم پر ایک ایک انگلی ملتی ہے، ایک ایک گنہ معاف ہوتا ہے، ایک قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے، کتنا بڑا احسان ہے کتنا بڑا اکرام ہے، کتنے بڑے اعزاز ہے، وہیں سے اعزاز شروع ہوتا ہے، اپنے گھر آنے والے کے لئے، یہ احسانات ہیں اللہ تعالیٰ کے دین پر شکر ادا کرنا چاہیے۔ جیسی بڑی نعمت ہوئی ہے دینا اس کا بڑا شکر ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ہماری ہدایت کے لئے بھیجا، بہت بڑا انعام ہے، قرآن پاک حضور ﷺ کی بدولت ملا، روزہ حضور ﷺ کی بدولت ملا، زکوٰۃ کا حکم حضور ﷺ کی بدولت ملا، حج حضور ﷺ کی بدولت ملا، کتنے بڑے احسانات ہیں، پانچ وقت سارے محلے والے جمع ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں، ان کی خیریت پوچھتے ہیں، اگر کوئی شخص نہیں آیا تو تحقیق کرتے ہیں کہ کیا بات ہے، خیریت پوچھتے ہیں طبیعت تو اچھی ہے، کہیں باہر تو نہیں گیا، کوئی عارضہ تو پیش نہیں آیا، ایک ہمدردی، یہی ہے، جو نماز کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے، ہفتے میں ایک روز جمعہ کے دن ساری ہستی کے لوگ جمع ہوتے ہیں، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنے محسن سمجھتے ہیں، اپنا اہم روادار خیر خواہ سمجھتے ہیں، کتنی بڑی بہت اور قوت دلوں کے اندر پیدا ہوتی ہے نماز کی بدولت۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾

جو لوگ عربی سے واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ”ل“ تاکید کے لئے آتا ہے، ”لقد“ تحقیق کے لئے آتا ہے، ”بالتحقیق“ بالیقین اللہ تعالیٰ نے، بہت بڑا احسان فرمایا، احسان تو سب کے لئے ہے جتنا پہ رسول اکرم ﷺ کی ذات عالی، ذات مبارکہ اور ذات مقدسہ سب

سان ہے، آسمانوں کے لئے بھی، زمینوں کے لئے بھی، فرشتوں کے لئے بھی، جنات کے لئے بھی، حیوانات کے لئے بھی بشر کے لئے بھی، سب کے لئے رحمت و لطف ہے، جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ لیکن قائمہ اٹھانے کے لئے مومن ہونا شرط ہے، جو لوگ جناب رسول اکرم ﷺ پر ایمان لاتے ہیں، وہ قائمہ اٹھاتے ہیں، یہ احسان خاص طور پر مومنوں کے لئے ہے، ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔ جیسا بڑا احسان، ہوتا ہے، ویسا ہی بڑا اس کا حق بھی ہوتا ہے۔

جناب رسول اکرم ﷺ کے حقوق بے شمار ہیں ان کو اگر سبوا جائے تو تین قسم میں سمیٹا جاسکتا ہے۔

(۱) پہلا حق ہے محبت کا، جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہیے، خود حدیث پاک میں آئے ہے: **لَا يُؤْمِنُ أَحَدٌ حَتَّىٰ يُحِبَّ النَّبِيَّ مِنْ وَآلِهِ** و **وَلِبِهِ** و **النَّاسِ أَجْمَعِينَ** ﴿۱﴾

”تم میں سے کوئی شخص مومن کہلانے کا حق نہیں رکھتا، مومن کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہے جب تک کہ میری محبت اس کے دل میں اس کے ماں باپ سے اس کی اولاد سے، سب انسانوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔“

لہذا پہلا حق محبت کا ہے، جناب رسول اکرم ﷺ کی ذات مقدسہ سے محبت ہونی چاہئے، ہر مسلمان کے قلب میں محبت ہونی چاہیے، محبت جو ہوتی ہے آدمی کو اپنے گھر سے بھی محبت ہوتی ہے، اپنی دکان سے، اپنے عہدے سے، اپنی اولاد سے، اپنے رشتے سے، لیکن جناب رسول اکرم ﷺ کی جرح محبت ہے، وہ سب محبتوں سے بالاتر اور اعلیٰ ہونی چاہیے، اس کا اندازہ وہو ہے مقابلے کے وقت، ایک کی محبت کا تقاضا کچھ اور، جناب رسول اکرم ﷺ کی محبت کا تقاضا اور تو آدمی کسی کی محبت کو اختیار کرتا ہے، جناب رسول اکرم ﷺ کی محبت کو یا کسی اور کی محبت کو، اس کو دیکھنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے تلاش کرنے کی ضرورت ہے، صحابہ کرام کا حال۔ صحابہ کرام نے جناب رسول اکرم ﷺ سے کس طرح محبت کی ہے، اور کیسے

کیسے مقابلے کے وقت کیا کیا نوبت آئی؟.....

اسلام کا سب سے پہلا جہاد غزوہ بدر کہلاتا ہے، قصہ طویل ہے، اس میں قصور اُسا کھڑا یہاں نقل کرتا ہوں قرآن پاک میں بھی غزوہ بدر کا تذکرہ آیا ہے، احادیث میں تشریح سے آیا ہے، جب غزوہ بدر ہوا ادھر سے چلے جناب رسول اکرم ﷺ، کثرت سے مسلمان پیادہ تھے، ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری باری سوار ہوتے تھے، ایک دو گھوڑے تھے، ایک دو کھواریں تھیں، باقی کسی کے پاس کھواریں نہیں، گھوڑا بھی نہیں تھا، وہاں پہنچ کر پہلا کام کیا جناب رسول اکرم ﷺ نے کہ اللہ کے سامنے نماز پڑھ کر دعا کی، کہ یا اللہ اتنے برسوں کے بعد یہ مسلمان تیار ہوئے ہیں، ایمان لائے ہیں، ۳۱۳ تھے مسلمان، کل صحابہ کرام ۳۱۳ آدمی ایمان لائے ہیں مدتوں کی محنت کے بعد، بڑی مشقتوں سے بڑی مصیبتوں سے، اگر آج یہ قتل ہوئے تو کل تیرا نام لینے والا کوئی نہیں رہے گا، اس پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا بس بس حضور ﷺ دعا قبول ہوگئی، ایک چھپر ڈال دیا تھا کہ جناب رسول اکرم ﷺ اس چھپر میں رہیں، اگر کسی کو کوئی ضرورت پیش آئے، کوئی بات کہنی ہو اس چھپر تک آجائے، پہچاننے کے لئے چھپر ڈال دیا گیا، تلاش نہ کرنا پڑے، ادھر ادھر کہاں ہیں جناب رسول اکرم ﷺ، بلکہ چھپر کو دیکھ کر یہاں آجائے، اور پہرے کے لئے حفاظت کے طور پر، حضرت ابو بکر صدیقؓ تجویز تھے، کہ حضور کے پاس رہیں گے، اگر پچاس قدم کے فاصلے پر بھی کوئی شخص جناب رسول اکرم ﷺ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا تو حضرت ابو بکرؓ کو مار لئے ہوئے شیر کی طرح اس پر جھپٹتے تھے، جناب رسول اکرم ﷺ کی حفاظت کے لئے۔ قدرت کی بات اس جہاد میں حضرت ابو بکرؓ تو ادھر تھے، اور ان کے بیٹے حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ مشرکین کے ساتھ کافروں کے ساتھ تھے، وہ اس وقت ایمان نہیں لائے تھے، اللہ نے مسلمانوں کو فتح دی، مشرکین قتل ہوئے اور ستر گرفتار ہو کر قیدی بنائے گئے، اللہ نے وہ دن دکھایا کہ حضرت عبداللہ بن ابی بکرؓ بھی ایمان لائے، ایک دن اپنے والد سے کہنے لگے کہ بدر کی لڑائی میں آپ ایک موقع پر آئے تھے، نشانے پر آئے تھے، میں چاہتا تو آپ کو قتل کر دیتا، لیکن باپ ہونے کا

خیال کیا کہ آپ میرے باپ بھی ہیں، حضرت ابو بکرؓ نے کیا جواب دیا، جانتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ تم نے باپ ہونے کا خیال کیا لیکن اگر تو میرے نشانے پر آ جاتا تو میں تجھے زندہ نہ چھوڑتا، میں خیال نہ کرتا کہ تو میرا بیٹا ہے، میں تجھے فوراً قتل کر دیتا، میری بول حضور ﷺ کے مقابلے میں تیار نہ تھے، یہاں سے اندازہ لگانے کی ضرورت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کے دل میں حضور ﷺ کی محبت اپنے بیٹے سے زیادہ تھی، ایسے مقابلے کے وقت پتہ چلتا ہے کہ کس کی بات صحیح ہے کس کی نہیں۔

حضرت ابوسفیانؓ کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ حضور ﷺ کی زویہ معروہ ان کے پاس ان کے باپ ابوسفیان آئے، ابوسفیان اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ جب باپ آئے ہوئے ہیں تو جو بستر بچھا ہوا تھا جدی سے پیٹ کر الٹ رکھ دیا، باپ نے پوچھا یہ کیا، دنیا کا دستور یہ ہے کہ جب باپ جاتا ہے بیٹی کے پاس تو بیٹی اس کے لئے بستر بچھا دیتی ہے، تو نے بچھا، بچھا بستر اٹھ کے رکھ دیا، انہوں نے بتایا یہ بستر نبی کریم ﷺ کا ہے، تم تجھے ہو، کافر ہو، شرک ہو، اور ان نہیں لائے، تو اس قدر نہیں کہ حضور ﷺ کے بستر پر بیٹھ سکو، معصوم ہوا کہ حضور ﷺ کی محبت زیادہ تھی، باپ کی محبت سے۔

صحابہ کرامؓ کے بہت سے واقعات ہیں، ساری زندگی بھری ہے، حق ضرور پتہ پر کرے، ان حضرات کے یہاں محبت حضور ﷺ کی زیادہ تھی، اور اسی سے پتہ چلتا ہے کہ حضور ﷺ کا ایک حق ہے محبت کرنا، لیکن اتنا یاد رہے کہ خالی محبت بغیر عقیدت کے بغیر اطاعت کے خالی محبت کا دم بھرتہ نجات کے لئے کافی نہیں۔

دوسرا حق ہے عقیدت کا عقیدت کے کیا معنی؟ یہ یقین کر لیں، اور یہ فیصلہ کریں کہ حضرت نبی کریم ﷺ جو دین سے برائے جو کتب لے کر آئے، جو احکام لے کر آئے وہ سب حق ہیں، وہ سب سچے ہیں، ایسے سچے کہ ان کو اختیار کے بغیر نجات نہیں، نجات حضور ﷺ کے ارشاد کی جیسے میں ہے۔ یہ یقین رکھنا، یہ عقیدت رکھنا یہ دوسرا حق ہے حضور ﷺ کا، چنانچہ چالیس سال کی زندگی حضور اکرم ﷺ کی ایسی تھی کہ مکہ مکرمہ کی کہ سب لوگ

آپ سے محبت کرنے تھے، مرد بھی اور عورت بھی، آپ کو امن کہتے تھے سچ بہت ہے
'ہانت وار، مولک آپ ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھتے تھے، آپ ﷺ کو پناہ مانتے تھے بھی میت
کرتے تھے، لیکن ہوا کی؟ ... جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿وَأَنفِرْ
غَنِيْبِرْفَكَ الْآخِرِينَ﴾ "کر آپ ﷺ اپنے خاندان کے لوگوں کو اللہ کے عذاب سے
ڈرائیے، اللہ کے احکام کی دعوت دیجئے۔"

یعنی نبوت کا آپ نے اظہار فرمایا، آپ ﷺ کے ساتھ یہ عقیدت رکھنا کہ آپ کی ہر
بات میں نجات ہے، آپ بالکل سچے ہیں، آپ ﷺ نے کو کو مضار کفر سے جو کڑوا دہی سب
کے سب گھبرا گئے، یہ کیسی آواز ہے، اس سے پہلے تو کسی نے اس طرح تو پکارا نہیں تھا اور آواز
سادے کہ جس جھیل مٹی، ایک تودہ جال آبادی اور بڑے بڑے مضافات اور مکانات تو اس زمانے
میں تھے نہیں، اس لئے جو آواز اللہ کے حکم سے دی گئی تھی، اس کو کون روک سکتا تھا، کون
رکاوٹ بن سکتا تھا؟ ... کوئی رکاوٹ نہیں تھی، چنانچہ سب نوک دوڑ کر آئے، یہ کیا قصہ وحشی
آیا ہے، کیوں ایسے پکارا جا رہا ہے، اور جو خود نہیں آسکا کسی مشغولی کی وجہ سے دوسرے آدمی کو
بھیج کر دیکھو کیا معاملہ ہے، تحقیق کرو، جب وہ سادے جمع ہو گئے تو حضور ﷺ نے پہلے تو
امتحان لیا، فرمایا: تم میں یہ کہیں تم کو کہہ پڑے کہ پاس دشمن کا لشکر گھبرا ہوا ہے جو جمع ہوتے ہی
تم پر حملہ کر دے گا، خبر دات سے ہی اپنے بچاؤ کا انتظام کر لو، کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ ... یہ
پوچھا، سب نے کہا: "ما جودنا علیک الکذف" آپ (ﷺ) کے متعلق غلط بیانی کا کبھی
کوئی تجربہ نہ ہوا، آپ نے آج تک جو بات فرمائی، سچ فرمائی، ہم ضرور مانیں گے، قسم
سریں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، کوئی دشمن کا لشکر تو
موجود نہیں، لیکن جب آپ (ﷺ) فرماتے ہیں تو ہم اپنی آنکھوں کو جیندہ دیں گے، اور آپ
(ﷺ) کی باتوں کو مانیں گے تب آپ (ﷺ) نے فرمایا: میں خدا کا بھیجا ہوا رسول ہوں، آپ
لوگوں کی طرف آیا ہوں، خدا کے عذاب سے ڈرو، امرنے کے بعد دوبارہ پھر زندہ ہونا ہے،
اور ذرے ذرے کا حساب ہوگا وہاں ہر اس مجمع میں اس مجلس میں ہر شخص سب سے زیادہ

دعویٰ محبت کرنے کا دم بھرتے والا تھا، جو حضور ﷺ کا بیٹا تھا اس کا نام تھا ابولہب، اس نے سب سے پہلے حضور ﷺ کی مخالفت کی، محبت تو وہ کرتا تھا لیکن اس عقیدت کے لئے تیار نہیں ہوا، کہ آپ کو رسول جانے، جو بات آپ ﷺ اللہ کی طرف سے پہنچائے ہیں اس کو تسلیم کریں، وہاں سے الگ ہوا، اس نے سخت لفظ کہے حضور ﷺ کی شان میں، حق تعالیٰ نے اس کے جواب میں سورہ تہمت پیدا کر دی، اس کو جنہمی دوزخی قرار دیا، ابولہب کو اس ساری محبت کے باوجود محبت کیسی تھی کہ حضور ﷺ کے والد تھے عبداللہ، ان کے گھر میں جب حضور ﷺ کی ولادت ہوئی، حضور ﷺ پیدا ہوئے، ابولہب کی ایک باندی تھی ثویہ اس نے آکر ابولہب کو خوش خوشی اطلاع کی کہ تمہارے گھر بچہ پیدا ہوا ہے، ابولہب نے خوشی میں آکر اسی وقت اس کو آزاد کر دیا تھا، بعد میں کتنی محبت تھی، کیسی خوشی کی بات سنا دی، خدا جانے کتنی دفعہ کندھے پر اٹھایا ہوگا، گود میں بٹھایا ہوگا، بچے کو محبت کی وجہ سے یہ ساری محبت بیکار مگنی، اس واسطے کہ عقیدت نہیں تھی، عقیدت کیا تھی؟... حضور ﷺ کو چاہئیں۔

محبت تو یہ ہے لیکن بنیادی چیز حضور ﷺ کو چاہا رسول انسان اور یہ فیصلہ کر لینا جو کچھ حضور ﷺ فرمائیں گے ہم اس کے تحت رہیں گے، یہ عقیدت ہے سچا تو سمجھنا سکتے تھے۔

حضرت سعد بنہ طیبہ میں انصار کے سردار تھے اپنے قبیلے کے، ان کا معمول تھا جب مکہ آتے تو امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرتے اور اس کے ساتھ تعلقات تھے، امیہ بن خلف جب مدینہ طیبہ آئے حضرت سعد کے یہاں ٹھہرتا، جب یہاں سے ہجرت کا قصد پیش آیا صحابہ کرام مدینہ طیبہ میں ٹھہرے، ایک مرتبہ حضرت سعد آئے اور آکر اپنے معمول اور طرز کے مطابق امیہ بن خلف کے پاس ٹھہرے، امیہ سے کہا میرا جی چاہتا ہے طواف کرنے کو، کونسا وقت مناسب ہے، اس نے کہا دن چڑھے مناسب ہے، دن چڑھے گئے طواف کرنے کو وہاں ابو جہل بھی تھا، ابو جہل نے کہا امیہ سے، یہ میرے ساتھ کون ہے، اس نے کہا یہ سعد ہے، ابو جہل نے کہا جو لوگ ہمارے اپنی تھے مخالف تھے ان کو تم نے اپنے یہاں پناہ دی، اپنے یہاں ٹھہرایا اور طرے سے طواف کرتے ہو، یعنی حضور ﷺ اور صحابہ کو تو لوگوں نے

ٹھکانا دیا، اپنے یہاں ٹھہرایا یہ ہمارے دشمن ہیں، ہم نے ان کو نکالا ہے، اور آج تم ہمارے علاقے میں طواف کرتے ہو خوشی خوشی، اس پر حضرت سعدؓ نے کہا: دیکھ اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تیرا شام کا راستہ روکوں گا۔

دستور یہ تھا کہ قریش مکہ کے رہنے والے ملک شام چلیا کرتے تھے، ایک سفر تو وہ کرتے تھے یمن کا اور ایک سفر کرتے تھے شام کا، قرآن پاک میں بھی اس کا ذکر ہے: ﴿لَا يُلَاقِيَهُمْ فِي يَمِينٍ الْهُدُومُ بِحُلَّةٍ الْبُشْبُشَاءِ وَالصُّبُبُ﴾ ”چونکہ قریش خورک بوسے ہیں (یعنی) جاڑے اور گرمی کے سفر کے خورک ہو گئے ہیں۔“

ایک جگہ جاتے تھے سردی کے زمانے میں اور ایک جگہ جاتے تھے گرمی کے زمانے میں اور سارے سال کی ضروریات وہاں سے خرید لاتے تھے مکے والوں کے لئے اور بچتے ڈاکو تھے وہ قریش کے جانے کو کچھ نہیں کہتے تھے شام جانے کا راستہ یہند طیبہ کے قریب تھا، حضرت سعدؓ نے کہا: اگر تو نے مجھے طواف کرنے سے روکا تو میں تمہارا ملک شام جانے کا جو راستہ ہے یہند طیبہ میں تمہارا وہ راستہ روکوں گا۔ شام نہیں جاسکے گا، اس نے کہا سعدؓ سے زور سے نہ بول ابو جہل کے سامنے یہ قوم کا بڑا آدمی ہے، یہاں کا سردار ہے، انہوں نے اسے بھی ڈانٹا میں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے قتل کریں گے، اب اس نے کہا مجھے؟..... سعدؓ نے کہا ہاں، کہاں مکے میں کہیں اور؟..... کہا یہ نہیں بتایا کہاں، میں حضور ﷺ کی فرمائی ہوئی بات اس کے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ بالکل ٹھنک گیا۔ پھر جا کر اپنی بیوی سے گھر میں کہہ کر سعدؓ نے ایسا کہا، چنانچہ میں مکہ سے نکلوں گا ہی نہیں، مکے میں ہی بیٹھوں گا، اس واسطے کہ مکہ میں لوگوں کا اتنا تسلط تھا جتنے تھا کہ سمجھتے تھے کہ حضور ﷺ یہاں آہی نہیں سکتے، قتل کی نوبت آئے گی تو باہر ہی آئے گی، میں باہر جاؤں گا ہی نہیں، یہ بیوی سے بھی کہہ دیا پھر جب بدر کا قصد پیش آیا ابو جہل لوگوں سے کہتا ہے، چلو بدر، چلو بدر تو امیہ سے بھی کہا، اس نے کہا میں نہیں جاؤں گا، سعدؓ نے کہا حضور ﷺ نہیں قتل کریں گے، ابو جہل نے ہٹا پڑھا، اگر تو نے انکار کیا تو اور لوگ بھی بیٹھ جائیں گے، چل تھوڑی دور پھر چپکے

سے دائیں آ جانا اس نے کہا اچھی بات ہے، بیوی سے کہا ذرا سامان تیار کرنا میں جا رہا ہوں، اس نے کہا یا تمہیں رہا تمہارے دوست سعدؓ نے کیا کہا تھا، کہا مجھے یاد ہے، لیکن میں زیادہ دور نہیں جاؤں گا، جلدی واپس آؤں گا۔ گیا، چلا رہا چلا رہا یہاں تک کہ بدر پہنچا اور اللہ نے وہاں قتل کر دیا اس کے جی کے، غرض غیر اختیاری طور پر ایسی بات پیش ہوئی کہ حضور ﷺ نے جو بات فرمائی وہ ہو کر رہ گئی، لیکن ایمان اس کا نام نہیں، ایمان اس کا نام ہے اپنے اختیار سے اپنے آپ کو پیش کر دینا اور طے کر دینا کہ میری زندگی حضور ﷺ کے حکم کے ماتحت گزرے گی، اس فیصلے کا نام ان ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا ہے۔

دوسرا حق کیا ہے؟..... عقیدت کا۔ عقیدت کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کو چاروں سوئے ماننے اور یقین کے ساتھ جانے کہ نجات اسی میں ہے، حضور ﷺ کی اتباع میں نجات ہے، اور یہ طے کر کے فیصلہ کرے کہ میری زندگی حضور ﷺ کے حکم کے ماتحت گزرے گی، جو کچھ ارشاد فرمائیں گے وہ کروں گا۔ یہ عقیدت ہونا ضروری ہے یہ تو دوسرا حق ہوا۔

اور تیسرا حق ہے اطاعت کا، محبت بھی، ہو عقیدت بھی ہو اور اطاعت نہ ہو، اس کی مذمت آئی ہے، حضور ﷺ نے اپنی سب سے زیادہ جیتی اور لاڈلی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو فرمایا اس محنت میں نہ رہنا کہ میں پیغمبر کی بیٹی ہوں، غشی جاؤں گی، وہاں اپنا عمل کام آئے گا۔ دنیا میں پیسے روپے کی ضرورت ہو تو مجھ سے لے لے لیکن عمل کرو، اپنا عمل کام آئے گا، ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو حضور ﷺ سے محبت تھی، ایسی محبت تھی جس کو میان نہیں کر سکتے اتنی محبت تھی، ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ حاضر ہوئیں خدمت اقدس میں، حضور ﷺ نے فرمایا کیسے آتا ہوا، فاطمہؓ نے عرض کیا کہ حضرت (ﷺ) آج میں نے دلی پکائی تھی، میرا جی نہ مٹا کہ آپ (ﷺ) کے بغیر خود کھاؤں، اس لئے آپ (ﷺ) کے واسطے لے آئی، جب حضور ﷺ حضرت فاطمہؓ کو دیکھتے تھے تو ان کو گلے لگا لیتے، پہنا لیتے، سینے سے لگا لیتے، پیار کرتے ان کو، بڑی محبت فرماتے، فرمایا اہل جنت بیویوں کی فاطمہؓ شہداء ہے، فاطمہؓ سیدہ ہے، جنت میں بہشتی عورتیں جائیں گی، سب کی سرمد حضرت فاطمہؓ ہیں، تو حضرت فاطمہؓ کو حضور ﷺ سے محبت

بھی زیادہ تھی، عقیدت بھی، جانتی تھیں کہ سچے رسول ہیں، ایمان لائیں سبھی کچھ تھا، ان کو بھی فرمایا کہ بغیر اطاعت سے کام نہیں چلے گا۔

حضور ﷺ کی پھوپھی کو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم دیکھو اس خیال میں نہ رہنا کہ پیغمبر (ﷺ) کی پھوپھی ہوں، بخشی جاؤں گی، اپنے اعمال کام آئیں گے، اس رشتہ داری کی بنا پر کوئی نہیں بخشا جائے گا۔ اگر رشتہ داری کی بنا پر کوئی بخشا جاتا تو حضرت نوحؑ کے بیٹے بخشے جاتے، حضرت ابراہیمؑ کے والد کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کے باپ تھے، اگر بخشش ہوتی تو حضرت لوطؑ کی بیوی کی بخشش ہوتی کہ وہ پیغمبر کی بیوی تھیں لیکن نہیں ایسا نہیں۔ (ہیلس للاحسان اِلَّا مَنَاسِعِ) (ہجرت) انسان کو (ایمان کے بارے میں) صرف اپنی ہی کمائی ملے گی۔“ (بیان القرآن)

جو آدمی خود ایمان لایا اس کا ایمان اس کے لئے ذریعہ نجات ہے، اور اگر اسکے خاندان کے دوسرے لوگ ایمان لائیں وہ ذریعہ نجات نہیں، کوئی شخص یوں سوچے کہ میں بڑے گھرانے کا آدمی ہوں، بخشا جاؤں گا، اس کو سوچنا چاہیے کہ جب حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کو فرمایا، تو پھر اوروں کے لئے کیا گنجائش ہے؟..... سوچنا چاہیے کہ کوئی شخص کہے کہ میں بادشاہ کا لڑکا ہوں، ہاں بادشاہ کا بیٹا ہے لیکن خود اپنا عمل بھی ہونا چاہیے، اگر اپنے پاس کچھ نہیں تو بادشاہ کون سی گدی پر بٹھا دے گا اس لئے اطاعت کی ضرورت ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضور ﷺ تشریف لائے منبر پر، آپ ﷺ نے فرمایا: اَيْهَذَا النَّاسِ اِجْلِسُوْا ﴿۱﴾ ”اے لوگو! بیٹھ جاؤ۔“ جو جہاں تھے وہیں بیٹھ گئے، یہ نہیں سوچا کہ میں پہلی صف میں بیٹھوں، دوسری صف میں بیٹھوں، جس کے کانوں میں یہ آواز آئی وہ وہاں پر ہی بیٹھ گیا، یہ تھی اطاعت، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ اس وقت مسجد سے باہر تھے مسجد کے اندر نہیں آسکے ان تک یہ آواز پہنچ گئی، باہر ہی بیٹھ گئے، جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا ابن مسعود اندر آ جاؤ، تو وہ آ گئے، انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ حضور ﷺ نے فرمایا بیٹھ جاؤ، مسجد کے اندر بیٹھنے کو کہا، یا میں مسجد کے اندر جا کے بیٹھوں گا، یہ نہیں سوچا۔ سوچتے کیسے ان

حضرات کو ہر وقت موت کا تصور غائب رہتا تھا، اگر یہ سوچتے کہ اندر چل کر بیٹھوں گا، کیا خبر تھی کہ اندر پہنچنے سے پہلے پہلے موت آ جائے، گردن پکڑ لے، کل قیامت میں سوال ہوگا ہمارے رسول ﷺ کی آواز تمہارے کانوں میں پڑی بیٹھ جاؤ، تم بیٹھے کیوں نہیں؟..... کیا انہوں نے کہا تھا کہ اندر آ کے بیٹھ جاؤ، اسلئے نوراحکم کی قیصل کرنا ان حضرات کا کام تھا، اور موت کا تصور ان حضرات کو ایسا تھا۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ گزر ہوا حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنی دیوار کو لپیٹ رہے تھے ان کی والدہ بھی لپیٹ رہی تھیں، حضور ﷺ نے پوچھا کیا کر رہے ہو، عرض کیا حضرت دیوار لپیٹ رہے ہیں پرانی ہو گئی ہے، مگر جانے کا اندیشہ ہے، ہاں لئے لپیٹ رہے ہیں تاکہ کچھ روز کھڑی رہے دیوار خراب نہ ہو کہ موت اس سے قریب ہے، دیوار کے متعلق تو تم اندازہ لگا رہے ہو اتنی دیر تک کھڑی رہے گی، لیکن موت اس سے قریب ہے، موت نہیں دیکھتی، جلدی سے جندی بھی آ جائیگی۔ آپ ﷺ کا فرمان سنا اور فوراً مئی بتائی، دیوار گرا دی۔ اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ:

ایک مرتبہ لونٹ پر سوار تھی صحابہ کرامؓ کی جماعت، حضور ﷺ بھی موجود، شریف لے جا رہے ہیں، سرخ چادر میں بٹنی لٹنوں پر پڑی ہوئی ہیں اور ایک عجیب منظر تھا خوشنما، حضور ﷺ نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم لوگوں کی طبیعتیں سرخی کی طرف مائل ہوتی جا رہی ہیں، بس فوراً سے کودے، لٹنوں سے چادروں کو بھاڑ بھاڑ کر ختم کیا، جو چیز آگائے نامہ اور ﷺ کو ناپسند ہو اس کو رکھنے کے لئے تیار نہیں، یہ تھا اطاعت کا مادہ۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک جبہ پہن کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ریشمی جبہ تھا، حضرت نے فرمایا ریشم تو مرد کے لئے ناجائز ہے، اٹھئے جبے کو اتارا، سامنے مندر تھا روٹی پکانے کا، جا کے تندور میں ڈالا جبے کو آگ میں، دوسرے وقت حاضر ہوئے، حضور ﷺ نے فرمایا اس جبے کا کیا ہوا؟... عرض کیا حضرت (ﷺ) میں نے اس کو جلادیا، حضور ﷺ نے فرمایا کیوں تمہارے لئے ہی تو ناجائز تھا، بیچوں کے لئے کپڑے بنوا دیے، ان کے لئے

درست تھا، لیکن بھائی جس شخص کے دل میں حضور ﷺ کی محبت جمی ہوئی ہے ہر چیز کی محبت پر غالب ہے، جب وہ دیکھتا ہے کہ حضور ﷺ کو یہ لباس ناپسند ہے، وہ تو یہ سوچتا ہی نہیں کہ کسی اور کام آسکتا ہے کہ نہیں، وہ تو یہ سمجھے گا کہ وہ چیز آگ میں جلانے کے قابل ہے جو حضور ﷺ کو ناپسند ہے۔ حضور ﷺ کی اطاعت کا داعیہ یہاں تک تھا کہ حضرت علیؓ اونٹ پر سوار ہوئے سفر میں جانے کے لئے، آپؐ نے چند کلمات پڑھے ”سبحان اللہ الحمد للہ لا الہ الا اللہ اکبر“ اونٹ کو تچی ماری اور بنسے، کسی نے پوچھا یہ کیوں کیا؟..... فرمایا کہ حضور ﷺ کو میں نے دیکھا اسی طرح اونٹ پر سوار تھے، اسی طرح یہ کلمات پڑھے، اسی طرح اونٹ کو تچی ماری اور بنسے، اتنی اتنی باتوں پر حضور ﷺ کا اتباع کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کے راستے میں سفر کرتے ہوئے ایک جگہ اونٹ سے اترے اور ایک درخت کے نیچے ذرا دیر لیٹے، آرام کیا اور اس کے بعد سوار ہوئے چل دیئے کسی نے پوچھا کہ ایسا کیوں کیا؟..... فرمایا میں نے دیکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اسی جگہ اتنی دیر آرام فرمایا ہے، ایک جگہ اترے اپنے اونٹ سے، اونٹ کو بٹھایا، خود بھی بیٹھ گئے جیسے آدمی پیشاب کرنے کے لئے بیٹھتا ہے، پیشاب تو نہیں کیا بس بیٹھ گئے پیشاب کرنے کی بیعت، بھائی، کسی نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟..... کہا کہ اس جگہ پر حضور ﷺ نے پیشاب کیا تھا، یعنی جو چیزیں حضور ﷺ نے عبادت کے طور پر نہیں کی تھی، اپنی ضرورت کے لئے نہیں کیں، ان میں بھی یہ لوگ اتباع کرتے تھے۔ حضرت حذیفہؓ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ دن رات میں کیا کرتے تھے؟..... تو انہوں نے کہا کہ صبح اٹھو اور آجاؤ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس، اور دیکھتے رہو۔ جس طرح یہ وضو کرتے ہیں سمجھ لو اسی طرح حضور اقدس ﷺ وضو فرماتے تھے، جس طرح یہ نماز پڑھتے ہیں، نماز میں قیام، رکوع، سجدہ اور قعدہ کرتے ہیں، سمجھ لو حضور اقدس اسی طرح سے کرتے تھے، جس طرح چلتے ہیں سمجھ لو کہ حضور ﷺ اسی طرح چلتے تھے، جس طرح کسی کے سلام کا جواب دے کر مصافحہ کرتے ہیں، جس طرح یہ بیٹھتے ہیں، کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں اسی طرح غرضیکہ ہر چیز میں انہوں نے

اپنے آپ کو حضور ﷺ کے رنگ میں رنگ لیا تھا، ڈھان لیا تھا۔

یہ ہے حضور ﷺ کا حق ﷻ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو نمونہ بنا کر بھیجا ہے اس دنیا میں، اور کہا کہ ہم کو ایسی زندگی چاہیے جیسے ہمارے رسول ﷺ کی، آج ہم اپنے گھروں میں بیٹھ کر، مجلس میں بیٹھ کر چاہے محبت کے جوے کریں کہ ہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت محبت ہے، لیکن دیکھنا چاہیے کہ اس محبت کا اثر ہمارے دلوں پر کتنا ہے؟۔ تو ہم اپنے گھر میں اپنی مجلس میں بیٹھ کر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بہت محبت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن کیا ہماری صورت حضور اکرم ﷺ کی صورت کے مطابق ہے، حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص آیا جس کی داڑھی منڈی ہوئی تھی، حضور ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک پھیر دیا، وہ اوجھر آیا حضور ﷺ نے اوجھر منڈ پھیر لیا، معلوم کیا کہ کیا بات ہے کہ تمہاری داڑھی منڈی ہوئی ہے، تو حضور ﷺ نے جس شخص کا چہرہ دیکھا پسند نہیں فرمایا اور ناخوش ہو کر چہرہ مبارک پھیر لیا، آج ہمارا جو حال ہے ہمارے دل میں کبھی خیال بھی آتا ہے اس کا کہ حضور ﷺ کو نا پسند تھا داڑھی منڈ، تاہم حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿اعفوا اللحنی﴾ (اور) ﴿ارحسوا اللحنی﴾ (داڑھی بڑھا، داڑھی لٹکاؤ۔“

حضور اکرم ﷺ کا تو یہ عزم ہے اور ہم کتنا کٹا کے منڈا، منڈا کے اسے قسم کر دیں، یہ محبت کا تقاضا نہیں، یہ عقیدت کا تقاضا نہیں، یہ اطاعت کا تقاضا نہیں، لہذا بغیر عقیدت اور اطاعت کے جو شخص محبت کا دعویٰ کرتا ہے اس کا دعویٰ کب قابل قبول ہے؟۔ قابل قبول نہیں اس کا دعویٰ، نبی اکرم ﷺ کی، حدیث بے شمار بھری ہیں، ہر چیز کے متعلق ہدایات موجود ہیں حتیٰ کہ جو لوگ زیادہ عبادت کریں ایسی جو حضور اکرم ﷺ نے نہیں کی، حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں، اس کو بھی پسند نہیں فرمایا۔

تین شخص آئے حضور اکرم ﷺ کے مکان پر، اور پوچھا کہ حضور ﷺ اذات بھر کیا عمل کرتے ہیں، بدن بھر کیا کرتے ہیں؟۔ بتایا کہ اذات میں یہ عمل کرتے ہیں بدن میں یہ عمل کرتے ہیں، ان تینوں نے آپس میں یہ معاہدہ طے کر لیا، ایک نے کہا کہ میں ہمیشہ روزہ

رکھوں گا، کبھی بے روزہ نہیں رہوں گا، ایک نے کہا میں ساری رات نماز پڑھوں گا بالکل نہیں لیٹوں گا، بالکل نہیں سوؤں گا، ایک نے کہا میں شادی نہیں کروں گا، عورتوں کے پاس نہیں جاؤں گا، حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ملی، حضور اکرم ﷺ نے سب کو بلا کر فرمایا: میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، تم سے زیادہ تقویٰ مجھ کو حاصل ہے، لیکن میں رات میں سوتا بھی ہوں نماز بھی پڑھتا ہوں، ایسا نہیں کہ ساری رات جاگوں بلکہ رات میں کچھ حصہ سوتا ہوں، کچھ نماز پڑھتا ہوں، میں روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، ایسا نہیں کہ ہمیشہ روزہ رکھوں، عام طور پر معمول تھا پیر کو اور جمعرات کو حضور ﷺ روزہ رکھتے تھے اور فرمایا کہ پیر اور جمعرات کے روز بندے کے اعمال اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کئے جاتے ہیں، اور گناہگار لوگوں کو معاف فرماتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ میرے نامہ اعمال ایسے حالات میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں، اور فرمایا کہ میں شادی بھی کرتا ہوں۔

﴿فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي﴾ ”جو شخص میری سنت سے اعراض کرے وہ مجھ میں سے نہیں۔“

یعنی اگر ساری رات جاگنا، ساری رات عبادت کرنا اور پھر نکاح نہ کرنا، اگر ان چیزوں کو کوئی اختیار کرتا تو وہ قابل قبول نہیں، تو جو چیزیں گناہ کی ہیں تو وہ گناہ ہیں ہی، جو چیزیں طاعت اور عبادت ہوں مگر حضور ﷺ کی منشا کے مطابق نہ ہوں وہ بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں، مقبول وہ چیزیں ہیں جو حضور ﷺ کے طریقے پر ہوں، حضور ﷺ جس طرح نماز میں قیام کرتے ہیں وہ مقبول، جس طرح رکوع کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح سجدہ کرتے تھے وہ مقبول، جس طرح قرآن پاک پڑھتے، لباس پہنتے وہ مقبول، جیسی صورت مبارکہ وہ مقبول، اور جو چیزیں حضور اکرم ﷺ کے طریقہ کے خلاف ہوں وہ اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔

اس لئے حضور ﷺ جیسا بڑا نبی، بڑا انعام ہم کو ملا، اس کے مطابق شکر ادا کرنے کی ضرورت ہے اور شکر ادا کرنے کے لئے یہ تین چیزیں ضروری ہیں جو ہم نے بیان کی، کہ محبت

اعلیٰ درجہ کی ہو، عقیدت اعلیٰ درجہ کی ہو کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کسی بات پر یقین نہیں، اپنے اعمال پر یقین نہیں، حضور ﷺ کے ارشاد پر یقین ہے، تیسری چیز اطاعت، حضور ﷺ کی بجا آوری، حضور ﷺ کے طریقہ پر زندگی گزارنا، یہ تین حق ہیں، اگر ان تین حقوق کو ادا کیا تو اللہ کے یہاں مقبول، اگر ادا نہیں کیا تو اللہ کے یہاں مقبول نہیں، دنیا میں بھی بڑی عزت، آخرت میں بھی بڑی عزت اطاعت سے ہی ہے، صحابہ کرامؓ میں کیا بات تھی؟..... یہی بات تھی کہ ہر ایک ان میں سے اطاعت کرتے تھے، کہ ہر کام حضور ﷺ کے طرز پر ہو، حضور ﷺ کی اطاعت میں ہو، حضور ﷺ کے اتباع میں ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اعلیٰ اور اشرف بنایا، باکمال بنایا، انبیاء کے بعد صحابہ کرامؓ کا درجہ ہے، صحابہ کرامؓ میں سے چھوٹے سے چھوٹے صحابی ہوں یا بڑے سے بڑے۔ صحابہ کرامؓ میں بھی فرق ہے کوئی باپ تھے، کوئی بیٹے، کوئی دادا کوئی استاذ تھے، کوئی شاگرد، کچھ خدمت اقدس میں زیادہ حاضر ہوئے کچھ کم ہوئے۔ یہ صحیح ہے، لیکن ہمارے لئے سب کے سب سارے صحابہؓ واجب التعظیم ہیں، اور کسی کی شان میں کسی گستاخی، کسی بے ادبی کا کوئی حق نہیں پہنچتا، اللہ تبارک و تعالیٰ نے جو کچھ ان کے دلوں میں ڈالا، جو کچھ طریقہ انہوں نے اختیار کیا ہم کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، لکھنے والوں کو بھی اور پڑھنے والوں کو بھی، آمین یا رب العالمین۔ (مکملہ خطبات محمود جلد سوم از فتاویٰ مولانا مفتی محمود الحسن گنگوٹی)

بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات و احسانات ہیں، ان تمام انعامات میں ایک انعام اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایسا فرمایا جو سب سے بڑا انعام تھا، اور جس کی وجہ سے تمام انعامات کی تکمیل ہوگئی، تمام انعامات مکمل ہو گئے، تمام انعامات ٹھکانے لگ گئے، وہ انعام اگر نہ ہوتا تو باقی سارے انعامات اوجھڑے رہ جاتے، اس ایک انعام کی وجہ سے تمام انعامات مکمل ہو گئے۔

میرے پیارے اور انتہائی قابل احترام قارئین! وہ ایک انعام ہے سرکارِ دو عالم ﷺ کو بھیج کر ہمیں ہدایت کی دولت سے مالا مال کرنا، یہ ایک انعام ہے جس نے سارے

انعامات کو مکمل کر دیا، اگر سرکارِ دو عالم تشریف نہ لاتے، اور ہمیں ہدایت نہ ملتی تو باقی سارے انعامات اذھورے رہ جاتے، ہم ان سے صرف دنیا کی چند روزہ زندگی میں تو فائدہ اٹھا سکتے، مگر مرنے کے بعد وہ ہمارے کام کے نہیں تھے، بلکہ وہی انعامات ہماری بربادی اور تباہی کا سبب بن جاتے، اس بات پر آپ جتنا بھی غور کرتے جائیں گے، انشاء اللہ آپ پر حقیقت کھلتی جائے گی۔

اللہ تعالیٰ کے جتنے انعامات تھے، ان کے استعمال کا طریقہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو اس طرح استعمال کرو گے، جس طرح میں بتا رہا ہوں، تو یہ نعمتیں دنیا میں جس طرح تمہارے کام آ رہی ہیں اسی طرح آخرت میں بھی مرنے کے بعد بھی تمہارے کام آئیں گی اور تم ان سے فائدہ اٹھا سکو گے، اور اگر تم نے ان کو غلط طریقے سے استعمال کیا، اپنی مرضی اور اپنی چاہت سے استعمال کیا، میرے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال نہ کیا، تو ان نعمتوں سے صرف دنیا کی چند روزہ زندگی میں فائدہ اٹھا سکو گے، مرنے کے بعد یہی نعمتیں تمہاری تباہی اور بربادی کا سبب بن جائیں گی۔

آپ سوچیں اور غور کریں، یہ آنکھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، ان کے استعمال کا طریقہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے آکر بتایا ان آنکھوں کو اللہ تعالیٰ کا قرآن دیکھنے کے لئے استعمال کرو، تو ایک ایک حرف پر ثواب کے انبار جمع کرتے رہو گے جو تمہارے لئے ذخیرہ آخرت بنے گا، انہی آنکھوں سے والدین کے چہرے پر رحمت اور شفقت کی نگاہ ڈالنے کے لئے استعمال کرو گے، تو ایک ایک نگر پر حج مقبول کا ثواب پاؤ گے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اگر ایک دن میں کوئی سو مرتبہ بھی نگاہ ڈالے تب بھی حج مقبول کا ثواب ملے گا؟..... آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے بھی وسیع ہے۔

اگر یہی آنکھیں تم باحرم عورتوں کو دیکھنے میں استعمال کرو گے، یا بی، بوی اور وی، سی، آر کے نظاروں سے لطف اندوز ہونے کے لئے استعمال کرتے رہو گے، تو مرنے کے بعد تمہاری یہی آنکھیں تمہاری بربادی اور تباہی کا سبب بن جائیں گی۔

اسی طرح کان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں، ان کے استعمال کا طریقہ آپ ﷺ نے بتایا ان کانوں کو اللہ تعالیٰ کا قرآن سننے میں دین کی باتیں سننے میں استعمال کرو گے تو آخرت کے لئے ثواب کے انبار لگا لو گے، اور اگر ان کانوں کو گانا سننے کے لئے استعمال کرو گے، غیر محرم کی باتیں سننے کے لئے استعمال کرو گے، یہی کان مرنے کے بعد تمہاری جہاں اور بربادی کا سبب بن جائیں گے اور ان میں نگاہا ہوا سیسہ ڈالا جائے گا۔

اسی طرح زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اس کے استعمال کا طریقہ بھی سرکارِ دو عالم ﷺ نے آکر بتایا کہ اگر اس زبان کو صحیح استعمال کرو گے قرآن پاک کی تلاوت میں درود شریف پڑھنے میں استعمال کرو گے تو آخرت کا اتنا بڑا ذخیرہ ثواب کا جمع کر لو گے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے اسی زبان کو ”سبحان اللہ الحمد للہ“ کہنے میں استعمال کرو گے، جو جنت میں تمہارے نام کے اتنے بڑے بڑے درخت لگ جائیں گے جن کے سائے کو تیرے رفقاء گھوڑے پر سوار ہو کر سو سال میں بھی غلے نہیں کیا جاسکتا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا: جنت میں جانے کے بعد جنتیوں کو کسی بات پر اور کسی کام پر فحسوس نہیں ہوگا، مگر دنیا میں جو وقت ان کا اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غفلت میں گزرا ہوگا، اس وقت پر فحسوس ہوگا، جب دیکھیں گے کہ ایک مرتبہ الحمد للہ اور ایک مرتبہ سبحان اللہ کہتے پڑا تو ثواب مل رہا ہے، تو فحسوس کریں گے کہ دنیا میں ہم نے اپنے اہل و عیال کو کیوں ضائع کیا کاش اس وقت میں بھی اگر اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تو آج اجر و ثواب اور زیادہ مل جاتا۔ بعض بزرگ ایسے گذرے ہیں جو روٹی کھانے کے بجائے ستو چھانک کر گزارہ کیا کرتے تھے، پوچھئے پر وجہ ارشاد فرمائی کہ روٹی کھانے اور فقہ چبانے میں بہت زیادہ وقت ضائع ہو جاتا ہے، اتنی دیر میں تو بہت زیادہ تعداد میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاسکتا ہے، اس لئے ہم ستو چھانک کر گزارہ کر بیٹھے ہیں، تاکہ ہمارا وقت ضائع ہونے سے بچ جائے۔

فحسوس اور حد فحسوس، ایک ہم ہیں جن کے پاس دنیا کی سب سے زیادہ فضول اور

بے قیمت چیز ہے تو اُقت ہے، جس کو پانی کی طرح بہا رہے ہیں اور ضائع کر رہے ہیں دوستوں کے ساتھ گپ شپ لگانے میں، لٹی دی دیکھنے میں، کرکٹ کھج دیکھنے میں شے میں، نصیحت کرنے میں ہر طرح وقت کو برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بہر حال بات دوسری طرفہ نکل گئی، خلاصہ یہ ہے کہ زبان اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق استعمال کی، جو جس طرح تم دنیا میں اس سے فائدہ اٹھا رہے ہو پھر بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہو گے، اور اگر خدا خواست صورت دوسری ہے، تجربے سے یہ جان گا، گانے میں جھوٹ بولنے میں نصیحت کرنے میں، بہتان لگانے میں، دھوکہ اور فریب دینے میں، طعنہ دینے میں، گالی دینے میں، فحش باتیں کرنے میں استعمال کی تو یہی زبان تمہاری بربادی کا سبب بن جائے گی۔

سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا جنہم میں جانے والے اکثر لوگ اپنے زبانوں کی کثرت کی وجہ سے جائیں گے، اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اپنی دو چیزوں کی حفاظت کی ضمانت دے میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں، ایک وہ چیز جو اس کے دو جہڑوں کے درمیان ہے، یعنی زبان۔ اور دوسری وہ چیز جو اس کی دونوں ٹانگوں کے درمیان ہے یعنی شرم گاہ اسی طرح سوچتے جائیں بات کھلتی جائے گی، مال اور اولاد کی نعمتیں ہیں، ان کو اگر سرکارِ دو عالم ﷺ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہ مال دنیا میں بھی کام آئے گا اور مرنے کے بعد بھی کام آئے گا صدقہ جاریہ بنا کر قیامت تک اس کا ثواب حاصل کیا جاسکتا ہے، اور اگر ان کو غلط طریقے سے استعمال کیا گیا تو پھر مرنے کے بعد بھی مال اور اولاد انسان کی دنیاوی کامیابی کا سبب بن جائیں گے۔ ”علیٰ ہذا القیاس“ سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا، جس کی وجہ سے تمام انعامات کی تکمیل ہو گئی اور تمام انعامات مکمل ہو گئے، ٹھکانے لگ گئے۔

اس لئے اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ

فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾

پھر آپ ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا جتنا بڑا احسان و انعام تھا اس انعام کا شکر بھی اتنا ہی زیادہ ہونا چاہیے شکر ادا کرنے کی علماء نے تین صورتیں بتائی ہیں یہی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کا قلبی شکر ادا کرنا چاہیے، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا لسانی یعنی زبانی شکر ادا کیا جائے، ”الحمد لله الحمد لله“ کہا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ اس نعمت کا عملی شکر ادا کیا جائے، اور اس نعمت سے اس مقصد کو ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔

مثلاً آنکھیں نہ دیکھیں نہ دیکھنے والی ہیں، ان کا شکر دل سے بھی ادا کیا جائے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے، اور عمل سے بھی شکر ادا کیا جائے، یہ آنکھیں جس مقصد کے لئے عیاں کی گئیں ہیں اس مقصد میں ان کو استعمال کیا جائے قرآن پاک کی تلاوت میں و رزق حلال کمانے میں والدین کی زیارت کے لئے، بہن بھائیوں اور بچوں کے اوپر شفقت کی نگاہ ڈالنے کے لئے، اسی طرح اور جتنے کام جائز اور درست ہیں، ان کو پورا کرنے کے لئے آنکھوں کو استعمال کیا جائے تو یہ بھی شکر ہو گا لیکن ایک آدمی زبان سے تو ”الحمد لله الحمد لله“ کہتا رہتا ہے مگر سارا دن غیر حرم خورقوں کو دیکھتا ہے، ٹی وی، ریڈیو سے آرکے نکالوں سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے، تو وہ ٹی وی دیکھنے کے دوران بے شک تسبیح پاتھریں لے کر ”الحمد لله کا ورد کیوں نہ کرتا رہے، اس کا یہ ”الحمد لله“ بہت شکر ادا نہیں سمجھا جائے گا۔ آنکھیں جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے دی تھیں اس مقصد میں ان کو استعمال نہیں کیا تو یہ اس کی ناشکری ہے۔

اسی طرح کان، دل، دماغ، زبان، اور پورا بدن، اور مال اور اولاد اور دنیا کی ہر نعمتوں کا کامل شکر جب ہی ہو گا، جب دل میں بھی شکر ادا کیا جائے اور زبان سے بھی شکر ادا کیا جائے، اور عملی شکر بھی ادا کیا جائے، تو جس مقصد کے لئے یہ ساری نعمتیں اللہ پاک نے دی ہیں اس مقصد کے لئے ان کو استعمال کر کے اسی مقصد کو پورا کیا جائے۔

تو سرکارِ دو عالم ﷺ کی بعثت اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام تھا، تو اس انعام کا قلبی شکر بھی ادا بھی کیا جائے اور لسانی شکر بھی ادا کیا جائے اور عملی شکر بھی ادا کیا جائے کہ جس

مقصد کے لئے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس مقصد کو پورا کیا جائے، اور جس کام کے لئے اللہ پاک نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا، اس کام کو پورا کیا جائے، اور جس کام کے لئے آپ ﷺ کو بھیجا گیا تھا، وہ کام کیا جائے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی کو، اپنی رہنمائی کو، اپنے گفتگو کو، اپنے کردار کو، اپنی فعل و صورت کو، اپنی وضع قطع اور اپنے لباس، اپنے اٹھنے بیٹھنے کو، اپنے چلنے پھرنے کو، اپنی شادی اور نکاح، اپنی ساری چیزوں کو آپ ﷺ کی سنت کے مطابق بنایا جائے، اور اس کی کوشش کی جائے۔ اسی میں ہم سب کی کامیابی اور خلاص ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ کی تمام تعلیمات پر دل و جان سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى خَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ



خصوصیت نمبر ۵۹

رسول اکرم ﷺ کا نام آپ ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے قابل احترام قائد مبین رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اسٹھ نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کا نام آپ کے کمالات کا آئینہ دار ہے" آج جمعرات کا دن ہے ہجری نماز سے فراغت کے بعد روزہ رسول ﷺ کے سامنے بیٹھا ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، لیکن کھلے دل کے ساتھ اقرار ہے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہ گار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحب خصوصیت ﷺ کے روزہ مبارک کے سامنے کھے بیٹھ کر ان کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی، وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا اور روز قیامت میری یہی کاوش میری نجات کا باعث ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین اور خصوصیات کی طرح یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے جو کہ آپ ﷺ کے نام سے متعلق ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو نام ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا عظیم عطا ہوا ہے کہ جو ہمارے پیارے نبی ﷺ کے کمالات کا آئینہ دار ہے، جبکہ دیگر انبیاء کے ناموں میں یہ خصوصیت نہیں پائی جاتی جیسا کہ مزید تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے، جہاں ہم نے مکمل وضاحت کے ساتھ آپ ﷺ کے نام کی خصوصیت کو بیان کیا ہے، اگرچہ تفصیلی جلدوں میں بھی اس موضوع پر کچھ تفصیل آگئی ہے لیکن چونکہ آپ کا نام ایسا عظیم نام ہے کہ جو خود اپنے اندر بہت سی خصوصیات رکھتا ہے بلکہ آپ ﷺ کے صرف

ہمارے ہی خصوصیت پر ایک مکمل کتاب بن سکتی ہے انشاء اللہ چنانچہ اسی لئے ہماری اس مکمل کتاب میں مختلف مواقع پر آپ ﷺ کے ناموں کی خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے، انشاء اللہ آپ کے ناموں سے متعلق خصوصیات پڑھ کر ہمارے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ سے سچی اور کامل محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یارب العالمین، لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

انسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحدیت کی روشنی میں

واضح ہو کہ انبیاءِ عظیم السلام میں سے کسی بھی نبی کا ایسا نام نہیں پایا جاتا جو اپنے معنی (نام والے) کے کلمات نبوت کا آئینہ دار ہو۔ مثلاً

آدم علیہ السلام کے معنی گندم گول ہیں۔ (بوالبشر کا یہ ایمان کی جسمانی رنگت کو ظاہر کرتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے معنی ہیں بڑے گروہ کا باپ۔ یہودی، عیسائی اور مسلمان، تینوں قومیں آپ کے ماننے والوں میں سے ہیں۔

اسحاق علیہ السلام کے معنی ہیں اسے اللہ میری فریاد سن۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ جل شانہ سے اودا و صالح کے لیے دعا کی تھی۔ آپ علیہ السلام کی دعا کے جواب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اسحاق علیہ السلام کے معنی ہیں جسنے والا۔ آپ علیہ السلام ہشاش بشاش چہرے والے تھے۔

یاقوب علیہ السلام کے معنی ہیں پیچھے آنے والا۔ یہ اپنے بھائی یسو کے ساتھ جڑوں پیدا ہوئے۔

موسیٰ علیہ السلام کے معنی ہیں پانی سے نکلا ہوا۔ جب ان کا صندوق پانی میں سے نکلا گیا تب یہ نام رکھا گیا۔

بھی علیہ السلام کے معنی ہیں عمر دراز۔ بوڑھے ماں باپ کی بہترین آرزوؤں کا ترجمان۔

یوسف علیہ السلام کے معنی ہیں زیادہ کیا گیا۔ آپ علیہ السلام حسن و جمال میں لامتناہی تھے۔

یعنی علیہ السلام کے معنی ہیں سرخ رنگ۔ چہرہ گلگون کی وجہ سے یتیم تجویز ہوا۔ جیسا کہ یتیم نے اوپر وضاحت کی، اہم طور سے اشخاص کے نام اور اوصاف یا نام کوئی نسبت نہیں رکھتے، مثلاً وہ اور اتفاقی حیثیت سے مناسب بھی مل جاتا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ کسی انسان کا وہ نام رکھا گیا ہو جو اس کی تمام زندگی کا آئینہ اور اس کی حیات کی تفصیل ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کے اوپر ایسے مجھے ان تمام ناموں اور ان کے معنوں پر غور کریں۔ ان میں سے ایک بھی اپنے معنی (نام والے) کی عظمت، روحانی یا نبوت کی طرف ذرا سا بھی اشارہ نہیں کرتا۔ مگر ہمارے حضور ﷺ نے دونوں اسماء ذاتی کی شان ہی فرمائی ہے۔

احمد ﷺ اور محمد ﷺ کے الفاظ اسے پیارے اور اسے حسین ہیں کہ ان کے سننے ہی پر نگاہ فرط تعظیم اور فرط ادب سے جھک جاتی ہے، ہر سرختم ہو جاتا ہے، اور زبان پر ورد و سلام کے زمرے جاری ہو جاتے ہیں۔ لیکن کہ لوگ یہ جانتے ہیں کہ ان الفاظ کے معنی واضح و مبہوم بھی ان کے ظاہری حسن و جمال کی طرح حسین اور دل آویز ہیں۔ صرف نام کے انہوی معنوں سے نام والے (مثنیٰ) کی عظمت و برتری کا اظہار ہو رہا ہے۔ محمد ﷺ سے مباہلہ کا صیغہ ہے۔ جس کا عام اور سادہ ترجمہ ہے ”وہ ذات جس کی تعریف کی گئی، یعنی محمد ﷺ ہی وہ مقدس ہستی ہیں جن کی تعریف و توصیف زمین و آسمان کی تمام مخلوق نے کی ہے۔ اور احمد ﷺ کے معنی ہیں ”سب سے زیادہ تعریف کرنے والا“ یعنی احمد ﷺ ہی وہ مقدس ہستی ہے جنہوں نے مخلوق میں سب سے بڑھ کر اللہ جل شانہ کی حمد و ستائش کی۔

رسول اللہ ﷺ کے ان دونوں ناموں کا اصل مادہ ایک ہی ہے۔ ح۔ م۔ د۔ یعنی حم (اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف اور عظمت کا ذکر) اور یہ عجیب بات ہے کہ یہی آپ ﷺ کی

ساری زندگی کا مقصد اور مشن قرار پایا یعنی احمد۔ کسی شخص کے نام سے اس کی زندگی کے مشن کا اظہار ایک بہت ہی نادر الوقوع بات ہے۔ ظاہر ہے جن لوگوں نے آپ ﷺ کی ولادت پر آپ ﷺ کے یہ دونوں نام رکھے ان کے وہم و گمان میں بھی نہ ہوگا کہ چالیس سال بعد یہ نومولود کیا دعویٰ کرنے والا ہے۔ سورۃ الحمد بھی جسے قرآن مجید کا دیباچہ کہنا چاہیے، درحقیقت پورے قرآن کا اور اس پیغام کا خلاصہ ہے جو آپ ﷺ نے دنیا کو پہنچایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ کے یہ دونوں نام قدرت الہیہ کی طرف سے خود آیت عظیم ہیں، ایک مججزہ ہیں کہ ان کا مسمیٰ (نام والا) ضرور امام الانبیاء اور تمام کائنات و مافیہا کا سر تاج ہے۔

(رحمۃ اللعالمین جلد سوم)

یہ وہ خصوصیت ہے جس سے باقی انبیاء کرام علیہم السلام کے اسمائے گرامی ساقط و خاموش ہیں۔ ایک حدیث شریف ہے کہ زمین پر میرا نام محمد ﷺ اور آسمان پر احمد ﷺ ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کو احمد ﷺ کے نام سے جانتے ہیں جب کہ زمین والوں کے لیے آپ کا نام محمد ﷺ ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ درحقیقت عالم ارواح میں آپ کا نام احمد ﷺ تھا۔ صوفیہ کرام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ احمد ﷺ اور محمد ﷺ ایک ہی ہستی کی دو جدا جدا حقیقتیں ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: "احمد ﷺ رسول اللہ کا پہلا نام ہے، آپ ﷺ آسمان والوں میں اسی نام سے معروف ہیں۔ آپ ﷺ کے اس نام مبارک کو اللہ جل مجدہ کا خاص تقرب حاصل ہے اور یہ آپ ﷺ کے دوسرے نام (محمد ﷺ) سے ایک منزل زیادہ اللہ جل مجدہ کے نزدیک اور قریب ہے۔" (مکتوبات، بانی) جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا احمد ﷺ اور محمد ﷺ کا اصل مادہ حمد (ح، م، د) ہے۔ حمد سے محمد ﷺ اسی طرح بنایا گیا ہے۔ جیسے علم سے معلم (امام بن ابن تیمیہ، ج ۱، ۲، ۳)

(ارباب تصوف کا کہنا ہے کہ محمد اللہ جل مجدہ کے نام احد سے مشتق ہے) حمد کے معنی تعریف کرنے اور ثناء بیان کرنے کے ہیں، خواہ یہ تعریف کسی ظاہری خوبی مثلاً ظاہری حسن و جمال کی وجہ سے کی جائے یا کسی باطنی وصف مثلاً کسی ہنرمندی یا کسی فن میں مہارت

کی بار بار حمد اہل میں کسی کے اخلاقِ حمیدہ و کمالاتِ صاف پسندیدہ اور کمالاتِ اعلیٰ اور فضائلِ حقیقیہ اور محاسنِ واقعیہ کو محبت اور عظمت کے ساتھ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔

لفظِ حمدِ حمید سے مشتق ہے جو بابِ تَعْمِیل کا مصدر ہے۔ جس کو وضع ہی مبالغہ اور تکرار کے لیے کیا گیا ہے۔ (سرا ۱۱۱، لیس کا، ص ۱۱۱، سیرۃ المصطفیٰ، جلد اول)

لہذا لفظِ حمد کے جو حمید کا اسم مفعول ہے معنی ہوں گے وہ قابلِ تعریف ہستی جس کے ذاتی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔ دوسرے الفاظ میں حمید حمد سے زیادہ بلند ہے۔ یعنی حمد وہ ہے جس کی اجمعی خصوصیات بہت ہوں۔ ناموس میں ہے کہ حمید کے معنی ہیں اللہ جل شانہ کی بار بار تعریف و توصیف (حمد) کرنے اور حمد کو کسی سے مشتق کیا (انکلا) گیا ہے گویا کہ وہ بار بار حمد (تعریف) کئے گئے۔ لہذا حمد کے (جو حمید کا اسم مفعول ہے) یہ معنی ہوں گے کہ وہ قابلِ تعریف ذات جس کے ذاتی اور اصلی کمالات اور محاسن کو محبت اور عظمت کے ساتھ کثرت سے بار بار بیان کیا جائے۔ جس کی بار بار تعریف کی جائے، چونکہ سرورِ کائنات ﷺ کی تعریف بار بار اور ہر بار نئے مدائح و مناقب سے ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی، اس لئے سب ﷺ کا نام نیا اسمِ گرامی حمد (ﷺ) رکھا گیا۔

ہمارے حضورِ احمد ﷺ بھی ہیں، احمد کے معنی ہیں حمد (تعریف) کرنے والا۔ قواعد کی رو سے یہ لفظ محمود، حمید کا اسم تفضیل ہے، بمعنی زیادہ یا سب سے زیادہ قابلِ تعریف اور یا حامد کا جس کا احتمال کم ہے، بمعنی اللہ جل مجدہ کی زیادہ یا سب سے زیادہ تعریف کرنے والے۔ (کتاب اللہ، حقوق المصطفیٰ)

بعض کے نزدیک احمد اسم مفعول کے معنی میں ہے اور بعض کے نزدیک اسم فاعل کے معنی میں۔ اگر اسم مفعول کے معنی لئے جائیں تو احمد کے معنی ہوں گے "سب سے زیادہ تعریف" تو بیشک مخلوق میں سے کوئی بھی آپ ﷺ سے زیادہ قابلِ تعریف نہیں ہے اور نہ ہی آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی سراہا گیا ہے۔ اور اگر اسم فاعل کے معنی میں نیا جائے تو احمد کے معنی

ہوں گے کہ قلوب میں اللہ جل شانہ کی سب سے زیادہ حمد و ستائش کرنے والا۔ یہ بھی نہایت درست اور صحیح ہے، دنیا میں آپ ﷺ اور آپ کی امت نے اللہ جل شانہ کی وہ حمد و ثنا کی جو کسی نے آج تک نہیں کی۔ اسی وجہ سے انبیاء سابقین نے آپ ﷺ کے وجودِ باوجود کی بے حدست لفظ احمد ﷺ کے ساتھ اور آپ ﷺ کی امت کی شہادتِ جمالیہ کے لقب سے دی۔

احمد ﷺ ہیں جنہوں نے اپنے خالق مہینے مالک کی حمد و ثناء سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ عرصہ کی ہے۔ آپ ﷺ باعثِ تخلیقِ کائنات ہیں اور اپنے تخلیقِ نور اور روح محمدی ﷺ کی پیدائش کے وقت ہی سے اس کی حمد و ثناء کرنے والے ہیں، اور اپنے رازق مہینے ہادی اپنے معطلی کی تعریف و تکریم اور حمد و ثناء کا ایک معیار قائم کرنے والے ہیں۔

آپ کے یہ دونوں اسم مبارک بجا تک دہلی اعلان کر رہے ہیں کہ تاجدارِ مدینہ و مہرہ سید ﷺ کے کوصاف و محاسن و مناقب و کمال و فضائل و خصائل و شمائل اتنے کثیر ہیں جن کی نہ کوئی حد ہے نہ نہایت، یہ اعصار و شمار کے بیانوں سے بہت ہی وراء ہیں۔ دفتر کے دفتر ختم ہو گئے، عمریں انتہا کو پہنچ گئیں۔ لیکن تاجدارِ کائنات ﷺ کے ایک وصف کی بھی توضیح کامل تشریح کا اکل نہ ہو سکی۔

شمار کرنے طے اس کی خوبیوں کا اگر

تو ساتھ چھوڑ دیں تھک تھک کے نکل، کچھ بہم

شیخ عبدالحق محدث دہلی و اربع الہدیت میں لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کے دونوں اسمائے مبارک یعنی محمد ﷺ اور احمد ﷺ حقیقت میں ایک اسم ہے جو حمد سے مشتق اور مبالغہ کے معنی میں مقید ہے۔ پہلا نام بابتہارِ کیفیت ہے جب کہ دوسرا نام بابتہارِ کیت ہے، آپ ﷺ حق تعالیٰ کی حمد و افضلِ محامد سے کرتے ہیں اور دنیا و آخرت میں کثرتِ محامد سے آپ ﷺ کی حمد و ستائش کی گئی۔ آپ ﷺ احمد الخالدین (حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد کرنے والے) اور احمد الخودین (حمد کرنے والوں میں سب سے زیادہ تعریف کئے

گئے) (و افضل من حمد) (جو بھی حمد کرے ان سب سے برتر حمد کرنے والے) ہیں۔

آپ ﷺ نے اللہ کی اتنی حمد اور تعریف کی کہ آپ احمد ﷺ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی حمد اور تعریف کی کہ آپ محمد ﷺ ہو گئے۔

محمد ﷺ کے معنی ہیں جس کی حمد (تعریف) خود اللہ تعالیٰ کرے۔ قرآن کریم نے جابجا نبی کریم ﷺ کی تعریف آئی ہے۔ احمد ﷺ کے معنی ہیں۔ اللہ جل شانہ کی حمد (تعریف) کرنے والا۔

احادیث شریفہ میں ہزاروں جگہ اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف آئی ہے۔ محمد اور احمد کے معنی میں الگ الگ فرق یہ ہے کہ محمد وہ ہے جس کی حمد و نعت (تعریف) سب زمین اور آسمان والوں نے سب سے بڑھ کر کی ہو۔ اور احمد وہ ہے جس نے رب السموات والارض کی حمد و ثناء (تعریف) سارے اہل الارض والسموات سے بڑھ کر کی ہو محمد ﷺ جو رب العزت کے اسم ذات اور اسمائے صفات کا ذکر کثرت سے کرے اور احمد ﷺ جو ہر نام کے معنی اور مطلب پر غور کرے۔ یعنی حمد (تعریف) کی مقدار کا تعلق ”محمد“ سے ہے اور معیار کا تعلق ”احمد“ سے۔ اس بناء پر محمد ﷺ اور احمد ﷺ میں فرق یہ رہے گا کہ محمد ﷺ وہ ہے جس کی تعریف اپنے اوصاف جمیلہ کی وجہ سے سب سے زیادہ کی جائے اور احمد ﷺ وہ ہے جس کی تعریف سب سے بہتر اور عمدہ ہو۔

دونوں ناموں کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے خلق و خصائل کی وجہ سے اس کے مستحق ہیں کہ آپ ﷺ کی سب سے زیادہ سب سے کامل تعریف کی جائے۔ اس تحقیق کے بعد ان دونوں کے مفہوموں کے لحاظ سے سطح عالم پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ اسماء جتنی حقیقت اور جتنی صداقت کے ساتھ آپ ﷺ کی ذات مبارک پر چسپاں ہیں اتنے کسی اور پر نہیں، خالق سے مخلوق تک، انبیاء سے لے کر جن اور فرشتوں تک، حیوانات سے لے کر جمادات تک، غرض ہر ذی روح اور غیر ذی روح سب ہی نے آپ ﷺ کی تعریفیں کی ہیں۔ اور آج بھی اربوں انسانوں کی زبانیں دن میں نہ معلوم کتنی بار آپ ﷺ کی تعریف کے

لیے متحرک رہتی ہیں۔ اس لیے محمد ﷺ اور احمد ﷺ نام کی مستحق جنتی کہ آپ ﷺ کی ذات ہے اتنی کسی اور کی نہیں ہو سکتی، اگر احمد ﷺ کو اسم فاعل کے معنی میں لیجئے تو بھی اس اسم مبارک کی سب سے زیادہ مستحق آپ ﷺ ہی کی ذات پاک ہے، کیوں کہ جس قدر اللہ کی تعریف آپ ﷺ نے کی ہے، اتنی کسی بشر نے نہیں کی اور اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی موقع بہ موقع اللہ جل مجدہ کی اتنی حمد سکھائی کہ کتب مقدسہ میں اس امت کا لقب ہی حمادون پڑ گیا یعنی کہ اللہ عز اسہ کی بہت زیادہ تعریف کرنے والی امت۔

قاضی عیاض اور حافظ سبکیؒ لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ اس کو کہا جائے گا جس کی بار بار تعریف کی جائے اور احمد ﷺ ہے جو سب سے زیادہ تعریف کرنے والا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے یہ دونوں اسماء واقع کے مطابق ہیں۔ یعنی آپ احمد ﷺ بھی ہیں اور محمد ﷺ بھی، یعنی وجود کے حساب سے بھی پہلے آپ احمد ﷺ ہیں اور بعد میں محمد ﷺ بلکہ احمد ﷺ ہونے کی وجہ سے ہی آپ محمد ﷺ ہوئے، آپ ﷺ نے پہلے اللہ عز اسہ کی تعریف کی اس لیے آپ پہلے احمد ﷺ ہوئے۔ نبوت سے سرفرازی کے بعد پھر مخلوق نے آپ ﷺ کی تعریف کی اس لئے بعد میں آپ محمد ﷺ ہو گئے۔ محشر میں بھی پہلے آپ ﷺ اللہ جل شانہ کی تعریف کریں گے اس لیے احمد ﷺ پہلے ہوں گے۔ پھر شفاعت کے بعد مخلوق آپ ﷺ کی تعریف کرے گی اس لیے بعد میں محمد ﷺ ہوں گے۔ غرض ازل سے ابد تک کی تاریخ بتاتی ہے کہ شان احمدی ﷺ شان محمدی ﷺ پر مقدم ہے، اسی وجہ سے کتب سابقہ میں آپ ﷺ کی بشارت ام احمد ﷺ سے مذکور ہے اور جب آپ ﷺ عالم وجود میں تشریف لے آئے تو محمد ﷺ کے نام سے پکارے گئے۔

(بحوالہ امامانی شیخ حضرت مولانا عبدالمعین صاحب مہاجر مدنی)

شیخ اکبرؒ یہاں ایک اور عجیب نکتہ لکھ گئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ حمد ہمیشہ آخر میں ہوتی ہے۔ مثلاً جب ہم کھاپی کر فارغ ہو لیتے ہیں تو اللہ جل شانہ کی حمد کرتے ہیں۔ جب کام ختم ہو جاتا ہے تو حمد کرتے ہیں، جب سفر ختم کر کے واپس آتے ہیں تو حمد کرتے ہیں، اسی طرح جب دنیا کا طویل و عریض سفر ختم کر کے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ جل شانہ کی حمد

کریں گے، اسی دستور کے مطابق مناسب تھا کہ جب سلسلہ رسالت ختم ہوتا یہاں بھی آخر میں اللہ جل شانہ کی حمد ہو۔ اس لیے جو کئی سب سے آخر میں آئے ان کا نام محمد ﷺ رکھا گیا۔ تخلیق کے عمل سے پہلے سوائے اللہ جل شانہ کی ذات کے اور کچھ موجود نہ تھا نہ مکان تھا نہ کہیں نہ روح تھی نہ مادہ نہ وقت تھا نہ زمانہ نہ عالم تھا نہ جہاں نہ حالت تھی نہ کیفیت نہ سمت تھی نہ جہت نہ پس اللہ تھا اور کچھ بھی نہ تھا، پھر کیا ہوا؟ پھر اس نے چاہا کہ اپنی خالقیت کا مظاہرہ کرے اس کے ارادہ فرماتے ہی تخلیق عمل میں آگئی اور عہد کو ظہور مل گیا، اس نے کن فرمایا اور نیست کو ہست کی صورت مل گئی۔ بیشک بشریت کی ابتدا سرکار سیدنا آدم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی مگر سرور کائنات، مقرر موجودات، مخلص کائنات، احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ کی تخلیق سیدنا آدم سے بہت پہلے کی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی پہلی جلد میں آپ تفصیل پڑھ چکے ہیں۔

ہزارے آقا و سرور کا نام محمد ﷺ کب رکھا گیا؟ اس سلسلے میں بہت سی روایتیں ملتی ہیں، مگر تمام روای اس بات پر متفق ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ نام حضرت آدمؑ کی پیدائش سے بہت پہلے رکھا گیا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کتنا پہلے، ان روایات کے مطابق آپ ﷺ کا یہ نام تخلیق آدمؑ سے کم سے کم دو ہزار سال پہلے اور زیادہ سے زیادہ نو لاکھ سال پہلے رکھا گیا لیکن محدثین نے ایک ایسی حدیث شریف کا ذکر بھی کیا ہے جس سے آپ ﷺ کی ذات باہرست کا نو لاکھ سال سے بھی پہلے موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

مشہور و معروف صحابی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے ایک بار حضرت جبرئیل امینؑ سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا کہ میں بہت زیادہ تفصیل سے اپنی عمر کا اندازہ نہیں لگا سکتا البتہ اتنا جانتا ہوں کہ جو تھے جناب میں ایک ستارہ تھا۔ وہ ستارہ ہر ستر ہزار برس بعد ایک مرتبہ طلوع ہوتا تھا، میں نے اس ستارے کو ہتر ہزار بار طلوع ہوتا دیکھا ہے، یہ سن کر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ”اے جبرئیل مجھے اپنے رب کریم جل جلالہ کی عزت کی قسم وہ ستارہ میں ای تھا۔“ (بہ تعلیق جلد اول، نمبر دوم، ص ۱۷۱ جلد اول)

حساب کے عام قاعدہ کی رو سے اگر ہر ستر ہزار کو ہر ہزار سے ضرب دیں تو حاصل جواب آئے گا۔ پانچ ارب چالیس کروڑ سال۔ اللہ نے قرآن شریف میں اپنے ایک دن کو ہمارے ایک ہزار سال کے برابر قرار دیا ہے۔ (سورہ البقرہ) اگر اس حدیث مبارکہ میں حضرت جبریل کے بتائے ہوئے سالوں کو اس تناسب سے حساب لگائیں تو نور محمدی (ﷺ) کی تخلیق اس وقت ہوئی جہاں تک ہمارا کوئی حساب، کوئی گنتی، کوئی عدد نہیں پہنچ سکتا۔

اس حدیث شریف سے پتہ چلتا ہے کہ سید لاہارہ نبی آخر الزماں ﷺ کا نام محمد اس وقت رکھا گیا جب کچھ دن تھا کہ آسمان تھا نہ زمین تھی، نہ عرش تھا نہ کرسی تھی، نہ جہنم تھی نہ جنت تھی، نہ قلم تھا نہ لوح تھی، نہ سورج تھا نہ روشنی تھی، نہ چاند تھا نہ چاندنی تھی، نہ ستارے تھے نہ ان کی چمک تھی، نہ دن تھا نہ رات تھی، نہ صبح تھی نہ شام تھی، نہ نغمہ تھی نہ ہوا تھی، نہ ابر تھا نہ گھٹا تھی، نہ زمين تھا نہ مکان تھا نہ حسن تھا نہ جمال تھا نہ گل تھے نہ بو نے تھے نہ شجر تھے نہ بحر تھے، نہ گری تھی نہ سردی تھی، نہ نیم تھی نہ شیم تھی، نہ بہار تھی نہ خزاں تھی، نہ بلبل تھی نہ چمک تھی، نہ ہزار تھا نہ ہک تھا، نہ اُنی تھی نہ لک تھی نہ ہیرے تھے، نہ جواہر نہ زرد تھے نہ خزیں نہ دولت تھی نہ دھینے نہ بحر تھے نہ سفینے نہ دریا تھا نہ کنارہ نہ موج تھی نہ جہاب نہ صحر تھا نہ کشن نہ ہوا تھی نہ خاک، نہ پانی تھا نہ آگ، نہ ظلی تھی نہ شباب نہ شب تھی نہ فراز نہ زنی تھا نہ ثریا نہ جبریل تھے نہ میکائیل نہ اسرافیل تھے نہ عزرائیل، نہ ملائکہ تھے نہ کرامیں، نہ مخل تھی نہ جوحس نہ آدم تھے نہ تاوہیت، نہ انسان تھے نہ انسانیت نہ حیوان تھے نہ حیوانیت نہ یہ چہل پہل تھی نہ یہ ریل کیل نہ دیو انگی تھی نہ شعور، نہ جبر تھا نہ وصال، نہ اقرا تھا نہ انکار نہ آہ تھی نہ فریاد نہ رونا تھا نہ ہنسا نہ جاگنا تھا نہ سونا، نہ جذبہ تھا نہ احساس نہ جواہلی تھی، نہ بڑھاپا نہ بوٹ تھا نہ خرد، فرض یہ کچھ بھی نہ تھا سب سے پہلے اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کے نور کو پیدا فرما کر آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھا یہ تابندہ ستارہ کیا چمکا گویا زندگی مبارک بہار آگئی، سلسلہ جل جلالہ، چراغ سے چراغ جلنے لگے، دیکھتے ہی دیکھتے کائنات وجود میں آگئی اور سارا جہاں جگمگانے لگا۔

صاحب قاموس مجد الدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ ”مجملہ دیگر کمالات نبوت اور معجزات رسالت کے ایک معجزہ گرامی رسول کریم ﷺ کا نام نامی اہم گرامی محمد ﷺ بھی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ ہیں جن کی تعریف کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہو، تعریف کے بعد تعریف اور توصیف پر توصیف ہوتی رہے، زمانہ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے اور انسان اپنی سعی اور کوشش کے مطابق جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے۔ نفس اعتقاد انہیں بلکہ واقعتاً رسول عربی ﷺ کے کمالات پر سے پردہ اٹھتا جاتا ہے، یورپ کے علما اور فضلا کی اکثریت جیسے جیسے تاریخ اسلام کے ماتحت اپنا مطالعہ جس قدر گہرا کرتی جاتی ہے انہیں اسی راہ کی طرف آنا پڑتا ہے اور زبان اعتراف کھولنی پڑتی ہے کہ بلاشبہ رسول عربی ﷺ کے قانون، دنیا کی ضرورتوں کے فیصل اور آپ ﷺ کی زندگی عالم انسانی کے لیے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اہل ایشیا کا رجحان طبعی جتنا روحانیت اور سادگی کی طرف بڑھ رہا ہے، اسی قدر وہ سرکارِ دو عالم ﷺ کے قریب تر ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ دنیا کا واحد معجزہ ہے کہ چودہ سو برس سے بھی پہلے سے نام مبارک ان آنے والے حالات کا پتہ دے رہا ہے، کہ مستقبل میں دنیا کی عمر جتنی دراز ہوگی، اسے کمالات نبوت محمدی ﷺ کے اعتراف کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔

(تفسیر روح البیان، جلد ہفتم)

صاحب المفردات ابو القاسم حسین بن الفضل راغب اصفہانی لکھتے ہیں کہ ”مختصر لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ لفظ محمد کے معنی مجموعہ خوبی کے ہیں۔ قدرت نے ہر چیز کو پیدا کرنے کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے مخلوقات کی ہر نوع و ہر قسم کا ایک درجہ کمال ہے کہ جس کے آگے اس کے قدم نہیں بڑھتے حیوانات، نباتات اور جمادات تک میں اس کے ثبوت مل سکتے ہیں، صورتیں ایک ہیں، شکلیں متحد ہیں، اوصاف مختلف ہیں، لیکن ان مختلف اوصاف کی ایک انتہا ہے جسے جنس اعلیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ جس کے آگے کوئی درجہ نہیں۔ ہر نوع میں جنس اعلیٰ کو جس پر اوصاف، جامعیت کے ساتھ جا کر ختم ہوتے ہیں، ہم مقصود فطرت اور نقطہ تخلیق کہہ سکتے ہیں۔

آج انسان کی شکل و شباهت اس کے اعضاء و جوارح، اس کا ڈھانچہ، جسمانی
ساخت و غرضیکہ سب چیزیں ٹھیک وہی ہیں جو دنیا کے پہلے انسان کی تھیں، لیکن دماغی
کیفیتوں کا حال ان سے جداگانہ ہے، ان میں برابارتقا و اور اختلاف جاری ہے، اب
اگر غور کیا جائے تو اورتقائے دماغی کی آخری سرحد اگر کوئی ہے تو وہ ذات قدسی صفات آقائے
نامہ اور رسول عربی ﷺ کی ہے۔
(مفردات، البسیرۃ الخلیفہ، جلد اول)

يَا رَّبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۶۰

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سارھویں خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی فضیلتوں سے نوازا" ہے شک یہ نہی کا فضل ہے کہ اس ذات باری تعالیٰ نے مجھ جیسے گناہگار اور حقیر انسان کو یہ سعادت عطا فرمائی کہ میں صاحب خصوصیت ﷺ کے روحِ مبارک کے سامنے تہنیت کران کی خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اس پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتن شکر ادا کروں کہ ہے، اور امید بھی یہی ہے کہ جس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اتنی توفیق عطا فرمائی وہی اللہ انشاء اللہ میری اس کاوش کو قبول و منظور بھی فرمائے گا، اور روزِ قیامت میری یہی کاوش میری بہت کامیاب ہوگی، انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! آپ ﷺ کی یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو وہ عظیم امت عطا کی کہ جس امت کو خصوصی فضیلتوں سے نوازا گیا تو بے شک دیگر تمام انبیاء کو ملی والی امتوں میں سے یہ آخری امت سب سے افضل امت ہے۔ جیسا کہ اس امت کی خصوصی فضیلتوں کی تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے ہمارے دل میں حضور ﷺ کی محبت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی تمام تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

لیجئے اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

ساتھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

رسول اکرم ﷺ کی امت سے مراد وہ امت محمدیہ ﷺ ہے، یعنی وہ جماعت یا وہ گروہ جو اجابت اور متابعت دونوں کا جامع ہے۔ جس نے حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا نبی اور رسول بھی مانا اور آپ ﷺ کی اتباع و پیروی بھی کی چنانچہ اس جماعت کو ”فرقہ ناجیہ“ (نجات یافتہ گروہ سے تعبیر کیا جاتا ہے) پس ”تنقیح“ میں لکھا ہے کہ مبتدع (یعنی وہ شخص کہ جو بدعت نکالے اور بدعت اختیار کرے) علی الاطلاق امت میں سے نہیں ہے اور جیسا کہ ”توضیح“ میں ہے، علی الاطلاق امت میں سے اہل سنت والجماعت ہیں اور وہ لوگ ہیں جن کے دین پر چلنے کا راستہ رسول اللہ ﷺ اور رسول خدا کے صحابہ کا راستہ کے مطابق ہے اور صاحبِ تکوین نے لکھا ہے کہ مبتدع کو علی الاطلاق امت میں سے خارج اس لئے کہا جاتا ہے کہ اگرچہ وہ اہل قبلہ میں ہوں مگر وہ ”امت دعوت“ ہی کے حکم میں ہوں گے جیسا کہ کفار ”امت دعوت“ ہیں ان کا شمار ”امت اجابت“ میں نہیں ہوگا۔

دوسری تمام امتوں اور ملتوں کے مقابلے میں اس امت کے فضائل و مناقب اور اس کے اجر و ثواب کی کثرت حدِ حصر سے خارج اور حیطہ بیان سے باہر ہے۔ بلاشبہ یہ امت رسول ﷺ تمام دوسری امتوں سے افضل اور برتر ہے، اس امت کی افضلیت و برتری کو ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم میں خالق کائنات عز و جل کا یہ ارشاد کافی ہے۔ تَحْتُمُ خَيْرَ أُمَّةٍ أَحْسَرَ جَسَدٍ لِّلنَّاسِ۔ (اے امت محمد) تم لوگ سب سے اچھی امت ہو جس کو لوگوں کی بھلائی کی (ہدایت اور رہنمائی) کے لئے ظاہر کیا گیا ہے۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ .

”اور اسی لئے ہم نے تم کو (امت محمدیہ) ایسی امت بنایا ہے جو (ہر پہلو سے)

نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) مقابلے میں گواہ ہو۔“

اور اس امت کی تعریف میں خود یہی ایک بات سب سے بھاری ہے کہ وہ محمد ﷺ کی

امت ہے جو خاتم النبیین، سید المرسلین اور افضل الخلائق ہیں اور یہ کہ تمام انبیاء اور رسولوں نے آرزو کی کہ کاش وہ محمد ﷺ کا زمانہ پاتے اور آپ ﷺ کی امت کا ایک فرد ہونے کا شرف حاصل کرتے، اس کے علاوہ اس کے خصائص و کمالات اور کرامات و فضائل میں ایسی چیزیں ثابت ہو چکی ہیں جو پچھلی امتوں میں سے کسی بھی امت کے لئے ثابت نہیں ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ رسول کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے (ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے) فرمایا: دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلے میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلے میں) نماز عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ اور یہود و نصاریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اسے عرصے کام کرنے کی اجرت کے طور پر) ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے (یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا۔ چنانچہ یہود کے بعد حضرت عیسیٰ کے ماننے والے لوگوں نے یعنی (نصاری نے دوپہر سے عصر کے وقت ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے جو عصر سے غروب آفتاب تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا) اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ہم مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا) جان لو (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دو گنا ہے اور اسی وجہ سے (کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دو گنے اجر کے قرار پائے ہو) یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا! کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے یعنی میں نے تمہاری اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا کہ اس میں کچھ کمی کی

ہے، یہود و نصاریٰ نے کہا! تمہیں (ہمارے حق میں تو کچھ کم نہیں کیا لیکن تیری طرف سے یہ تفادات اور تفریق کیسی ہے؟) پروردگار نے فرمایا، حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل و احسان ہے میں جس کو چاہوں زیادہ دوں (میں قائل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)۔

(بخاری)

تشریح..... اس حدیث میں ایک اجل کا لفظ آیا ہے چنانچہ اجل کسی چیز کی مدت متعین کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے لَبَسْلَعُوْا اَجَلًا مُّسْمًى اور کبھی اس لفظ (اجل) کا اطلاق انسان کی موت پر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے دنیا اجلہ اس شخص کی موت قریب آگئی۔ یہ ماطلی قارئی نے طبیبی کے حوالے سے لکھا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اجل“ کے لفظ سے کبھی تو اس پوری مدت کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عمر کے لئے متعین ہوتی ہے خواہ وہ معلق ہو یا نہ ہو) جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد فَمُ قَضٰى اَجَلُ مُّسْمًى عِنْدَہٗ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مدت عمر کے خاتمے اور زندگی کے آخری لمحہ پر ہوتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کے ارشاد اِذَا جَآءَ اَجَلُہُمْ لَا یَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْقُضُوْنَ میں اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں پس یہاں حدیث کے الفاظ انما اجلکم فی اجل من خلا من الامم الخ میں لفظ ”اجل“ کے پہلے معنی مراد ہیں یعنی پورا عرصہ حیات پوری مدت عمر اس روشنی میں حدیث گرامی کے ان الفاظ کی وضاحت یہ ہوگی کہ اے مسلمانو! پچھلی امتوں کے لوگوں کی لمبی عمروں کے مقابلے میں تمہاری کم عمروں کا تناسب وہی ہے جو دن کے آغاز سے نماز عصر تک کے وقت کے مقابلے میں عصر کے بعد مغرب تک کے وقت کا ہے، لیکن اس کے باوجود تمہارے اجر و ثواب کی مقدار زیادہ متعین ہے جب کہ ان لمبی لمبی عمروں والوں کے لئے اجر و ثواب کی مقدار کم رکھی گئی ہے، یہ تمہارا شرف و اعزاز ہے کہ تمہارے عمل کا عرصہ کم ہے مگر اجر و ثواب کہیں زیادہ۔

”قیراط“ ایک وزن کو کہتے ہیں جو درہم کے بارہویں حصہ یا دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ ”یہود نے دو پہر تک ایک ایک قراط پر کام کیا“ یعنی موتی کو ماننے والے

اور ان کی اتباع کرنے والوں نے اپنی اپنی لمبی عمروں میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا، اور اسی طرح وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے صبح سے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ کے ماننے والوں اور ان کی اتباع کرنے والوں کا زمانہ آیا تو انہوں نے بھی اپنے عرصہ حیات میں کم ثواب پر زیادہ عمل کیا، اور اسی طرح وہ ان مزدوروں کے مشابہ ہوئے جنہوں نے دوپہر کے بعد سے عصر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا ہو۔

”یاد رکھو تمہارا اجر دو گنا ہے“ یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ وہ جتنا کرتے تھے اسی کے برابر اجر و ثواب کے مستحق ہوتے تھے۔ لیکن تمہارا اجر ازیہ ہے کہ ان کی نسبت تم کو دو گنا اجر و ثواب ملتا ہے گویا حدیث کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے کہ: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَأَمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ**۔ ”اے (عیسیٰ پر) ایمان رکھنے والو! تم اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لاؤ۔ اللہ اپنی رحمت سے تمہیں دو گنا ثواب دے گا۔“

پس اس امت کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اپنے نبی کو ماننا اور اس کی تصدیق کی بلکہ چبھیلے نبیوں اور رسولوں پر بھی ایمان لائے اور ان کی تصدیق کی لہذا دو گنے اجر اور دو ہرے ثواب کے مستحق ہوئے۔

”لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے“ یہود و نصاریٰ کی اس بات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ یوں ادا کیا جاسکتا ہے کہ: یہ کیا ہے کہ محمد ﷺ کی امت کا کام کم، اس کے اعمال قلیل، لیکن اس کا اجر بہت اس کا ثواب زیادہ، اس امت کے مقابلے میں ہمارا کام کم کہیں زیادہ ہمارے اعمال بہت کثیر، مگر ہمارا اجر کہیں کم اور ہمارا ثواب بہت قلیل؟ یہاں دونوں احتمال ہیں، یہ یہود و نصاریٰ یا تو قیامت کے دن کہیں گے جب وہ امت محمدیہ کو اجر و ثواب کے اعتبار سے اپنے مقابلے میں کہیں زیادہ آگے پائیں گے، یا اس طرح کی بات انہوں نے اس وقت کہی ہوگی جب ان کو اپنے اپنے زمانہ میں اپنی آسمانی کتابوں کے

ذریعہ اور اپنے رسولوں کی زبانی اس امت محمدیہ کے ایسے فضائل و خصائص معلوم ہوئے ہوں گے۔ بہر صورت اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی ثواب ملتا ہے وہ نہ عبادات و اعمال میں رنج و تعب اٹھانے کے اعتبار سے ملتا ہے اور نہ استحقاق کی جہت سے، کیونکہ بندہ اپنے مولیٰ کے نزدیک اس وجہ سے ثواب کا مستحق نہیں ہوتا کہ اس نے کوئی عبادت کی ہے، کوئی کارگزاری دکھائی ہے، بلکہ وہ اپنے محض فضل و احسان کی جہت سے بندہ کو ثواب سے نوازتا ہے اور مولیٰ کو اس کا پورا اختیار ہے کہ بندوں میں سے جس کو چاہے زیادہ سے زیادہ ثواب عطا فرمائے فَإِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ۔

واضح ہو کہ حدیث میں مذکور ”یہودی و نصاریٰ“ سے مراد وہ یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں (رسول کو مانا) اس پر ایمان لائے، اس کی لائی ہوئی کتاب اور شریعت کی پیروی کی اور آخر دم تک اپنے اپنے دین حق پر قائم رہے۔ رہی ان یہود و نصاریٰ کی بات جنہوں نے اپنے دین حق سے انحراف کیا، اپنے رسول اور اپنی کتاب کا انکار کیا، ان کا یہاں کوئی ذکر نہیں ہے کیونکہ وہ دوسرے سے ثواب ہی سے محروم رہے علاوہ ازیں یہ نکتہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ نصاریٰ جو حضرت عیسیٰ اور انجیل مقدس پر ایمان رکھتے ہیں، باوجود یہ کہ حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لائے تھے لیکن انکو یہودی کہتے ہیں کیونکہ ثواب نہیں ملا، جو صرف اپنے ہی رسول اور اپنی ہی کتاب یعنی حضرت موسیٰ اور تورات پر ایمان لائے تھے۔

ایک اور بات اس حدیث سے حنفی علماء نے عصر کے وقت کے بارہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کو اور مضبوط بنانے کے لئے استدلال کیا ہے، حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل یعنی دو گنا ہو جائے۔ چنانچہ ان حنفی علماء کا کہنا ہے کہ نصاریٰ کے عرصہ عمل کا اس امت کے عرصہ عمل سے زیادہ ہوتا اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جب کہ حدیث میں مذکورہ مثال کے مطابق اگلے کام (عمل) کی مدت دو پہر کے بعد سے ہر شے کا سایہ دو مثل یعنی دو گنا ہو جانے تک رہے۔

”اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حقیقت تو یہ ہے کہ میری

امت میں مجھ سے نہایت شدید اور نہایت اچھی محبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو میری وفات کے بعد پیدا ہوں گے ان میں سے کوئی تو یہ آرزو کرے گا کہ کاش وہ مجھے دیکھ لے، اپنے اہل عیال اور اپنا مال و اثاثہ سب کچھ مجھ پر قربان کر دے“ (مسلم)

تشریح..... یعنی میرے تئیں محبت اس کو اس آرزو میں مبتلا رکھے گی کہ اگر میری زیارت اور میرے دیدار کا موقع اس کو نصیب ہو جائے تو وہ مجھ تک پہنچے اور اپنے اہل و عیال، اپنا گھر یا اپنا مال و اثاثہ سب کچھ مجھ پر فدا کر دے، واضح ہو کہ اس حدیث سے اور اس جیسی دوسری حدیثوں سے بظاہر یہ مفہوم نکلتا ہے کہ صحابہ اکرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ ایسے اس امت میں پیدا ہوں جو فضیلت میں صحابہ کرام کے برابر ہوں یا ان سے افضل ہوں چنانچہ محدثین میں سے ایک مشہور شخصیت علامہ ابن عبد البرؒ کا رجحان اسی طرف ہے اور انہوں نے اسی طرح کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس کا ذکر ابن حجرؒ کی صواعق مخرقة میں موجود ہے، لیکن جمہور علماء کا اجماع و اتفاق اسی پر ہے کہ امت کے افضل ترین افراد صحابہ کرام ہی ہیں کوئی بھی غیر صحابی خواہ دین و شریعت و معرفت، ولایت و بزرگی اور تقویٰ و تقدس میں کتنا ہی اونچا مقام کیوں نہ رکھتا ہو، صحابی کی منزل اور اس کے مقام کو نہیں پہنچ سکتا، ان جمہور علماء نے ان حدیث کے بارے میں کہ جن سے ابن عبد البرؒ نے استدلال کیا ہے کہا ہے کہ ان حدیث کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت کی جاسکتی ہے وہ کسی غیر صحابہ کی کسی ایک گوشے سے جزوی فضیلت ہے لیکن جہاں تک کلی فضیلت کا تعلق ہے، کہ جو کثرت ثواب سے عبارت ہے تو وہ صرف صحابہ کے لئے ہے۔ ان علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ اس گفتگو میں صحابہؓ سے مراد وہ خاص الخاص صحابہ ہیں جن کو آنحضرت ﷺ کی صحبت و معیت میں طویل عرصے تک رہنے کا شرف حاصل ہوا ہو، جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے بہت زیادہ اکتساب علم و فیض کیا ہو، اور جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ غزوات میں شریک ہوئے ہوں، رہے وہ عام العوام صحابہؓ جن کو ایک آدھ ہی مرتبہ زیارت نبوی ﷺ کا موقع ملا ہو اور بعض تو ایسے بھی ہیں جن کو پوری عمر میں بس ایک ہی مرتبہ

چہرہ اقدس کا دیدار نصیب ہوا تو ان کا مسئلہ محل توقف و تردد اور محل نظر ہے، لیکن حق یہ کہ آنحضرت ﷺ کی صحابیت کا وہ شرف و فضل جو کسی بھی صحابی کو کسی بھی غیر صحابی سے افضل و برتر مقام عطا کرتا ہے، ہر صحابی کو حاصل ہے۔ اگرچہ کسی صحابی کو صرف ایک ہی بار آنحضرت ﷺ کے چہرے اقدس کے دیدار کا موقع ملا ہو اس فضل و شرف میں تو کوئی بھی کسی صحابی کا ہمسر شریک نہیں ہو سکتا، ہاں علمی و عملی فضیلت میں گفتگو کا دائرہ وسیع ہو سکتا ہے لیکن اس جہت سے بھی زیادہ بحث کی بجائے یہی کہنا اولیٰ ہے کہ صحابہ پوری امت میں علی الاطلاق افضل و اشرف ہیں۔

”اور حضرت معاویہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ: میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ ایسا رہے گا جو اللہ کے حکم پر قائم ہوگا۔ اس گروہ (کے دینی و جماعتی نظم اور معاملات کو) نہ وہ شخص نقصان پہنچا سکے گا جو اس کی تائید و اعانت کر چکا ہو، اور نہ وہ شخص ضرر پہنچائے گا جو (موافقت کی بجائے) اس کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گیا ہو، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا اور وہ اپنے اسی راستے پر یعنی احکام خداوندی اطاعت اور دین کی خدمت و اعانت پر قائم ہوں گے۔ (بخاری و مسلم)

تشریح..... ”اللہ کے حکم پر قائم ہوگا“ یعنی اس گروہ کی اعتقادی اور عملی زندگی پوری عمارت و دینی فرائض اور شرعی احکام پر استوار ہوگی جو کتاب اللہ کو یاد کرنے حدیث کا علم حاصل کرنے کتاب و سنت سے استنباط کرنے، فی سبیل اللہ جہاد کرنے مخلوق خدا کی خیر خواہی میں لگے رہنے اور جتنے فرض کفایہ ہیں سب کے تئیں اپنی ذمہ داری نبھانے سے عبارت ہے اور جس کی طرف اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اشارہ کرتا ہے: **وَلَقَدْ كُنَّا مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُونَ اِلٰى السَّخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ** ”اور تم میں (ہمیشہ) ایک جماعت ایسی ہونا ضرور ہے جو (دوسروں کو بھی) خیر کی طرف بلایا کرے، اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کرے اور برے کاموں سے روکا کریں۔

بہر حال اس حدیث سے واضح ہوا کہ روئے زمین ایسے صلحاء اور پاکیزہ نفس لوگوں

سے کبھی خالی نہیں رہے گی جو احکام خداوندی کی پیروی میں ثابت قدم رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں سے منع کیا ہے ان سے دور رہتے ہیں، دین و شریعت پر ہر حالت میں عمل کرتے اور ہر صورت اسلام کی بقا و سر بلندی کے لئے سرگرم رہتے ہیں، خواہ مدد و اعانت کرنے والے ان کی مدد و اعانت کریں یا مخالفت پر لوگ ان کی مخالف و برائی کریں۔

حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ (یہاں تک کہ اللہ کا حکم آن پہنچے گا) میں (امر اللہ) (اللہ کے حکم) سے موت اور انقضاء عہد مراد ہے تاہم ایک شارح نے اس سے "قیامت" مراد لی ہے لیکن اس قول پر اس حدیث کی روشنی میں یہ اشکال واقع ہوتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى لَا يَكُونُ فِي الْأَرْضِ مَنْ يَقُولُ اللَّهُ (روئے زمین پر جب تک ایک بھی اللہ کا نام نہ لیا ہو جو رہے گا قیامت نہیں آئے گی) اسی طرح قاسم ہامو اللہ (اللہ کے حکم پر قائم ہوگا) کے معنی ایک شارح نے اللہ کے دین پر سختی سے عمل کرنا لکھے ہیں، نیز بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حدیث میں مذکورہ "گروہ" سے مراد اہل علم کی وہ جماعت ہے جو ہر زمانہ میں حدیث کی تعلیم اور دینی علوم کی تدریس و اشاعت کے ذریعہ سنت کی ترویج اور دین کی تجدید و تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتی رہے گی اور ایک شارح کہتے ہیں: "گروہ" سے مراد اولاد ہیں جو ہمیشہ اور ہر حالت میں اسلام پر قائم رہے گے۔ ایک اور شارح لکھتے ہیں، ہو سکتا ہے اس حدیث کا مطلب یہ ہو کہ روئے زمین سے اہل اسلام کی شوکت و عظمت کبھی فنا نہیں ہوگی۔ اگر روئے زمین کے کسی علاقے اور کسی خطہ میں اسلام اور مسلمانوں کو ضعف و اشمخال لاحق ہوگا تو کسی دوسرے علاقہ اور خطہ میں اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کو شوکت و عظمت حاصل رہے گی جو علامہ کلمۃ اللہ اور اسلام کا پرچم سر بلند کرنے میں مستعدی سے لگے ہوں گے اور اکثر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ گروہ سے مراد عازمان اسلام کی جماعت ہے جس کا کام دشمنان دین اسلام سے جہاد کر کے دین کو مضبوط و سر بلند کرنا ہے اور پھر یہی جماعت آخر زمانہ میں اسلامی سرحدوں کی حفاظت و نگہبانی کرے گی۔ بعض روایتوں میں وہم بالشام کے الفاظ بھی آئے ہیں یعنی اس گروہ کا مستقر ملک شام ہوگا اور بعض روایتوں میں یہ

انخانہ بھی ہیں جسکی بفانلی اخرهم مصلح الدُّعَاء (یہاں تک کہ وہ اس گروہ کے آخری افراد و جال کو قتل کریں گے) گویا یہ روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ”گروہ“ سے مراد غازیان اسلام ہی کی جماعت ہے لیکن حدیث کے ظاہری مقبوضہ سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عمومی ضرر پر ہر وہ جماعت اور ہر وہ طبقہ مراد ہے جو اللہ کے سچے دین پر قائم ہو اور اللہ کے دین کی خدمت و اشاعت میں اور اسلام کی سر بلندی کیلئے کسی بھی صورت سے مصروف و مشغول ہو۔

(بحوالہ مظاہر حق جلد ہفتم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ ذَايَمًا اَبَدًا عَلٰى خَبِيْثِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۶۱

رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ اکتھویں خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، بیشک ذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ قیامت کے دن سب سے پہلے اٹھیں گے جبکہ دیگر انبیاء اور ان کی امتیں بعد میں اٹھیں گی، تو معلوم ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو دنیا میں خصوصیات سے نوازا آخرت میں بھی اسی طرح عظیم خصوصیات سے نوازے جائیں گے، بے شک یہ اللہ رب العالمین کی اپنے آخری نبی ﷺ سے خاص محبت و قرب کی عمدہ علامت ہے، آنے والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں ہم نے اس خصوصیت کو ترتیب دیا ہے، انشاء اللہ اس کے مطالعے سے معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور ایمان کو بھی جلا ملے گی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:-

اکٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں ہے کہ کچھ عرصہ بعد ایک بڑی آگ جنوب کی طرف سے نمودار ہوگی اور لوگوں کی طرف بڑھنے لگے گی، جس سے لوگ بے تحاشہ بھاگیں گے آگ ان کا پیچھا کرے گی جب لوگ دو پہر کو تھک جائیں گے اور اپنی عاجزی کا اظہار کریں گے تو آگ بھی ٹھہر جائے گی اور آدمی بھی آرام کر لیں گے۔

صبح ہوتے ہی آگ پھر پیچھا کرے گی۔ انسان اس سے بھاگیں گے اس طرح

کرتے کرتے وہ ملک شام تک پہنچ جائیں گے اس کے بعد آگ واپس لوٹ کر عائب ہو جائے گی۔

اس کے بعد قیامت قائم ہونے کی پہلی نشانی یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال تک غفلت میں پڑے رہیں گے، اور دنیاوی نعمتیں، دولت اور شہوت رانی بکثرت ہو جائے گی کہ جمعہ کے دل جو محرم کی دسویں تاریخ بھی ہوگی صبح ہوتے ہی لوگ اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ایک باریک کسی آواز سنائی دے گی۔ یہی صورت پھوٹنا ہوگا۔

ہر طرف کے لوگوں کو یکساں سنائی دے گی اور لوگ حیران ہوں گے کہ یہ کیسی آواز ہے؟..... آہستہ آہستہ یہ آواز بجلی کی کڑک کی طرح سخت اور اونچی ہو جائے گی۔ انسان بے قرار ہو جائیں گے۔ جب آواز میں پوری سختی ہو جائے گی تو لوگ حیرت کی وجہ سے سرنے شروع ہو جائیں گے۔ زمین میں زلزلہ آئے گا۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالِهَا﴾ (ہارہ عم) ”اس زلزلے کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں میں بھاگ کھڑے ہوں گے۔“

اور وحشی جانور خائف ہو کر لوگوں کی طرف بڑھیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ (ہارہ عم) ”جس وقت وحشی جانور جانوروں کے ساتھ اکٹھے کئے جائیں گے۔“ (ترجمہ: فیض الدین)

زمین جا بجا شق ہوگی، ارشاد ہے: ﴿وَتَنشَقُّ الْأَرْضُ﴾ (الفرقان) ”سمندر ابل کر قرب و جوار کی بستیوں میں جا گریں گے۔“ ارشاد گرامی ہے: ﴿وَإِذَا الْبُلُوعَاتُ وَقَعْنَ﴾ (اور جب دریائے چلیں۔“ (ترجمہ: مہداتر) آگ بجھ جائے گی بلند بالا پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر تیز ہوا کے چلنے سے ریت کی طرح اڑ جائیں گے۔ ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّفَتْ﴾ (ہارہ عم) ”اور جب پہاڑ اڑا دیئے جائیں۔“

گرد و غبار کے اڑنے اور آمدنیوں کے آنے کی وجہ سے پوری دنیا تاریخ لگ رہی ہوگی اور وہ آواز صورت سخت ہو جائے گی حتیٰ کہ اس کے ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں

گئے۔ ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر دیرینہ در پڑا ہو جائیں گے۔

پھر ایک وقت تک ذات واحد تک رہے گی۔ پھر ایک مدت کے بعد از سر نو پیدائش کا سلسلہ جاری کرے گا لیکن یہ کتنی مدت کے بعد ہوگا اسے اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں جانتا ہے۔ آسمان زمین اور فرشتوں کو پیدا کرے گا۔ جب سب آدمی مر جائیں گے تو ملک الموت شیاطین کی روح قبض کرنے کی طرف متوجہ ہوں گے، یہ ملعون چاروں طرف دوڑتا پھرے گا مگر فرشتے اسے آگ کے گرزوں سے لوٹائیں گے اور اس کی روح قبض کر لیں گے۔ سکرات موت کی جتنی تکفیس پوری انسانیت کو پہنچی ہیں ان سب تکفیسوں کی مقدار اس اکیلے کو دے گی۔ مسلسل چھ ماہ تک سورج چھوٹا جاتا رہے گا اس سورج کے چمکنے کے بعد نہ آسمان رہے گا نہ ستارے رہیں گے، نہ پہاڑ رہیں گے نہ سمندر نہ کوئی چیز (الفرض) ہر چیز نیست و نابود ہو جائے گی۔ فرشتے بھی مر جائیں گے مگر آٹھ چیزیں بچ جائیں گی۔

اولیٰ عرش، ہر دم کری، ہر دم لور، چہارم قلم، پنجم جنت، ششم سور، ہفتم دوزخ، ہفتم روحیں لیکن روح کو بھی بے خودی ضرور ہوگی، بعضوں کا قول ہے کہ یہ آٹھ چیزیں بھی تھوڑی دیر کے لیے معدوم ہو جائیں گی و حاصل کلام یہ کہ جب اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کوئی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: لَحْنُ الْمَلٰٓئِکِ الْمَوْمِ؟ ”کہاں ہیں حکومتوں کے عوید اور بادشاہ؟“ کس کے لئے ہے آج کی حطالت؟..... پھر خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ اَللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ خدائے یکم و قہار کے لیے ہے۔

دولیات میں آتا ہے کہ قیامت کے دن زمین ایسی ہوگی کہ اس میں عمارتوں و درختوں اور پہاڑوں اور سمندروں و غیرہ کا نشان تک نہ ہوگا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس جس مقام پر سے لوگوں کو چاہے گا وہیں سے زندہ کرے گا۔ (زندہ کرنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ) پہلے ان کی ریزہ کی ہڈی کو پیدا کرے گا۔ (بخاری مسلم)

اور ان کے دیگر اجزاء جسمانی کو اس ہڈی کے متصل رکھ دے گا اور ریزہ کی ہڈی اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے تمام جسم کی پیدائش شروع ہوتی ہے۔ تمام اجزاء جسمانی کو (اس

ہڈی کے ساتھ) ترتیب دے کر گوشت پوست چڑھا کر جو صورت مناسب ہوگی عطا فرمائیں گے۔ جسمانی قالب کی تیاری کے بعد تمام روحیں صور میں داخل کر کے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو حکم فرمائیں گے کہ ان کو پوری طاقت سے پھونک دیں اور خداوند تعالیٰ فرمائیں گے! ”قسم ہے میری عزت و جلال کی! کوئی روح بھی اپنے ڈھانچے کے علاوہ کہیں نہ جائے“ (تکم الہی سن کر تمام) روحیں اس طرح اپنے اپنے جسموں میں آجائیں گی جس طرح پرندے اپنے اپنے گھونسلوں میں چلے جاتے ہیں۔“

صور اسرافیل میں روحوں کی تعداد کے مطابق سوراخ ہیں۔ جن میں سے روحیں پھونکنے پر پرندوں کی طرح نکل کر اپنے اپنے ڈھانچوں میں داخل ہو جائیں گی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا تعلق جسموں کے ساتھ قائم ہو جائے گا اور سب کے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اس کے بعد پھر صور پھونکا جائے گا۔ جس کی وجہ سے زمین پھٹ کر لوگوں کو باہر نکال دے گی، لوگ گرتے پڑتے صور (کی آواز) کی طرف دوڑیں گے۔ یہ صور بیت المقدس کے اس مقام پر پھونکا جائے گا جہاں صحرہ معلق ہے بدلوں میں روحوں کی آمد اور دوسرے صور کے پھونکنے میں چالیس سال کا عرصہ لگ جائے گا۔ (بخاری)

قبروں سے لوگ اسی شکل میں پیدا ہوں گے جس طرح ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے تھے یعنی ننگے بدن بے تختہ اور بغیر واڑھی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: نَحْنُ أَوَّلُ خَلْقٍ نُعِيدُهُ۔ ”جیسا کہ ہم نے اس خلقت کو اول مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ بھی پیدا کریں گے۔“ (القرآن)

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ لوگ ننگے بدن ہوں گے ان کا تختہ نہ ہوا ہوگا۔ واڑھیاں نہ ہوں گی صرف سر کے بال اور منہ میں دانت ہوں گے۔ سب چھوٹے بڑے، گونگے بہرے لنگڑے اور کمزور سب کے سب درست اعضاء والے ہوں گے۔

سب سے پہلے زمین میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انھیں گے آپ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر جگہ جگہ سے انبیاء علیہم السلام بعد یقین، شہداء و صالحین انھیں

گئے۔ ان کے بعد موسیٰ، ہارون، شمعون، لوی، یوسف اور بنیامین کے بعد دیگرے برآمد ہوں گے۔ (صحیح مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان ہوں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے پاس اور دوسرے نبیوں کی امتیں اپنے اپنے نبیوں کے پاس جمع ہو جائیں گی خوف اور رحمت کی وجہ سے سب کی آنکھیں آسمان پر لگی ہوں گی۔ کوئی شخص کسی کی شرم کاہ کو نہیں دیکھے گا مگر دیکھے گا تو بچوں کی طرح دل میں شہوت سے خالی ہو گا۔ (صحیح بخاری مسلم ترمذی)

صحیح مسلم میں ہے کہ جب لوگ اپنے مقام پر کھڑے ہوں گے تو سورج اس قدر قریب کر دیا جائے گا کہ گویا بس ایک میل پر ہے، آسمان کی طرف چمکنے والی بجلیاں اور خون ناک آوازیں سنائی دیں گی۔ سورج کی گرمی کی وجہ سے تمام کے بدنوں سے پسینہ جاری ہو جائے گا پیچیروں اور نیک بہت مومنوں کے تو صرف کھڑے تر ہوں گے عام مومن کے ٹخنے پھڑکیں، کھٹنے، زانو، کمر، سینہ اور گردن تک اٹھل کے مطابق پسینہ چڑھ جائے گا۔ کفار منہ اور کانوں سے پسینہ میں غرق ہو جائیں گے اور اس سے ان کو سخت تکلیف ہوگی، بھوک پیاس کی وجہ سے لوگ لاچار بنی رہا نہ لگیں گے اور پیاس بجھانے کی غرض سے خوش کوڑی طرف جائیں گے دوسرے نبیوں کو بھی خوش ویسے جائیں گے لیکن وہ اپنی لذت اور وسعت میں (آپ ﷺ کے خوش کوڑے) کم ہوں گے۔ سورج کی گرمی کے علاوہ بھی کئی ہولناک مناظر ہوں گے ایک ہزار سال تک لوگ انہی مصائب و مشکلات میں جھکا ہوں گے اور مائت کروہ وہ ہوں گے جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے سرے میں جگہ نصیب فرمائیں گے تمام روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ حاصل کرنے والے لوگ چالیس فریقوں پر مشتمل ہوں گے۔ (بحوالہ بیہودہ اذکار نبیاست لا یتقہ چالی)

قیامت کے دن حضور ﷺ عرش الہی کے دائیں جانب کھڑے ہوں گے

و عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فاکسی حُلَّةً مِنْ حُلَلِ الْحَنَّةِ ثُمَّ اقُومْ عَنِ الْعَرْشِ لَيْسَ أَخَذَ مِنْ الْخَلَاقِ بِقَوْمٍ ذَلِکَ الْعَقَامُ غَمْرٌ دَوَاةُ الْبَرْمِذِی وَفِي رِوَايَةٍ جَامِعِ الْأَصُولِ عَنْهُ أَنَا أَوَّلُ مَنْ تَشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ فَاكْبَسَ.

ترجمہ:..... ”حضرت ابو ہریرہؓ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) مجھے جنت کے جڑوں میں سے ایک جڑ پہنایا جائے گا اور پھر میں عرش کے دائیں جانب عڑاؤں کا جہاں میرے ساتھیوں میں سے کوئی اور عڑا نہیں ہو گا۔ اور جامع الاصول کی روایت میں، جو حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے منقول ہے، ایوں ہے کہ (آپ ﷺ نے فرمایا) سب سے پہلے میری قبر تشریف ہوگی اور میں باہر آؤں گا، پھر مجھے ایک جنتی جڑ پہنایا جائے گا۔

(بحوالہ مشکوٰۃ شریف)

يَا زَبَّ حَبْلٍ وَسَلِّمْ فَإِنَّمَا أَنَا عَلَى خَيْبِكَ خَيْرُ الْخَلَائِي كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۶۲

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے

صدائیں بلند ہوئیں

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ باتھیں خصوصیت پیش کی جا رہی ہے جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے صدائیں بلند ہوئیں“ الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجوزہ میں بیٹھنے کی توفیق دی ہے شک یہ ای کا فضل ہے ورنہ لوگوں کے اثر و جام کی وجہ سے وہ فضل کے لئے جگہ ملنا مشکل ہوتی ہے چہ جائیکہ ایسی جگہ کامل جانا کہ جہاں بیٹھ کر کئی گھنٹوں تک لکھا جاسکے، بہر حال اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجوزہ میں بیٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ، اور جب قیامت کا دن ہوگا، لوگوں میں نفسا نفسی ہوگی، تو انشاء اللہ آج ریاض الجوزہ میں روضہ رسول ﷺ کے سائے تلے بیٹھ کر آقا ﷺ کی خصوصیت کو ترتیب دینے کی وجہ سے آقا ﷺ کی شفاعت نصیب ہوگی اور انشاء اللہ اللہ کے فضل سے ضرور ہوگی، دعا ہے کہ یارب اپنی بارگاہ میں اسے قبول فرما، آمین یارب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! آنے والے اوراق میں آپ رسول اکرم ﷺ کی اس عظیم خصوصیت کو ملاحظہ فرمائیں گے جس کے ذیل میں ہم نے کچھ واقعات ترتیب دیے ہیں کہ جن سے یہ ثابت ہوگا کہ واقعتاً آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق بتوں کے پیٹ سے بھی

صدائیں بلند ہوئیں، یعنی بتوں نے آپ ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت کے مطالعے سے ہمارے دل میں حضور ﷺ کی عقیدت میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آپ ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی صحیح تصحیح قدر وائی کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

باسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کے ظہور کے متعلق بتوں کے اندر سے آوازیں سنائی دینے کے جو واقعات پیش آئے وہ بھی بے شمار ہیں ان میں ہی سے ایک عباس بن مرداس کا واقعہ ہے۔ عباس کہتے ہیں کہ مرداس سلمیٰ کا ایک مخصوص بت تھا جس کی وہ عبادت کیا کرتا تھا۔ اس بت کا نام شمار تھا۔ جب مرداس کا وقت آخر ہوا تو اس نے عباس یعنی اپنے بیٹے سے کہا۔ ”بیٹے! ہمارا عبادت کرتے رہنا اس لئے کہ یہی تمہیں فائدہ پہنچاتا ہے اور یہی نقصان پہنچاتا ہے۔“ (چنانچہ عباس اپنے باپ کے مرنے کے بعد شمار کی پوجا کرنے لگے) ایک روز جبکہ شمار کے پاس عبادت کرنے گئے تو اچانک انہیں اس بت کے پیٹ سے کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

من للقبال من سلیم کلہا اودی ضماری وعاش اهل المسجد
ترجمہ..... بنی سلیم کے قبیلوں کا محافظ اب کون ہوگا کہ شمار کے پوجنے والے ہلاک ہو گئے اور مسجد کو آباد کرنے والوں نے زندگی پائی۔

ان الذی ورث النبوة والہدی بعد ابن مریم من قریش مہدی
ترجمہ..... حضرت عیسیٰ بن مریم کے بعد قریش میں سے ایک شخص ہدایت کا سرچشمہ اور وارث بن کر آیا ہے۔

اودی ضماری وکان یبعد مدۃ قبل الکتاب الی النبی محمد
ترجمہ..... اب وہ شمار ہلاک اور ختم ہو چکا ہے جس کو محمد ﷺ کے اوپر کتاب یعنی

قرآن نازل ہونے سے پہلے ایک زمانے تک پوجا جاتا رہا۔

چنانچہ اس کے بعد ہی عباس نے شمار بت کو جلا کر تباہ کر دیا اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر آپ سے آ ملے۔

عباس ابن مرداس کے متعلق ایک روایت اس طرح ہے کہ ایک روز دو پہر کے وقت وہ اپنے اونٹوں کے گلے کے ساتھ تھے کہ اچانک انہیں ایک سوار نظر آیا جو ایک سفید رنگ کی اونٹنی پر سوار تھا اور سفید ہی لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس سوار نے عباس سے کہا: ”اے عباس! کیا تم نہیں دیکھتے کہ آسمان اپنی حفاظت سے رک گیا، خوں ریزی نے خود اپنے آپ کو ہنسی پھونک ڈالا اور گھوڑوں نے اپنے کمر توڑ ڈالے وہ ہستی جس پر نیکی اور پرہیز گاری اتاری ہے قصواہ اونٹنی کی مالک ہے“

(مراد ہیں آنحضرت ﷺ کیونکہ آپ کی اونٹنی کا نام قصواہ تھا) غرض عباس کہتے ہیں کہ میں یہ بات سن کر کچھ ڈر سا گیا اور فوراً اپنے بت کے پاس آیا جس کا نام شمار تھا۔ ہم اس بت کی عبادت کیا کرتے تھے میں اس بت کے گرد گھوما اور پھر میں نے برکت کے لئے اس پر ہاتھ پھیرا ہی تھا کہ اچانک اس کے پیٹ میں سے ایک بچہ نکلنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

قل للقبال من قریش کلھا ہلک الضمار وفاز اهل المسجد
ترجمہ:..... قریش کے تمام قبیلوں سے بتلا دو کہ شمار بت ہلاک ہو گیا اور مسجدوں کو آباد کرنے والے کامیاب ہو گئے۔

ہلک الضمار وکان یعد مدۃ قبل الصلاة علی النبی محمد
شمار ہلاک ہو گیا جو آنحضرت ﷺ پر درود بھیجے جانے سے پہلے ایک مدت تک پوجا جاتا رہا تھا۔

ان الذی ورث النبوة والہدی بعد ابن مریم من قریش مہدی
وہ محمد ﷺ ہیں جو عیسیٰ ابن مریم کے بعد قریش میں سے نبوت اور ہدایت کے وارث

بن کر ظاہر ہوئے ہیں۔

عباس ابن مرداس کہتے ہیں (یہ آواز سننے کے بعد) میں اپنی قوم بنی حارثہ کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچنے کے لئے مدینہ کو روانہ ہو گیا۔ جب میں مسجد نبوی میں داخل ہوا اور آنحضرت ﷺ نے مجھے دیکھا تو آپ مسکرائے اور فرمایا۔ ”اے عباس! تم اسلام کی طرف کیسے جھکے؟“ میں نے آپ ﷺ کو پورا واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا کہ تو نے سچ کہا۔ اس کے بعد میں اپنی قوم کے لوگوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

اسی طرح مازن ابن اذن غصوبہ کا واقعہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں عمان کے قریب ایک گاؤں میں ایک بت کا پجاری اور خادم تھا۔ اس گاؤں کو مکمل یا سال کہا جاتا تھا اور بت کا نام باور تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا نام باحر تھا۔ غرض ایک روز ہم نے اس بت کے سامنے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ یہ قربانی یا تو عام قربانی تھی (جو مشرکین اپنے بتوں کو پیش کرتے تھے) اور یا جیسا کہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ قربانی ایک خصوصی قربانی تھی جو صرف رجب کے مہینے میں کسی خاص مقصد کے لئے پیش کی جایا کرتی تھی۔ غرض جیسے ہی ہم نے وہ قربانی پیش کی اسی وقت ہمیں اس بت کے پیٹ میں سے ایک آواز آئی جس کے الفاظ یہ تھے۔ ”اے مازن! سن اور خوش ہو جا، بھلائی ظاہر ہو گئی اور برائی مٹ گئی۔ مسزکی اولاد میں سے ایک نبی کا ظہور ہو گیا جو اللہ تعالیٰ کا دین لے کر آئے ہیں۔ اس لئے پتھر کے ان تراشوں کو چھوڑ دے اور جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جا۔“

مازن کہتے ہیں کہ میں اس آواز کو سن کر گھبرا گیا اور دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے۔ کچھ دن کے بعد ایک مرتبہ پھر میں نے اس بت کے لئے ایک جانور کی قربانی پیش کی۔ اسی وقت مجھ پر بت کے اندر سے آواز آتی ہوئی یہ آواز سنائی دی۔ اقبل السی اقبل تسمع مالا تجهل هذا نبی مرسل میری طرف دیکھو میری طرف۔ اور وہ بات سنو جس سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ کہ یہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ جاء بحق منزل امن به کسی تعدل عن حرونا تشعل اور آسمان سے ایک سچائی لے

کرائے ہیں۔ ان پر ایمان لاؤ تا کہ تم۔ بھڑکی ہوئی آگ سے بچ جاؤ۔ جو قوشہا بالجہد ل جس ملتی ہوئی آگ کا پند من جندن ہے۔

یہ آواز سن کر میں نے دل میں کہا کہ یہ تو بڑا عجیب معاملہ ہے لیکن بے شک یہ کوئی نئی اور خیر ہے جو میرے نصیب میں آنے والی ہے۔

اس کے بعد مانن کہتے ہیں کہ اسی طرح کچھ وقت گزرا تھا کہ ایک دن جاز کار بنے دلا ایک شخص ہمارے پاس یہاں آیا۔ ہم نے اس سے پوچھا ”تہارے یہاں کے کیا حالات اور خبریں ہیں؟“ اس نے کہا ”وہاں ایک شخص ظاہر ہوا ہے جس کا نام احمد ہے جو شخص بھی اس سے ملتا ہے وہ اس سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے کی آواز پر ایک ”کو“ میں نے یہ سن کر کہا ”یہی وہ خبر ہے جو میں نے (بت کے اندر سے آنے والی آواز سے) سنی ہے“

چنانچہ اس کے بعد میں اس بت کے پاس آیا میں نے اس کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ پھر میں اپنی سواری پر سوار ہو کر چلا اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے دل میں اسلام کے لئے مجھے اُٹھنا اور اشتیاق پیدا ہو گیا تھا چنانچہ میں مسلمان ہوا اور میں نے یہ شعر کہے۔

کسرت ہادو اجذا و کان لنا دبا نطیف بہ ضللا مضلل
ترجمہ... میں نے ہادو نامی بت کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جو بھی ہمارا معبود تھا اور ہم اپنی گمراہی کی وجہ سے اس کے گرد گھوما کرتے تھے۔

بالہا شمی ہذا نامن ضلالتنا ولم یکن شیتہ شیفاً علی ہائی
ایک باغی شخص کے ذریعہ ہم نے اپنی گمراہیوں سے ہدایت پائی ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کے دین کی میرے دل میں کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔

ہاراکما بلغن عمرا و اخوتھا انی لما قال ربی ہادو قللی
اے سواریو یہ بات عمر اور اس کے بھائیوں کو پہنچا دینا کہ میں اپنے رب کے حکم پر

اور سے شدید نفرت رکھتا ہوں۔

یہاں عمر و اور اس کے بھائیوں سے مراد کوئی خطا ہے جس جو قبیلہ کے ایک شاخ تھی مگر کتاب مد القاب میں (جہاں مازن کی اس روایت کا ذکر ہے وہاں) یہ شعر ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

غرض مازن کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کے بعد میں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ میں شیش، نشا، شراب و کھاب اور بدکار عورتوں کے ساتھ شب بھری کاربیا اور ان حرکتوں میں ڈوبا ہوا ہوں۔ یہاں بدکار عورتوں کے لئے حلوک کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ناجرہ عورتیں ہیں جو خود سے مردوں کی طرف جھکتی ہیں اور ہم بھڑی کے وقت بے حیائی کے ساتھ عشوہ طرازیں کرتی ہیں۔ حلوک کے ایک معنی ساقط کے بھی کئے جاتے ہیں یعنی ایسی عورتیں جو شوکت پرست اور جنس زد ہوتی ہیں۔

(غرض مازن نے آپ سے مزید عرض کیا کہ ساتھ ہی میری دوسری عرض یہ ہے کہ) ہم پر عرصہ سے خشک سالی اور قحط مسلط ہے جس کے نتیجے میں ماں و دولت بھی ختم ہو گیا اور ذمہ دار اور والد بھی تباہ و برباد ہیں (میری تیسری عرض یہ ہے کہ) میرے کوئی لڑکا نہیں ہے اس لئے آپ میرے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ میری یہ کمزور پان اور برائیاں دور ہو جائیں ہمیں ہارش ویرانی حاصل ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے ایک بچہ عطا فرمائے۔

میری یہ درخواست سن کر آنحضرت ﷺ نے میرے لئے دعا کرتے ہوئے یہ فرمایا۔ "اے اللہ! اس کا ہمیشہ و عشرت قرآن پاک کی تلاوت میں پیدا فرما دے۔ اس کی حرام کاری میں دلچسپی کو حلال کا سون میں پیدا فرما دے۔ شراب سے رغبت کو شیشے پانی میں پیدا فرما دے جس میں کوئی گناہ اور برائی نہیں ہے۔ اور زمانہ سے دلچسپی کو پاکدامنی میں بدل دے اس کو ہارش اور بھڑی سے نواز دے اور اس کو بچہ عطا فرما۔"

مازن کہتے ہیں کہ (آنحضرت ﷺ کی اس دعا کی برکت سے) اللہ تعالیٰ نے میری کمزوریاں اور بدکرداریاں دور فرمادیں۔ جلد ہی مجھے قرآن پاک کا کچھ حصہ یاد ہو گیا۔ کئی حج

کر لئے۔ عمان یعنی ان کا گاؤں اور اس کے آس پاس کے دوسرے علاقے سرسبز و شاداب ہو گئے۔ (پاکدامنی میسر آئی کہ) میں نے چار آزاد شریف عورتوں سے نکاح کئے اور حق تعالیٰ نے مجھے اولاد کی دولت سے مالا مال کیا۔ یہاں تک کہ پھر میں یہ شعر پڑھا کرتا تھا۔
 إِلَيْكَ رَسُولُ اللَّهِ جَنَّتْ مَطْيِئَتِي تَجُوبُ الْقِيَامِي مِنْ عَمَانَ إِلَى الْمَرْجِ
 ترجمہ۔۔۔ یا رسول اللہ میری سواری آپ کی طرف عمان سے مرجع تک صحراؤں کو طے کرتی ہوئی ذوق و شوق کے ساتھ آئی ہے۔

تَشْفَعُ لِي يَا خَيْرَ مَنْ وَطَنِي الْحَصَا فَيَغْفِرَ لِي ذَنْبِي وَارْجِعْ بِالْفُلُجِ
 تاکہ آپ اے نککریوں کو روندنے والوں میں بہترین شخص میری سفارش کریں اور پھر میں مغفرت اور کامیابی کے ساتھ لوٹوں۔

الْمَعْشَرُ خَالَفَتْ فِي اللَّهِ دِينَهُمْ وَلَا رَايَهُمْ رَأَى وَلَا شَرَجَهُمْ شَرَجِي
 ایک ایسے قبیلے کی طرف جن کے دین کی میں نے اللہ تعالیٰ کے لئے مخالفت کی ہے اور اب ان کی اور میری نہ رائے ایک ہے اور نہ طریقہ ایک ہے۔

وَكُنْتُ أَمْرًا بِالْعَهْرِ وَالْخَمْرِ مَوْلَعًا شَبَابِي حَتَّى أَزِنَ الْجِسْمَ بِالْهَيْجِ
 میں جوانی میں بے انتہا شرابی اور عیاش آدمی تھا یہاں تک کہ جوانی اسی میں گزری اور اب بوڑھا ہو گیا۔

فِي دَلِيٍّ بِالْخَمْرِ خَوْفًا وَخَشْيَةً وَبِالْعَهْرِ أَحْصَانًا مُحَصَّنًا لِي فِرْجِي
 اب اللہ تعالیٰ نے شراب کے بدلے میں تو مجھے اپنا خوف عطا فرمایا اور زنا کاری کے بدلے میں پاک دامنی عطا فرمائی۔ جس سے میری شرم گاہ محفوظ ہو گئی۔

فَأَصْبَحْتُ هَمِيًّا فِي الْجِهَادِ وَنِيْتِي فِي الشَّعْصَاعِ وَلِي وَالشَّعْصَاعِي
 اب میری نیت اور خواہشات صرف اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے ہیں اسی طرح میرے روزے اور میرا حج اللہ کے لئے ہے۔

مازن کہتے ہیں کہ (مسلمان ہو جانے کے بعد) جب میں اپنی قوم کے پاس واپس

آیا تو ان لوگوں نے مجھے بہت لعنت ملامت کی اور مجھ سے نفرت کرنے لگے، انہوں نے اپنے شاعروں سے کہہ کر میری جھوٹ اور برائی میں شعر لکھوائے۔ میں نے خود سے کہا اگر میں بھی جواب میں ان کی جھوٹ اور برائیاں کرنے لگوں تو ایسا ہی ہے جیسے میں خود اپنے آپ کو ہی برا بھلا کہنے لگوں۔

آخر میں ان لوگوں سے الگ تھلک ہو کر ایک مسجد (عبادت گاہ) میں رہنے لگا جہاں ہر وقت عبادت کیا کرتا تھا۔ یہ مسجد ایسی تھی جو مظلوم شخص بھی اس میں آ کر تین دن عبادت کر کے اپنے دشمن اور ظالم کے خلاف دعا مانگ لیتا تھا تو اس کی دعا قبول ہو جاتی تھی۔ اسی طرح کوئی بیمار یا کوڑھی اگر یہاں آ کر دعا مانگ لیتا تھا تو فوراً اس کو شفا اور صحت حاصل ہو جاتی تھی۔

غرض کچھ ہی عرصے کے بعد (میری خاموشی اور یکسوئی دیکھ کر) میری قوم کے لوگ اپنے کئے پر شرمندہ ہوئے اور میرے پاس آ کر انہوں نے درخواست کی کہ میں واپس بستی میں چل کر سب کے ساتھ رہوں۔ ساتھ ہی وہ سب لوگ مسلمان ہو گئے۔

(بخاری، ترمذی، ابن ماجہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۲۳

رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی

بیعت قرار دیا

قاضی احترام تارنیں! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تیرہ خصوصیات خصوصیت پیش کی جا رہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ نے اپنی بیعت قرار دیا" الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے وہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں چٹنے کی توفیق دی، بے شک یہ اسی کا فضل ہے، بیشک اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنۃ میں اللہ کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی، اور مزید اسی اللہ تعالیٰ کی ذات سے تو ہی امید ہے کہ ادھر کی اس ٹوٹی پھوٹی کاوش کو مقبول و منظور بھی فرمائے گا انشاء اللہ۔

میر جلال محترم تارنیں! یہ خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا، جبکہ دیگر انبیاء سے متعلق اس طرح کی خصوصیت روایات میں نہیں ملتی۔ آپ کی طرح کسی انبی کے ہاتھ پر ہونے والی بیعت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بیعت قرار دیا ہو، جیسا کہ آنے والے سنات میں آپ ﷺ کو فرمائیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں (حقیتاً) وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، تو معلوم ہوا کہ ان خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب

العلمین۔ لیجئے محترم قارئین اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

ترتیب نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَذِلُّ اللَّهُ فَوْقَ
أَسْبَدِيهِمْ۔ ترجمہ: جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں، وہ تو اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا
ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ مبايعت بیعت سے ہے لغت میں بیعت مطلقہ بمعنی مبادلہ ہے
شرعاً اخذ ثمن اور اعطائے ثمن کو جب کہ یہ ترافضی جائین ہو، بیعت کہتے ہیں۔ بیعت بمعنی شرا و اور
شراء بمعنی بیعت بھی مستعمل ہے۔ یہ جائین کی حالت کے لحاظ سے ہے۔ الغرض مبايعت میں
جائین کو کچھ دینا اور کچھ لینا ضروری ہے۔ بیعت، اصطلاح میں اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں
جو اطاعت امام کے متعلق انسان اپنے نفس پر عائد کر لیتا ہے۔ وفائے عہد کا التزام بھی اسی
لفظ کے اندر شامل ہے۔

جس بیعت کا آیت بالا میں ذکر ہے وہ یہ مقام حدیبیہ درخت، سمراء کے تحت میں
ہوئی تھی۔

قرآن پاک میں ہے: لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ
النَّخْرِ ۚ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ ترجمہ: اللہ ان سب مومنوں سے راضی ہو گیا جو بخبرہ کے نیچے رسول اللہ سے بیعت
کر رہے تھے۔

اس بیعت کی ضرورت و حقیقت یہ تھی کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان غنیؓ کو مکہ کے
لئے اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا۔ ان کی مصیبت میں دس صحابہ بھی بھیجے گئے۔ ان کے پہنچ جانے
کے ایک دو روز بعد حضور ﷺ ایک اُڑتی سی خبر پہنچی کہ قریش نے حضور ﷺ کے سفیر عثمان
غنیؓ کو قید اور ان کے ہمراہیوں کو قتل کر دیا ہے۔ یہ ایسا واقعہ تھا کہ اگر اس کی صداقت ہو جاتی تو
حرمت سفارت اور احترام سفر کے لئے جنگ کرنا اخلاقاً و شرعاً ضروری تھا۔ اس وقت جو لوگ
حضور ﷺ کے ساتھ آئے ہوئے تھے وہ صرف ادائے عمرہ و طواف کی نیت سے آئے تھے۔

ان کے ہم میں اس امر کا احتمال بھی نہ تھا کہ کسی جنگ سے سابقہ پڑے جائے گا اور مہاجرین کو خود اپنے خویش و تبار اور قربت داروں کے مت پر تلوار چلائی ہوگی۔ لہذا یہ بیعت نہیں پڑی۔

جاہل کی روایت (مقتل علیہ) سے ثابت ہے کہ اس وقت ان بیعت کرنے والوں کی تعداد چودہ تھی۔ نبی کریم ﷺ اور حق کے سامنے میں اور افراد تھے۔ بیعت لینے کے لئے دست مبارک پھیلا ہوا تھا۔ عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھ کو حضور ﷺ کے ہاتھ کا سہارا دیا ہوا تھا کہ بدن مبارک کا تھکا نہ ہو۔ لوگ آتے تھے اور یکے بعد دیگرے بیعت کرتے ہوئے چلے جاتے تھے۔ سلمہ بن اکوعؓ منی کا بیان ہے کہ انہوں نے بیعت علی السوت کی تھی۔ اور جابر بن عبد اللہ کا بیان ہے کہ انہوں نے عدم فراہ کی بیعت کی تھی۔ ہر دو روایت کی تطبیق سے مستنبط ہوا کہ الفاظ بیعت کو خود یہ بیعت کنندہ کے پسند اور اختیار پر رکھا گیا تھا۔ بے شک حریت اسلام ایسی ہی حریت نفس کی معلوم ہے۔ جس میں اجبار و اکراہ کا شائبہ بھی نہ ہو۔

اس حق غنیمت کے اندر صرف ایک شخص ہمدرد نہیں اسلمی الیا تھا جو موت کی لوث میں جا چھپا تھا اور بیعت میں شامل نہ ہوا تھا۔ حریت اسلام کی یہ دوسری دلیل ہے کہ اس پر بھی پختہ حقیقت نہیں کی گئی۔ البتہ حضور ﷺ نے مباحین کا شرف و جاه ظاہر کرنے کے لیے یہ ضرور فرمایا انتم حیو الارض آج تم روئے زمین کے جملہ موجود اشخاص سے بہتر و نیک تر ہو۔ اس بیعت کا ذکر کلام اللہ کی متعدد آیات میں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ سے رضوانِ الہیہ تعلق محکم اور رابطہ قویم ہے۔ فرمایا اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِٖ لَكٰفٍ رَّحِيْمٌ وَمَا وَدَّعْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَاَمَّا اَنْفُسُكُمْ فَمَاۤ اَنَّ لَهُمْ مِنَ الْعَذَابِ عَشْرًا مِنْ الثَّمَنِ الَّذِي فِيْكُمْ فَذَلِكُمُ الَّذِي كَفَرْتُمْ بِمَا عٰمِلُوْنَ فَاُولَٰئِكَ لَا يَصْلَحُوْنَ وَلَا يَهْدِيْهُمْ سُبُلًا وَلَٰكِنْ يَخْتَضِعُونَ لِحِطَّتِهِمْ وَلَٰكِنْ يَخْتَضِعُونَ لِحِطَّتِهِمْ وَلَٰكِنْ يَخْتَضِعُونَ لِحِطَّتِهِمْ

ہم نے اس آیت کا ذکر خصوصیاتِ مصطفیٰ میں اس لیے کیا ہے کہ اس سے ایک نہایت ہی خاص فضیل و شرفِ محمدیہ کی ثبوت حاصل ہوتا ہے۔ غور کیجئے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر

بیعت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے مہلکین ذات قرار دیا ہے۔ اور یہ وہ شرف ہے جو کسی دوسرے نبی کو حاصل نہیں ہوا۔

آیت زیب عنوان **يَسِّرُ اللَّهُ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ** کے الفاظ ہیں۔ امام فخرالہین رازی فرماتے ہیں لفظ **يسر** پر دو جگہ میں یا تو بمعنی واحد مستعمل ہوا ہے یا الگ الگ معانی میں۔

الف: اگر **يسر** کے معنی ہر دو جگہ ایک ہی ہیں، تب معنی آیت یہ ہیں کہ احسان الہی تمہارے احسان سے برتر و اعلیٰ ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **بَلَّغَ اللَّهُ بُرْهَانَهُ غَلِيظًا لِّكُمْ أَنْ هَذَا نَحْمُ لِلْإِيمَانِ** (صحیح) بلکہ اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ تم کو ایمان کی ہدایت فرمائی۔

نیز یہ کہ رسول ﷺ کو جو نصرت و تائید منجانب اللہ حاصل ہے وہ اس تائید و نصرت سے بہت برتر و اعلیٰ ہے جو حضور ﷺ کو منجانب صحابہؓ حاصل ہے۔ لفظ **يسر** بہ معنی غلبہ و نصرت و قوت زبان عرب میں بخوبی مستعمل ہے۔ محاورہ ہے کہ **اليد للفلان** اس فلاں شخص کا غلبہ ہے۔

ب: **يسر** کا استعمال الگ الگ معانی میں ہے تب یہ اللہ کے معنی حفظ الہی ہیں اور **أَيْدِيهِمْ** سے مراد مبائعین کے ساتھ ہوگی۔

اس کی تائید ہی سورہ مبارکہ میں تھوڑی دور آگے چل کر ان الفاظ پاک میں پائی جاتی ہے۔ **فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا . وَمَغَابِمْ خَشِيبًا قَدْ خَلُونَهَا .** اللہ تعالیٰ نے بیعت کرنے والوں کے دلوں کی اندرونی حالت کو جان لیا اور ان پر سکینہ اتارا ان کو فتح قریب عطا فرمائی اور وہ بڑی فتوحات بھی ان کے لئے خاص کر دیں جن کو وہ حاصل کریں گے۔

خلفائے راشدین اور ان کے ماتحت عمال و گورنر و جرنیل و قاضی و لشکر اور فاتحین کشور انہی بیعت لینے والوں میں تھے۔ حضرموت، عمان، عراق و فلسطین، شام، مصر، افریقہ، سوڈان، تیونس و الجزائر، مالٹا اور کریت، ایران و خراسان کی فتوحات و مقام انہی خلفائے

راشدہ بن اور ان کے حکم پر دلوں کو حاصل ہوئی تھیں۔

ہاں، مجی وہ بزرگ ہیں جو مفہومِ آیت اور اس بشارتِ عظمیٰ کے مظہر ہیں۔ انہی کے دلوں کا امتحان لیا گیا اور انہی پر نزولِ میکین ہوا۔ وہ سیکڑ جس کے نزول کا ذکر احوالِ موسیٰ میں بھی ہے۔

انہی کے ہاتھوں میں وہ طاقت تھی کہ کل دنیا کے ہاتھ ان کے سامنے پست تھے۔ کبھی کسی سلطنت کی تواضع اور باقاعدہ صلح افواج ان پر غالب نہ آسکیں تھے۔ ایسی ہی الناس عنکم کا ایک نظارہ یہ بھی تھا۔

صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضل و شرف۔ جاوا احتشام۔ دولت و قبالِ باری اور رحمتِ برکاتِ روحی کا سبب۔ ذریعہ کیا تھا۔ یہی بیعتِ نبوی۔ یہی اجازتِ محمدی یہی صدق و اخلاق جو انہیں پیارے رسول ﷺ کی ذات اور تعلیم کے ساتھ تھا۔ لہذا وہ سب ظاہر تھے۔ ان خصوصیات کا اصل تعلق نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ سے ہے۔ اور نبی کریم ﷺ کا یہ شرف حضور ﷺ کے خصائص میں سے ہے۔ (بحوالہ روحنا للعلمین جلد سوم)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَابْنِ اٰدَمَ عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرَ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۶۲

رسول اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے

جنت میں داخل ہوگا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوتھویں خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا" الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دیتے وقت بھی میں روضہ رسول ﷺ کے قریب یعنی روضہ کے سائے تلے بیٹھا ہوں، اور اس خصوصیت کو ترتیب دے رہا ہوں، اور دن سے دو بار یہی صدا آ رہی ہے کہ یا اللہ آقا ﷺ کے مہینے میں بار بار آنے کی توفیق عطا فرما اور اعلا سے آقا ﷺ کے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرما، دل چاہتا ہے کہ روضہ رسول ﷺ کی جالیوں کو دیکھ رہوں اور مجھ دیکھتی چلا جاؤں کہ دل کا سرور اسی میں چھپا ہے، ونا گویوں کہ یارب قدمی تیرے محبوب پیغمبر ﷺ کے مبارک روضہ پر بیٹھ کر تیرے محبوب ﷺ کی خصوصیت پر کلمہ کرنے کی اس گناہ کار کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول منظور اور آخر میں نجات کا ذریعہ بنائیں۔

بہر حال محترم قارئین! آپ ﷺ کی مجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی برکت سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ ﷺ کی امت کی ایک بڑی تعداد کا بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل فرمائیں گے، بہرہ دیگر انبیاء کی امتوں کو یہ اعزاز نہیں دیا جائے گا تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر صرف اور صرف آپ ﷺ کی ذات ہے، جیسا کہ آنے والے صفحات میں احادیث کی روشنی میں آپ اس

خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے اور آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

چونٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: میری امت میں سے ایک جماعت جنت میں داخل ہوگی یہ (تعداد میں) ستر ہزار ہونگے، ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمک رہے ہوں گے۔ حضرت عکاشہ بن محسنؓ جنہوں نے اپنے اوپر دھاریہ ارچا دے لے رکھی تھی عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے ان حضرات میں شامل کر دیں۔ تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! اس کو ان حضرات میں شامل کر دے۔ پھر انصار صحابہ میں سے ایک شخص کھڑا ہوا اس نے بھی عرض کیا یا رسول اللہ! اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بھی ان میں شامل کر دے۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کاش تم سے سبقت کر گیا۔ (بخاری شریف)

اسی طرح حضرت اہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے ستر ہزار حضرات کا یا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا یا سات لاکھ کا یہ جنت میں اس حالت میں داخل ہوں گے کہ ان کے ہر ایک نے ایک دوسرے کو پکڑ رکھا ہوگا یہاں تک ان کا پہلا شخص آخری شخص کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔ ان کے چہرے چودھویں چاند کی طرح ہونگے۔

(یہ پہلا گروپ ہوگا جو بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہوگا) (بخاری شریف)

ابو امامہ باہلیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے سنا آپ ﷺ ارشاد فرما رہے تھے کہ میرے رب نے میرے ساتھ وعدہ فرمایا ہے کہ میری امت میں سے ستر ہزار کو جنت میں داخل فرمائیں گے نہ تو ان کا حساب ہوگا نہ ان کو عذاب ہوگا (اور) ہر ہزار کے ساتھ

ستر ہزار اور اللہ تعالیٰ کی لپوں میں سے تین لپوں (مسلمانوں میں سے بغیر حساب کے اور بغیر سزا کے جنت میں جائیں گے)

فائدہ..... اللہ تعالیٰ کی لپوں کا کوئی مخلوق اندازہ نہیں کر سکتی لہذا اس حدیث سے کثرت سے امت محمدیہ کی بخشش کی خوشخبری ملتی ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سے ستر ہزار (مسلمان مرد و عورتیں بغیر حساب و عذاب کے) جنت میں جائیں گے اور ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار (4900000000) لوگ اور بھی (بلا حساب و بلا عذاب جنت میں جائیں گے)۔ (مجمع الزوائد)

حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر صدیقؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "میرے اللہ عزوجل نے میری امت میں سے ستر ہزار حضرات ایسے عطا فرمائے ہیں جو بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا (یا رسول اللہ) آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس زائد کا مطالبہ نہیں کیا؟ آپ نے ارشاد فرمایا میں نے زائد کا مطالبہ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے (ستر ہزار میں سے) ہر آدمی کے ساتھ ستر ہزار عطا فرمائے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس سے بھی زائد کا مطالبہ نہیں فرمایا؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا مجھے اتنا عطا فرمایا ہے پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔ پھر فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوگا (ہشام کہتے ہیں) ہم نہیں جانتے کہ اس کی تعداد کتنی ہوگی۔ (مجمع الزوائد)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا میرے سامنے تمام امتوں کو پیش کیا گیا۔ پس میں نے ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ ایک معمولی سی جماعت تھی، اور ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ صرف ایک یا دو آدمی تھے، اور ایک نبی کو دیکھا جس کے ساتھ کوئی شخص (بھی ان کو ماننے والا) نہیں تھا۔ پھر اچانک میرے سامنے ایک بہت بڑی امت کو پیش کیا گیا میں نے گمان کیا کہ یہ میری امت ہے لیکن مجھے

کہا گیا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے۔ آپ اُن (آسمان وزمین کے لئے والے طویل واریض کنارے) کی طرف دیکھیں جب میں نے دیکھا تو وہ بہت ہی بڑی امت تھی پھر مجھے کہا گئی آپ دوسرے اُن کی طرف بھی دیکھیں تو اُدھر بھی بہت بڑی امت تھی۔ پھر فرمایا گیا کہ آپ کی امت یہ ہے۔ ان میں سے ستر ہزار وہ حضرات ہیں جو جنت میں بغیر حساب کئے اور عذاب دینے داخل ہوں گے۔ پھر آپ ﷺ کو گھر میں تشریف لے گئے تو صحابہ کرام نے ان حضرات کے بارہ میں جو جنت میں بغیر حساب کئے اور عذاب دینے داخل ہوں گے غور و فکر شروع کر دیا۔ ان میں سے کسی نے کہا شاید کہ یہ وہ حضرات ہوں جو رسول کریم ﷺ کی صحبت میں رہے پھر کسی نے کہا کہ شاید یہ وہ حضرات ہوں جو احسان کی حالت میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہیں ٹھہرایا ہو گا اس طرح سے صحابہ نے کئی چیزوں کو ذکر کیا۔ تو حضور ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا تم کس گفتگو میں مشغول ہو؟ تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو (دنیا میں) زندہ تو مہم کرتے تھے اور زندہ کرنے کو خود طلب کرتے تھے۔ اور نہ شکن پکڑتے تھے بلکہ اپنے پروردگار پر بھروسہ اور توکل کرتے تھے۔ (مسلم شریف)

فائدہ..... علامہ ابن قیم اور علامہ قرطبی نے دم کرنے پر بحث کی ہے اور حدیث سے ثابت کیا ہے کہ چاند اور مہماڑ چھوٹک کر آ کر انارست ہے۔ (تذکرہ المزیں)

حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو لوگوں کی ایک جماعت کھڑی ہوگی جو آسمان وزمین کے کنارے کو (اپنی کثرت کی وجہ سے) بھر رہی ہوگی ان کی چٹک دک سورج کی طرح ہوگی۔ ندا ہوگی، نبی الٰہی کہ ان ہیں تو اس پر ہر نبی اُنھنے کے لئے متحرک ہوگا پھر کہا جائے گا یہ محمد اور ان کی امت ہے۔ پھر ایک اور جماعت اُنھنے کی جو (آسمان وزمین کے) اُن کی کھجور کی ہوگی ان کا نور آسمان کے ہر ستارے کی طرح ہوگا۔ کہا جائیگا نبی الٰہی کہاں ہیں تو اس کے لئے ہر نبی اُنھنا جائے گا۔ (مگر یہ بھی امت محمدیہ ہی ہوگی) پھر (اللہ تعالیٰ) دو کہیں بھریں گے اور کہا

جائے گا اسے محمدؐ ایسا پتھر ملے گا اور اسے محمدؐ ایسا پتھر ملے گا جس سے تیرے لئے ہے
(یعنی ان دو پتھروں کو جن میں آنے والے افراد کی تعداد اللہ تعالیٰ جانتے ہیں بغیر حساب کے
جنت میں داخل کر دیا جائے گا) پھر ترازو سے اعمال کا حساب کیا جائے گی اور حساب شروع کیا
جائے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ
میری امت میں سے ستر ہزار بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ حضرت
ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (الہیمنان اور خوشخبری کے) لئے اور اضافہ
فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اور اتنا مزید۔ تو حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے ابوبکرؓ! اگر
اللہ تعالیٰ نے چاہا تو حضور ﷺ کی امت کو ایک ہی غیب میں جنت میں داخل کر دیں گے۔ (تو
حضور ﷺ نے فرمایا عمرؓ نے صحیح کہا)۔

حضرت انسؓ بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا
جب لوگ حساب کے لئے پیش ہوں گے اس وقت ایک جماعت اپنی تلواروں کو اپنی گردنوں
پر رکھے ہوئے آئے گی جن سے غول کے قطرات گر رہے ہوں گے۔ یہ جنت کے دروازے
پرش کر دیں گے۔ کہا جائے گا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا جائے گا یہ شہید ہیں جو (شہادت کے
بعد) ذبح تھے رزق ایسے جاتے تھے۔ پھر پکارا جائے گا وہ شخص کھڑا ہو جس کا اجر اللہ تعالیٰ
کے ذمہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ پھر دوسری مرتبہ پکارا جائے گا وہ شخص کھڑا ہو جس کا
اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔ (حضور ﷺ نے ارشاد فرماتے ہیں کہ)
اس احاطہ سے (اودھوگ) جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہو گا وہ جنت میں داخل ہوں گے اور
اسے ہزار گھڑے ہوں گے اور جنت میں جتنے جناب سے داخل ہوں گے۔

جنت میں بغیر حساب جائنے والوں کی صفات

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین قسم
کے لوگ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہوں گے۔ (۱) وہ شخص جس نے اپنا کپڑا اٹھوایا

لیکن اس کو لگانے کے لئے اس کو خوشبو میسر نہ رہی۔ (۲) وہ شخص جس کے چہرہ پر دو ہانڈیاں (ایک وقت میں) لگبی نہ چڑھی ہوں (۳) وہ شخص جس کو پانی کی دعوت دی گئی مگر اس سے یہ پوچھنا نہ گیا کہ تم کو سنا پانی (شریت، پانی) پسند کرتے ہو۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں جس آدمی نے دیرانے میں (مسافروں وغیرہ کے لئے) کوئی کنواں کھودا اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے وہ بھی بغیر حساب کے جنت میں جائے گا۔

حضرت علی بن حسینؓ فرماتے ہیں ”جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی ندا کرے گا تم میں سے فضیلت والے کون ہیں؟ تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے ان سے کہا جائے گا جنت کی طرف چلو پھر ان کی ملاقات فرشتوں سے ہوگی تو وہ کہیں گے تم کہاں جا رہے ہو تو وہ حضرات کہیں گے جنت کی طرف فرشتے پوچھیں گے حساب سے پہلے؟ وہ کہیں گے ہاں۔ وہ پوچھیں گے تم کون ہو؟ وہ کہیں گے ہم فضیلت والے ہیں۔ فرشتے کہیں گے تمہارا کوئی نئی فضیلت ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ جب ہمارے ساتھ جہالت کا برتاؤ کیا جاتا تھا ہم بردباری اختیار کرتے تھے، جب ہم پر ظلم کیا جاتا تھا ہم صبر کرتے تھے، جب ہمارے ساتھ کوئی براڈی کی جاتی تو ہم معاف کر دیتے تھے۔ فرشتے کہیں گے تم جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ پھر ایک منادی ندا کرے گا اہل صبر کھڑے ہو جائیں تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے یہ بہت کم ہوں گے ان کو حکم ہوگا جنت کی طرف چلے جاؤ تو ان کو بھی فرشتے ملیں گے اور ان سے ایسا ہی کہا جائے گا تو وہ کہیں گے ہم اہل صبر ہیں وہ پوچھیں گے تمہارا صبر کیا تھا؟ وہ کہیں گے ہم نے اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفسوں کو (ان کی خواہشات سے) روکا اور ہم نے اللہ کی نافرمانیوں سے اس کو باز رکھا۔ وہ فرشتے کہیں گے تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر ایک منادی ندا کرے گا اب اللہ کے پرہیزگار کھڑے ہو جائیں تو انسانوں میں سے کچھ لوگ کھڑے ہوں گے یہ بھی بہت کم ہوں گے ان کو بھی حکم ہوگا جنت کی طرف چلے جاؤ۔ تو ان کو بھی فرشتے ملیں گے اور ان کو بھی ویسا ہی

کہا جائے گا یہ کہیں گے کہ تم کس عمل سے اللہ تعالیٰ کے اس گھر میں پڑوسی بن گئے؟ وہ کہیں گے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کی محبت میں ایک دوسرے (مسلمانوں) کی زیارت کرتے تھے اور اللہ ہی کی خاطر آپس میں مل کر بیٹھتے تھے اور اللہ ہی کے لئے ہم ایک دوسرے پر خرچ کرتے تھے۔ فرشتے کہیں گے تم بھی جنت میں داخل ہو جاؤ نیک عمل کرنے والوں کے لئے بہترین اجر ہے۔ (مولا نے کربۃ العظمیٰ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا "جب اللہ تعالیٰ پہلے اور پچھلے (انسانوں اور جنات) کو ایک میدان میں جمع کریں گے تو ایک منادی عرش کے نیچے سے ندا دے گا اللہ کی معرفت رکھنے والے کہاں ہیں۔ محسن کہاں ہیں؟ (جو عبادت کرتے وقت گویا کہ خدا کو دیکھتے تھے یا یہ یقین کرتے تھے کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے) فرمایا کہ لوگوں میں سے ایک جماعت اٹھے گی اور اللہ کے سامنے کھڑی ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے حالانکہ وہ اس کو خوب جانتے ہوں گے تم کون ہو؟ عرض کریں گے ہم اہل معرفت ہیں آپ کے ساتھ ہم نے آپ کو پہچانا تھا اور آپ نے ہمیں اس الحق بنایا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم نے سچ کہا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم پر کوئی سزا اور تکلیف نہیں تم میری رحمت کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ پھر جناب رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ ان حضرات کو روز قیامت کی ہولناکیوں سے نجات عطا فرمادیں گے۔ (صحیح بخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب قیامت کا دن ہوگا ایک منادی ندا دے گا کہ تم ابھی جان لو گے اصحاب الکرم (بزرگی اور شان والے) کون ہیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنے والے کھڑے ہو جائیں تو وہ کھڑے ہو جائیں گے اور ان کو جنت کی طرف روانہ کر دیا جائیگا۔ پھر دوسری مرتبہ ندا کی جائے گی تم آج فقیر ہیں جان لو گے اصحاب الکرم کون ہیں کہ وہ لوگ کھڑے ہو جائیں جن کے پہلو (رات کے وقت) اپنے بستر سے (عبادت کے لئے) الگ رہتے تھے جو اپنے رب کو خوف اور طمع کے ساتھ پکارا کرتے تھے اور جو کچھ ہم نے ان کو رزق دیا تھا اس سے خرچ کرتے تھے (زکوٰۃ اور صدقات کی شکل میں

(چنانچہ یہ حضرات کھڑے ہوں گے اور ان کو بھی جنت کی طرف روانہ کر دیا جائیگا۔ پھر قسری مرتبہ بھی ندا کی جائے گی تم آج مقرب جان لو گئے اصحاب اکرم کون ہیں کہ وہ لوگ اب کھڑے ہو جائیں جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی خرید و فروخت غافل نہیں کرتی تھی چنانچہ ان کو بھی جنت کی طرف روانہ کر دیا جائے گا۔ ﴿علاء﴾)

فائدہ یہ بھی روایت کیا گیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا مسادی ندا کرے گا میرے وہ بندے کہاں ہیں جنہوں نے میری فرمانبرداری کی تھی اور عائدانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کرتے تھے تو وہ لوگ کھڑے ہو جائیں گے ان کے چہرے چروہویں کے چاند کی طرح یا خوب چمکدہ ستارے کی طرح (روشن) ہوں گے یہ نور کی سوار یوں پر سوار ہوں گے جن کی لگا میں سرخ یا قوت کی ہوں گی جو ان کو لیکر تمام مخلوقات کے سامنے اڑتے پھریں گے حتیٰ کہ عرش الہی کے سامنے جا کر ٹھہر جائیں گے۔ تو ان کو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے سلام و میرے ان بندوں پر جنہوں نے میری اطاعت کی اور عائدانہ طور پر میرے عہد کی حفاظت کی میں نے تم کو برگزیدہ کیا، میں نے تم سے محبت کی اور میں نے تم کو پسند کیا چلے جاؤ جنت میں بغیر حساب کے داخل ہو جاؤ تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمزدہ ہو گے تو وہ چلے صراط سے اچک لینے والی (تیز) پٹلی کی طرح گزر جائیں گے پھر ان کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد باقی مخلوقات میدانِ حشر میں پڑی ہوئی ہوں گی ان میں کا بعض بعض سے کہے گا کہ قوم افلاں بن فلاں کہاں ہے جس وقت دو ایک دوسرے سے بچ رہے ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا اِنَّ اصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَائِضُونَ۔ الایہ (بے شک جنت والے آج اپنے مشغلوں میں خوش دل ہیں)۔

(نور جنت جنت کے سینے میں داخل)

بَارَتْ صَلِّ وَسَلِّمْ ذَاتِنَا نَبْدَا غُلِي خَبِيْكَ خَيْرِ الْخُلُقِ كُلِّهِمْ

خصوصیت نمبر ۶۵

رسول اکرم ﷺ کی امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی
 قس امرم کا رہنما رسول اکرم ﷺ کی امت کی خصوصیات میں سے بہت تصویر
 خصوصیت آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کی
 امت کو اللہ تعالیٰ نے اعتدال کی دولت عطا فرمائی“ بیشک آپ ﷺ کی امت کی خصوصیات
 میں سے یہ بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کے صدقہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی
 امت کو اعتدال کی امت عطا فرمائی، جبکہ دیگر انبیاء کی امتیں اس عظیم صفت یعنی اعتدال کی
 صفت سے محروم ہیں، یہیہ کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں آنے والے صفحات میں آپ اس
 خصوصیت کی تفصیل کو عطا فرمائیں انشاء اللہ، امید ہے کہ انشاء اللہ اس کے مطالعے سے
 معلومات میں بھی اضافہ ہوگا اور ایمان میں بھی اضافہ ہوگا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو
 صفت اعتدال کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

پیشکش نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن واحادیث کی روشنی میں

ارشاد خداوندی ہے: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّخَصَّرًا مِّنْهُ لِيُؤْمِنُوا بِمَا نُنَزِّلُ عَلَىٰ
 أَلْسِنِهِمْ وَيُؤْمِنُوا بِمَا نُنَزِّلُ عَلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ (اور) اے پیغمبران محمد ﷺ! اسی طرح ہم
 نے تم کو ایسی ہی ایک جماعت بتادی ہے، جو (ہر پہلو سے) تمہاری امتدال پر ہے، تاکہ
 (دنیا میں شرف و امتیاز حاصل ہوئے) کے علاوہ آخرت میں بھی تمہارا بڑا شرف ظاہر ہو سکے) تم
 ایک بڑے مقدمہ میں جس میں ایک فریق حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں، اور فریق ثانی
 ان کی مخالف فرمیں ہوں گی، ان مخالف لوگوں کے مقابلہ میں گواہ (عجریز) ہو اور (شرف
 پائے شرف یہ ہوا کہ) تمہارے (قابل شہادت اور معتبر ہونے کے) نئے دلائل

ﷺ گواہ ہوں (اور اس شہادت سے تہذیبی شہادت معتبر ہونے کی تصدیق ہو، پھر تہذیبی شہادت سے اس مقدمہ کا حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے حق میں فیصلہ ہو اور مخالفین مجرم قرار پا کر سزایاب ہوں، اور اس امر کا اعلیٰ درجہ کی عزت ہونا ظاہر ہے۔

امت محمدیہ ﷺ کا اعتدال اور لفظ وسطا کی تشریح

امت محمدیہ کی تعریف میں اُمَّةٌ وَسَطٌ فرمایا لفظ وسط کا معنی بہترین بھی کیا گیا ہے، اور عدول بھی کیا گیا ہے عدول، عدل کی جمع ہے عدل اس کو کہتے ہیں جو اُتھ ہو، منصف ہو اور اس کی گواہی معتبر ہو، اوصافِ عالیہ سے متصف ہو خیر کی صفات کو جامع ہو برائیوں سے دور ہو، اور بعض حضرات نے اس کا معنی معتدل کا بھی لیا ہے، یعنی یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط اور تفریط سے بری ہے، نہ عبادات سے غفلت ہے نہ راہبوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے، ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی، نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی، روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا، نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جو ہے، اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روارکھی گئی، نہ ہر فعل حلال قرار دیا گیا، نہ ہر چیز کا کھانا جائز کیا گیا، بلکہ حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئیں، ضرورینے والی اور غصیٹ چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا، جن سے اخلاق و اجسام پر برا اثر پڑے، طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی، انسانیت کو اوچھا کیا گیا، بہیمیت سے بچایا گیا، بریت سے دور رکھا گیا، حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدان جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا گیا، مثلہ کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں، ناک، کان کاٹنے سے منع

فرمایا، معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی، نقلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا، میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے، جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں دیت رکھی گئی ہے، اور قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہیں تو قصاص لے لیں، چاہیں دیت لے لیں، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں نام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

اعتدال سے متعلق مزید تفسیر و تشریح

ترمذی میں بروایت ابوسعید خدریؓ آنحضرت ﷺ سے لفظ وسط کی تفسیر عدل سے کی گئی ہے، جو بہترین کے معنی میں آیا ہے (قرطبی) اس آیت میں امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک امتیازی فضیلت و خصوصیت کا ذکر ہے، کہ وہ ایک معتدل امت بنائی گئی اس میں یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے مسلمانوں کو وہ قبلہ عطا کیا، جو سب سے اشرف و افضل ہے اسی طرح ہم نے امت اسلامیہ کو ایک خاص امتیازی فضیلت یہ عطا کی ہے کہ اس کو ایک معتدل امت بنایا ہے جس کے نتیجہ میں ان کو میدان حشر میں یہ امتیاز حاصل ہوگا کہ سارے انبیاء علیہم السلام کی امتیں جب اپنے انبیاء کی ہدایت و تبلیغ سے مکر جائیں گی، اور ان کو جھٹلا کر یہ کہیں گی کہ ہمارے پاس نہ کوئی کتاب آئی، نہ کسی نبی نے ہمیں کوئی ہدایت کی، اس وقت امت محمدیہ انبیاء کی طرف سے گواہی میں پیش ہوگی اور یہ شہادت دے گی کہ انبیاء نے ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائی ہوئی ہدایت ان کو پہنچائیں، اور ان کو صحیح راستہ پر لانے کی مقدور بھرپوری کوشش کی، مدعی علیہم امتیں امت محمدیہ کی گواہی پر یہ جرح کریں گی کہ اس امت محمدیہ کا تو ہمارے زمانے میں وجود بھی نہ تھا، اس کو ہمارے معاملات کی کیا خبر، اس کی گواہی ہمارے مقابلہ میں کیسے قبول کی جاسکتی ہے۔

امت محمدیہ ﷺ اس جرح کا یہ جواب دے گی کہ بے شک ہم اس وقت موجود نہ تھے مگر ان کے واقعات و حالات کی خبر ہمیں ایک صادق و صدوق رسول ﷺ نے اور اللہ کی

کتاب نے دی ہے، جس پر ہم ایمان لائے اور ان کی خبر کو اپنے معائنہ سے زیادہ وسیع اور سچا جانے ہیں، اس لئے ہم اپنی شہادت میں حق بجانب اور سچے ہیں اس وقت رسول کریم ﷺ پیش ہوں گے، اور ان گناہوں کا ترکہ، وثیقہ کریں گے کہ جنگ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ صحیح ہے، اللہ کی کتاب اور میری تعلیم کے ذریعہ ان کو صحیح حالات معلوم ہوئے۔

مفسر کے اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری، ترمذی، نسائی، اور مسند احمد کی متعدد احادیث میں مجملًا و مفصلاً مذکور ہے۔ الغرض آیت مذکورہ میں امت محمدیہ ﷺ کی یہ اخلاقی فضیلت و شرف کا راز یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ امت معتدل امت بنائی گئی ہے، اس لئے یہاں چند باتیں قابل غور ہیں ملاحظہ فرمائیے۔

اعتدالِ امت کی حقیقت و اہمیت اور اس کی کچھ تفصیل

اعتدال سے متعلق عمومی اعتبار سے تین سوال ذہن میں آتے ہیں کہ (۱) اعتدال کے معنی اور حقیقت کیا ہیں (۲) وصف اعتدال کی یہ اہمیت کیوں ہے کہ اس پر مدار فضیلت رکھا گیا (۳) اس امت محمدیہ ﷺ کے معتدل ہونے کا واقعتاً کی رو سے کیا ثبوت ہے تشریب و اران قیوں سوالوں کا جواب یہ ہے۔

(۱) اعتدال کے لفظی معنی ہیں برابر ہونا، یہ لفظ عدل سے مشتق ہے، اس کے معنی بھی برابر کرنے کے ہیں۔

(۲) وصف اعتدال کی یہ اہمیت کہ اس کو انسانی شرف و فضیلت کا معیار قرار دیا گیا، ذرا تفصیل طلب ہے، اس کو پہلے ایک محسوس مثال سے دیکھئے، دنیا کے جتنے نئے اور پرانے طریقے جسمانی صحت و علاج کے لئے جاری ہیں، طب پوانی، ویدک، ایلو پیتھک، ہومیو پیتھک، وغیرہ سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ بدن انسانی کی صحت اعتدالِ مزاج سے ہے، اور جہاں یہ اعتدال کسی جانب سے ظلل پذیر ہو وہی بدن انسانی کا مریض ہے، خصوصاً حسب یونانی کا تو بنیادی اصول ہی مزاج کی پہچان پر موقوف ہے، انسان کا بدن چار خلط

خون، انجم، اطراء سے مرکب اور انہی چاروں اخلاط سے پیدا شدہ چار کیفیات انسان کے بدن میں ضروری ہیں، مگر یہ، ٹھنڈک، خشکی، بلورتی، جس وقت تک یہ چاروں کیفیات مزاج انسانی کے مناسب حد و حد کے اندر معتدل رہتی ہیں، وہ بدن انسانی کی صحت و تندرستی کہلاتی ہے۔ اور جہاں ان میں سے کوئی کیفیت مزاج انسانی کی حد سے زیادہ ہو جائے یا گھٹ جائے وہی مرض ہے، اور اگر اس کی اصلاح و علاج نہ کیا جائے تو ایک حد میں پہنچ کر وہی موت کا پیام ہو جاتا ہے۔

اس محسوس مثال کے بعد اب روحانیت اور اخلاقیات کی طرف آئیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں بھی اعتدال اور بے اعتدال کا یہی طریقہ جاری ہے، جس کے اعتدال کا نام روحانی صحت اور بے اعتدالی کا نام روحانی اور اخلاقی مرض ہے، اور اس مرض کا اگر علاج کر کے اعتدال پر نہ لایا جائے تو اس کا نتیجہ روحانی موت ہے، اور یہ بھی کسی صاحب بصیرت انسان پر غلطی نہیں کہ جو ہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان ساری مخلوقات کا حاکم اور مخدوم قرار دیا گیا ہے، وہ اس کا بدن یا بدن کے اجزاء و اخلاط یا ان کی کیفیات حرارت و برودت نہیں، کیونکہ ان اجزاء و کیفیات میں توازن کے سرے چاروں بھی انسانیت کے ساتھ شریک بلکہ انسانیت سے زیادہ حصہ کھنے والے ہیں۔

جو ہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور آقائے کائنات مانا گیا ہے، وہ اس کے گوشت، پوست اور حرارت و برودت وغیرہ سے بالاتر کوئی چیز ہے، جو انسان میں کامل اور اکمل طور پر موجود ہے، دوسری مخلوقات کو اس کا وہ درجہ حاصل نہیں، اور اس کا معین کر لینا بھی کوئی باریک اور مشکل کام نہیں، کہ وہ انسان کا روحانی اور اخلاقی کمال ہے جس نے اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ انسان کا جو ہر شرافت اور مدار فضیلت اس کے روحانی اور اخلاقی کمالات ہیں، اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بدن انسانی کی طرح روح انسانی بھی اعتدال و بے اعتدال ہے، اسی طرح روح کی صحت اور اس کے اخلاق کا اعتدال

ہے، اس لئے انسان کامل کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اعتدال بھی رکھتا ہو، یہ کمال تمام انبیاء علیہم السلام میں خصوصیت کے ساتھ عطا ہوتا ہے اور ہمارے نبی ﷺ کو انبیاء اکرام میں بھی سب سے زیادہ کمال حاصل تھا، اس لئے انسان کامل کے اولین مصداق آپ ﷺ ہی ہیں، اور جس طرح جسمانی علاج معالجہ کے لئے ہر زمانہ اور ہر جگہ ہر قسمی طبیب اور ڈاکٹر اور دواؤں اور آلات کا ایک محکم نظام حق تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے، اسی طرح روحانی علاج اور قوموں میں اخلاقی اعتدال پیدا کرنے کے لئے انبیاء بھیجے گئے، ان کے ساتھ آسمانی ہدایات بھیجی گئیں، اور بقدر ضرورت مادی طاقتیں بھی عطا کی گئیں، جن کے ذریعہ وہ یہ قانون اعتدال دنیا میں نافذ کر سکیں، اسی مضمون کو قرآن کریم نے سورہ حدید میں اس طرح بیان فرمایا ہے: لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا

بِالْبَيِّنَاتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ”ہم نے بھیجے ہیں اپنے رسول نشانیاں دے کر اور انہاری ان کے ساتھ کتاب اور ترازو تاکہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے انہارا دوا اس میں سخت لڑائی ہے اور لوگوں کے کام چلتے ہیں۔“

اس میں انبیاء کے بھیجنے اور ان پر کتابیں نازل کرنے کی حکمت یہی بتلائی ہے کہ وہ ان کے ذریعہ لوگوں میں اخلاقی اور علمی اعتدال پیدا کریں، کتاب، اخلاق، اور روحانی اعتدال پیدا کرنے کے لئے نازل کی گئی، اور ترازو و معاملات لین دین میں علمی اعتدال پیدا کرنے کے لئے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ترازو سے مراد ہر پختہ فہر کی شریعت ہو، جس کے ذریعہ اعتدال حقیقی معلوم ہوتا ہے، اور عدل وانصاف قائم کیا جاسکتا ہے۔

اس تفصیل سے آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ تمام انبیاء کے بھیجنے اور ان پر کتابیں نازل کرنے کی اصلی غرض و حکمت یہی ہے کہ قوموں کو اخلاقی اور علمی اعتدال پر قائم کیا جائے، اور یہی قوموں کی صحت و مندی اور تمدن پرستی ہے۔

امت محمدیہ ﷺ میں ہر قسم کا اعتدال

اس بیان سے آپ نے یہ بھی معلوم کر لیا ہوگا کہ امت محمدیہ کی جو فضیلت آیت مذکورہ میں بتلائی گئی، ”وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا“، یعنی ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا ہے، یہ بولنے اور لکھنے میں تو ایک لفظ ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے کسی قوم یا شخص میں جتنے کمالات اس دنیا میں ہو سکتے ہیں ان سب کے لئے حاوی اور جامع ہے۔

اس میں امت محمدیہ کو امت وسط یعنی معتدل امت فرما کر یہ بتا دیا کہ انسان کا جوہر شرافت و فضیلت ان میں بدرجہ کمال موجود ہے، اور جس غرض کے لئے آسمان وزمین کا سارا نظام ہے اور جس کے لئے ہویا اور آسمانی کتابیں بھیجی گئی ہیں، یہ امت اس میں ساری امتوں سے ممتاز اور افضل ہے۔ قرآن کریم نے اس امت کے متعلق اس خاص وصف فضیلت کا بیان مختلف آیات میں مختلف عنوانات سے کیا ہے، سورہ اعراف کے آخر میں امت محمدیہ کے لئے ارشاد ہوا کہ: ”ان لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے، ایک ایسی امت ہے جو سچی راہ بتلاتے ہیں اور اس کے موافق انصاف کرتے ہیں۔“

اس میں امت محمدیہ کے اعتدال روحانی و اخلاقی کو واضح فرمایا ہے، کہ وہ اپنے ذاتی مفادات اور خواہشات کو چھوڑ کر آسمانی ہدایت کے مطابق خود بھی چلتے ہیں، اور دوسروں کو بھی چلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کسی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی اسی لیے لاگو آسمانی قانون کے ذریعہ کرتے ہیں، جس میں کسی قوم یا شخص کے ناجائز مفاد کا کوئی خطرہ نہیں۔

اور سورہ آل عمران میں امت محمدیہ کے اسی اعتدال مزاج اور اعتدال روحانی کے آثار کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے جس کا مفہوم ہے کہ: ”تم سب امتوں میں بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی۔“ آ کر تے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔“

یعنی جس طرح ان کو رسول ﷺ سب رسولوں میں افضل نصیب ہوئے، کتاب سب کتابوں میں جامع اور اکمل نصیب ہوئی، اسی طرح ان کو قوموں کا محترم و عزت مند اور اعتدال بھی اس اعلیٰ پیمانے پر نصیب ہوا، کہ وہ سب امتوں میں بہتر امت قرار پائی، اس پر علوم و معارف کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، ایمان و عمل و تقویٰ کی تمام شریعتیں ان کی قریانیوں سے سرسبز و شاداب ہوں گی، وہ کسی مخصوص ملک و اقلیم میں محصور نہ ہوں گی، بلکہ اس کا دائرہ عمل سارے عالم اور انسانی زندگی کے سارے شعبوں کو محیط ہو گا، گویا اس کا جو وہی اس لئے ہو گا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے، اور جس طرح ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لا کھڑا کر دے، بالخصوص جنت النعیم میں اس کی طرف اشارہ ہے، کہ یہ امت دوسروں کی خیر خواہی اور فائدہ کے لئے بنائی گئی ہے، اس کا فرض منصبی اور قوی نشان یہ ہے کہ لوگوں کو نیک کاموں کی حثیت کرے، برے کاموں سے روکے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے ارشاد اللہیں المصباحۃ کا یہی مطلب ہے کہ دین اس کا نام ہے، کہ سب مسلمانوں کی خیر خواہی کرے، پھر برے کاموں میں کفر، شرک، بدعات، ازسوم قبیحہ، فحش و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں، ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا، کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے کبھی لہجہ سے کبھی فکر سے، غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گا، یہ صفت جس قدر عموم و اجتماع سے امت محمدیہ میں پائی گئی ہوگی، امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۳۔ اب تیسری بات خود مطلب یہ رہ گئی کہ اس امت کے توسعہ و اعتدال کا واقعات سے ثبوت کیا ہے، اس کی تفصیل طویل اور تمام امتوں کے اعتقادات، اعمال و اخلاق اور کارناموں کا موازنہ کر کے بتلانے پر موقوف ہے۔ اس میں سے چند چیزیں بطور مثال ذکر کی جاتی ہیں۔

اعتقادی اعتدال

سب سے پہلے اعتقادی اور نظری اعتدال کو لے لیجئے، تو کچھیلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اللہ کے رسولوں کو بیٹا بنالیا، اور ان کی عبادت اور پرستش کرنے لگے، وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ بْنُ ابْنِ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ، اور دوسری طرف انہی قوموں کے دوسرے افراد کا یہ عالم بھی مشاہدہ میں آئے گا کہ رسول کے مسلسل معجزات دیکھنے اور برتنے کے باوجود جب ان کا رسول ان کو کسی جنگ یا جہاد کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِلُونَ﴾، یعنی جائیے آپ اور آپ کا پروردگار وہی مخالفین سے قتال کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔“

کہیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ اپنے انبیاء کو خود ان کے ماننے والے طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے ہیں۔

بخلاف امت محمدیہ کے کہ وہ ہر قرن ہر زمانے میں ایک طرف تو اپنے رسول اللہ ﷺ سے وہ عشق و محبت رکھتے ہیں کہ اس کے آگے اپنی جان و مال اور اولاد آبرو سب کو قربان کر دیتے ہیں۔

سلام ان پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑا احادیث ہیں کلذاسر فروشی کے فسانے میں

اور دوسری طرف یہ اعتدال کہ رسول کو رسول اور خدا کو خدا سمجھتے ہیں، رسول اللہ ﷺ کو بایں ہمہ کمالات و فضائل عبد اللہ و رسولہ مانتے اور کہتے ہیں، وہ آپ کے مدائح و مناقب میں بھی یہ پیمانہ رکھتے ہیں، جو قصیدہ بردہ میں فرمایا۔

دع ما اذعته النصاری فی نبیہم واحکم بعاشت مدحافہ واحتکم

”یعنی اس کلمہ کفر کو تو چھوڑ دو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہہ دیا (کہ وہ

معاذ اللہ خود خدا یا خدا کے بیٹے ہیں) اس کے سوا آپ کی مدح و ثناء میں جو کچھ کہو وہ سب حق

صحیح ہے۔ ”جس کا خلاصہ کسی نے ایک مصرع میں اس طرح بیان کر دیا۔
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

عمل اور عبادت میں اعتدال

اعتقاد کے بعد عمل اور عبادت کا نمبر ہے، اس میں ملاحظہ فرمائیے پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اپنے شریعت کے احکام کو چند نکلوں کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے، رشتوں کے کر آسانی کتاب میں ترمیم کی جاتی ہے، یا غلط فتوے دیئے جاتے ہیں، اور طرح طرح کے جیلے بہانے کر کے شرعی احکام کو بدلا جاتا ہے، عبادت سے بچھا چھڑایا جاتا ہے، اور دوسری طرف عبادت خانوں میں آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے ترک دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی، وہ خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھتے اور سختیاں جھیلنے ہی کو عبادت و ثواب سمجھتے ہیں۔

ابن محمد یہ فرماتے ہیں کہ اس کے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا، اور دوسری طرف احکام خدا اور رسول پر مرثیے کا جذبہ پیدا کیا، اور قصر و کسری کے تحت و تاج کے مالک بن کر دنیا کو دکھلادیا کہ دیانت و سیاست میں یا دین و دنیا میں یر نہیں، مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتر پر بھی ہے، اور وزارتوں اور لمارتوں پر بھی، اس نے بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی سکھائی۔

معاشرتی اور تمدنی اعتدال

اس کے بعد معاشرت اور تمدن کو دیکھئے، تو پچھلی امتوں میں آپ ایک طرف یہ بے اعتدالی دیکھیں گے کہ انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں، حق ناحق کی کوئی بحث نہیں، اپنی اغراض کے خلاف جس کو دیکھا اس کو کھل ڈالنا، قتل کر دینا، لوٹ لینا سب سے بڑا کمال ہے، ایک رئیس کی چھاگاہ میں کسی دوسرے کا اونٹ گھس گیا، اور وہاں کچھ نقصان کر دیا، تو عرب کی

مشہور جنگِ حربِ بسوس مسلسل سو۰۰ برس جاری رہی، ہزاروں انسانوں کا خون ہوا، عورتوں کو انسانی حقوق دینا تو کجا زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی، کہیں بچپن ہی میں ان کو زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی، کہیں مردہ شہروں کے ساتھ تھی کر کے جلا ڈالنے کا رواج تھا، اس کے بالقابل دوسری طرف یہ یہاں نہ رم دلی کہ کیڑے مکوڑے کی ہتھیا کو حرام سمجھیں، جانوروں کے ذبیحہ کو حرام قرار دیں، خدا کے حلال کئے ہوئے جانوروں کا گوشت و پوست سے نفع اٹھانے کو ظلم سمجھیں، امت محمدیہ ﷺ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا، ایک طرف انسان کو انسان کے حقوق بتلائے، اور نہ صرف صلح و دوستی کے وقت بلکہ عین میدانِ جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت سکھلائی، عورتوں کو مردوں کی طرح حقوق عطا فرمائے، اور دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی، جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے کو جرم قرار دیا، اور اپنے حقوق کے معاملہ میں درگزر اور غفور و چشم پوشی کا سبق سکھایا، دوسروں کے حقوق کا پورا اہتمام کرنے کے آداب سکھائے۔

اقتصادی اور مالی اعتدال

اس کے بعد دنیا کی ہر قوم و ملت میں سب سے اہم مسئلہ معاشیات اور اقتصادیات کا ہے، اس میں بھی دوسری قوموں اور امتوں میں طرح طرح کی بے اعتدالیاں نظر آئیں گی، ایک طرف نظامِ سرمایہ داری ہے، جس میں حلال و حرام کی قیود سے اور دوسرے لوگوں کی خوشحالی یا بد حالی سے آنکھیں بند کر کے زیادہ سے زیادہ دولت جمع کر لینا سب سے بڑی انسانی فضیلت سمجھی جاتی ہے، تو دوسری طرف شخصی اور انفرادی ملکیت ہی کو سرے سے جرم قرار دیا جاتا ہے، اور غور کرنے سے دونوں اقتصادی نظاموں کا حاصل مال و دولت کی پرستش اور اس کو مقصد زندگی سمجھنا اور اس کے لئے دوڑ دھوپ ہے۔

امت محمدیہ اور اس کی شریعت نے اس میں اعتدال کی عجیب و غریب صورت پیدا کی، کہ ایک طرف تو دولت کو مقصد زندگی بنانے سے منع فرمایا، اور انسانی عزت و شرافت یا

کسی منصب و عہدہ کا مدار اس پر نہیں رکھنا اور دوسری طرف تقسیم دولت کے ایسے پانچ گزہ وصول مقرر کئے جن سے کوئی انسان ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، اور کوئی فرد دوسری دولت کو نہ سمیٹے، قابل اشتراک چیزوں کو مشترک اور وقف عام رکھنا، مخصوص چیزوں میں بغیر ایہی ملکیت کا مکمل احترام کیا، حلال مال کی فضیلت اس کے رکھنے اور استعمال کرنے کے صحیح طریقے بتلائے، اس کی تفصیل اس قدر طویل ہے کہ ایک مستقل بیان کو چاہتی ہے اس وقت بطور مثال چند نمونے استدلال اور بے اعتدالی کے پیش کرنے تھے، اس کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ جس سے آیت مذکورہ کا مضمون واضح ہو گیا، کہ امت محمدیہ کو ایک معتدل اور بہترین امت بنایا گیا ہے،

شہادت کے لئے عدل و ثقہ ہو نا شرط ہے

لَنْ كُونُوا شُهَدَاءَ غُلٰی اَنْصَابٍ یعنی امت محمدیہ کو وسط اور عدل و ثقہ اس لئے بنایا گیا کہ یہ شہادت دینے کے قابل ہو جائیں، اس سے معصوم ہوا کہ جو شخص عدل نہیں ہو، قابل شہادت نہیں، عدل کا ترجمہ ثقہ یعنی قابل اعتماد کیا جاتا ہے، اس کی پوری شرائط کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت اجماع امت کے حجت ہونے پر ایک دلیل ہے کیونکہ جب اس امت کو اللہ تعالیٰ نے شہداء قرار دے کر دوسری امتوں کے بالقابل ان کی بات کو حجت بنا دیا تو ثابت ہوا کہ اس امت کا اجماع حجت ہے، اور عمل اس پر واجب ہے، اس طرح کہ صحابہ کا اجماع تابعین پر اور تابعین کا اجماع تبع تابعین پر حجت ہے۔

دور فقیر مظہری لکھا ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اس امت کے جو افعال و اعمال متفق علیہ ہیں وہ سب محمود و مقبول ہیں، کیونکہ اگر سب کا اتفاق کسی خطا پر تسلیم کیا جائے تو پھر یہ کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے کہ یہ امت اسطو اور عدل ہے۔

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے

مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے، اور امت رسول اللہ ﷺ کی صرف وہ نہ تھے جو اس زمانے میں موجود تھے، بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے جن کا قول حجت ہے وہ سب کسی خطا اور غلط پر متفق نہیں ہو سکتے۔ (بحوالہ معارف القرآن جلد اول، دوم و اربعین)

وصف اعتدال سے متعلق مزید وضاحت

قرآن مجید و فرقان حمید کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے ساکنان ارض کے لئے سب سے بڑی کتاب ہے، اور ایک دستور حیات ہونے کی حیثیت سے ایک ایسی کتاب دستور ہے کہ اس کے بعد سچے انسان کو تلاش حقائق کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت ہے نہ سرگرداں ہونے کی حاجت حق کے متلاشیوں کو قرآن حکیم میں ہر چیز مل جاتی ہے، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن نے اس کے لئے رہنمائی نہ عطا کی ہو، کرہ زمین پر جن انسانوں نے قرآن کریم کی کرامت کو کتاب عظیم کی عظمت کو صحیفہ آسمانی کی رفعت کو سمجھا ہے اور قرآن مجید اور رضائے الہی کے سامنے سر تسلیم و رضا خم کیا ہے، ہر فرازی اور سر بلندی ان کی قسمت ہوئی ہے، اور آج بھی متعدد اقوام و ملل نئے عنوانات کے ساتھ اس کتاب حیات سے روشنی اور نور حاصل کر کے درخشاں و تابندہ ہیں، اور جنہوں نے اس نور مسلسل کی تابندگی سے صرف نظر کیا ہے ان کی قسمت میں اقوام تابندہ کی بندگی لکھ دی گئی ہے، اور ضلالت اور غلامی ان کا مقدر بن گئی ہے، یہ قانون قدرت ہے اور اہل قانون ہے جس میں کبھی کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے، اور نہ اب ہو سکتی ہے اور نہ آئندہ تا قیام قیامت اس میں کوئی تبدیلی ہوگی۔

اس دنیا میں ایک پر مقصد زندگی گزارنے کے لئے قرآن مجید نے ہر شعبہ زندگی میں انسان کو رہنمائی عطا کی ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ ایک نمونہ کامل و اکمل کی حیثیت

سے کل کائنات بشری کے لیے بھیجے گئے قرآن اور رسول انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیتے ہیں اور انسان کے جسم و صحت کی حفاظت پر بڑی واضح ہدایات اور نہایت صریح احکامات عطا فرماتے ہیں۔ اس وقت ہم قرآن حکیم کی ایک آیت پر غور کرتے ہیں: ﴿وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ "یعنی بے اعتدالی نہ کرو، خدا بے اعتدالیاں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ضروریات و خواہشات کی تکمیل کے بارے میں قرآن مجید کی یہ ہدایت حفظ صحت کے سلسلے میں انتہائی ہمہ گیر اور جامع مفہوم کی حامل ہے، اس آیت کریمہ میں اعتدال پر انسان کو متوجہ کیا گیا ہے، اگر ہم غور کریں اور اپنی روزمرہ کی زندگی پر ایک امتحانی نظر ڈالیں، اور اپنے اعمال و افعال کا ایک تنقیدی جائزہ لیں تو اس آیت قرآنی کا مفہوم سمجھنا ہمارے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔

آپ کھانے پینے پر غور کیجئے، اگر لذیذ اور عمدہ کھانا سامنے آ گیا ہے تو کتنے انسان ہیں کہ دامن اعتدال چھوڑ کر راہ اعتدال پر چلتے ہیں؟ اور کتنے انسان ہیں کہ جو اپنے معدے کی گنجائش کا اور اپنی قوت ہضم کا جائزہ لے کر کھانے سے اس وقت ہاتھ کھینچ لیتے ہیں کہ جب ابھی معدے میں کھانے کی گنجائش موجود ہو!

ہم سب بہ خوب جانتے ہیں کہ انسان پر لذت غالب آ جاتی ہے، اور اعتدال کا مفہوم اوچھل ہو جاتا ہے اور وہ اس حقیقت اور اس حدیث رسول ﷺ کو فراموش کر دیتا ہے کہ "المعدة بيت الداء" "یعنی معدہ بیمار یوں کا گھر ہے" اور پھر انسان نہ صرف بد ہضمی کا شکار بن جاتا ہے، بلکہ اپنی صحت کے لئے خطرات مول لے لیتا ہے، اور اپنی عافیت تک سے صرف نظر کر لیتا ہے۔

پینے کا حال بھی کھانے سے مختلف نہیں ہے، انسان زوق و شوق میں نہ جانے کیا کیا پی رہا ہے اور اسے اعتدال کا ذرا بھی پاس ہے نہ لحاظ، ایک طرف اس کا حال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو بھول جاتا ہے کہ: ﴿وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ "یعنی حلال

اور پاک چیزیں کھاؤ۔“

اور دوسری طرف اس کی کیفیت فہم کا یہ عالم ہے کہ وہ ذرا بھی اس پر غور نہیں کرتا کہ وہ جو پی رہا ہے اور پینے کھانے پر خرچ کر رہا ہے، خود وہ اور اس کا ملک اس کا متحمل بھی ہے یا نہیں، ماکولات و مشروبات کی جو انواع و اقسام کثیر زرمبادلہ خرچ کر کے ہم نے اپنے لیے فراہم کر لی ہیں، غور کرنے کی چیز یہ ہے کہ کیا وہ ہماری حقیقی ضرورتیں ہیں یا تکلفات محض؟ سمجھنے کی چیز یہ بھی ہے کہ ان کا فائدہ ہمارے جسم کو پہنچ رہا ہے یا وہ لوگ ان حقیقی فوائد سے متنع ہو رہے ہیں جو ان کے موجد ہیں، اور ہمیں بھگوانے والے ہیں اس صورت حال پر ذرا گہرائی کے ساتھ غور کیجئے اور دوبارہ اس پوری آیت پر غور کیجئے کہ ﴿كُلُوا وَشَرِبُوا وَلَا تُسْرِفُوا﴾ ”کھاؤ پیو مگر بے اعتدالی نہ کرو۔“ کیوں کہ ﴿لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ﴾ ”خدا بے اعتدالیاں کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

کھانے پینے کے بارے میں ان کلمات چند سے صحیح بات سامنے آ جاتی ہے کہ ہمیں اعتدال کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے، ہمیں زندہ رہنے کے لئے کھانا چونا چاہئے، نہ کہ کھانے پینے کے لئے زندہ رہنا، یہ نہ صرف ہماری صحت کے لئے ضروری ہے، بلکہ ہماری ملی اور ملکی عافیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہم حدود اعتدال سے باہر قدم نہ رکھیں اور اس حقیقت کو پوری طرح ذہن میں رکھ لیں کہ بھوک سے زیادہ کھانے والے کو اللہ تعالیٰ نے پسند نہیں فرمایا مشہور قول ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُغْضِ الْأَكِلَ فَوْقَ شَعْبِهِ﴾

ہادی برحق جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے صحت کو عظیم نعمت قرار دیا ہے اور حفظ صحت کی ہدایت فرمائی ہے، اپنی صحت کی حفاظت انسان کا حق بھی ہے اور فرض بھی، صحت کی حفاظت انسان کی ذاتی ضرورت بھی ہے اور قومی اور ملی حاجت بھی ہے، ذاتی اس لئے ہے کہ اگر وہ بیمار ہے تو اپنے فرائض ادا نہیں کر سکتا اور اپنی صحت کو پرست نہیں، بنا سکتا ہے، کیوں کہ صحت ہی سب سے بڑی مسرت ہے، جو انسان نعمت صحت سے محروم ہو گیا سمجھ لینا چاہیے اور یقین کر لینا چاہیے کہ وہ ہر مسرت سے محروم ہو گیا۔

صحت، ملکی اور قومی ضرورت اس بنا پر ہے کہ قوم کے بیمار اور صحت سے محروم افراد ایک صحت مند قوم اور تندرست ملت نہیں بنا سکتے اور ایک ایسی قوم جو مجموعی طور پر بیمار اور نحیف و زار ہو نہ صرف یہ کہ کرۂ ارض پر اپنی حقیقت کو تسلیم نہیں کر سکتی، بلکہ اپنے وجود کو بھی باقی نہیں رکھ سکتی، نہ مانے کے تھپڑے اسے خس و خاشاک کی طرح اڑا دیں گے۔

اگر مسلمان صحت مند نہیں ہے اور ملت اسلامیہ بیمار ہے تو باور کرنا چاہیے کہ یہ سب سے بڑا عذاب ہے، اس کا صریحی مطلب یہ ہوگا کہ صحت مند اور طاقت ور اقوام اپنی جسمانی طاقت اور اپنی صحت مند صلاحیت کی بنا پر اس پر غلبہ پالیں گی اور اعلا بکلمۃ الحق والی امت اپنے حقیقی فرائض کی ادائیگی سے محروم ہو جائے گی اور اس کی بیماری اسے افکار غیر تک قبول کرنے پر مجبور کر دے گی، اب ضرورت ہے کہ ہم اپنی صحت کو حقائق کے اس آئینے میں بھی دیکھیں اور من حیث القوم حفظ صحت پر توجہ کریں۔ ہم نے ابھی کہا کہ حفظ صحت آپ کا ذاتی معاملہ بھی ہے اور ایک فریضہ قومی بھی، آپ کی صحت اور صحت ملی لازم و ملزوم ہیں، میں آپ کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری ملت میں بے شمار افراد ایسے ہیں کہ جو اصول حفظ صحت کا مفہوم نہیں سمجھتے، ان کی اس لاعلمی نے ان کو اور ان کے گھر کو بیماریوں کی آماج گاہ بنا رکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ آپ ان افراد ملت کو یہ مقدس فریضہ ضرور ادا کرنا چاہیے۔ مجھے اس وقت حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک بڑا اچھا قول صحت یاد آیا ہے میں اسی پر اپنے اس خطاب کو ختم کرتا ہوں: ﴿الضَّحَّةُ تَاجُ عِلْسِي دُءُوسِ الْأَصْحَاءِ لَا يَسْرَاهُ إِلَّا الْغُرَضِيُّ﴾ ”اس قول داؤد کا مطلب یہ ہے کہ صحت ایک ایسا تاج ہے جو صحت مندوں کے سر پر ہوتا ہے، مگر یہ صرف مریضوں کو نظر آتا ہے۔“ (بحوالہ نورستان از سید محمد سعید شہید)

اعتدال کا معنی اور مطلب

اعتدال کا مطلب ہے نہ حد سے زیادہ اور نہ حد سے کم۔ اسی کو میانہ روی بھی کہا جاتا

ہے۔ داناؤں کا قول ہے کہ ہر کام میں بے اعتدالی کرنے سے نقصان کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ محسنِ انسانیت رسولِ اکرم ﷺ نے بھی اعتدال پر بے حد زور دیا اور فرمایا ہے کہ۔
 ”اے لوگو! اعتدال اختیار کرو۔ اللہ کسی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو۔ (یاد رکھو) تمام کاموں میں اعتدال سب سے بہتر ہے۔“

درحقیقت اعتدال قدرت کا سچ اور پکا اصول ہے۔ دنیا کا تمام کارخانہ اسی پر قائم ہے کوئی کام خواہ دینی ہو یا دنیوی ایسا نہیں جس میں اعتدال کی ضرورت نہ ہو۔ انسان کو اطمینان کی زندگی اسی وقت نصیب ہوتی ہے جب وہ اعتدال پر کاربند ہو اور کبھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔ آج ہمارے معاشرے میں جتنی بھی خرابیاں دکھائی دیتی ہیں ان میں سے بیشتر کا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے کاموں میں بے اعتدالی سے کام لیتے ہیں حالانکہ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم ایک اسلامی معاشرے کے افراد ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ محض زبانی دعویٰ ہے۔ عملی زندگی میں ہم اس بات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں کہ اسلامی طرزِ معاشرت میں اعتدال بنیادی اصول کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ عبادت میں بھی اعتدال کی تلقین کی گئی ہے۔ متواتر روزے رکھنا یا ساری ساری رات عبادت میں مصروف رہنا اور نہ صرف اپنے گھر والوں سے بلکہ دنیا کے دوسرے کاموں سے بھی غافل ہو جانا اعتدال کا طریقہ نہیں ہے۔ اسی لئے اس کو ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ دین کو مشکل مت بناؤ۔ عبادت اسی حد تک درست ہے جب تک تمہارا دل اس میں لگا رہے۔ اتنی زیادہ عبادت نہ کرو کہ طبیعت اکٹا جائے اور روحانی سکون ملنے کی بجائے وحشت ہونے لگے۔ دوسری طرف دنیا کے دھندوں میں اس قدر مشغول نہ ہو جاؤ کہ اللہ کی یاد سے غافل ہو جاؤ۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب اللہ اپنی عبادت میں بے اعتدالی پسند نہیں کرتا تو اسے دنیاوی کاموں میں یہ کیسے پسند آسکتی ہے، لیکن آج ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جو شادی بیاہ، بچوں کی پیدائش اور دوسرے رسوم و رواج پر اعتدال کے دائرے کے اندر رہتے ہیں۔ ہم تو ایسے موقعوں پر زیادہ خرچ کر کے لوگوں کی واہ واہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر حکومت

ہمارے بھٹے کی خاطر مہمانوں کی تعداد اور کھانوں پر پابندی لگاتی ہے تو ہم بے اعتدالی کرنے کے لئے چوری چھپے ایسے طریقے اختیار کر لیتے ہیں کہ اس پابندی کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔ ایسی بے اعتدالیوں نے کئی گھرانوں کا سکھ و چین چھین لیا ہے اور وہ قرض اور افلاس کے چکر میں ایسے پھنستے ہیں کہ اس سے چھٹکارا پانا مشکل ہے۔ اگر اپنی چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے جائیں تو اس میں اپنا بھی فائدہ ہے اور قوم اور ملک کا بھی۔

مثلاً ورزش انسانی صحت کے لئے بہت مفید ہے لیکن جب حد سے بڑھ کر ورزش کی جائے یہاں تک کہ آدمی تھک کر چور ہو جائے تو یہی ورزش سخت نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔ اچھی اور متوازن غذا صحت بخش ہوتی ہے، لیکن خواہ کسی عمدہ خوراک ہو، اگر اس کے استعمال میں اعتدال سے کام نہ لیں اور بار بار تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد منہ چلاتے رہیں تو وہ فائدہ دینے کی بجائے زہر بن جاتی ہے۔ معدہ خراب ہو جاتا ہے اور آدمی طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

مطالعہ بہت اچھی عادت ہے لیکن اس میں بھی بے اعتدالی سخت نقصان کا باعث ہوتی ہے۔ وقت بے وقت مطالعہ میں مصروف رہنے سے نہ صرف آنکھوں پر بوجھ پڑتا ہے بلکہ عام جسمانی صحت بھی خراب ہو جاتی ہے۔

بچوں سے پیار محبت بہت ضروری لیکن اس میں بھی آپ حد سے بڑھ گئے تو بچے بگڑ جائیں گے۔ گفتگو اور بول چال سے کسی انسان کی خوبیاں اور خامیاں ظاہر ہوتی ہے۔ منہ سے بات نکالنے میں احتیاط اور اعتدال سے کام نہ لیا جائے تو انسان دوسروں کی نظر سے گر جاتا ہے۔ اگر ایک شخص میں چھچھور پن ہے، وہ ڈینگیں مارتا ہے، دوسروں کی غیبت کرتا ہے، بے محل ہنستا ہے، بار بار بگڑتا ہے اور روٹھتا ہے تو وہ لوگوں میں ذلیل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص حد سے زیادہ خاموش رہتا ہے یا حد سے زیادہ کم گو ہے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ مغرور اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔ آپس میں ہنسی مذاق کرنا برا نہیں، لیکن جب یہ حد سے بڑھ جائے اور تہذیب کے دائرے سے باہر ہو جائے تو لڑائی اور دشمنی کا سبب بن جاتا ہے۔

سنبھوی اور بنگلی ایک بری عادت ہے لیکن اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنا اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ بعض لوگ خوراک اور پوشاک پر اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمیشہ تنگ دستی کا شکار رہتے ہیں۔ اگر کوشش کر کے سادہ خوراک کی عادت ڈالی جائے اور چٹخارے بازی سے پرہیز کیا جائے تو اس سے خرچ کافی کم ہو سکتا ہے اسی طرح پوشاک زیادہ قیمتی ہونے کے بجائے سادہ اور صاف ستھری ہو تو اس پر خرچ بھی کم آئے گا اور عزت میں بھی کوئی کمی نہیں آئے گی۔

مختصر یہ کہ اعتدال اور میانہ روی میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور نقصان کا کوئی پہلو نہیں۔ اگر آج ہم اعتدال کو اپنی زندگی کا اصول بنالیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے معاشرے کی بہت سی خرابیاں تھوڑی سی مدت میں نیست و نابود نہ ہو جائیں۔ آئیے سچے دل سے عہد کریں کہ ہم کھانے پینے خرچ کرنے، پڑھنے لکھنے، پینے اوڑھنے، دوڑنے بھاگنے، ہسنے بولنے، غرض ہر کام میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیں گے۔ اگر آپ نے یہ عہد پورا کیا تو آپ دیکھیں گے کہ اس سے صرف آپ ہی کا بھلا نہیں ہوگا بلکہ قوم اور ملک کو بھی بے انتہا فائدہ پہنچے گا۔

رسول اکرم ﷺ اور اعتدال کی اہمیت

میانہ روی یا اعتدال کا مطلب ہے کسی امر میں افراط و تفریط سے بچ کر درمیانی راستہ اختیار کرنا مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں اپنے محبوب یا پسندیدہ بندوں کے جو اوصاف بیان کئے ہیں ان میں ایک وصف یہ ہے کہ وہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل، ارشاد ہوا ہے۔ **وَالَّذِينَ إِذَا انْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا (الفرقان)** ”یعنی جو خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل بلکہ ان کا خرچ دونوں انتہاؤں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتا ہے۔“

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے کہ۔ **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ**

عشقک ولا تبطلھا کما البسط قطعہ معلوماً محصوراً ۵ (آیت۔ ۴۹)

”یعنی نیتو اپنا ہاتھ گردن سے باندھ رکھو اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو کہ غلامت زدہ اور عاجز بن کر رہ جاؤ۔“ مطلب یہ کہ بخیل بن کر نہ تو دولت کی گردش کرو کرو اور نہ فنیول خرچی میں جک ہو کر توبہ و بار بار ہو جاؤ۔

سورۃ لقمان میں ارشاد ہوا ہے کہ۔ واقصد فی عشیک ”یعنی اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو“ مطلب یہ کہ سیدھے سادھے معقول اور شریف آدمی کی ہی چال پیو جس میں نہ کوئی انشعاب اور اکڑ ہو اور نہ سر مل پن اور نہ دکھاوے کا انکسار۔

عبادت میں اعتدال کا حکم اسی طرح دیا گیا ہے۔

ولا تسبھر بصلاحتک ولا تسخفت بہا وابتغ بہن ذلک سبیلاً ۵
”یعنی اور اپنی نماز نہ بہت زیادہ ملندہ آواز سے پڑھو اور نہ بہت ہلکی آواز سے“ ان دونوں کے درمیان واسطہ اور جے کا لہجہ اختیار کرو۔

فی الحقیقت اسلام میں مینہ روی یا اعتدال کو تمام امور میں بہترین روش قرار دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو میانہ روی اختیار کرنے کی بہت تاکید فرمائی کرتے تھے چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

(۱)۔ حضرت جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسے لوگو! اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار کرو، اعتدال اختیار کرو۔ اللہ کی کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود مشقت میں نہ پڑو۔ (کو: اعتدال)

(۲)۔ حضرت عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کسی شخص کو دین میں بصیرت زیادہ نہیں ہوتی۔ جب تک اس کے اعمال میں مینہ روی نہ آجے۔ (ملفوظ)

(۳)۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کیا اچھا ہے اعتدال قبول میں، کیا اچھا ہے اعتدال فقر میں، کیا اچھا ہے اعتدال عبادت میں۔

(۴)..... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگو! اسی قدر اعمال اختیار کرو، جس کی تم طاقت رکھتے ہو، اللہ تعالیٰ تم کو تکلیف میں نہیں ڈالتا جب تک تم خود تکلیف میں نہ پڑو۔ (کنز العمال)

خود رسول اکرم ﷺ اپنے معمولات روز و شب میں جہاں تک ممکن تھا میانہ روی، اعتدال سے کام لیتے تھے۔ رات کو آپ ﷺ نے تین حصوں میں بانٹ رکھا تھا۔ ایک حصہ آپ ﷺ نے اپنے صحابہؓ یا دوسرے لوگوں سے مختلف امور کے سلسلے میں گفتگو اور ملاقاتوں کے لئے مختص کر رکھا تھا، ایک حصہ اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی کے لئے تھا اور ایک حصہ عبادت کے لئے وقف تھا۔ دن کے اوقات تبلیغ حق اور دوسرے دینی و دنیوی معاملات کے نمٹانے میں صرف ہوتے تھے۔ مدنی زندگی میں رسول اکرم ﷺ کو ایک وسیع و عریض مملکت کے سربراہ کی حیثیت بھی حاصل ہو گئی تھی۔ یوں آپ ﷺ کی ذمہ داریوں میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ کار نبوت بھی تھا اور امور مملکت بھی تھے لیکن آپ ﷺ نے دین اور دنیا کے تمام معاملات کو ایسے تو ازن اور خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ چشم فلک نے اس سے پہلے کبھی کسی اور کو ایسا ہمہ گیر امور متوازن کر دیا کرتے نہیں دیکھا تھا۔ ذرا چشم تصور اور سمجھنے اور دیکھنے۔

ختم الانبیاء والمرسلین و فرمانروائے مملکت اسلامیہ عرب مختلف ملکوں کے بادشاہوں قبائل کے سرداروں اور حاکموں کے نام فرمان لکھوا رہے ہیں، دوسرے ملکوں کے سفیروں اور مختلف قبیلوں اور قوموں کے وفد کو شرف باریابی بخش رہے ہیں۔ نظم مملکت کے لئے اعمال کا تقرر فرما رہے ہیں، جنگ کے میدانوں میں فوج کی قیادت فرما رہے ہیں، بیماروں کے گھروں پر بہ نفس نفیس تشریف لے جا کر ان کی عیادت فرما رہے ہیں، اسی طرح وفات پا جانے والوں کے پسماندگان کے پاس جا کر تعزیت کر رہے ہیں، اہل ایمان کے جنازوں کے ساتھ جا رہے ہیں، غرباء، مساکین، یتیموں اور حاجت مندوں کی اعانت فرما رہے ہیں۔ نمازوں میں صحابہ کی امامت فرما رہے ہیں، بازاروں میں یہ دیکھنے کے لئے گشت لگا رہے ہیں کہ کوئی دکاندار گاہکوں کو دھوکا تو نہیں دے رہا۔ غرض دین اور دنیا کے

معاملات یا حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں جو توازن اور اعتدال ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔

افراد امت کو میانہ روی اختیار کرنے اور شدت یا انتہا پسندی سے بچنے کی تلقین و ہدایت کا انداز کیا تھا، چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

جلیل القدر صحابی حضرت عثمان بن مظعونؓ کو عبادت الہی سے بے حد شغف تھا، رات بھر نمازیں پڑھتے رہتے تھے اور مسلسل روزے رکھتے تھے یہاں تک کہ اہل وعیال کے حقوق و فرائض کی طرف سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کو ان کے اس طرز عمل کا علم ہوا تو ان کو بلا کر ان الفاظ میں نصیحت فرمائی۔ اے عثمان! کیا میری ذات تمہارے لئے اسوۂ حسنہ نہیں؟ میں نماز بھی پڑھتا ہوں، روزے رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں سوتا بھی ہوں، اپنی بیویوں سے بھی ملتا ہوں، عثمانؓ اللہ سے ڈرو، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے مہمان اور تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے۔ اس لئے تم روزہ بھی رکھو اور افطار بھی کرو، نماز بھی پڑھو اور سوا بھی کرو۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے وعدہ کیا کہ رسول اکرم ﷺ کی ہدایت پر عمل کریں گے۔

(سیرۃ الصبیحہ جلد ۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ رسول اکرم ﷺ کو خطبہ پڑھتے ہوئے ایک آدمی دھوپ میں کھڑا نظر آیا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے اس کا نام اور دھوپ میں کھڑا ہونے کا سبب پوچھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس شخص کو ابواسرہیلؓ کہتے ہیں۔ اس نے نذر مانی ہے کہ ہمیشہ دھوپ میں کھڑا رہا کرے گا، سایہ میں بھی نہیں جائے گا، اور نہ کسی سے کلام کرے اور روزہ کھا کرے گا۔ رسول اکرم ﷺ نے (ابواسرہیلؓ کی انتہا پسندی کو ناپسند فرماتے ہوئے) فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ سایہ میں بیٹھے اور کلام بھی کرے البتہ اپنا روزہ پورا کرے۔

(صحیح بخاری)

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ نے ایک مرتبہ ارادہ کیا اور لوگوں کے سامنے اس کا برملا اظہار کیا کہ وہ جب تک زندہ ہیں ہمیشہ روزہ رکھا کریں گے اور رات بھر

نماز پڑھتے رہا کریں گے۔ رسول اکرم ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ کو بھیجا اور ان سے فرمایا کہ اے عبداللہؓ! کیا تو نے ایسا اور ایسا کہا ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بے شک میں نے ایسا کہا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ، تجھے اس کی طاقت نہیں، تو روزہ بھی رکھا کر اور افطار بھی کیا کر، سو یا بھی کر اور نماز بھی پڑھا کر اور ہر مہینے میں تین روزے رکھ لیا کر (ان کا اجر تجھے دس گناہ ملے گا) اور ایسا کرنا ہمیشہ روزہ رکھنے کی مثل ہے۔

حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن روزہ رکھا اور دو دن افطار کیا کر۔

حضرت عبداللہؓ بولے یا رسول اللہ ﷺ! مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ (اچھا تو پھر) ایک دن روزہ رکھا کر اور ایک دن افطار

کیا کر کہ یہ حضرت داؤد علیہ السلام کے روزے ہیں اور سب نفلی روزوں سے بہتر ہیں۔ اب

بھی حضرت عبداللہؓ نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو رسول اکرم

ﷺ نے فرمایا کہ ان سے افضل کوئی (نفلی روزے) نہیں (برولت دیگر حضرت داؤد علیہ

السلام کے روزے اللہ تعالیٰ کو سب روزوں سے زیادہ محبوب ہیں)۔

حضرت عبداللہؓ جب بوڑھے ہو گئے تو اکثر فرمایا کرتے تھے کہ کاش میں رسول اللہ

ﷺ کی (تین دن والی) رخصت قبول کر لیتا۔ (حمیمین)

رسول اکرم ﷺ کبھی کبھی رات کے پچھلے پہر خانہ اقدس سے باہر نکلا کرتے تھے۔ یہ

دیکھنے کے لئے کہ آپ کے صحابہؓ سوئے ہوئے ہیں یا عبادت میں مشغول ہیں۔ ایک دفعہ

جب آپ نکلے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ "تہجد کی نماز پڑھ رہے ہیں اور نہایت جیسی

آواز میں قرآن حکیم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ آگے بڑھے تو حضرت عمر فاروقؓ

کو بہت اونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کرتے دیکھا۔ دوسرے دن فجر کی نماز کے

بعد رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے پوچھا کہ۔

”اے ابو بکر! آپ تہجد کی نماز میں اتنی دھیمی آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کیوں کر رہے تھے؟“ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں جس پاک ذات کا کلام پڑھ کر اس سے دعا کرتا ہوں کہ وہ میری دعا میں رہا تھا۔ (کہ وہ مسیح ہے) اس لئے میں نے اپنی آواز کو زیادہ اونچی کرنا سب سے نہ سمجھا۔

اب رسول اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے پوچھا کہ۔ ”اے عمر! آپ اتنی بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کیوں کر رہے تھے؟“ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! میں اس لئے اونچی آواز میں قرآن پڑھ رہا تھا کہ سوتوں کو چکاؤں اور شیطان کو بھاؤں۔

پھر آپ ﷺ نے حضرت عمر فاروقؓ سے فرمایا کہ۔ ”اے عمر! آپ اپنی آواز کو تھوڑا سا پست (کم) کر کے قرآن پڑھا کریں۔“ اس طرح رسول اکرم ﷺ نے یہ سبق دیا کہ ہر معاملے میں اعتدال (میان روئی) بہترین روش ہے، جہاں تک ہو سکے میان روئی (نہایت زیادہ نہ بہت کم) اختیار کرنی چاہئے (سرخیل اور منیٰ) (تقریباً طرزِ غیر الخلاق)

اسلام میں اعتدال پسندی کی اہمیت

اسلام دینِ فطرت ہے، اس کے اصول، قواعد اور ضوابط انسانی فطرت اور انسان کے طبعی تقاضوں کے عین مطابق ہیں، یہ بنیادی طور پر اہم بات ہے کہ اسلام میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی تمام ہدایات اور احکام کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت کا صحیح علم صرف اسی کو حاصل ہے، کیوں کہ اس نے انسان کو اور اس کے فطری تقاضوں کو پیدا کیا ہے۔

ہزار سال کی تحقیق و تفتیش کے بعد بھی انسان نے اپنی فطرت کے بارے میں جو علم حاصل کیا، اس علم کو اللہ تعالیٰ کے علم سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی، بالفاظ دیگر انسان اپنی فطرت، اپنی ضرورت اور اپنے بارے میں خوب اور ناخوب کو صحیح طور پر نہیں سمجھتا، انسان کی

فطرت، اس کے طبعی تقاضوں اور اس کی اچھائی و برائی کو اگر کوئی ہستی صحیح طور پر سمجھتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے انسان کو پیدا کیا ہے، دوسرے درجے پر انسان کی فطرت کا علم انبیاء کو حاصل ہے جو دراصل اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا علم ہے۔

انسان نے اپنے بارے میں جو کچھ سوچا، اپنے بارے میں جہاں جہاں نظام ہائے زندگی مرتب کیے، ان کی بنیادی خامی یہ تھی کہ وہ انسانی فطرت کے ناقص علم پر مبنی ہیں، انسانی فکر انسانی فطرت کے تقاضوں کو ٹھیک طور پر سمجھنے بغیر پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور نتیجہ بار بار ٹھوکریں کھاتا ہے۔

انسانی فکر کی دوسری بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ صرف اپنے دور کے بارے میں سوچ سکتا ہے، انسانی فکر، وقتی اور ہنگامی تقاضوں پر مبنی ہوتا ہے۔

انسانی فکر کی تیسری بنیادی خامی یہ ہے کہ وہ بغاوت اور رد عمل پر مبنی ہوتا ہے..... انسانی تحریکوں کی تاریخ اٹھا کر دیکھئے، معلوم ہوگا کہ انسان ٹھنڈے دماغ سے سوچنے کے بجائے جذباتی انداز میں سوچنے کا عادی ہے، اس کی سوچ کا نوے فیصد حصہ غصے اور نفرت پر مبنی ہوتا ہے۔ انسانی فکر نے کبھی تحریک کی شکل اختیار نہیں کی، جب تک اس نے انسانوں کے ایک گروہ کو جذباتی انداز میں اپنے ساتھ نہ ملا لیا ہو۔

انسانی فکر کی ان تین بنیادی خامیوں کو مد نظر رکھیں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ انسان کے بنائے ہوئے نظام مہائے زندگی، انسان کے بنائے ہوئے قاعدے و قوانین ہمیشہ اس کی صحیح فطرت سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ انسانی قوانین کبھی اس انتہا کی طرف اور کبھی اس انتہا کی طرف مائل ہوتے ہیں، کبھی افراط اور کبھی تفریط، پنڈولیم کی کم سوئی کی طرح ایک انتہا سے دوسری انتہا کی جانب حرکت ہی حرکت، اور کبھی بھی درمیان میں روکنے کا نام نہیں، انسانی فکر کو کبھی درمیان کا راستہ اور اعتدال کی منزل نصیب نہیں ہوئی۔

اسلام چونکہ عین فطرت کے مطابق ہے، اس لئے انسانی فکر کی انتہا پسندیوں کے عین درمیان چلتا ہوا دکھائی دیتا ہے، زندگی کا کوئی پہلو ہو، سیاسی، سماجی یا معاشی اور زندگی کا

کوئی مرحلہ ہو، ہر قدم پر، اسلام آپ کو یہ بتا رہا تھا پسندوں کے عین درمیان میں اعتدال کی راہ اختیار کیے ہوئے نظر آئے گا۔

چند مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔ معاشی زندگی میں انسان نے سرمایہ دارزہیت سے سوچا اور لامحدود ملکیت کا نظریہ پیش کیا، اور کئی سال تک ”لامحدود ملکیت“ کے دیو نے غریب انسان کا خون چوسا اور معاشی استحصال کا سلسلہ جاری رہا جب انسانیت سرمایہ دار کی لامحدود ملکیت سے پیدا کروہ معاشی استحصال سے بلبلانہمی تو اس نے لا محدود ملکیت کو انتہا پسندانہ کھکر مخالفت کرتے ہوئے نظریہ ملکیت تک کو کھکر ادیا۔ یعنی ایک انتہا سے دوسری انتہا کی طرف، اور نتائج وہی کے وہی! اب دیکھئے ان دونوں انتہا پسندانہ نظریوں کے عین درمیان میں اسلام کا نظریہ ملکیت نظر آئے گا جس میں نہ تو لامحدود ملکیت ہے اور نہ ہی سرمایہ سے نظریہ ملکیت کی نفی ہے بلکہ محدود ملکیت کا تصور ہے جس میں دونوں انتہاؤں کی خامیاں محدود نہیں ہیں۔

ایسے ہی سیاسی زندگی میں بھی انسان ہزار ہا سال تک شخصی حکومت پر کھکا رہا، حد یہ ہے کہ اگر سولو جیسا مفکر بھی جمہوریت کو بدترین حکومت قرار دے رہا، بعد میں انسانی قمر نے باغیانہ فخر اٹھائی تو جمہوریت اور ایسی جمہوریت کے گمن گائے جانے لگے، جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تو لاف نہیں کرتے، اور ایسی جمہوریت جس میں کثرت رائے سے انسانیت کا نتیجہ ترین جرم بھی جائز قرار دیا جاتا ہے، ان دونوں انتہاؤں کے عین درمیان آپ کو اسلام کا سیاسی نظام بنیم، جمہورنی اور نیم شخصی غرض کا نظریہ آتا ہے جس میں قانون سازی اور اقتدار اعلیٰ نہ کسی ایک انسان کو حاصل ہے اور نہ انسانوں کی کسی ان پڑھ جماعت کو، بلکہ یہ قانون سازی، برائتہ اور اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اور خلافت کی نمونہ گئی کا حق انسانوں کی ایک تعلیم یافتہ اور متقی جماعت کو جسے شوریٰ کہتے ہیں، حاصل ہوتا ہے۔ تو اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا راستہ ہی اعتدال کا راستہ ہے، یہی مطلب ہے حضور کے اس ارشاد کا کہ: ﴿مَنْ سَلَكَ سُبُلَ الْإِسْلَامِ سَلَكَ سُبُلَ الْجَنَّةِ﴾ ”بہترین کام وہی ہیں جو اعتدال پر ہوں۔“ انسان نے روح اور جسم کے

تقاضوں کے بارے میں جب بھی کوئی لائقِ عمل و تقویٰ رکھتا ہے اس میں عجیب انتہائی پسند کی کامظاہرہ کیا، سالہا سال تک لوگ روجانیت اختیار کر کے جنگوں، پہاڑوں اور غاروں میں کوشش کرتے، تب بھی انہیں گمیان و حیران نصیب نہیں ہوتا لیکن جن لوگوں کو گمیان و حیران نصیب ہوتا، وہ خاندانی زندگی، اولاد، مسائلی اور انسان کی دیگر اہم ضرورتوں سے محروم رہتے۔ دوسری انتہا یہ کہ جو لوگ دنیا دار ہوتے وہ خالص دنیا دار ہوتے اور اپنے آپ کو کسی روحانی ترقی کے قائل نہ سمجھتے۔ ان کا کام فقیرانہ ہو سکتا تھا کہ وہ روحانی پیشواؤں کے آگے ہاتھ پھیلا دیں اور ان کی خدمت کر کے نجات حاصل کریں، بالفاظِ دیگر انسانی نظاموں میں جو شخص دنیا داری کے لائق ہے وہ روحانیت کے لائق نہیں اور جو روحانی پیشوا بن سکتا ہے وہ بھری اور آباد دنیا کے اندر رہنے کے لائق نہیں۔ آپ دیکھیے کہ اسلام کا راستہ ان دونوں انتہاؤں کے درمیان بالکل اعتدال کا راستہ ہے، اسام نے روزہ فرض قرار دے دیا، لیجئے روحانیت کا بہت بڑا حصہ حاصل کرنا ہر شخص کے لئے ضروری قرار پایا، ایک ماہ تک کسی مشق کرائی جاتی ہے کہ عیش و آرام کی بہترین صورتیں یعنی کھانا پینے، سونا اور جنسی لذت حاصل کرنا، عتیوں میں شدید کی پیدا کر دی مگر اس کے ساتھ ساتھ ہر شخص کے لئے ضروری قرار دیا کہ وہ والدین، اہل خیال، مسایوں اور دیگر تمام لوگوں کے حقوق اس بھری دنیا کے اندر ادا کرے، یعنی دنیا داری اور روحانیت دونوں میں انتہائی حسین اعتدال کی صورت پیدا فرمادی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ﴿لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ﴾ ”کہ اسلام میں ترک دنیا جائز نہیں ہے۔“ اگر کوئی شخص غلو قات سے کچھ دیر کے لئے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو وہ مسجد میں چلا آئے، احکامِ اس کی بہترین صورت ہے۔ حرمِ برآں مسجد میں پانچ وقت کی نماز اور رات کا قیام بھی اسی مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ تو اصل بات یہ ہے کہ اسلام کا راستہ ہی اعتدال کا راستہ ہے، یہی مطلب ہے حضور ﷺ کے اس ارشاد کا کہ: ﴿حَمْدُ الْأَمْرِ أَوْ مَسْطَحًا﴾ ”یعنی بہترین کام وہی ہے، جہاں اعتدال پر ہوں (بحر و جبلتہ)۔“

يَا زَيْدَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَامَا أَبَدًا عَلٰی خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصیت نمبر ۶۶

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدا اُمیں بلند ہوئیں قابل احترام کارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چھ خصوصیات خصوصیت چہم کی جاتی ہے جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں“ الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روزہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنت میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ علی کا فضل ہے اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الجنت میں بٹھا کر اپنے محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

بہر حال محترم کارئین اذیل میں آنے والی خصوصیت بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اتنا عظیم بتایا کہ آپ ﷺ کے ظہور سے متعلق فضاء میں بھی صدائیں بلند ہوئیں جیسا کہ آنے والے صفحات میں آپ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں گے، جیسے ہم نے احادیث کی روشنی میں ترتیب دیا ہے، امید ہے کہ انشاء اللہ اس خصوصیت مطالعے سے بھی آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا مدعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے کی لہر آپ ﷺ کی جملہ تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

چھٹا نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ اچانک فضا میں آوازیں سنائی دیں، یعنی نہ تو کاہن نے کہیں اور نہ بتوں اور ذبح گھسے

ہوئے جانوروں کے پیٹ سے ابھریں۔ چنانچہ اسکی روایتیں بھی بہت سی درست ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! میں نے قس کی ایک بڑی عجیب بات دیکھی ہے۔ ایک دفعہ رات کے وقت میں اپنے ایک اونٹ کی تلاش میں جا رہا تھا یہاں تک کہ رات ڈوبنے لگی اور صبح کا وقت قریب آ گیا، اچانک مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

یا ایہا الواقد فی اللیل الاحمر قد بعث اللہ نبیا بالحرم
ترجمہ..... اے تاریک رات میں سونے والے اللہ تعالیٰ نے حرم میں ایک نبی ظاہر فرمایا ہے۔

من ہاشم اهل الوفاء والکرم یجلود جنات اللیالی والہم
ترجمہ..... جس کا تعلق اس قبیلہ بنی ہاشم سے ہے جو وفا اور کرم میں مشہور ہیں جو تاریکیوں کو دور کر دے گا، یہ آواز سن کر میں نے اپنے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی نظر نہیں آیا۔ تو میں نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

یا ایہا الها قف فی راجی الظلم اهلاً وسہلاً بک من طیف الم
ترجمہ..... اے رات کے اندھیروں میں آواز دینے والے اس خبر پر تجھے خوش آمدید جو لیکر آیا ہے۔

بین ہذاک اللہ فی لحن الکلم من ذا الذی تدعو الیہ یغم
ترجمہ..... اللہ تعالیٰ تجھے ہدایت دے تو یہ بات تاکہ وہ کیا چیز ہے جس کی طرف تو دعوت دیتا ہے۔ اسی وقت مجھے کھکارنے اور گلا صاف کرنے کی آواز آئی اور کسی کہنے والے نے کہا۔ "نور ظاہر ہو گیا اور سید زوری کا دور ختم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو خوشی و سرور دے کر ظاہر فرمادیا جو شریف و معزز خاندان سے ہیں، جو تاج یعنی عظمت و اعزاز اور خود یعنی قوت و طاقت والے ہیں، سرخ و سفید چہرے والے ہیں، روشن پیشانی والے ہیں، گہری سیاہ آنکھوں والے ہیں۔ جن کا کلمہ اشہد ان لا الہ الا اللہ ہے۔ یہ وہی محمد ﷺ ہیں جو

کا لئے اور گھر سے تمام انسانوں کی طرف بھیجے گئے ہیں اور عرب و عجم کی رہنمائی کے لیے ظاہر ہوئے ہیں۔ "اُس کے بعد اس فہمی آواز نے یہ شعر پڑھے۔

المحمد لله الذي لم يخلف وعده، اوصل فينا احمدًا خير نبي قد بعث
ترجمہ..... تو تم تعریفیں اس ذات باری کے لیے ہیں، جس نے مخلوق کو بیکار پیدا
نہیں کیا، جس نے اسے دو سہاں احمد کو بھیجا، جو سب سے افضل و بہترین نبی بن کر ظاہر
ہوئے ہیں۔

صلى عليه الله ما حجع له وكتب وحث
ترجمہ... اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت بھیجیں جب تک کہ سوار اور پیدل حج کرنے
وہ ہیں۔ اسی واقعہ کی طرف قصیدہ ہمزہ کے شاعر نے اپنے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

و تفتت بعد حه الجن حتى اطرب الانس منه ذاك الفناء
ترجمہ... یعنی جنوں نے آنحضرت ﷺ کے بہترین اوصاف اور خوبیوں کو ایک دل
موہ لینے والے اور انگش ترانے کی صورت میں ظاہر فرمایا وہ ترانہ اتنا دلکش تھا کہ اس نے اپنا
فقرہ جنوں کے علاوہ دوسروں تک بھی پہنچایا یہاں تک کہ اس فقرے کا جس جنات کے ذریعہ
جب انسان کے کان تک پہنچا تو اس نے اس کو بھی بے خور اور سرشار کر لیا۔ غرض اس کے بعد
صبح ہو گئی، اچانک میں نے ایک بہترین اوتھ دیکھا جو مستی میں منہ سے جھانگ نکال رہا تھا
میں نے جلدی سے بڑھ کر اس کی لگام پکڑ لی اور اس کے کوہان پر سوار ہو کر اسے ہٹا دیا۔ آخر
چلتے چلتے جب وہ تھک گیا تو ایک سرسبز باغ میں جا کر بیٹھ گیا، اچانک میں نے دیکھا کہ ایک
درخت کے سائے میں قس اذن ساعدہ ایاری بیٹھی ہوئے ہیں ان کے ہاتھ میں سواک کی
ایک لکڑی ہے جس سے وہ دھن دھن کر رہے ہیں اور یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔

يلغى المعوى و المنعوى دفى حدث غلبهم من بقايا بزهم عرق
ترجمہ اسے موت کی خبر دینے والے اور وہ لوگ جو قبروں میں محو آرام ہیں جن کے
کفن بھی اب پرہیزہ ہو چکے ہیں۔

وَعَهُمْ فَإِنْ لَهْمِيوْ مَا يَصَاحُ بِهِ فَهَمُ إِذَا انْتَبَهَوْا مِنْ لَوْمِهِمْ فَرَقُوا
ترجمہ..... ان لوگوں کو یعنی ان مردوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو اس لئے کہ ایک دن
تو ان کو اٹھایا ہی جائے گا، اب اگر انہیں ان کی نیند سے جگایا گیا تو وہ ڈر جائیں گے کہ شاید
حساب کا دن آ پہنچا۔

حَتَّى يَمُوتَ وَابْهَالَ غَيْرِ حَالِهِمْ خَلْفًا جَدِيدًا كَمَا مِنْ قَبْلِهِ خَلَقُوا
ترجمہ..... ان کو ایک ایسی حالت پر پہنچا دیا گیا ہے جو ان کی پہلی حالت کے
خلاف ہے اور وہ ایک نئی زندگی میں پہنچ گئے جیسا کہ اس سے پہلے عدم سے وجود میں آئے
تھے۔

مِنْهُمْ عَرَاةٌ وَ مِنْهُمْ فِي ثِيَابِهِمْ مِنْهَا الْجَدِيدُ وَ مِنْهَا الْمَنْهَجُ الْخَلْقُ
ترجمہ..... اُن مردوں میں سے بعض تو اپنے کفن کے گل جانے کے بعد برہنہ ہو
گئے ہیں اور بعض ابھی کفن میں لپٹے ہوئے ہیں، بعض کے کفن ابھی نئے ہیں اور بعض کے
بوسیدہ ہو چکے ہیں۔

راوی کہتے ہیں کہ یہ شعر سن کر میں قس کے قریب پہنچا اور ان کو سلام کیا، انہوں نے
میرے سلام کا جواب دیا۔ اسی وقت میری نظر اٹھی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک پانی کا
چشمہ ہے، جس میں پانی کے بہنے کی جیسی آواز آرہی تھی، وہیں دو قبروں کے درمیان ایک
مسجد تھی اور دو بہت بڑے اور خوفناک شیر کھڑے ہوئے تھے جو اس کو اپنی پناہ میں لئے
ہوئے تھے اسی وقت ان دونوں شیروں میں سے ایک پانی پینے کے لئے چشمے کی طرف بڑھا
تو دوسرے شیر نے بھی پانی پینے کے لئے اس کے پیچھے جانا چاہا، اسی وقت قس نے اس کے وہ
چھڑی ماری جو ان کے ہاتھ میں تھی اور ڈانٹ کر اس سے کہا۔ "واپس آ جا، تیرا برا ہو، پہلے
آگے جانے والے کو سیراب ہونے دے۔" دوسرا شیر فوراً لوٹ گیا اور پہلے جانے والے کے
واپس آنے کے بعد گیا۔ آخر میں نے قس سے پوچھا! "یہ دو قبریں کس کی ہیں؟" قس نے کہا
!"یہ میرے دو بھائیوں کی قبریں ہیں جو اسی جگہ میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے

تھے، انہوں نے کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کیا۔ ان میں سے ایک کا نام سمعون تھا اور دوسرے کا نام سمعان تھا، جن کے متعلق ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے، آخر ایک دن ان دونوں کو موت نے آیا۔ میں نے ان دونوں کی یہاں قبریں بنائیں اور اب میں خود ان دونوں قبروں کے درمیان رہتا ہوں تاکہ ایک دن میں بھی ان دونوں سے جا ملوں۔“

”اس کے بعد پھر قس نے ان دونوں قبروں کی طرف دیکھا اور کچھ شعر پڑھے۔“
یہ سارا واقعہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے اس راوی سے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ قس پر رحمت فرمائے، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو (اس کی نیکی اور عبادت گزاری کی وجہ سے) قیامت میں ایک پوری امت کے برابر درجے میں اٹھائے گا۔“ اصل یعنی کتاب میون الاثر میں قس کے واقعے کی طرف اس شعر میں اشارہ کیا گیا ہے۔

و عنہ اخبر قس قومہ فلقد حلی مسامعہم من ذکرہ شفا
ترجمہ..... قس نے اپنی قوم کے سامنے آنحضرت ﷺ کا تذکرہ کیا ہے جو اتنا دلچسپ
تذکرہ تھا کہ سننے والے اس سے بہت لطف اندوز ہوئے۔

جب قس کی وفات ہوئی تو ان کو ان ہی دونوں کی قبروں کے پاس دفن کیا گیا یہ تینوں قبریں اب ایک گاؤں میں ہیں جس کا نام روچین ہے، یہ گاؤں حلب کے دیہات میں سے ہے ان قبروں پر مقبرہ بنادیا گیا ہے اور لوگ ان کی زیارت کے لئے وہاں جاتے ہیں اس زیارت گاہ کی آمدنی کے لئے بہت سے اوقاف ہیں اور درگاہ پر بہت سے مجاور اور خادم رہتے ہیں۔ (حوالہ سیرت حلبیہ)

اسی طرح ایک واقعہ علامہ واقدی نے اپنی ایک سند سے ذکر کیا ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنی شعم کے لوگ ایک بت کے پاس بیٹھے ہوئے اس بت سے اپنے کسی جھگڑے کا فیصلہ مانگ رہے تھے، ابھی یہ لوگ وہاں بیٹھے ہوئے ہی تھے کہ اچانک انہیں فضا میں کسی پکارنے والے کی آواز آئی جو کہہ رہی تھی۔

یا ایہا الناس ذوالا جسام و مستندو الحکم الی الاصلام
ترجمہ..... اے جسم اور عقل و شعور رکھنے والے لوگو! تم نے اپنے معاملات ان پتھر
کے بے جان اور بے حس بتوں کے حوالے کر دیئے۔

اماتون ما ری امامی من ساطع و جلود جی الظلام
کیا تم ایسی روشنی کو نہیں دیکھ رہے ہو جسے میں اپنے سامنے پارہا ہوں اور جو
اندھیروں کو مٹاتی جارہی ہے۔

ذاک نبی سید الانام من ہاشم فی ذرۃ السنام
وہ نبی آدم کے سردار اور غظیم نبی ہیں، جو نبی ہاشم کی معزز نسل سے تعلق رکھتے ہیں
مستعلن بالبلد الحرام جاء یهدا الکفر بالاسلام
وہ نبی اس محترم شہر میں اپنی نبوت کا اعلان کر رہے ہیں اور مگراہوں کو اسلام کے
ساتھ ہدایت دینے کے لیے آئے ہیں۔ اکرم الرحمن من امام: اور جن کو اللہ تعالیٰ نے
شروع ہی سے بڑے اعزاز و عطا فرمائے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ تھوڑی دیر تک وہ لوگ ان شعروں کو دہراتے رہے اور
جب ان کو یاد ہو گئے تو وہ لوگ وہاں سے اٹھ گئے۔ ابھی اس واقعہ کو تین دن بھی نہ گزرے
تھے کہ اچانک انہیں خبر ملی کہ مکے میں رسول اللہ ﷺ ظاہر ہوئے ہیں۔ یعنی اس سے پہلے
وہاں کوئی آپ کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا بلکہ اس واقعہ کے ایک دو دن بعد بالکل
اچانک انہیں آپ ﷺ کے ظہور کا حال معلوم ہوا، پھر بھی قسمی قوم کے یہ لوگ فوراً ہی
مسلمان نہیں ہوئے بلکہ کافی عرصے کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ بڑا بن عمرو غدیری کا ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی غدیرہ کا جو یمن کا
ایک قبیلہ تھا، ایک بت تھا جس کا نام تمام تھا، یہ قبیلہ اس بت کی بہت عزت و عظمت کرتا تھا
مگر یہ بت نبی ہند ابن حرام کا تھا اور اس بت کے خادم کا نام طارق تھا۔ اس طارق (کے
حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ اس) کے بارے میں کتاب نور میں یہ بھی لکھا ہے کہ نہ تو اس

کے متعلق تفصیلات معلوم ہو سکیں اور نہ یہ پتہ چلے کہ آیا یہ مسلمان ہوا تھا یا نہیں، غرض یہ لوگ اس بت کے سامنے اکثر جانوروں کی قربانیاں پیش کرتے تھے۔ اسی زمانے میں جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور ہوا چکا تھا ہم نے ایک دن ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

”اے نبی ہند ابن حرام حق اور سچائی ظاہر ہو گئی۔ خمام بت تباہ ہو گیا اور اسلام نے شرک کو ختم کر دیا۔“ زل کہتے ہیں کہ اس نفیسی آواز سے ہم لوگ بہت گھبرائے اور خوف زدہ ہوئے پھر کچھ ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز پھر ہم نے اسی طرح کی ایک آواز سنی جو یہ کہہ رہی تھی۔

”اے طارق۔ اے طارق۔ وہ سچے نبی ظاہر ہو گئے، جو صاف صاف وحی کا سلسلہ ساتھ لائے ہیں۔ تہامہ میں ایک اچانک اور زبردست ہلچل پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اس نبی کے مددگاروں کے حق میں سلامتی اور امن ہے اور ان کے جھٹلانے والوں کے نصیب میں ندامت اور رسوائی ہے۔ بس اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔“ اس کے ساتھ ہی خمام نامی وہ بت منہ کے بل زمین پر گر پڑا۔

اب اگر یہ آواز اس بت کے اندر سے آئی تھی۔ جیسا کہ آخری جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب میں قیامت تک کے لئے رخصت ہوتا ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس قسم میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے جن کا بیان چل رہا ہے (کیونکہ یہ بیان اس قسم کے واقعات کا چل رہا ہے جن میں آنحضرت ﷺ کے متعلق اچانک فضاؤں میں آوازیں گونجیں۔ کسی درخت، پتھریات اور ذبح شدہ جانور کے اندر سے نہیں ابھریں) لیکن اگر اس واقعہ میں بھی مراد یہی ہے کہ یہ آواز خمام بت کے اندر سے نہیں آئی تھی بلکہ فضا میں سے سنائی دی تھی تو پھر اس جگہ اس واقعہ کا ذکر ٹھیک ہو جاتا ہے۔

غرض زل کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے فوراً ایک اونٹنی خریدی اور اس پر سوار ہو کر اپنی قوم کے کچھ دوسرے لوگوں کے ساتھ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں پہنچ کر میں نے یہ شعر پڑھے۔

الیک رسول اللہ اعلمتها النصھا النص هو الغایة فی السیر

ترجمہ.....: یا رسول اللہ! میں نے اپنی اونٹنی کو روانہ کیا جس کی منزل آپ ہی تھی۔

اکٹھلھا حزنا وقوزاً من الرمل لا نصیر خیر الناس قصوراً موزراً
میں اس اونٹنی پر اونچے اونچے اور ریتیلے ٹیلے عبور کر کے آیا ہوں تاکہ میں سب سے
بہترین انسان یعنی آپ کی زیادہ سے زیادہ مدد کروں۔

واعقد حبلان من حبالک فی حبلی واشھد ان اللہ لا غیرہ

اور تاکہ آپ سے ایک مضبوط اور پختہ عہد کروں اور گواہی دوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
کوئی معبود نہیں ہے۔ ممالثقلت قلمی نعلی میرے جوتوں نے مجھے آپ تک پہنچنے میں
بالکل نہیں تھکایا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ حمیم داری کا ہے ان کا لقب ابو قتیہ تھارقیہ ان کی بیٹی کا نام تھا
اور اس بیٹی کے سوا ان کے کوئی اولاد نہیں تھی رسول اللہ ﷺ نے دجال کے متعلق دجال کے
ساتھ جسامہ کا واقعہ منبر پر کھڑے ہو کر ان ہی کے حوالے سے بیان کیا اور فرمایا کہ مجھے حمیم
داری نے بتلایا۔ اس کے بعد آپ نے وہ قصہ بیان فرمایا۔ اسی کی بنیاد پر بعض علماء نے لکھا
ہے کہ بڑوں کا اپنے چھوٹوں سے، روایت بیان کرنے کا جو اصول محدثین ثابت کرتے ہیں
یہ اس کی سب سے بہترین مثال ہے، اسی اصول کی بنیاد کے طور پر ایک یہ واقعہ بھی پیش کیا
جاتا ہے جو اس طرح ہے کہ ایک دن ابو بکر صدیقؓ اپنی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے پاس
گئے اور ان سے پوچھا! ”کیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے کوئی دعا سنی ہے؟“ حضرت عائشہؓ
نے فرمایا! ”میں نے آنحضرت ﷺ سے ایک دعا سنی ہے جو آپ ہمیں بتلایا کرتے تھے اور
فرماتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ دعا اپنے اصحاب کو سکھایا کرتے تھے اور ان سے
کہتے تھے کہ ”اگر تم میں سے کسی پر ایک سونے کے پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو (اور وہ اس
دعا کو پڑھتا رہے) تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس شخص کے اتنے زبردست قرض کو بھی ادا
کر دے گا۔“ پھر آپ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی وہ دعا یہ تھی۔

اَللّٰهُمَّ فَاْرِجْ لَہُمْ عَمَّا شِیفَ الْفَلَمِّ مُجِیْبُ دَعْوَةِ الْمُضْطَرِّیْنَ وَ زَحْمَنِ
الْاَسْرِ وَ الْاَجْرِ وَ زَحْمَتِهَا اَنْتَ تَرَحُّمُنِیْ لَمَّا زَحْمَتْنِیْ بِرَحْمَةٍ تَغْنِیْ بِهَا عَنْ
زَحْمَةٍ مِنْ بَرَاکٍ" (حدیث)

ترجمہ: "اے اللہ! غموں کے کھولنے والے، پریشانیوں کے دور کرنے والے، بے
چین لوگوں کی دعاؤں کے قبول کرنے والے دنیا اور آخرت دونوں عالموں میں مہربانی اور
رحم کرنے والے توحید ہی مجھ پر رحم فرماتا ہے، میں مجھ پر رحم اور رحمت فرما، جو ایسی زبردست اور
سب سے پایاں رحمت ہو کہ جو تیرے سوا دوسروں کی مہربانیاں اور رحمت پذیر کی سے مستغنی اور بے
پرہیز کر دے"

(اسی دعا کی تاثیر کے سلسلے میں) حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ تجھ پر
کچھ قرض تھا۔ اس قرض کی ادائیگی میرے لئے دشوار ہو رہی تھی میں نے اسی دوران میں یہ
دعا پڑھی جس کی برکت سے وہ قرض ادا کرنا میرے لئے آسان ہو گیا۔

حضرت حمید دارمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ظہور
ہوا اس زمانے میں میں حکم شام میں تھا اسی دوران میں ایک دن اپنے کچھ کاموں کے سلسلے
میں وہاں سے روانہ ہوا۔ سفر میں مجھے رات ہو گئی (چونکہ بہت لوگ تھا بھی سفر میں جا یا
کرتے تھے اور رات ہونے پر وہ اکیلے ہی صحراؤں اور جنگلوں میں رات گزارا کرتے تھے
جہاں ان کو جنات سے خطرہ رہتا تھا اس لئے وہ لوگ ایسے موقع پر جہاں بھی ٹھہرتے تو اس
طرح کی دعا پڑھ کر ٹھہرتے تھے کہ میں اس جگہ کے جن یا یہاں کی طاقتور ترین آستی یا یہاں
کے مالک کی پندہ کر ٹھہرتا ہوں۔ اس طرح ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ اب ہم یہاں کے
جن کی پناہ میں آ گئے ہیں بلکہ وہ ہمیں پریشان نہیں کرے گا۔ چنانچہ حمید دارمی کہتے ہیں کہ رات
گزارنے کے لئے میں ایک وادی میں ٹھہرا اور میں نے یہ دعا پڑھی: "میں اس وادی کے
مالک یعنی بڑے جن کی پناہ اور امان میں یہاں ٹھہرتا ہوں۔"

اس کے بعد جب میں وہیں ایک جگہ سونے کے لئے لیٹا تو اچانک مجھے کسی

پکارنے والے کی آواز آئی جبکہ بولنے والا کہیں نظر نہیں آیا۔ وہ آواز یہ کہہ رہی تھی: ”اے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں جنات کو کسی کو پناہ دینے کی جہاں نہیں ہے۔“ یہ آواز سن کر میں نے کہا اس بات سے تیری کیا مراد ہے اس پر یہ جواب سنائی دیا، یہ کہ رسولِ انبیٰ ظاہر ہو چکے ہیں اور ہم یعنی جنات جنوں کے مقام پر ان کے پیچھے نماز پڑھ چکے ہیں یہ جنوں کے کافرستان ہے جس کو حلاۃ بھی کہا جاتا تھا۔ ہم جنات ان فطریوں پر ایمان لا چکے ہیں اور ان کے پیرو بن گئے ہیں اب جنات کا قریب ختم ہو گیا ہے (یعنی اب دلوگ آسمانوں کے قریب جا کر چھپ چھپ کر وہاں کی فوٹی پھوٹی خبریں نہیں سن سکتے جو وہ کائناتوں کو بخلا دیا کرتے تھے اور اس طرح لوگ کائناتوں اور جنوں کو غیب داں سمجھتے تھے) کیونکہ جنات کو رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت سے ”سمانوں تک پہنچنے کی ممانعت ہو گئی اور ان کو اب ستارے اور شہاب مار مار کر وہاں سے بھگایا جاتا ہے۔ اسی لئے محمد ﷺ کے پاس جہادِ مسلمان ہو جا۔“

حمیم داری کہتے ہیں کہ (یہ آواز سن کر میں رات بھر اسی کے مضائق سوچتا رہا آخر صبح ہوئی تو دریا یوب میں جہاں ایک عیسائی راہب کی خانقاہ تھی وہاں گیا اور میں نے راہب سے سارا واقعہ سنایا۔ یہ سن کر اس نے کہا: ”انہوں نے یعنی جنات نے تم سے ٹھیک کہا ہے ہم اپنی کنہیوں میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ وہ نبی حرم یعنی مکہ میں ظاہر ہوں گے اور ان کی ہجرت گاہ حرم یعنی مدینہ ہوگی اور یہ کہ وہ سب سے بہترین نبی ہوں گے۔ اس لئے پہلی فرصت میں ان کے پاس پہنچو۔“

حمیم داری کہتے ہیں کہ راہب کی بات سن کر میں نے فوراً ہی سفر کا انتظام کیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر مسلمان ہو گیا۔“

اس روایت کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حمیم داری آنحضرت ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ میں مسلمان ہوئے ہیں لیکن اس بارے میں اختلاف ہے اگرچہ ایک جگہ تو ایسی روایت کے آخر میں یہ لفظ تک صاف صاف موجود ہیں کہ پھر میں

کے گیا اور آنحضرت ﷺ سے ملا اس وقت آپ مجھے ہوئے تھے میں فوراً آپ پر ایمان لے آیا مگر بعض موردوں نے لکھا ہے کہ یہ روایت غلط ہے کیونکہ تیسرے داری حقیقت میں یہ میں مسلط ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اسی طرح فضاؤں میں آنحضرت ﷺ کے حلق آواز میں بلند ہونے کا ایک واقعہ اور ہے جس کو حضرت سعید بن جبیرؓ نے بیان کیا ہے کہ نبی تیس کے ایک شخص نے اپنے اسنام قبول کرنے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کہا: "میں ایک رات ریگیتوں میں سڑ کر رہا تھا کہ اچانک مجھ کو نیند آنے لگی میں نے اپنی سواری سے اتر کر اس کو ایک طرف بٹھا دیا اور خود پڑ کر سو گیا سونے سے پہلے میں نے حفاظت کے لئے دعا پڑھی: "میں جنت سے اس وادی کے مالک بنانا چاہتا ہوں"

اس کے بعد میں سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اپنے ہاتھ میں ایک جھیاور لئے ہوئے ہے اور اس کو میری اونٹنی کی گردن پر مارنا چاہتا ہے۔ اسی وقت گھبرا کر میری آنکھ کھل گئی، میں نے جلدی سے چاروں طرف دیکھا مگر مجھے کوئی خطر نہیں آیا، میں نے سوچا کہ یہ پریشان خیالی کے خواب ہیں اس لئے میں نے پھرونی دعا پڑھی، اور دوبارہ پڑ کر سو گیا مگر اس دفعہ پھر میں نے وہی اسی خواب دیکھا اور یہ کہ میری اونٹنی کا بپ رہی ہے غرض میں تیسری بار پھر سو گیا تو پھر میں نے وہی سب کچھ دیکھا میں فوراً جاگ اٹھا اور دیکھا کہ میری اونٹنی بے چین لود گھبرائی ہوئی ہے میں جوں ہی اونٹنی کی طرف متوجہ ہوا تو میں نے ایک نوجوان آدمی کو وہاں کھڑے ہوئے دیکھا جو وہوہو دیا ہی تھا جیسا آدمی مجھے خواب میں نظر آیا تھا اس نوجوان کے ہاتھ میں ایک ہتھیار بھی تھا ساتھ ہی مجھے ایک بوڑھا شخص بھی نظر آیا جو اس نوجوان کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا اور اس کو میری اونٹنی کے پاس جانے سے روک رہا تھا مای بات پر ان دونوں میں کھٹکھٹ اور کھینچ جان ہو رہی تھی، مابھی یہ دونوں جھگڑ رہے تھے کہ اچانک تین وحشی ساڑ ظاہر ہوئے ان کو دیکھتے ہی اس بوڑھے شخص نے اس نوجوان سے کہا: "آؤ میری پناہ میں آئے ہوئے اس انسان کی اونٹنی کے بدلے میں تم ان تینوں

ساتھ اس میں سے کوئی بھی نے نہ۔" یہ سن کر وہ نوجوان بڑھا اور اس نے ان میں سے ایک ساتھ پکڑ لیا اور اسے لٹکروا ہاں سے چلا گیا اب اس نوجوان کے جانے کے بعد وہ بوڑھا شخص میری طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا۔ "نوجوان! آئندہ تم جب بھی کسی وادی میں رات کے وقت سوچو اور وہاں تمہیں ڈر محسوس ہو تم یہ دعا پڑھا کر دو: "اس وادی کے خطرات سے میں محمد ﷺ کے پروردگار اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔"

تم اب جنات میں سے کسی کی حفاظت مت مانگ کر وہاں لئے کہ جنوں کا زور اب ٹوٹ چکا ہے۔ میں نے یہ سن کر پوچھا کہ محمد کون ہیں، اس نے کہا: "وہ نبی عربی ہیں جو نہ صرف مشرق والوں کے لئے ہیں اور نہ صرف مغرب والوں کے لئے ہیں۔" میں نے پوچھا: "ان کا ٹھکانا کہاں ہے؟" اس نے کہا: "نخلتوں والا شہر" میں اسی وقت اپنی دوشی پر سو رہو کہ چیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا آخر یہ پہنچ کر میں نے آنحضرت ﷺ کی زیارت کی، انجمن میں نے آپ سے کچھ بتلایا بھی نہیں تھا کہ آپ نے مجھے میرا خواب سنایا اور پھر اسے قبول کرنے کی دعوت دی، چنانچہ میں اسی وقت مسلمان ہو گیا۔

اس آخری حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اقدار آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد کا ہے ظہور کے وقت کا نہیں ہے جبکہ یہاں ان واقعات کا ذکر چل رہا ہے جو آپ کے ظہور کے وقت پیش آئے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ یہ ہے جس کو ایک صحابی نے بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ میں اپنے انہوں کو چرانے کے لئے آیا، اس وقت ہزار عقیدہ یہ تھا کہ جب ہم کسی وادی میں پہنچ کر رات گزرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے کہ! ہم اس وادی کے بڑے کی پناہ مانگتے ہیں۔ غرض میں نے اپنی اونٹنی کو وہاں باندھا اور یہی دعا پڑھی اسی وقت مجھے ایک پکارنے والے کی آواز سنائی دی جو یہ کہہ رہا تھا۔

وہی حک عبد باللہ ذی الجلال منزل المحرم والحلال

ترجمہ..... تجھے برائی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے ہی پناہ مانگ جو جلال والا ہے اور

حرام اور حلال کو اتارنے والا ہے۔

ووحده الله ولا اله الا هو
ترجمہ..... اللہ تعالیٰ کو ایک جان نادر کوئی فکر نہ کر کیونکہ ہر جنات کے کرا اور قریب سے کوئی پریشانی پیدا نہیں ہوگی۔

اخذت من الله على الاحوال
ترجمہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا چاہیے چاہے تو میدانوں میں ہو اور چاہے بھیا تک پہاڑوں میں۔

وصار كيد الجن في مغال
الانبيى وصالح الاحمال
اللہ تعالیٰ کے ذکر سے جنات کا سر و قریب پاش پاش ہو جائے گا اور اس کے غمی اور نیک عمل کے اثرات باقی رہیں گے۔ یہ سن کر میں نے اس پکارنے والے سے کہا:
يا ايها القتلى ماتقول
ترجمہ..... اے صدائے مرنے والے تو کیا کہہ رہا ہے جو کچھ کہہ رہا ہے وہ درست ہے یا غلط۔ جواب میں آواز آئی!

هلم رسول الله فاولم تسمعون
جاء يمين و حاميمعات
یہ رسول اللہ ہیں نیکیوں والے، جو سورۃ یٰسین اور وہ سونے لے کر آئیں ہیں جن کے شروع میں غم ہے۔

وسور بعد مفصلات
یا مریا صلاۃ والدکات
نیز کچھ ایسی سورتیں جو مفصل سورتوں کے بعد ہیں جن کے ذریعے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے۔

ولمجر الا قوام عن هات
لمکن فی الاسلام متکرات
وہ غیر اپنی قوم کو نہ انہوں سے روکتے ہیں ان چیزوں سے جو اسلام کے آنے کے بعد برائیاں بن گئی ہیں۔ مگر نے یہ آواز سن کر کہا! ”اگر کوئی شخص اس وقت میرے یہ ارشاد

لے جا کر میرے گھر پہنچانے کا ذمہ لے تو ان پیغمبر کے پاس حاضر ہو کر میں ابھی مسلمان ہو جاؤں۔“ جواب میں وہی آواز سنائی دی کہ اونٹوں کو پہنچانے کا میں ذمہ دار ہوں۔ چنانچہ میں اسی وقت ایک اونٹ پر سوار ہو کر آپ کے پاس حاضر ہوا، اس وقت آنحضرت ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے ایک روایت میں اس طرح ہے کہ میں جمعہ کے دن وہاں پہنچا جبکہ لوگ نماز جمعہ میں مصروف تھے۔ میں ابھی اپنے اونٹ کو باندھ ہی رہا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ مسجد سے نکل کر میرے پاس آئے اور بولے! ”رسول اللہ ﷺ کو فرما رہے ہیں کہ اندر آ جاؤ“ میں فوراً ہی مسجد کے اندر گیا آپ نے مجھے دیکھ کر پوچھا۔

اس شخص نے کیا کیا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس بوڑھے شیخ نے کیا کیا جس نے تمہارے اونٹوں کو تمہارے گھر پہنچانے کی ذمہ داری لی تھی۔ کیا اس نے وہ اونٹ صحیح سالم ہی نہیں پہنچا دیئے۔

جاہلیت کے زمانے میں عربوں کا جو یہ دستور تھا کہ جب وہ کسی تاریک اور بھیانک وادی میں بسر ایلتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے میں اس وادی کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اس طرح ذکر فرمایا اور اپنے نبی کو اس کی خبر دی۔ ”وَ اِنَّهُمْ لَشَاۤءٌ رِّجَالٌ مِّنَ الْاِلٰسِ يَمْعُوْهُنَّ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ“ (پ ۴۹ سورہ جن ۷) ترجمہ: اور بہت سے لوگ آدمیوں میں ایسے تھے کہ وہ جنات میں سے بعض لوگوں کی پناہ لیا کرتے تھے سو ان آدمیوں نے ان جنات کی بددماغی بڑھا دی۔

یعنی جاہلیت کے زمانے میں لوگ جب سفر پر جاتے اور کسی بھیانک اور وحشت ناک جگہ پر انہیں پڑاؤ کرنا پڑتا تو وہ جنات سے پناہ اور امان طلب کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اس وقت یہ کہا کرتے تھے کہ میں اس جگہ کے شریروں سے یہاں کے سردار اور بڑے جن کی پناہ مانگتا ہوں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جنات کے سردار بہت ہی زیادہ سرکش اور مغرور ہو گئے، کیونکہ جب انسان ان کی پناہ طلب کرتے تو وہ کہتے کہ اب ہم انسانوں اور جنوں دونوں کے

سردار بن گئے ہیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ جس کو وائل ابن حجر حضری نے بیان کیا ہے، وائل کا لقب ابو بکیدہ تھا یہ حضرت موت کے رُکسوں میں سے ایک تھا اور لائن کا باپ وہاں کے بادشاہوں میں سے تھا غرض وائل کہتے ہیں کہ جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے میرے آنے سے پہلے ہی اپنے صحابہ کو میری آمد کی خبر دیدی تھی اور فرمایا تھا۔

”تمہارے پاس وائل ابن حجر حضرت موت کی دور دراز سرزمین سے آ رہا ہے۔ اسے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی محبت لے کر آ رہی ہے اور وہاں کے بادشاہوں کی نشانی ہے“ وائل کہتے ہیں کہ صحابہ میں سے جو بھی مجھ سے ملا اس نے مجھ سے کہا: ”تمہاری آمد سے بھی تین دن پہلے رسول اللہ ﷺ میں تمہارے آنے کی خبر دے چکے تھے۔“ غرض جب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے مرحبا کہہ کر میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے قریب بلایا۔ آپ نے مجھے اپنے برابر بٹھایا اور میرے لئے اپنی چادر بچھا کر مجھ پر بٹھایا پھر آپ نے مجھے یہ دعا دی۔ ”اے اللہ! وائل ابن حجر جو اس کی اولاد کی لولاہ میں برکت عطا فرما۔“ اس کے بعد آپ منبر پر چڑھے اور مجھے اپنے ساتھ کھڑا کر لیا پھر آپ نے فرمایا۔

”لوگو یہ وائل ابن حجر ہیں جو حضرت موت بھی دور دراز سرزمین سے اسلام کی محبت کی خاطر آئے ہیں۔“ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مجھے آپ کے ظہور کی خبر ملی تو اس وقت میں ایک بڑی حکومت کا مالک تھا مگر پھر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہو رحمت تھی کہ میں نے سب پیش و آram کو ٹھکرا دیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو پسند کر لیا۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے ٹھیک کہا۔“ لے لے اللہ! وائل ابن حجر اس کی لولاہ اور لولاہ کی لولاہ میں برکت عطا فرما۔“

غرض یہ وائل ابن حجر کہتے ہیں کہ میرے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا سبب یہ ہوا کہ میرے پاس ایک بت تھا جو یا قوت کا بتا ہوا تھا ایک روز جبکہ میں سو رہا تھا مجھے پانچ ایک آواز آئی جو اس کمرے سے آ رہی تھی جہاں وہ بت رکھا ہوا تھا میں فوراً اٹھ بھاگا کہ بت کے پاس آیا اور اس کو سجدہ کیا۔ اسی وقت کسی کہنے والے کی آواز آئی جو یہ کہہ رہا تھا۔

وَأَعْبَجَا لَوْ أَنَّ ابْنَ حَجَرٍ
لِحَالِ بِلَوِي وَهُوَ لَيْسَ بِبَلَوِي
تعجب ہے واکل اللہ! حجر جو اپنے بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتا ہے حالانکہ وہ
بے خبر ہے۔

هَذَا يَرَجِي مِنْ نَحِيَةِ صَحْرٍ لَيْسَ بِذِي لَفْعٍ وَلَا ضَرٍ
یہ کیا توقع رکھتا ہے ان حجر کے ترشے ہوئے بتوں سے جن سے نہ کوئی فائدہ پہنچ
سکے اور نہ نقصان۔ لو کان ذا حجر اطاع امری کاش یہ بت پرست میری بات مانا
۔ یہ سن کر میں نے کہا ”صحت کرنے والے میں نے تمہاری آواز میں اب تم مجھے کیا حکم
دیتے ہو“ اس نے کہا۔

أَرَجُلٌ إِلَى يَتُوبُ ذَاتِ النُّخْلِ لِلْمُؤْمِنِ دِينَ الصَّائِمِ الْمُحْصِلِ
ترجمہ..... تو یسرب کے نکلتا توں کی طرف جا اور اس نے نبی کا دین اختیار کر جو
روزے رکھنے والا اور نمازیں پڑھنے والا ہے۔ محمد النبی خیر الرسل یعنی نبی کریم محمد
ﷺ جو سب پیغمبروں میں بہترین اور افضل ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ بت منہ کے بل زمین
پر گر پڑا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی پھر خود میں نے آگے بڑھ کر اس کو کھڑے کھڑے کر دیا اس
کے بعد میں بڑی تیزی کے ساتھ اس سے روانہ ہو کر یہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں داخل
ہوا (جبکہ یہاں آنحضرت ﷺ نے صحابہ کو پہلے ہی ان کے متعلق خبر دیدی تھی)۔

(بحوالہ برت علم جلد اول صفحہ ۷۰۸)

يَا زَبَّ حَبْلٍ وَصَلِّمْ ذَلِيلًا أَمَلًا غُلَى حَبْلِيكَ خَيْرَ الْخُلُقِ كُنْهُمْ



خصوصیت نمبر ۶۷

رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ سرسٹھویں خصوصیت پیش کی جا رہی ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے“ الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الجنۃ میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ ہی کا فضل ہے بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کے ناموں کے نقوش مختلف چیزوں پر نظر آئے، بے شک یہ آپ ﷺ ہی کی خصوصیت کا مظہر ہے جبکہ دیگر انبیاء کرام کے بارے میں کہیں نہیں ملتا کہ ہمارے نبی ﷺ کی طرح ان کے ناموں کے نقوش بھی مختلف چیزوں پر نظر آئے ہوں ہمارے نبی ﷺ کے ناموں کے نقوش کہاں کہاں نظر آئے۔ آنے والے اوراق میں اس کی تفصیل کو مستند حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، جیسا کہ آپ ابھی ملاحظہ فرمائیں گے، اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد انشاء اللہ ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور غفر ﷻ سے محبت کو بھی جلا ملے گی دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین

سرسٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

خراسان کے ایک پہاڑ پر آنحضرت ﷺ کے نام کا نقش

بعض علماء نے لکھا ہے کہ ۳۵ھ میں خراسان میں ایک زبردست اور خوفناک آندھی آئی کہ جس سے قوم عادر عذاب کی شکل میں آنے والے آندھی کا تصور ہوتا تھا یہاں تک کہ آندھی کے نتیجے میں پہاڑ تک پلٹ گئے (یعنی بڑی بڑی چٹانیں الٹ گئیں) اور وحشی جانور

بدحواس اور بھانسنے لگے۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ قیامت کا وقت آگیا ہے چنانچہ بہت زور سے کلمہ استغفار پڑھنے لگے۔ اسی دوران میں اچانک ان کی نظر اُٹھ کر انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے ایک ذرہ دست نور اتر رہا ہے اور ان پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ پر اتر رہا ہے۔ اسی وقت لوگوں نے وحشی جانوروں کی طرف دیکھا کہ اب وہ (بدحواس ہو کر بھاگنے کو بجائے) اچانک مڑ کر اسی پہاڑ کی طرف جانے لگے جس پر وہ نور اتر رہا تھا۔ اب وہ بھی جانوروں کے ساتھ ساتھ ہی پہاڑ کی طرف چلے وہاں پہنچ کر انہوں نے ایک پتھر دیکھا جو ایک ہاتھ لہا تھا اور شین انگلی چوڑا تھا۔ اس پتھر پر تین سطروں پر لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر یہ تھی۔ ”میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے اس لئے میری عبادت کرو۔“ دوسری سطر یہ تھی ”محمد ﷺ جو قریش ہیں اللہ کے رسول ہیں“ تیسری سطر یہ تھی ”مغرب میں پیش آنے والے واقعہ سے بچو اس لئے کہ وہ امن سات یا تین میں ہوگا (جو اخیر زمانے کی نشانوں میں سے ہوں گے۔ مغرب سے مراد یہاں سمت مغرب بھی ہو سکتی ہے اور ملک مراکش بھی ہو سکتا ہے جس کو عام طور پر مغرب کہا جاتا ہے۔ اور قیامت قریب آچکی ہے۔“

آسمانوں اور جنتوں میں ہر جگہ آنحضرت ﷺ کے نام کے نقش

ایک حدیث میں آتا ہے کہ آدمؑ نے فرمایا۔ میں تمام آسمانوں میں گھوما، آسمانوں میں نے ایسا کوئی مقام نہیں دیکھا جہاں محمد ﷺ کا نام لکھا ہوا نہ ہوتا ہی مجھے جنت میں کوئی ایسا محل اور کھڑکی نظر آئی جس پر آپ کا نام نامی لکھا ہوا نہ ہو اسی طرح میں نے آنحضرت ﷺ کا نام حور عین کی گردنوں پر نور جنت میں بانس کے درختوں تک پر لکھا ہوا پایا اسی طرح جنت میں شجرہ طوبی، سدرة المنتہی، حیرتی کے درخت اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان اور ہر پردے میں آپ کا نام لکھا ہوا پایا مگر بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے۔

(بحوالہ برتہ صلیب)

لوح محفوظ میں قلم کی سب سے پہلی تحریر اور آپ ﷺ کا ذکر ایک قول ہے کہ لوح محفوظ میں (یعنی اس تختی پر جس پر کہ اس عالم کے بنانے سے پہلے یہاں پیش آنے والا چھوٹا اور بڑا ایک ایک واقعہ لکھ دیا گیا ہے اس پر) قلم نے سب سے پہلے جو قلمات لکھے وہ یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم انا اللہ لا اله الا انا محمد رسولی الخ ترجمہ: آغاز ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ محمد ﷺ میرے رسول ہیں۔ جو شخص میری تقدیر پر راضی رہا اور جس نے میری بھیجی نعتیوں پر صبر کیا اور جس نے میری بھیجی ہوئی نعمتوں پر شکر ادا کیا اور جو میرے فیصلوں پر سر جھکا تا رہا میں اس کا نام صدیقین (بلند مقام میں رکھوں گا اور قیامت کے دن اس کو صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا)

ایک روایت میں یہ ہے کہ لوح محفوظ کے شروع میں یہ کلمات لکھے ہوئے ہیں اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اس کا دین اسلام ہے محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں جو اس بات پر ایمان لائے گا اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔“

ایک روایت میں یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو حکم دیا کہ اگلی اور پچھلی تمام باتیں لکھ دے تو اس نے عرش کے پردوں پر یہ کلمہ لکھا لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اس بارے میں روایتوں کا یہ اختلاف قابل غور ہے (کیونکہ یہاں روایتوں کے اختلاف کے علاوہ لوح محفوظ اور عرش کے پردوں دونوں کا دور روایتوں میں ذکر ہوا ہے کہ قلم کو جب اللہ تعالیٰ نے اگلے اور پچھلے واقعات لکھنے کا حکم دیا تو ایک روایت کے مطابق قلم نے لوح محفوظ پر لکھا اور دوسری روایت کے مطابق اس نے عرش کے پردوں پر لکھا) اب یہاں روایت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب قلم کو اگلی پچھلی تمام باتیں لکھنے کا حکم دیا گیا تو سب سے پہلے اس نے عرش کے پردوں پر وہ کلمہ لکھا جو بیان ہوا اور اس کے بعد اس کو

جس چیز کے لکھنے کا حکم دیا گیا اس نے اسکو تحریر کیا۔ جیسا کہ جب جس کو حکم دیا گیا تھا تو اس نے لوح مخلوط میں وہ کلمات لکھے تھے جو بیان ہوئے۔ یہ مراد روایتوں کے ظاہر سے معلوم ہوتی ہے اور اگر حقیقت میں یہی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ حکم نے اگلی اور پچھلی تمام باتیں لوح مخلوط اور عرش کے پردوں دونوں پر لکھیں۔

اسی طرح ایک روایت ہے جسے حضرت عمرؓ نے آنحضرت ﷺ سے نقل کیا ہے کہ آدمؑ نے فرمایا: ”میں نے شہر طوبیٰ اور سدرة المنتہیٰ اور جنت کے بانسوں کے درختوں کے پتوں پر آنحضرت ﷺ کا نام نالی لکھا ہوا دیکھا۔“ (مروءات)

درختوں کے پتوں پر آپ ﷺ کے نام کے نقش

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک دفعہ ہم جہاد میں تھے اسی دوران میں اتفاق سے ایک جھاڑی میں پہنچ گیا وہاں میں نے ایک درخت دیکھا جس پر سرخ رنگ کے پتے پر سفید رنگ میں لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ میں نے ایک جریرے میں ایک بہت بڑا درخت دیکھا جس کے پتے بھی بہت بڑے بڑے تھے اور بہت خوشبودار تھے۔ ان سب سبز رنگ کے پتوں پر سرخ اور سفید رنگ سے بڑے بڑے صاف اور واضح انداز میں قدرتی طور پر پتے کے اندر تین سطریں لکھی ہوئی تھیں۔ پہلی سطر میں یہ لکھا ہوا تھا لا الہ الا اللہ دوسری سطر میں یہ لکھا تھا محمد رسول اللہ و تیسری سطر میں یہ تحریر تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے۔ ایسے ہی ایک اور بزرگ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ میں ہندوستان کے علاقے میں گیا۔ وہاں کے ایک گاؤں میں میں نے ایک سیاہ رنگ کا گلاب کا پودا دیکھا جو ایک بڑے میاد گلاب میں سے پھوٹ رہا تھا۔ اس میں بڑی عمدہ خوشبو آرہی تھی اور پر سفید رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابو بکر بن الصدیق

مجھے اس کو دیکھ کر شک ہوا کہ شاید ایسا ہاتھ سے لکھا گیا ہو۔ اس لئے میں ایک دوسرے گلاب کی طرف گیا جو ابھی کھلا نہیں تھا مگر اس میں بھی وہی عبارت نظر آئی جو دوسری تمام پتیوں پر تھی۔ اس ہستی میں اس قسم کے پودے بہت سارے ہیں حالانکہ اس علاقے کے لوگ جنوں اور پتھروں کو پوجنے والے ہیں۔ (حوالہ برت مغلطی)

گلاب کی پتنگھڑی پر عجیب تحریر

ابن مرزوق نے شرح بردہ میں کسی بزرگ کی روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ جبکہ ہم بحر ہند کے گہرے پانیوں میں سفر کر رہے تھے اچانک ایک زبردست آندھی چلی۔ ہماری کشتی ہوا کے زور میں ایک جزیرے پر پہنچ گئی وہاں ہم نے ایک سرخ گلاب کا پودا دیکھا۔ یہ گلاب بڑا خوشبودار تھا اور اس پر زرد رنگ میں یہ لکھا ہوا تھا۔ ”رحمن ورحیم کی جانب سے نعمتوں سے بھرپور جنتوں تک پہنچنے کے لئے یہ فرمان اور پروانہ مقرر کیا گیا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔“

اسی طرح ایک مورخ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کے علاقوں میں ایک درخت دیکھا جس پر بادام کے جیسا پھل لگتا ہے اور اس پر دو پھلکے ہوتے ہیں اسے توڑا جائے تو اس میں سے سبز رنگ کا ایک لیٹنا ہوا پتہ سا نکلتا ہے اور اس پر یہ لکھا ہوا ہوتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ اس پر بڑے صاف الفاظ میں لکھا ہوتا ہے وہاں کے لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرتے ہیں اور اگر خشک سالی کا زمانہ ہوتا ہے تو اس سے بارش کی دعا مانگتے ہیں۔

کتاب مزمل الکھلاء میں بھی یہ واقعہ ذکر ہے مگر اس میں صرف لا الہ الا اللہ لکھا ہوا ہو نہ کیا ذکر ہے۔ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا یہ روایت ہمارے اس موضوع کی دلیل نہیں بنے گی (جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا نام نامی پتھروں اور درختوں وغیرہ پر لکھا ہوا پایا گیا)۔

اسی طرح ایک روایت ہے جس کو علامہ حافظ سلفی نے کسی سے نقل کیا ہے کہ ہندوستان کے ایک علاقے میں ایک درخت ہے جس کے پتے ہلکے بزر ہوتے ہیں اور ہر پتے پر گہرے بزرنگ میں لکھا ہوا ہوتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس علاقے کے لوگ بت پرست تھے وہ اس درخت کو کاٹ ڈالتے تھے اور کچھ جڑیں باقی رہنے دیتے تھے یہ درخت بہت تھوڑے سے وقت میں پھر دوبارہ بڑھ کر اپنی اصلی حالت پر آ جاتا تھا۔ آخر ایک دفعہ انہوں نے سیسہ پگھلا کر اس کی جڑ میں بھر دیا مگر اس سیسے کے چاروں طرف سے درخت کی چار شاخیں پھوٹیں اور ہر شاخ پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ اس (حیرت ناک کرامت) کو دیکھ کر وہ لوگ اس درخت سے برکت حاصل کرنے لگے اور بیماریوں میں اس کو شفاء حاصل کرنے کے لئے استعمال کرنے لگے۔ وہ اس کو زعفران اور دیگر بہترین خوشبوؤں کے ساتھ استعمال کرنے لگے۔ (حوالہ بالا)

انگور کے دانے میں لفظ محمد ﷺ کا نقش

اسی طرح ایک روایت ہے کہ ۸۰۷ء تا ۸۰۹ء میں انگور کا ایسا دانہ پایا گیا تھا جس میں سیاہ رنگ سے بہت صاف صاف محمد لکھا ہوا تھا۔

جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام کے قدرتی نقوش

ایک روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک مچھلی شکار کی تھی جس کے دامن جانب لا الہ الا اللہ لکھا ہوا تھا اور بائیں جانب محمد رسول اللہ ﷺ تحریر تھا راوی کہتا ہے کہ جب میں نے دیکھا تو میں نے احترام کے طور پر اس کو واپس نہر میں ڈال دیا۔

ایک اور شخص سے حکایت ہے کہ ایک مرتبہ میں مغربی علاقے کے سمندر میں سفر کر رہا تھا ہمارے ساتھ ایک غلام تھا جس کے پاس مچھلی پکڑنے کا جال تھا۔ اس نے اس کو دریا میں ڈالا اور ایک مچھلی پکڑی۔ یہ مچھلی ایک باشت لپی تھی۔ ہم نے اس کو دیکھا تو اس کے کان کے پاس ”لا الہ الا اللہ“ لکھا ہوا تھا اور اس کی گردن کی پشت سے لیکر دوسرے کان

کی جگہ ”محمد رسول اللہ“ لکھا ہوا تھا۔ ہم نے یہ دیکھ کر اس مچھلی کو واپس سمندر میں ڈال دیا۔

ایک شخص سے حکایت ہے کہ اس نے ایک مچھلی دیکھی جو سفید رنگ کی تھی اس کی گردن کی پشت پر سیاہ رنگ میں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اچانک ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں بزرگ کا ایک بادام تھا اس نے اس کو وہیں گرا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کو اٹھا لیا۔ اس کے اندر ایک بزرگ کا کھیرا تھا جس پر زرد رنگ سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تحریر تھا۔ (بحوالہ یرت ملیہ)

بادلوں کے ظاہر سے ہونے والی کلمے کی تحریر

اسی طرح ایک بزرگ سے روایت ہے کہ بھارت کے علاقے میں ایک فرقہ تھا جو لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له کو نہیں مانتا تھا یعنی یہ تو مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں جو تھا ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے مگر وہ لوگ آنحضرت ﷺ کی نبوت و رسالت کو نہیں مانتے تھے ان لوگوں کی وجہ سے کافی فتنہ پھیل رہا تھا۔ ایک روز جبکہ سخت گرمی پڑ رہی تھی اچانک ایک سفید بادل ظاہر ہوا اور پھیلنا شروع ہوا یہاں تک کہ مشرق سے مغرب تک وہ بادل چھا گیا اور آسمان اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اسی حالت میں جب زوال کا وقت ہوا تو اچانک بادلوں کے اندر بالکل صاف اور واضح انداز میں یہ کلمہ لکھا ہوا ظاہر ہوا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یہ کلمہ زوال سے لے کر عصر کے وقت تک اسی طرح باقی رہا۔ اس حیرت ناک واقعہ کو دیکھ کر اس فرقے کے لوگوں نے فوراً توبہ قبول کر لی۔ ادھر ساتھ ہی وہاں جو یہودی اور عیسائی رہتے تھے ان میں سے اکثر لوگ مسلمان ہو گئے۔

واقعہ خضر و موسیٰ میں دیوار والے نثرانے کی حقیقت

اسی طرح حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت ہے کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ کا

جو یہ ارشاد ہے: "وكان تحته كنز لهما (پہاڑوں کے درمیان) اور اس دیوار کے نیچے ان کا مال مدفون تھا (جوان کے باپ سے میراث میں پہنچا ہے)۔"

سونے کی اس تختی پر عبرت آمیز کلمات اور آنحضرت ﷺ کا نام

یہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کے واقعات کا ایک حصہ ہے جس کو مترجم سیرت حلبیہ اس روایت کے بعد تفصیلی علم کے لئے پیش کر رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے خزانے اور مال کے متعلق روایت پہنچی ہے کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی اور ایک قول کے مطابق سنگ مرمر کی ایک تختی تھی جس پر یہ عبارت لکھی ہوئی تھی۔

"اس شخص پر حیرت ہے جو موت پر ایمان رکھتا ہے یعنی مانتا ہے کہ ایک دن اسے اس دنیا کو خیر باد کہنا ہے۔ اور پھر بھی وہ ہنستا اور خوش رہتا ہے۔ اس شخص پر حیرت ہے جو حساب و کتاب پر یقین رکھتا ہے یعنی ایمان رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد (قیامت کے دن) اس کے عمل کا حساب و کتاب ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے۔ اس شخص پر تعجب ہے جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے یعنی یہ جانتا ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تحت ہوتا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ (ناگوار حادثوں پر) ٹھنکین ہوتا ہے۔ اس انسان پر حیرت ہے جو دنیا کو اور اس میں رہنے والوں کے ساتھ اس کے الٹ پلٹ اور انقلاب کو دیکھتا ہے اور پھر بھی اس دنیا سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ"

(اسی خزانے کے متعلق) علامہ بیہقی وغیرہ نے حضرت علیؓ سے روایت بیان کی ہے کہ (ان دونوں لڑکوں کا) وہ خزانہ جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تذکرہ فرمایا ہے سونے کی ایک تختی تھی جس پر یہ لکھا ہوا تھا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ مجھے اس پر حیرانی ہے جو تقدیر الہی پر یقین رکھنے کے باوجود (مشکل حالات میں) گھبراتا اور پریشان ہوتا ہے۔ مجھے اس شخص پر تعجب ہے جس

کے سامنے ذکر آتا ہے جنم کائناتیں اس کے باوجود بھی اس کے ہونٹوں پر طبعی باقی رہتی ہے۔ مجھے اس شخص پر حیرت ہے جس کے سامنے موت کا ذکر ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود بھی غافل رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ایک اور روایت کے الفاظ کے مطابق لا الہ الا اللہ محمد عبدی و رسولی میرے سوا کوئی عبادت کے ناکش نہیں اور محمد ﷺ میرے بندے اور رسول ہیں۔

تفسیر بیضاوی میں یہ ہے (کہ اس سختی پر یہ نگہ ہوا تھا)۔ مجھے حیرت ہے کہ جو شخص تقدیر پر ایمان رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو رزق دینے والا ہے (مشکل حالات اور سختی سے) کیوں تھکنا اور پریشان ہوتا ہے! مجھے حیرت ہے کہ جو دلی موت پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے خوش رہتا ہے! مجھے حیرت ہے کہ جو شخص (قیامت کے دن) حساب و کتاب پر ایمان رکھتا ہے وہ کیسے غفلت کرتا ہے! مجھے حیرانی ہے کہ جو شخص دنیا اور یہاں رہنے والوں کے ساتھ اس کی بے وفائی اور اٹھنا ہٹ کودیکھتا ہے وہ کیسے اس سے مطمئن اور خوش رہتا ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

مولف میرت علیہ کہتے ہیں (چونکہ اس سختی پر عبادت کے متعلق کئی روایتیں اور الفاظ آئے ہیں جس سے آپس میں روایتوں کا اختلاف اور کمزوری ظاہر ہوتی ہے اس لئے مولف کہتے ہیں) اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے روایت میں جو عبارت ذکر کی گئی ہے وہ سختی کے ایک طرف ہو اور دوسری روایت میں جو الفاظ بیان ہوئے ہیں وہ اس سختی کے دوسری طرف ہوں۔ یا پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے بعض راویوں نے عبارت کے الفاظ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور بعض نے کمی کر دی ہے اور بعض نے روایت بامعنی بیان کی ہے (روایت بامعنی کا مطلب ہے کہ روایت میں کراس کو ان ہی الفاظ میں نقل نہ کیا جائے جن میں اسے ملے بلکہ وہ ایسی کے مطلب اور مفہیم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔ اس کے مقابلے میں ایک روایت بالفاظ ہی ہوتی ہے جو وہ ہے کہ روایت کو ان ہی الفاظ میں نقل اور بیان کیا جائے جن میں اسے ملے گیا ہے۔)

ان دونوں بھائیوں کی خاطر اللہ تعالیٰ نے یہ خزانہ اتنی لمبی مدت تک اس لئے محفوظ رکھا کہ ان کا وہ باپ بہت نیک اور صالح آدمی تھی، جس نے وہ خزانہ محفوظ کیا تھا۔ یہ شخص ان لڑکوں کا نویں پشت میں دادا ہوتا تھا۔

علامہ محمد ابن مکندرؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک نیک آدمی کی خاطر اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد تک کی حفاظت فرماتا ہے اور اس جگہ تک کی حفاظت فرماتا ہے جس میں وہ ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے قرب و جوار اور آس پاس کی چیزوں تک کی حفاظت فرماتا ہے۔ چنانچہ یہ سب کے سب ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور نگہبانی میں رہتے ہیں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک علوی شخص کو ہارون رشید بادشاہ نے قتل کرنے کا ارادہ کیا (اور اسی نیت سے اس کو بلوایا) مگر جب وہ بادشاہ کے پاس آیا تو ہارون رشید نے اس کا بہت احترام کیا اور پھر اس کو چھوڑ دیا۔ بعد میں اس شخص سے کسی نے پوچھا۔ ”تم نے وہ کونسی دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں قتل سے نجات دے دی۔“ اس نے کہا میں نے یہ دعا مانگی تھی کہ اسے وہ ذات جس نے ان دونوں بچوں کے خزانے کی ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے حفاظت فرمائی، میرے باپ دادا کی نیکیوں کی وجہ سے میرے بھی بادشاہ سے حفاظت فرما۔“ کتاب عراقس میں یہ واقعہ اسی طرح ذکر ہے۔ واللہ اعلم

تشریح: اب اس واقعہ کی تفصیلات البدایہ والنہایہ، تفسیر ابن کثیر اور تفسیر خازن سے لے کر پیش کی جاتی ہیں تاکہ پیچھے گزرنے والی حضرت عمرؓ کی روایت میں اس واقعے کے جس قصے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بھی تفصیل سے سامنے آجائے اور پورے واقعہ کے متعلق بھی پڑھنے والوں کو ضروری معلومات حاصل ہو جائیں۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں سورہ کہف میں ذکر فرمایا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ اور وہ وقت یاد کرو جب کہ موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ میں اس سفر میں برابر چلا جاؤں گا یہاں تک کہ اس موقع پر پہنچ جاؤں جہاں دو دریا آپس میں ملتے ہیں یا یوں ہے کہ زمانہ دراز چلتا رہوں گا۔ پس جب چلتے چلتے دونوں دریاؤں کے جمع ہونے کے موقع پر

پہنچے اس میں اپنی مچھلی کو دونوں بھول گئے اور مچھلی نے دریا میں اپنی ماہلی اور چل دی۔ پھر جب دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ ہم کو اس سفر میں (یعنی آج کی منزل میں) بڑی تکلیف ہوئی۔ خادم نے کہا لیجئے دیکھئے (عجیب بات ہوئی) جب ہم اس پتھر کے قریب غمبرے تھے سو میں اس مچھلی کے تذکرے کو بھول گیا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھڑکایا کہ میں اس کو ذکر کرتا اور (واقعہ یہ ہوا کہ) اس مچھلی نے (زندہ ہونے کے بعد) دریا میں عجیب طور پر پناہ لی۔ موسیٰ نے (یہ حکایت سن کر) فرمایا یہی دو موقع ہے جس کی ہم کو تلاش تھی۔ سو دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے واپس لوٹے۔ سو وہاں پہنچ کر انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جن کو ہم نے اپنی رحمت (یعنی قبولیت) دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھایا تھا۔ (زمرہ ۲۷)

اس واقعہ کے متعلق علامہ ابن کثیر ابراہیم نے دلائل میں لکھتے ہیں بعض اہل کتاب کہتے ہیں کہ موسیٰ جو حضرت خضرؑ کے پاس گئے تھے (خبر حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ میں) تھے بلکہ یہ موسیٰ ابن یثیٰ ابن یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم تھے۔ اس بات کو بعض ایسے لوگوں نے بھی مانا ہے جو اسرائیلی مصنفوں کے عالم ہیں اور ان کے واقعات نقل کرتے ہیں جیسے خوف ابن فضالہ لیکن سچ یہ ہے جس پر قرآن وحدیث سے بھی ثابت ملتی ہے اور جس پر علماء میں اتفاق ہے کہ حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ تھے جو بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ بخاری میں سعید ابن جبیرؒ سے روایت ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ سے کہا۔ لوئی ابراہیم بن علیؒ کہتا ہے کہ حضرت خضرؑ کے ساتھ چالے والے موسیٰ بنی اسرائیل کے خیر حضرت موسیٰ ابن عمرانؑ تھے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ ”وہ خدا کا دشمن جھوٹ بولا ہے جس میں ابی بن کعب نے بتلایا کہ اس نے رسول ﷺ کو یہ فرمانے سنا ہے کہ ایک مرتبہ موسیٰ اپنی قوم کے درمیان خطبہ سے یہ کہتا تھا اسی دوران میں کسی نے ان سے پوچھا ”کون شخص سب سے زیادہ عالم ہے؟“ موسیٰ نے کہا میں ہوں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو نہ پسند

ہوئی کیونکہ انہوں نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ کو خبر ہے (کہ کون آدمی سب سے زیادہ عالم ہے) چنانچہ اسی وقت وحی نازل ہوئی کہ ”مجمع البحرین“ یعنی جہاں دور دریاؤں کے پانی ملتے ہیں وہاں ہمارا ایک بندہ ہے جو تم سے بڑا عالم ہے۔“

(موسیٰ کو وہاں جانے کا حکم ملا تو وہ وہاں پہنچے اور ان سے ملنے کے لئے چٹاب ہوئے) چنانچہ انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا۔ ”اے پروردگار! میں وہاں کیسے پہنچوں گا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ”اپنے ساتھ ایک مچھلی ناشتہ دان میں رکھ لو وہ مچھلی جہاں کھ جائے اسی جگہ وہ بندہ ملے گا۔“ چنانچہ موسیٰ نے ایک مچھلی (چکا کر) قوشہ دان میں رکھ لی اور وہاں روانہ ہو گئے۔ انہوں نے اپنے ساتھ ایک نوجوان یوشع ابن نون کو خادم کے طور پر مراد لے لیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک خاص پتھر تک پہنچے تو دونوں (تھکن کی وجہ سے) اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ اسی وقت قوشہ دان میں مچھلی تڑپنی اور اس میں سے نکل کر دریا میں جا کوئی اور ان طرح سمندر کی تہ میں اتر گئی جیسے کسی سرنگ میں اتر جاتے ہیں۔ جس جگہ وہ مچھلی سمندر میں کوئی وہاں اللہ کی قدرت سے چاروں طرف پانی رک کر ایک سوراخ سا پیدا ہو گیا اور اسی طرح باقی رہا۔

اس کے بعد جب موسیٰ اور ان کے ساتھی جاگے تو وہ خادم آپ سے یہ بتلا کر بھول گئے کہ مچھلی یہاں تو قوشہ دان سے نکل کر پانی میں کوئی گئی ہے چنانچہ وہ دونوں وہاں سے روانہ ہو گئے اور بقیہ پورا دن اور ایک رات چلتے رہے صبح ہوئی تو موسیٰ نے اپنے ساتھی سے فرمایا۔ ”ہمارا ناشتہ (یعنی وہ مچھلی) آج کے سفر نے تو ہم کو تھکا دیا۔“

یہ تھکان بھی موسیٰ کو اس جگہ سے آگے نکلنے کے بعد ہی معلوم ہوئی جہاں جانے کا ان کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا اس سے پہلے انہیں تھکان محسوس نہیں ہوئی تھی۔ غرض ناشتہ مانگنے پر اب ان کے خادم نے ان سے کہا۔ ”دیکھتے جب ہم نے اس پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو اس وقت اس مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا۔ یہ بات یقیناً شیطان نے ہی مجھے بتلائی ہے اور اس مجھی نے تو عیب طریقے سے سمندر میں اپنا راستہ بنا لیا اور پانی میں کود گئی تھی۔“

اس طرح مچھلی کے لئے پانی میں سرنگ بن گئی اور موٹی اور ان کے خادم کے لئے یہ ایک حیرت ناک واقعہ بن گیا۔ موٹی نے فرمایا۔ ”اسی جگہ تو (جہاں وہ مچھلی گم ہوئی ہے) ہم جانا چاہتے تھے!“

چنانچہ اب دونوں اپنے پیروں کے نشانات دیکھتے ہوئے وہاں سے لوٹے یہاں تک کہ اسی پتھر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہاں کپڑا اوڑھے ایک شخص بیٹھا ہے (یہ بزرگ حضرت خضر تھے) موٹی نے ان کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے (یہ سلام سن کر حیرت سے) کہا۔ ”آپ کے اس علاقے میں سلام کا یہ طریقہ کہاں سے آیا؟ حضرت موٹی (کچھ گھٹے یہ ان کو پہنچانے نہیں ہیں اس لئے انہوں) نے کہا۔ ”میں موٹی ہوں۔“ حضرت خضر نے پوچھا کیا نبی اسرائیل کے (پیغمبر) موٹی؟ موٹی نے کہا ”ہاں اور آپ کے پاس میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے بھلائی اور نیکی کی وہ باتیں بتلائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہیں۔“ حضرت خضر نے کہا ”مگر آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے موٹی۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے علم میں سے وہ علم دیا ہے جو تم نہیں جانتے اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم سے جو باتیں بتلائی ہیں وہ میں نہیں جانتا۔“ ”موٹی نے فرمایا کہ آپ انشاء اللہ مجھے صبر کرنے والا ہی پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کروں گا۔“ آخر حضرت خضر نے فرمایا ”اچھا اگر میرے ساتھ چلنا ہی چاہتے ہو تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں خود سے مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی اس کے متعلق آپ کو بتاؤں۔“ اس کے بعد دونوں وہاں سے روانہ ہوئے اور سمندر کے کنارے پہنچے وہاں ایک کشتی کھڑی ہوئی پائی۔ حضرت خضر نے ان کشتی والوں سے بات کی کہ وہ ان کو دوسرے کنارے پر پہنچا دیں۔ وہ لوگ حضرت خضر کو پہچان گئے اور بغیر اجرت لئے ان کو کشتی میں بٹھالیا تھوڑی سی دور چلے تھے کہ موٹی نے دیکھا حضرت خضر کلباڑی سے کشتی کا ایک تختہ توڑنے لگے۔ موٹی نے (حیران ہو کر) کہا ”جن لوگوں نے ہمیں بغیر کرایہ لئے سوار کر لیا آپ ان کی کشتی کو تباہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں تاکہ کشتی والے پھارے غرق ہو جائیں۔ یہ تو آپ بڑی نہ مناسب بات کر رہے

ہیں۔“ حضرت خضر نے فرمایا ”کیا میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔“ موسیٰ نے فرمایا ”مجھ سے بھول ہو گئی آپ اس لفظی کو معاف کریں اور سختی نہ کریں۔“ آنحضرت ﷺ نے (موسیٰ کی اس پہلی بھول کے متعلق) فرمایا کہ ”پہلی بار موسیٰ سے واقعی بھول ہو گئی تھی۔“ (اس سفر کے دوران ہی) کشتی کے ایک تختے پر ایک چڑیا آ کر بیٹھی۔ اس نے سمندر میں چونچ ڈال کر پانی پیا اور اڑ گئی۔ حضرت خضر نے یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ سے یہ فرمایا۔ ”مجھے اور تمہیں اللہ نے جو علم دیا ہے اس سے اللہ کے علم میں اگر کوئی کمی ہوئی ہے تو اس اتنی ہی جتنی اس چڑیا کے ایک قطرہ پانی پینے سے اس سمندر میں ہوئی ہے۔ غرض دوسرے کنارے پہنچنے کے بعد دونوں کشتی میں سے اترے اور ساحل کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اسی وقت حضرت خضر نے ایک لڑکے کو دیکھا جو چند دوسرے لڑکوں کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ حضرت خضر نے فوراً بڑھ کر اس لڑکے کا سراپے ہاتھ میں پکڑا اور ایک دم اس کی گردن مروڑ دی جس سے وہ بچہ ہلاک ہو گیا۔ موسیٰ نے یہ منظر دیکھا۔ تو (ان سے صبر نہ ہو سکا اور) فوراً بولے۔ ”آپ نے اس معصوم بچے کو بغیر کسی وجہ سے مار ڈالا؟ یہ تو آپ نے بہت ہی نہ مناسب کام کیا ہے؟“ حضرت خضر نے فرمایا ”میں نے پہلے آپ سے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے!“

حضرت خضر نے اس واقعہ پہلے سے بھی زیادہ سختی سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت موسیٰ (کو فوراً ہی اپنی بھول کا خیال ہوا اور انہوں) نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔ ”اچھا اگر اس کے بعد میں آپ سے کوئی بات پوچھوں تو آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں۔ اب آپ بے شک معذور ہوں گے۔“ اس کے بعد یہ دونوں پھر آگے روانہ ہو گئے۔ آخر یہ ایک گاؤں میں پہنچے حضرت خضر نے ان سے کھانے کی درخواست کی مگر بستی والوں نے ان مسافروں کو کھانا کھانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد آگے بڑھے تو اسی بستی میں ایک دیوار نظر آئی جو (بوسیدہ ہو کر) ایک طرف کو جھک گئی تھی اور کسی بھی وقت گر سکتی تھی۔ حضرت خضر نے اس کو دیکھا تو فوراً بڑھ کر اپنے ہاتھ سے اس کو سیدھا کر دیا۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت موسیٰ (سے

پھر صبر نہ ہوسکا اور انہوں نے کہا۔ ”یہ ایسے لوگ ہیں کہ ہم ان کے یہاں آئے تو انہوں نے ہمیں کھانا بھی نہیں دیا اور ہماری میزبانی سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے ان لوگوں کا یہ کام کیا ہے آپ کو اس پر اجرت یعنی چاہئے تھی (تا کہ اس کے ذریعہ پیٹ بھر سکتے) حضرت خضر موسیٰ کو دوسرے سوال کرنے پر ٹوک چکے تھے آخراً انہوں نے موسیٰ سے صاف کہہ دیا۔“ بس یہی سب باتوں کا سبب ضرور بتلائے دیتا ہوں جن کے متعلق آپ سے صبر نہ ہوسکا۔“

آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کاش موسیٰ کچھ اور صبر کر لیتے تا کہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کے متعلق ہمیں مزید تفصیلات بتلا دے! ”سعید ابن جبیرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ اس آیت میں کان ورنہ انہم کے بجائے کان اُما مہم بھی پڑھتے تھے اسی طرح کُلُّ مَلٰٓئِیۡۃٍ صَالِحَةٍ پڑھا کرتے تھے اسی طرح اُما العلام کے بعد فکان کافراً بھی پڑھا کرتے تھے۔ امام بخاری نے بھی اس قرات کو سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔“

اس حدیث میں یہ ہے کہ موسیٰ اپنے خادم یوشع ابن نون کے ساتھ ایک مچھلی لیکر روانہ ہوئے اور ایک پتھر کے پاس پہنچے اور وہاں (آرام کرنے کے لئے) رکے۔ پھر کہتے ہیں۔ موسیٰ اس پتھر پر سر رکھ کر لیٹے اور سو گئے۔ پھر کہتے ہیں۔ اس پتھر کی جڑ میں سے ایک چشمہ نکلتا تھا جس کا نام نہر حیات تھا۔ جس چیز کو بھی اس نہر کا پانی چھو جاتا وہ زندہ ہو جاتی ہے (اسی کو اردو میں آب حیات کہتے ہیں) چنانچہ اس چشمہ کا پانی کسی طرح اس مردہ مچھلی کو چھو گیا (جو موسیٰ کے ساتھ تھی) وہ فوراً زندہ ہو کر حرکت کرنے لگی اور کوہِ پانی میں پہنچ گئی۔ پھر جب موسیٰ کی آنکھ کھلی تو انہوں نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ پھر اسی روایت میں ہے کہ اسی دوران ایک چڑیا آکر کشتی کے ایک تنخے پر بیٹھ گئی اور اس نے پانی کے لئے اپنی چونچ سمندر میں ڈالی۔ اس وقت حضرت خضر نے موسیٰ سے کہا۔ ”تمہارا اور میرا علم اور ساری مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس چڑیا نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں لیا۔“ الخ

حضرت سعید ابن جبیر کی ایک حدیث ہے کہ ایک دفعہ ہم حضرت ابن عباسؓ کے پاس ان کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابن عباسؓ نے ہم سے کہا کہ مجھ سے کچھ سوال کرو۔ میں نے کہا۔ ”اے ابن عباس۔ اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر فدا کرے۔ کونے میں ایک وعظ ہے جس کا نام نوف ہے وہ یہ کہتا ہے کہ (موسیٰ اور خضر کے واقعہ میں) یہ موسیٰ وہ نہیں ہیں جو بنی اسرائیل کے پیغمبر تھے۔“ اس روایت کو ابن جریج نے دو آدمیوں سے نقل کیا ہے ایک یعلیٰ ابن مسلم اور دوسرے عمرو ابن دینار اور یہ دونوں اس کو حضرت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کرتے ہیں۔ غرض ابن جریج اتنی روایت بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں کہ جہاں تک عمرو ابن دینار کا تعلق ہے انہوں نے کہا کہ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے یہ فرمایا کہ اس خدا کے دشمن نے جھوٹ کہا۔ اور جہاں تک یعلیٰ ابن مسلم کا تعلق ہے انہوں نے یہاں تک بیان کرنے کے بعد کہا کہ اس حضرت ابن عباسؓ نے حضرت ابی بن کعب سے روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ کے رسول موسیٰ نے ایک مرتبہ لوگوں کے سامنے کھڑے ہو کر وعظ کیا جس کو بن کر سننے والوں کے دل بہت متاثر ہوئے اور وہ رونے لگے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ وعظ ختم کر کے واپس روانہ ہوئے۔ ایک شخص ان کے پیچھے گیا (جوان کا وعظ سنا اور ان کا علم دیکھ کر حیران اور متاثر ہو رہا تھا) اور ان سے پوچھنے لگا۔ ”کیا اس دنیا میں آپ سے بڑا بھی کوئی عالم ہے؟“ اس پر موسیٰ نے فرمایا۔ ”نہیں“ یہ بات اللہ تعالیٰ کو نہ پسند ہوئی کہ موسیٰ نے جواب میں یہ کیوں نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کی طرف سے موسیٰ سے فرمایا گیا بے شک (تم سے بڑا عالم موجود) ہے۔ موسیٰ نے عرض کیا ”پروردگار! وہ کہاں ہے؟“ فرمایا گیا، ”جہاں دو دریا ملتے ہیں۔“ موسیٰ نے عرض کیا۔ ”اے پروردگار! مجھے ایسا علم عطا فرما جس کے ذریعہ میں اس جگہ کا پتا لگا سکوں جواب ملا۔ ”جہاں مچھلی تہہ ہار ساتھ چھوڑ جائے (وہی وہ جگہ ہوگی)۔“ اس روایت کو یعلیٰ نے جس طرح بیان کیا اس کے مطابق حق تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔ تم ایک مری ہوئی مچھلی اپنے ساتھ لے کر چلو۔ جہاں بھی وہ

زندہ ہو جائے (وہیں وہ جگہ ہوگی جہاں وہ عالم موجود ہیں جو تم سے زیادہ جانتے ہیں) چنانچہ موسیٰ نے ایک مچھلی اپنے ساتھ لی اور اس کو توشہ دان میں رکھ لیا۔ پھر انہوں نے اپنے خادم سے کہا: ”تمہیں صرف اتنا کام کرنا ہے کہ جہاں یہ مچھلی تمہارا ساتھ چھوڑ دے وہیں مجھے فوراً خبر کر دو۔“ خادم نے کہا: ”یہ تو آپ نے بڑا آسان کام بتایا ہے۔“

آیت پاک میں خادم سے مراد یہی یوشع امن لون ہیں۔ غرض اب یہی دونوں ایک شخصندی اور سائے دار جگہ پہنچ کر ٹھہرے جو سمندر کے کنارے تھی۔ موسیٰ کی اس وقت آنکھ لگ گئی تھی۔ اسی وقت وہ مچھلی اچانک زندہ ہو کر تڑپی اور پانی میں کود گئی۔ خادم نے دل میں سوچا کہ فوراً جگا کر خبر کرنا ٹھیک نہیں۔ اس لئے انہوں نے موسیٰ کے خود جاگنے کا انتظار کیا مگر جب وہ جاگے تو خادم ان کو اس واقعہ کی اطلاع دینا بھول گیا۔ ابھر مچھلی سمندر میں کودی اور پانی کے اندر اتر گئی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پانی اس جگہ سے رک گیا اور پتھر کی طرح سے سخت ہو گیا۔ وہ مچھلی جس جگہ سے پانی میں اتری وہاں اس طرح سوراخ سا بن گیا جیسے پتھر میں سوراخ ہو جایا کرتا ہے۔ حدیث کے راوی ابن جریج کہتے ہیں کہ عمر و ابن دینار نے مجھے اپنے انگوٹھوں اور ان کے برابر کی انگلیوں سے سوراخ سا بنا کر اس کے متعلق بتلایا۔ موسیٰ نے اپنے خادم سے ناشتہ مانگتے ہوئے کہا تھا: ”ہم اپنے اس سفر سے آج بہت تھک گئے۔“

حالانکہ اس سے پہلے جتنا وہ سفر کر چکے تھے اس میں بالکل تھکن محسوس نہیں ہوئی (گویا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوا کہ حضرت موسیٰ نے تھک کر آرام کیا اور ناشتہ مانگا جس پر خادم کو مچھلی کے گم ہونے کی بات یاد آئی) غرض اس کے بعد (جب حضرت موسیٰ کو مچھلی کے غائب ہونے کا حال معلوم ہوا تو) وہ فوراً اپنے خادم کے ساتھ وہاں سے واپس ہوئے اور اس جگہ پہنچ کر انہوں نے وہاں حضرت خضر کو دیکھا جو ایک سبز رنگ کا گدا بچھائے ہوئے اس پر لیٹے تھے انہوں نے ایک کپڑا اپنے اوپر اس طرح اوڑھ رکھا تھا کہ اس کا ایک سر اوپاؤں کے نیچے دبا رکھا تھا اور دوسرا سر کے نیچے دبائے ہوئے تھے موسیٰ نے قریب پہنچ کر ان کو سلام کیا۔ حضرت خضر نے اپنا منہ چادر میں سے نکال کر موسیٰ کو دیکھا اور کہا۔

”کیا اس سرزمین میں بھی کوئی ایسا شخص ہے جو (حق تعالیٰ کا یہ پسندیدہ) سلام کرتا ہو! آپ کون ہے۔“ انہوں نے کہا۔ ”میں موسیٰ ہوں۔“ حضرت خضر نے پوچھا۔ ”کیا اسرائیلیوں کے پیغمبر موسیٰ۔“ انہوں نے کہا ”ہاں“ تب حضرت خضر نے پوچھا ”کیا مقصد ہے۔“ موسیٰ نے فرمایا ”میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں مجھے آپ وہ بھلائیوں اور علم سکھائیں جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں۔ حضرت خضر نے فرمایا ”اے موسیٰ! کیا آپ کو یہ بات یعنی یہ علم کافی نہیں کہ آپ کے ہاتھ میں تورات ہے اور یہ کہ آپ کے پاس وحی آتی ہے! جہاں تک اس علم کا تعلق ہے جو میرے پاس ہے اس کا جاننا آپ کے لئے اچھا نہیں ہے اسی طرح آپ کے پاس جو علم ہے اس کا جاننا میرے لئے مناسب نہیں ہے۔“

اسی وقت (جب کہ یہ باتیں کر رہے تھے) ایک پرندہ آیا اور سمندر میں اپنی چونچ ڈال کر پانی پینے لگا حضرت خضر نے یہ منظر دیکھ کر فرمایا۔ ”خدا کی قسم میرا علم اور تمہارا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے مقابلے میں اتنا ہی ہے جتنا پانی اس پرندے نے سمندر میں سے اپنی چونچ میں بھرا ہے۔“

پھر اس کے بعد جب (حضرت موسیٰ کو اپنے ساتھ لے کر چلنے پر تیار ہو گئے اور وہ دونوں وہاں سے چل پڑے تو) ایک کشتی میں جا کر سوار ہو گئے۔ یہ کشتی والے لوگوں سے اجرت لے کر ان کو اس کنارے سے اس کنارے پہنچا دیا کرتے تھے۔ انہوں نے حضرت خضر کو پہچان لیا اور کہا کہ ہم ان سے اجرت نہیں لیں گے۔ حضرت خضر کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں نے اس میں ایک سوراخ کر دیا۔ موسیٰ یہ دیکھ کر پھر ایک دم بول اٹھے کہ آپ نے یہ کیا کیا۔ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اس کشتی کے لوگ غرق ہو جائیں۔ حضرت خضر نے ان کو یاد دلایا کہ میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکتے۔ موسیٰ نے اس پر فوراً معذرت کی اور پھر حضرت خضر کے ساتھ چل پڑے۔ کچھ دور چل کر انہیں ایک لڑکا ملا جسے حضرت خضر نے قتل کر دیا۔ یہاں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ حضرت خضر نے ان میں کافر لڑکے کو پکڑا جو بہت ذہین اور سمجھ دار تھا۔ پھر انہوں نے اس کو زمین پر ڈال کر چھری

سے ذبح کر دیا۔ موسیٰ یہ منظر دیکھ کر گھبرا گئے اور فوراً بول اٹھے کہ آپ نے بلا سبب ایک جان لے لی۔ حضرت ابن عباسؓ کی ایک قرأت کے مطابق یہ لڑکا مؤمن تھا۔ (حضرت خضرؑ نے پھر حضرت موسیٰؑ کو نوکا اور انہوں نے پھر معذرت کر کے کہہ دیا کہ یہ بچہ نہ پوچھنے کا وعدہ کیا۔ پھر وہاں سے آگے چلے تو ایک جگہ انہیں ایک دیوار نظر آئی جو جھک رہی تھی اور گرنے کے قریب تھی۔ حضرت خضرؑ نے اس دیوار کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰؑ پھر بول اٹھے کہ آپ چاہتے تو اس بستی کے لوگوں سے اس کام کی اجرت بھی لے سکتے تھے۔ (کیونکہ یہاں کے لوگوں نے ان دونوں مہمانوں کو کھانا کھلانے سے انکار کر دیا تھا) حوالہ الہدایہ والنہایت۔ اس کے بعد کی تفصیل تفسیر خازن سے لی گئی ہے۔)

یعنی دیوار کی مرمت کرنے کی اجرت آپ بستی والوں سے لے سکتے تھے کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ بھوکے ہیں اور بستی کے لوگوں نے کھانا کھلانے سے انکار کر دیا ہے اس لئے بہتر تھا کہ آپ اپنے اس کام کی اجرت لیتے۔ آخر حضرت خضرؑ نے اس دفعہ حضرت موسیٰؑ کے سوال کرنے پر صاف صاف کہہ دیا کہ بس اب میرے اور آپ کے درمیان یہاں سے جدا کی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ انکار اجرت نہ لینے کے سلسلے میں تھا (لیکن ساتھ ہی حضرت خضرؑ نے کہا) ”میں آپ کو ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔“ اس سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حضرت خضرؑ نے خود اسے ان باتوں کی حقیقت بتلانے کے متعلق نہیں کہا تھا بلکہ) یہ ہوا کہ پہلے موسیٰؑ نے حضرت خضرؑ کا دامن پکڑ لیا اور کہا۔ ”اس سے پہلے کہ آپ میرا ساتھ چھوڑ دیں مجھے ان سب کاموں کی حقیقت بتلائیے جو آپ نے کئے ہیں۔“ حضرت خضرؑ نے فرمایا ”جہاں تک اس کشتی کا تعلق ہے (جس میں میں نے سوراخ کر دیا تھا) وہ چند غریب آدمیوں کی تھی جو (اس کے ذریعہ) سے دریا میں محنت مزدوری کر کے پیٹ پالتے تھے۔“

ایک قول یہ ہے کہ یہ دس بھائی تھے جن میں سے پانچ دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اور اس کے ذریعہ روزی کماتے تھے۔ یہاں قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ یہ کشتی چند

مسکینوں کی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ مسکین شخص اگر کسی چیز کا مالک بھی ہو تب بھی اسکو مسکین ہی کہا جائے گا یعنی اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ الہیمان سے اپنی ضرورتیں پوری کر سکے تو اس کو مسکین ہی کہا جائے گا (چاہے وہ کسی ایک آدمہ معمولی چیز کا مالک ہی کیوں نہ ہو) اس کے مقابلے میں فقرہ ہوتا ہے جو بالکل خالی ہاتھ اور مطلق ہو۔ وہ مسکین سے زیادہ تنگ حال ہوتا ہے۔ مسکین کی تعریف یہ اس لئے بتلائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو مسکین فرمایا ہے حالانکہ وہ لوگ اس کشتی کے مالک تھے۔ غرض اس کے بعد حضرت خضر فرماتے ہیں۔

”میں نے اس کشتی میں عیب ڈالنے کا اس لئے ارادہ کیا کہ ان لوگوں کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو زبردستی چھین لیا کرتا تھا۔ یعنی جو بھی اچھی کشتی ہوتی اسی کو وہ ظالم بادشاہ چھین لیا کرتا تھا۔ اس لئے میں نے اس میں سوراخ کر کے سے عیب دار کر دیا تھا کہ وہ جاہر بادشاہ اس کشتی کو نہ چھینے۔

اس بادشاہ کا نام جلدی ازدی تھا۔ یہ ایک کافر بادشاہ تھا۔ ایک تو یہ بھی ہے کہ اس کا نام ہدایا بن ہد تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ کشتی میں سوراخ کرنے کے بعد حضرت خضر نے کشتی والوں سے معذرت کی تھی اور ان کو اس ظالم بادشاہ کے تعلق بتایا جو ہر اچھی کشتی چھین لیا کرتا تھا۔ یہ لوگ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ آگے وہ بادشاہ موجود ہے جو اس طرح کشتیاں چھین لیتا ہے۔ چنانچہ حضرت خضر نے ان سے فرمایا۔ ”میں چاہتا ہوں کہ جب بادشاہ کے پاس سے کشتی گزرے تو وہ اسکو مہربان وار اور خراب سمجھ کر پھوڑ دے۔“ جب یہ کشتی وہاں سے گزرتی تو ان لوگوں نے اس کو ٹھیک کر لیا اور اس سے برابر فائدہ اٹھاتے رہے۔

پھر حضرت خضر نے اس لڑکے کو قتل کرنے کا راز بتلاتے ہوئے کہا جہاں تک اس لڑکے کا تعلق ہے تو اس کے ماں باپ مؤمن تھے۔ اس لئے ہمیں خوف ہوا کہ اس لڑکے کی محبت ان کو کفر اور سرکشی میں ڈال دے۔ اس لئے ہم کو یہ منظور ہوا کہ اس کے بجائے ان کا

پروردگار ان کو ایسی اولاد دے جو پاکیزگی یعنی دین میں اس سے بہتر ہو۔ یعنی اس کے بدلے میں ماں باپ کو ایسی اولاد دے جس سے جو نیک اور باصلاحیت اور پارسا اور محبت کی مستحق ہو۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ اس لڑکے کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک بیٹی عطا فرمائی جس سے ایک خلیفہ نے نکاح کیا اور پھر خود اس سے ہیٹ سے بھی ایک بیٹی پیدا ہوئے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے ایک پوری امت کو ہدایت عطا فرمائی۔ ایک کثرہ قول یہ بھی ہے کہ اس لڑکی کے ہیٹ سے ستر بیٹی پیدا ہوئے۔ اسی طرح ایک قول یہ ہے کہ اس لڑکے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور لڑکا عطا فرمایا جو مسلمان تھا۔ ایک روایت ہے کہ یہ لڑکا جس کو قتل کیا گیا (اپنے ماں باپ کا بہت چہیتا تھا) جب پیدا ہوا تو اس وقت ماں باپ نے بہت خوشیاں منائی تھیں اور جب قتل ہوا تو انہوں نے اس کا ماتم کیا۔ اگر وہ لڑکا زندہ رہ جاتا تو اس کے ذریعہ ان دونوں کی بربادی لازم تھی ورنہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر ہمیشہ راضی رہنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے مومن کے لئے اگر بظاہر ناہنہ نہ بھی نظر آئیں تو حقیقت میں ہمیشہ خیر اور بھلائی سے بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ (پھر حضرت خضر نے اس بستی کی دیوار کو سیدھا کرنے کا ارادہ نکالا تو ہوئے کہا)

”اور جہاں تک اس دیوار کا تعلق ہے تو وہ دو بتیم لڑکوں کی تھی جو اس شہر میں رہتے ہیں۔ اس کے نیچے ان کا کچھ مال دفن تھا (جو انہیں اپنے باپ سے میراث میں پہنچا ہے) ان کا باپ (جو مر چکا ہے) ایک نیک آدمی تھا اس لئے آپ کے پروردگار نے اپنی صبر دہائی سے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کی عمر کو پہنچ جائیں اور اپنا مال نکال لیں۔ یہ سارے کام میں نے اہتمام الہی سے کئے ہیں۔ ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔ بس یہ ہے ان سب باتوں کی حقیقت جن پر آپ کو صبر نہ ہو سکا۔“

کہا جاتا ہے کہ ان دونوں لڑکوں کے نام مصرم اور صرم تھے۔ جہاں تک اس خزانے کا تعلق ہے تو حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عقیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ سونا چاندی تھی۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ اصل میں ملکی خزانہ تھا کچھ تحریریں تھیں جن میں علم تھا۔ (اس بارے میں

یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ وہ سونے کی ایک تختی تھی جس پر ایک عبادت تحریر تھی جو بیان ہو چکی ہے) اور اس کے دوسری طرف یہ عبارت تحریر تھی۔ ”میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے، میں اکیلا ہوں، میرا کوئی شریک نہیں ہے۔ میں نے ہی بھلائی اور برائی کو پیدا کیا ہے پس اس کے لئے خوش خبری ہے جس کو میں نے خیر کے لئے پیدا کیا ہے اور اس خیر اور بھلائی کو اس کے ہاتھوں پر ظاہر کر دیا ہے۔ اور اس کے لئے افسوس ہے۔ سخت افسوس جس کو میں نے برائی کے لئے پیدا کیا اور اس برائی اور شر کو اس کے ہاتھوں ظاہر کر دیا۔“

ایک قول یہ ہے کہ خزانے کا لفظ جب مطلق یعنی بلا قید استعمال ہوتا ہے تو اس سے مراد مال ہی ہوتا اور اگر اس کے ساتھ کوئی قید بھی ہو جیسے کہا جائے کہ فلاں کے پاس علم کا خزانہ ہے تو پھر دولت کے سوا دوسری چیز مراد ہو سکتی ہے مگر اس تختی کو دونوں ہی طرح کا خزانہ کہا جاسکتا ہے (کیونکہ دولت کا خزانہ تو اس لئے تھی کہ یہ ایک روایت کے مطابق سونے کی تھی اور علم کا خزانہ اس لئے تھی کہ اس پر حکمت کی باتیں لکھی ہوئی تھیں)۔

جہاں تک ان دونوں لڑکوں کے باپ کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ اس کا نام شیخ تھا اور وہ بڑے نیک اور پرہیزگار لوگوں میں سے تھا۔ حضرت عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ یہ خزانہ ان لڑکوں کے لئے ان کے باپ کی نیکی کی وجہ سے محفوظ رکھا گیا تھا۔ ایک قول ہے کہ ان لڑکوں اور ان کے باپ کے درمیان سات پشتوں کا فاصلہ تھا (یعنی وہ نیک شخص ان لڑکوں کا حقیقی باپ نہیں تھا بلکہ ساتویں پشت میں دادا تھا جس کو باپ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرض باپ کی نیکی اور پرہیزگاری اس کی اولاد کے کام آتی ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں ایک روایت گزر چکی ہے۔ اسی طرح حضرت سعید ابن مسیب کہتے ہیں کہ نماز پڑھتے ہوئے جب مجھے اپنے بیٹے کا خیال آ جاتا ہے تو اپنی نماز اور زیادہ لمبی کر دیتا ہوں (تاکہ میری یہ عبادت میری اولاد کے بھی کام آئے)۔

غرض اللہ تعالیٰ نے یہ چاہا کہ جب لڑکے اپنی جوانی کی عمر کو پہنچیں تو ان کا خزانہ محفوظ ہو یعنی وہ بڑے ہو جائیں اور اپنے مال اور رزق کو سمجھنے لگیں۔ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ بالغ ہو

جائیں۔ ایک قول کے مطابق جوانی کی عمر اٹھارہ سال کی ہوتی ہے۔

یہاں ایک چیز قابل غور ہے قرآن پاک کی آیت میں ہے کہ وہ کشتی کچھ مسکین لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت مزدوری کرتے تھے اس لئے میں نے چاہا کہ انہیں عیب ڈال دوں۔ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ ”میں نے چاہا“ پھر اسی آیت میں آگے فرمایا گیا ہے کہ اس لڑکے کے ماں باپ مومن تھے اور ڈرتھا کہ اس لڑکے کی محبت انہیں گمراہی اور سرکشی میں نہ ڈال دے اس لئے ”ہم نے چاہا کہ“ اس کے بجائے ان کو نیک اولاد میسر ہو۔ تو یہاں ”ہم نے چاہا“ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد آگے جہاں اس دیوار کو سیدھا کرنے کی مصلحت بتلائی گئی ہے جس کے نیچے ایک خزانہ تھا وہاں کہا گیا ہے کہ ”پس آپ کے رب نے چاہا“ تینوں جگہ اس فرق کے متعلق سوال کیا جاسکتا ہے کہ ایسا کس لئے ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلی بار جہاں ”میں نے چاہا“ کہا گیا ہے وہاں کشتی میں عیب ڈالنے کا ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس فعل کی نسبت حضرت خضر نے حق تعالیٰ کی طرف کرنے کے بجائے ادب کی وجہ سے اپنی ذات کی طرف کی ہے دوسری جگہ لڑکے کو قتل کرنے کے فعل کو بھی اپنی ذات کی طرف نسبت دی لیکن ”میں“ کے بجائے ”ہم“ کہا جس سے اپنی اونچی شان کا خاص طور پر اظہار کرنا مقصود ہے کہ وہ باطن اور حکمت کے علم میں ایک اونچے درجے کے عالم ہیں اور یہ کہ وہ اس قتل جیسے فعل کو کسی بڑی اور اہم حکمت کے بغیر ہرگز نہیں کر سکتے۔ پھر تیسری جگہ جہنم کے مال کا ذکر ہے کہ ان دونوں قیدیوں کے باپ کی نیکی کی وجہ سے ان کے اس حق کی حفاظت کی گئی تو اس فعل کو اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف نسبت دی گئی کیونکہ باپ دادا کے نیک اعمال کی وجہ سے اولاد کی حفاظت اور ان کے حالات کو صحیح رکھنا سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کے بس میں نہیں ہے۔

آیت پاک میں ہے کہ حضرت خضر نے موسیٰ کو تینوں کاموں کو حکمت بتلانے کے بعد کہا کہ میں نے یہ کام اپنی مرضی اور رائے سے نہیں کئے بلکہ ان کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم اور الہام ملا تھا۔ کیونکہ ظاہر ہے لوگوں کا مال خراب کر دینا یا خون بہا دینا یا

بلا اجازت کسی چیز کی حالت بدل دینا ایسے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور صاف نص کے بغیر نہیں کئے جاسکتے۔ چنانچہ آیت پاک کے اس حصے کی بنیاد پر بعض علماء نے کہا ہے کہ حضرت خضر نبی تھے کیونکہ اس طرح حکم آنے کا مطلب وہی ہے اور وحی صرف نبیوں کے پاس ہی آتی ہے۔ مگر اس بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ حضرت خضر صرف ایک ولی اللہ تھے نبی نہیں تھے۔ جہاں تک اس آیت سے حضرت خضر کی نبوت ثابت کرنے کا تعلق ہے اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ یہ حکم وحی نہیں بلکہ الہام تھا جو ولی اللہ کے درجہ کے مطابق ہوتا ہے۔

ایک قول کے مطابق اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ میں نے یہ کام اس غرض سے کئے ہیں کہ ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ظاہر ہو۔ اس تفسیر سے بھی ایک ہی معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی کسی بڑے نقصان سے بچانے کے لئے کسی چھوٹے نقصان میں ڈالنا اور اسے برداشت کرنا۔ غرض اپنے کاموں کی یہ حکمت بتلانے کے بعد حضرت خضر نے موسیٰ سے کہا کہ یہ ہے ان کاموں کی حقیقت اور اصلیت جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ حضرت خضر سے جدا ہونے لگے تو حضرت خضر سے کہنے لگے۔ ”مجھے کوئی نصیحت وصیت کیجئے“ حضرت خضر نے فرمایا ”علم اس لئے حاصل نہ کیجئے کہ اس کو لوگوں کو سنائیں بلکہ اس لئے حاصل کیجئے کہ اس پر عمل کریں۔“ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے ہے آیا حضرت خضر آج تک زندہ ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔ ایک قول ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اکثر علماء کا قول یہی ہے اور صوفیاء کے یہاں اسی قول پر سب کا اتفاق ہے۔ (یہ قول علامہ علاء الدین خازن نے نقل کیا ہے۔ اس کے خلاف جو دوسرے قول ہیں وہ مترجم دوسری کتابوں سے آگے پیش کر رہے ہیں) غرض حضرات مشائخ اور صوفیاء کے یہاں ان کو دیکھنے، ان سے ملنے اور نیک اور خیر کی جگہوں پر ان کے موجود ہونے کے متعلق بھی اتفاق ہے۔

شیخ عمر داہن اصلاح نے لکھا ہے کہ حضرت خضر، جمہور علماء اور صالحین کے نزدیک زندہ ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ حضرت خضر اور حضرت الیاس دونوں زندہ ہیں اور ہر سال حج

کے موسم میں مکے میں ایک دھڑے سے مٹنے آتے ہیں۔ حضرت نفیر کے زندہ رہنے کا جو سبب بیان کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے پشمرہ حیات کا پانی پی لیا تھا (پشمرہ حیات کو اردو میں اکثر آب حیات کہا جاتا ہے)۔

یہ سب وقت کی بات ہے جبکہ مکہ ذوالقرنین دیا کھنچ کر کے بعد پشمرہ حیات کی تلاش میں روانہ ہوئے اور وہاں کی حکمت میں داخل ہوئے اس وقت حضرت خضر ذوالقرنین کے ہر اول میں موجود تھے اتفاق سے حضرت خضر پشمرہ حیات تک پہنچ گئے انہوں نے اس میں غسل کیا اور اس کا پانی (جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس پشمرہ کا پانی پینے والا قیامت تک زندہ رہتا ہے) اس کے بعد انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے غزہ پر شمس، بھر ذوالقرنین جو پشمرہ حیات کی تلاش میں لگے تھے اور حضرت خضر کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے راستہ بھول گئے (اور پشمرہ حیات تک پہنچنے کی حسرت ان میں لئے) جس وقت مکہ میں ان سماء کے برخلاف کچھ خفرائے کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر کی وفات ہو چکی ہے۔ ان علماء کی رائے اس آیت کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ **وَجعلنا البشر من قبلک الخلد** (سورہ بقرہ ۳۰) اور ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کے لئے ہمیشہ رہنا تجویز نہیں کیا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عائشہ کی نماز پڑھنے کے بعد صحابہ سے فرمایا۔ "تم آج کی یہ رات دیکھ رہے ہو۔ آج سے چودہ سو سال کے بعد اس زمین کی پشت پر ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا جو آج موجود ہیں۔" تو حضرت خضر اسی وقت زندہ تھے تو اس سوسال کے اندر وہ بھی گزر چکے ہیں (جن کے متعلق منکشفات ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا ہے)۔

(تفسیر مدار ۲۲۵/۱۸۸ جلد دوم)

حضرت خضر سے متعلق تاریخ ابدا یہ انتہا یہ میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے جس کا کچھ حصہ اقربا میں پیش کر رہا ہے۔

ان ہی آیات میں حق تعالیٰ نے حضرت خضر کا یہ قول نقل فرمایا ہے کہ **رحمتی من**

رہک وما فعلتہ عن امری (پہلے کہ وہ ترجمہ اور سارے کام میں نے الہام الہی سے کئے ہیں ان میں سے کوئی کام میں نے اپنی رائے سے نہیں کیا۔

(یہاں الہام کے بجائے بعض علماء نے وحی مراد لی ہے لہذا یہ بات اس کی دلیل بنتی ہے کہ وہ نبی تھے اور یہ کہ انہوں نے کوئی کام اپنی رائے اور مرضی سے نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم یعنی وحی سے کیا ہے لہذا وہ نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ رسول تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ولی تھے۔ اس سے بھی زیادہ ایک عجیب قول یہ ہے کہ وہ فرشتے تھے۔ اور میرے خیال میں اس سے بھی کہیں زیادہ عجیب قول یہ ہے کہ حضرت خضر فرعون کے بیٹے تھے۔ ایسے ہی ایک قول یہ ہے کہ وہ خضاک بادشاہ کے بیٹے تھے جس نے ایک ہزار سال تک دنیا پر حکومت کی (اب گویا نبی، رسول، ولی اور فرشتہ ہونے کے علاوہ ایسے قول بھی موجود ہیں جن کے مطابقت حضرت خضر شہزادے سے تھی)۔

علامہ ابن جریر کہتے ہیں عام طور پر اہل کتاب کی رائے یہ ہے کہ حضرت خضر فارس کے بادشاہ افریدیوں کے زمانے میں تھے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اس ذوالقرنین کے ہراول میں موجود تھے جس کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بنی افریدیوں اور ذوالقرنس تھا جو حضرت ابراہیم خلیلؑ کے زمانے میں تھے۔ کچھ علماء کا قول ہے کہ حضرت خضر نے چشمہ حیات کا پانی پی لیا تھا اس لئے وہ ہمیشہ زندہ ہیں اور اب تک موجود ہیں۔ ایک قول ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی کی اولاد ہیں جو حضرت ابراہیمؑ پر ایمان لائے تھے اور بابل کے علاقے سے ابراہیمؑ کے ساتھ ہجرت کر کے آئے تھے۔ ایک قول ہے کہ ان کا نام مالکان تھا۔ ایک قول کے مطابق ارمیا ابن خلقیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ سباسب ابن ہر اب کے زمانے میں نبی تھے۔

(الہدایہ النہایہ جلد اول)

امام بن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ ان کا نام ملیا ابن ملک تھا اور نوح کی اولاد میں سے تھے۔ ان کی کنیت ابو العباس اور لقب خضر تھا۔ ابن صلاح نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ وہ آج تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔ اگرچہ کچھ حدیثیں ایسی ہیں جن

سے حضرت خضرؑ کے زندہ ہونے کے متعلق معلوم ہوتا ہے مگر وہ سب حدیثیں کمزور ہیں ان میں سے کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ بہر حال اکثر محدثین حیات خضر کے قائل نہیں ہیں۔ اس کی ایک دلیل تو وہی قرآن پاک کی آیت ہے جو پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی کو بھیجی کی زندگی نہیں دی۔ اس کے علاوہ ایک دلیل اور بھی ہے۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ بدر میں فتح کی دعا مانگتے ہوئے حق تعالیٰ سے عرض کیا تھا۔ ”اے اللہ! اگر میری جماعت ہلاک ہوگئی تو پھر زمین پر کوئی شخص تیری عبادت کرنے والا نہ رہے گا۔“

(چنانچہ اگر حضرت خضر جو ایک ولی تھے زندہ ہوتے تو آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کیسے صحیح ہوتا) اس کے علاوہ حضرت خضر کے زندہ نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یقیناً اسلام قبول کرتے اور آپ کے صحابہ میں سے کہلاتے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ سارے عالم اور تمام انسانوں اور جنات کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”اگر آج موسیٰ اور عیسیٰ زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی میری اطاعت اور مجھ پر ایمان لانے کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔“

(تفسیر ابن کثیر پ ۱۱ سورہ کہف)

چنانچہ اس کی دلیل میں قرآن پاک کی یہ آیت ہے وہ وَاِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَآ اَنتِمْ مِّنْ بَحَابٍ وَّحَكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ ءَ ثُمْ رَّسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتَوْفُوْنَنَّهُ بِهٖ وَ لَنَنْصُرُوْهُ قَالًا ءَ اَفَرَّوْاْ ثُمَّ ۔ (یہ پ ۳۸۱ سورہ آل عمران ۹)

ترجمہ: ”اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی آئے (اگر وہ اس وقت تک زندہ رہے) تو اس کے بعد والے پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے۔ لہذا اس کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر حضرت خضر رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں زندہ ہوتے تو ان کے پاس بھی اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کا اتباع کرتے، آپ کے ساتھ شریک ہوتے اور آپ کے مددگار بننے، اسی طرح غزوہ بدر کے

وقت وہ بھی آنحضرت ﷺ کے جھنڈے تلے موجود ہوتے جیسا کہ حضرت جبرئیل اور دوسرے بڑے بڑے فرشتے تک موجود تھے۔ (الہدایہ الیہ جلد اول)

لفظ خضر اصل میں خضر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سبزی یا سبز رنگ کے، حضرت خضر کو خضر اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ ایک دفعہ سوکھی اور سفید گھاس پر یا خشک زمین پر بیٹھ گئے تھے اور ان کی برکت سے وہ گھاس فوراً ہری بھری ہو گئی وہ وہ جگہ سبزہ زار ہو کر لہلہا نے لگی۔ (تفسیر ابن کثیر پ ۱۰۷ کتب)

یہاں تک حضرت خضر سے متعلق تشریح مکمل ہوئی، اب اس کے بعد اصل موضوع شروع کیا جاتا ہے۔

آدمیوں اور جانوروں کے جسموں پر آنحضرت ﷺ کے نام اور کلمہ کے نقش اصل بیان آنحضرت ﷺ کے نام نامی کے پتھروں اور درختوں اور مختلف چیزوں و غیرہ پر لکھا ہوا پایا جانے کا چل رہا ہے چنانچہ اسی سلسلے میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان یہ کلمہ لکھا ہوا تھا۔ محمد رسول اللہ خاتم النبیین محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول اور آخری پیغمبر ہیں۔

نومولود بچے کے مونڈھوں پر کلمہ کا نقش

اسی طرح ایک بزرگ نے اپنا واقعہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے خراسان کے علاقے میں ایک نومولود بچے کو دیکھا جس کے مونڈھے پر لا الہ الا اللہ اور دوسرے پر محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا۔ ایک بزرگ روایت کرتے ہیں کہ ۳۷ھ میں میرے بکری کا ایک بچہ پیدا ہوا جس کی پیشانی پر ایک بالکل گول سفید دائرہ تھا اور اس میں بہت خوبصورت اور صاف خط میں محمد ﷺ لکھا ہوا تھا۔ ایسے ہی ایک روایت میں ہے کہ میں نے افریقہ کے ملک مغرب یعنی مراکش میں ایک بچہ دیکھا جس کی دائیں آنکھ کے سفید ڈھیلے میں نیچے کی طرف سرخ پانی سے بہت بار یک خط میں محمد رسول اللہ ﷺ لکھا ہوا تھا۔

علامہ شیخ عبدالواہاب شعرانی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جس روز میں اس مکتب کا یہ حشر لکھ رہا تھا اس روز میں نے نبوت کی ایک نشانی دیکھی وہ یہ کہ ایک شخص میرے پاس ایک بکرے کے بچے کا سر لایا یہ بکری اس نے اناج کی تھمی اور اس کو پکا کر کھ بھی چکا تھا اس نے مجھے دکھایا کہ اس سر میں قدرتی تحریر سے پیشانی پر بہت صاف صاف یہ لکھا ہوا تھا۔

”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ“ اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت اور چار دین دے کر بھیجا ہے جس کے ذریعہ وہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے۔ پھر علامہ شعرانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا نام بار بار لکھنے میں حکمتیں چھپی ہیں ورثہ ظاہر کے کے نعوذ باللہ تعالیٰ بھوتانٹیں۔ یہاں تک علامہ کا کلام ہے۔ اس بارے میں کہا جاتا ہے کہ شاید اس ہدایت کے بلند درجہ والے مقام اور بچے سے یہ تاکید کی گئی ہے۔

ایک اناورہ پتھر پر تحریر

علامہ زہری سے روایت ہے کہ ایک روز میں ہشام بن عبدالملک کے پاس جا رہا تھا۔ جب میں بلکار کے مقام پر پہنچا تو مجھے وہاں ایک پتھر ملا جس پر عبرانی زبان میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ میں اس پتھر کو لے کر ایک شیخ کے پاس پہنچا جو عبرانی زبان جانتے تھے اور وہ اسے پڑھ کر خستہ اور بوئے کہ یہ عجیب معاملہ ہے اس پر یہ لکھا ہے کہ اے اللہ تیرے نام سے شروع کرے ہوں صاف عربی زبان میں تیرے رب کی طرف سے حق اور سچائی کا پیغام آگیا۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ اس کو حضرت موسیٰ بن عمران نے لکھا ہے۔

(کوئی تعجب نہ ہو کہ یہ جتن جتنے از میرٹ علیہ جلد اول نصف آخر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ ذَاتِمَا أَبْنَدَا عَلَيَّ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۲۸

رسول اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے
 قائل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ واسطہ نمبر
 خصوصیت پیش کی جا رہی ہے۔ جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کا نام عرش پر اللہ تعالیٰ کے
 نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے“ اللہ تعالیٰ خصوصیت کو نزویہ دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے
 روزہ رسول ﷺ کے قریب ریاض الویض میں بیٹھنے کی توفیق دی، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے
 اس پر میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں کہ جس ذات نے ریاض الویض میں بٹھا کر اپنے
 محبوب ﷺ کی خصوصیت سے متعلق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور مزید ہی اللہ تعالیٰ کی ذات
 سے توفیق امید ہے کہ وہ میری اس نونی پھولی کاوش کو مقبول و مشہور بھی فرمائے گا انشاء اللہ۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے حضور ﷺ کی مجملہ خصوصیات میں سے یہ بھی ایک
 عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ عرش پر لکھا ہوا ہے،
 جبکہ دیگر انبیاء کرام سے متعلق کہیں ایسی خصوصیت نظر نہیں آتی بلکہ یا آپ ﷺ سے اللہ تعالیٰ
 کی خاص محبت کی علامت ہے جیسا کہ آنے والے اوراق میں آپ ﷺ کا مدح فرمائیں گے کہ کس
 طرح عرش پر آپ ﷺ کا نام لکھا ہے اور کہاں سے یہ ذات ثابت ہے امید ہے کہ انشاء اللہ
 اس خصوصیت کا مطالعہ بھی ہمارے ایمان میں اضافے کا باعث اور رسول اللہ سے بھی محبت
 کا سبب بنے گا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم سب کی کامیابی و کامرانی صرف اور صرف
 اپنے نبی ﷺ کی محبت اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کے اندر ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ
 ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدر جاننے اور آپ ﷺ سے بھی محبت کرنے کی
 توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

لیجئے اب آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:-

از سٹھ نمبر خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ:- ”یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ عرش پر اللہ تعالیٰ کے نام پاک کے ساتھ آپ ﷺ کا نام بھی لکھا ہوا ہے۔“ اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: میں نے عرش کو پانی کے اوپر پیدا کیا تو اس کی ہیئت سے پانی لرزنے لگا تب میں نے عرش پر لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ لکھ دیا جس کی برکت سے عرش ساکن ہو گیا۔

اسی طرح اسی کتاب میں یہ بھی ہے کہ تمام ملکوت یعنی آسمانوں اور جنتوں اور ان میں جو کچھ ہے ان سب پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔ علامہ سیوطیؒ کی ہی دوسری کتاب خصائص مغربی میں ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ عرش پر، ہر آسمان پر، تمام جنتوں پر، اور ان میں موجود چیزوں پر اور تمام ملکوت میں جو کچھ بھی ہے ان سب پر آنحضرت ﷺ کا نام نامی لکھا ہوا ہے۔

مولف سیرت حلیہ کہتے ہیں: یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک روایت پچھلے صفحوں میں گزری ہے کہ جب آدمؑ زمین پر اترے تو جہاں کی وجہ سے بہت پریشان اور وحشت زدہ ہوئے۔ آخر جبرئیلؑ پاؤں ہوئے اور انہوں نے زور سے اذان دی جس میں دوسرے اللہ اکبر کہا، دوسرے شہدان لا الہ الا اللہ کہا اور دوسرے شہدان محمد الرسول اللہ۔ آنحضرت ﷺ کا نام سن کر آدمؑ نے حضرت جبرئیلؑ سے پوچھا:- ”محمد کون ہیں؟“ جبرئیلؑ نے کہا ”وہ آپ کی اولاد میں سے سب سے آخری نبی ہوں گے۔“

اب اس روایت سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر عرش اور جنتوں اور آسمانوں میں ہر جگہ اور ہر چیز پر آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا موجود ہے تو آدمؑ نے جنت میں رہتے ہوئے اس نام کو ضرور دیکھا ہوگا اور آپ ﷺ کو جانتے ہوں گے۔ یا ایسے ہی ایک روایت میں آتا ہے کہ

آدمؑ نے فرمایا کہ جب مجھ میں روح ڈالی جا رہی تھی تو روح کے ٹانگوں تک پہنچنے سے پہلے ہی میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرش پر میری نظر پڑی تو وہاں آنحضرت ﷺ کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ تو ان سب روایتوں میں معلوم ہوتا ہے کہ آدمؑ آنحضرت ﷺ کو جانتے تھے لہذا اس روایت میں انکا آنحضرت ﷺ کے متعلق پوچھنا شبہ کا باعث بنتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جاتا ہے کہ ممکن ہے اس سوال کے ذریعہ آدمؑ یہ اطمینان کرنا چاہتے ہوں کہ آیا یہ محمد ﷺ کوئی اور ہیں یا وہی جن کا نام انہوں نے آسمانوں میں لکھا ہوا دیکھا تھا اور جن کے بارے میں ان کو بتلایا گیا تھا کہ ان کی اولاد میں وہ آخری نبی ہوں گے اور یہ کہ اگر وہ یعنی آنحضرت ﷺ نہ ہوتے تو خود آدمؑ کو بھی پیدائہ کیا جاتا اور جن کے نام سے آدمؑ نے اپنی دعا میں سفارش کی تھی، بہر حال یہ اختلاف قابل غور ہے۔

(بحوالہ چیدہ و چیدہ از سیرت علیہ جلد اول)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۲۹

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے

بھی صدائیں بلند ہوئیں

قرآن مجید حرام آدرمیں رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ امر ویر
خصوصیت وحشی کی جاری ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی
جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں“ الحمد للہ اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے
لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روزہ رسول ﷺ کے قریب رہنا اس جنت میں بیٹھنے کی توفیق دی، اس پر
میں اپنے اللہ کا صد بار شکر ادا کرتا ہوں۔

بہر حال محترم قارئین! آپ ﷺ کی یہ عظمت اور بلند شان ہے کہ آپ ﷺ کے ظہور
کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اس طرح متعارف کروایا کہ دنیا کے ہر ہر کونے سے آپ ﷺ کے
ظہور سے متعلق خوشخبریاں سنائیں۔ جیسا کہ ذیل کی خصوصیت میں بھی آ رہا ہے کہ آپ
ﷺ کے ظہور سے متعلق وحشی جانوروں کے منہ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں، جیسا کہ آنے
والے اوراق میں احادیث کی روشنی میں آپ ﷺ کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیں گے انشاء اللہ
رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح تدریسی کرنے کی توفیق عطا
فرمائے آمین یا رب العالمین۔ لیکن اب اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے۔

انتر نمبر خصوصیت کی وضاحت احادیث کی روشنی میں

آپ ﷺ کے ظہور کے متعلق بعض وحشی جانوروں نے بھی کلام کیا ہے۔ ایسے واقعات
میں سے ایک یہ ہے جس کو حضرت ابو سعید خدریؓ نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جریر و حرب

میں ایک چرواہا اپنی بکریاں چارہ اٹھا کر اچانک وہاں ایک بھیڑیا (بجائے چرواہے پر حملہ کرنے یا بھاگ جانے کے) اسی وقت اپنی کچھلی ہانگوں پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

”کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو تو میرے اور اس رزق کے درمیان حائل ہو گیا جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا فرمایا تھا؟“ یہ سن کر وہ چرواہا (سخت حیران ہوا اور) کہنے لگا۔ ”مجھے تو یہ حیرت ہے کہ ایک بھیڑیا مجھ سے انسانوں کی طرح بات کر رہا ہے۔“ اس پر اس بھیڑیے نے کہا۔ کیا میں تجھے اس سے بھی زیادہ حیرت ناک اور عمدہ بات بتاؤں۔ کہ رسول اللہ ﷺ جو حرہ کے دونوں مقامات کے درمیان میں ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ جو شرب میں ہیں لوگوں کو گزشتہ واقعات کی خبریں دے رہے ہیں۔ ایک روایت کے لفظ یوں ہیں کہ کچھلی باتیں بتلاتے ہیں اور اسی طرح وہ باتیں بھی جو تمہارے بعد یعنی آئندہ زمانے میں پیش آنے والی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ باتیں چرواہے کے دل میں گھر کر گئیں اور وہ تحقیق اور تصدیق کے لئے بکریاں گھر پہنچا کر مدینہ منورہ پہنچا اگلے دن جب وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس نے بھیڑیے کی بات آپ سے بیان کی۔ آپ ﷺ نے یہ سن کر فرمایا۔

”چرواہا سچ کہتا ہے۔ بیشک قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ وحشی درندے انسانوں سے کلام کریں گے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبض میں محمد کی جان ہے کہ قیامت اس وقت تک ہرگز قائم نہیں ہوگی جب تک انسان سے اس کے جوتے کے تسمہ تک بھی بات نہیں کرے گا۔ (تسمہ سے مراد وہ فیہ ہے جو جوتے کے اوپر ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے چابک کی گانٹھ اور ایک قول کے مطابق تسمہ کے ایک حصہ کو کہتے ہیں) اور اس کو تالا نہیں دے گا کہ اس کے گھروالے کیا کر رہے ہیں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ اس چرواہے کی بات سننے کے بعد آنحضرت ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کی ہدایت کی جائے (جب سب لوگ آگئے تو) آپ

خبر وہ مبارک سے باہر تشریف لائے اور چرواہے کو حکم دیا کہ لوگوں کو اپنا واقعہ سناؤ۔ چنانچہ اس نے یہ واقعہ کہہ سنایا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ یہ چرواہا ایک یہودی تھا۔ ایک روایت میں یہ ہے کہ بھیڑیے نے چرواہے سے یہ کہا تھا۔ ”مگر تو مجھ سے بھی زیادہ عجیب ہے کہ یہاں اپنی بکریاں لئے کھڑا ہوا ہے اور اس عظیم نبی کی طرف توجہ نہیں دی جس سے بڑی شان کا نبی آج تک ظاہر نہیں ہوا تھا۔ جن کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور جنت کے لوگ ان کے صحابہ کو جنگیں کرتے ہوئے شوق سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ تیرے اور اس نبی کے درمیان صرف اس گھائی کا فاصلہ ہے۔ اس لئے جا اور اللہ تعالیٰ کے لشکر میں شامل ہو جا۔“ یہ سن کر چرواہے نے کہا۔ ”پھر میری بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا؟“ بھیڑیے نے کہا۔ ”جب تک تو واپس آئے میں ان کی رکھوالی کروں گا۔“ چرواہے نے اسی وقت بکریاں بھیڑیے کے سپرد کیں اور خود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس سے فرمایا۔ ”اپنی بکریوں کے پاس جاؤ تم ان کو اتنی ہی پاء گے جتنی چھوڑ کر آئے تھے یعنی بھیڑیے نے ان میں سے ایک کو بھی نہیں کھایا ہوگا۔“

چنانچہ چرواہا وہاں واپس پہنچا تو اس نے بکریوں کو جوں کا توں پایا (بھیڑیا بھی وہاں پر موجود تھا) پھر اس نے ایک بکری بھیڑیے کے لئے کافی۔

آپ کے ظہور سے متعلق ذبح شدہ جانوروں کے پیٹ سے بھی صدائیں بلند ہوئیں رسول اللہ ﷺ کے ظہور کے وقت ایسے واقعات بھی پیش آئے ہیں کہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کے پیٹ سے آپ ﷺ کے متعلق آوازیں بلند ہوئیں اور لوگوں نے انہیں سنا (یہ بات واضح رہے کہ جب کسی نبی کے ظہور کا وقت آتا ہے تو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ دنیا میں عجیب اور غیر معمولی واقعات فرماتا ہے جو اس بات کی علامت ہوتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نیا اور غیر معمولی واقعہ ہونے والا ہے۔ ایسے عجیب اور غیر معمولی واقعات کو شریعت کی اصطلاح میں اہاسات کہا جاتا ہے۔

ان میں سے ایک واقعہ یہ ہے جسے حضرت عمر فاروقؓ نے بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم قبیلہ قریش کے ایک محلے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہاں رہنے والے خاندان کو آل ذریع کہا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے ایک چھڑا ذریع کیا ہوا تھا اور قصائی اس کا گوشت بتا رہا تھا کہ اچانک اس چھڑے کے پیٹ میں سے ہمیں ایک آواز سنائی دی۔ حالانکہ بولنے والے کا کہیں پتا نہ تھا وہ آواز یہ کہہ رہی تھی۔

”اے آل ذریع! ایک زبردست واقعہ پیش آرہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے اور بہت فصیح انداز میں گواہی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں ہے۔“

خود ذریع کے معنی سرخ کے ہیں لہذا ذریع سے مراد ذریع کیا ہوا چھڑا ہے کیونکہ وہ خون میں گھسٹا ہوا ہوتا ہے چنانچہ عربی میں گہرے سرخ رنگ کو احمر ذریع کہا جاتا ہے۔ بخاری شریف میں اس روایت کے الفاظ اس طرح ہیں۔

اے طلح! ایک بڑا واقعہ پیش آرہا ہے۔ پکارنے والا پکار رہا ہے اور ایک فصیح و شائستہ آدمی گواہی دے رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔“ یہاں طلح سے مراد بھی ذریع کیا ہوا چھڑا ہے کیونکہ طلح کھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور ذریع کئے ہوئے چھڑے کی کھال اتار کر اس کا گوشت پوست بھی کھول دیا جاتا۔

(بحوالہ سیرت جلد ۱ ج ۱)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ مُحَمَّدٍ



خصوصیت نمبر ۷

رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے

علماء پیدا فرمائے

فاضل احرام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امت میں سے یہ ستر نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے" حقیقت این میں آنے والی خصوصیت بھی ایک عظیم خصوصیت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی امت میں اللہ تعالیٰ نے عظیم اور اونچے درجے کے علماء پیدا فرمائے، جیسا کہ انشاء اللہ آنے والے اوراق میں آپ اس خصوصیت کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں گے۔ آنے والے اوراق میں بعد نمونہ کے ہم نے آپ ﷺ کی امت میں سے دس علماء کرام کی میرٹ کو مرتب کیا ہے، ان حضرات کی میرٹ کے مطالعہ کے بعد اندازہ ہو جائے گا کہ اللہ نے آپ ﷺ کی امت میں کیسے کیسے عظیم علماء پیدا فرمائے، واضح رہے کہ آپ ﷺ کا صحابہ کی جو عظیم جماعت ملی وہ بھی آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، اسکی تفصیل انشاء اللہ آگے جلد میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے۔ دیگر جس قدر ائمہ شریعت ہوئی ہیں کسی نبی کی امت میں ایسے ایسے عظیم علماء نہیں ملتے تو معلوم ہوا کہ یہ خاصہ صرف اور صرف محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، چنانچہ ہمیں بھی چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کی امت میں پیدا ہونے پر اپنے اللہ کو خوب خوب شکر ادا کریں، اور اپنے پیارے نبی ﷺ سے بھی محبت کے ساتھ ان کو مکمل اتباع کریں۔ بے شک اسی میں ہمارے کامیابی ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو چاہیے کہ اسی بننے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

یاد رہے الغفرین۔

ستر نمبر خصوصیت کی وضاحت

مجملہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے اس امت کے علماء و صلحاء آپ کی نبوت و رسالت کی عظیم خصوصیت ہیں، کہ حق جل شانہ نے آپ کی امت کو خیر الامم بنایا اور انبیاء کرامؑ کا وارث بنایا، اور ایسا بے مثال حافظہ اور بے نظیر علم و فہم عطا کیا کہ اولین و آخرین میں اس کی نظیر نہیں حضرت محدثین کو قوتِ حافظہ میں کرنا کا تین کامنوںہ بنایا اور حضرات فقہاء کو قوتِ اجتہاد و استنباط عطا کی اور فہم و ادراک و نکتہ سنجی و دقیقہ داری میں ملائکہ مقررین کا منوںہ بنایا اور اولیاء عارفین کو اپنے عشق اور محبت کی دولت سے نواز اور مرثیہ عظیم اور بیت المعبود کا لیل و نہار طواف کرنے والے فرشتوں کا منوںہ بنایا کسی امت میں علماء اسلام جیسا علم اور تحقیق و تدقیق کا نام و نشان نہ ملے گا اور نہ ان کی بے مثال اور بلند پایہ تصانیف کی کوئی نظیر نظر آئے گی۔

مغربی اقوام نے صنعت اور کارگیری میں حیرت انگیز کرشمے دکھائے، مگر ان قوموں میں تو ریت اور انجیل کا نہ کوئی بخاری اور مسلم نظر آتا ہے کہ جس کو توریت و انجیل از بر یاد ہو اور نہ یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین جیسا اسماء الرجال کا حافظہ و عالم پیدا ہوا تو جن قوموں نے اپنے پیغمبروں کی کتابوں اور صحیفوں میں دیدہ و دانستہ تحریف کر ڈالی، ایسی قوموں میں احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین جیسا حافظہ حدیث ناممکن اور محال ہے۔ اور نہ یہود اور نصاریٰ کے اولین و آخرین میں ابو حنیفہؒ اور شافعیؒ جیسا افتہ اور مجتہد نظر آتا ہے کہ جو دین و دنیا اعتقادات عبادات معاملات، معاشرت، سیاست مکہ و مدینہ کے تمام مسائل کو توریت و انجیل کی نصوص کی روشنی میں حل کر سکے، اور نہ ابو الحسن اشعریؒ، ابو منصور ماتریدیؒ، غزالیؒ اور رازیؒ جیسا کوئی متکلم کسی امت میں نظر آتا ہے کہ جب میدانِ مباحثہ و مناظرہ میں نکلے تو عقائد اسلامیہ کی تحقیق کے لئے عقلی و نقلی دلائل کا لشکر اس کے ساتھ ہو اور باطل کی گردن پر اس کی تیغ بے دریغ چل رہی ہو اور دنیا اسلام کی سرفرازی اور سر بلندی، کفر و باطل کی ذلت و خواری

اور سرگونی کا تماشا دیکھ رہی ہو اور نہ جہید و شہلی، بایزید اور معروف کرفی جیسا عابد و زاہد اور خداوند ذوالجلال کا عاشق اور مجنون کسی امت میں پیدا ہوا اور نہ خلیل بن احمد اور سیبویہ جیسا علم اعراب کا موجد و امام کسی ملت میں ہو اور نہ عبدالقادر جرجانی اور سعد الدین تغلق زانی جیسا اسرارِ بلاغت اور دلائلِ اعجاز کا امام کسی امت میں پیدا ہوا۔

علمائے یہود اور علمائے نصاریٰ، عبرانی، سریانی یا انگریزی زبان کی لغت میں کوئی لسانِ العرب، قاموس اور تاج العروس جیسی کتاب تو دکھلائیں جمال الدین ابن حاجب اور جامی کا ذکر کیا کروں میزان و مشعب اور صرف میر و فحویہ، جو علم صرف و نحو کی بالکل ابتدائی کتابوں میں ہیں، روئے زمین کے علمائے یہود و نصاریٰ عبرانی و سریانی یا انگریزی زبان کے متعلق کوئی میزان یا مشعب تو دکھلائیں بطور نمونہ ان چند علوم کا ذکر کر دیا گیا ہے علاوہ ازیں دیگر علوم کو انہی پر آگے قیاس کر لیا جائے۔

یہود و نصاریٰ سے ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ علمائے اسلام کا شریعت موسویہ اور شریعت عیسویہ کے علماء اور فضلاء سے موازنہ کر کے دیکھو صنعتی اور حرفتی ترقی پر نظر نہ کرو یہ علمی اور اخلاقی حرقی نہیں بلکہ یہ کاریگری ہے، اس میں دن بدن ترقی ہوگی اور ظاہر ہے کہ اسلام میں یہ علمی، اخلاقی ترقی سب آنحضرت ﷺ کی شریعت کی اتباع کی برکت سے ہوئی، کیا یہ اسلام کا معجزہ نہیں کہ شریعت اسلامیہ کی برکت سے علم و حکمت کے دروازے کھل گئے اور امت محمدیہ میں ایسے بے مثل علماء و فضلاء اور اولیاء و اتقیاء پیدا ہوئے کہ کسی امت میں ان کی نظیر نہیں۔

بطور نمونہ کے ہم صرف دس علماء کے سیرت پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ اندازہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی امت میں کیسے کیسے عظیم علماء اور زعماء پیدا فرمائے، چنانچہ امت محمدیہ ﷺ کے دس علماء کو بطور نمونہ کے پیش کیا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام کا مرتبہ و مقام اپنی جگہ پر ہے، بے شک تمام صحابہ ہی ایسے عظیم ہیں کہ جن کا مقابلہ کبھی امتوں کے لوگ نہیں کر سکتے۔ علاوہ ازیں صحابہ کے بعد بھی اس امت میں ایسے ایسے عظیم رجال کا رافرا ہوئے

کہ پہلی آیتیں ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہیں، لیجئے چند کا ذکر ملاحظہ فرمائیے۔

واعی حق حضرت سعید بن جبیر شہید رحمہ اللہ

حضرت ابو عبد اللہ سعید بن جبیرؓ کا شمار ان علیل القدر تابعین میں ہوتا ہے جو علم و عمل کا مجمع المحرمین تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور بنی والہ بن الحارث بن شطبہ بن دودان کے غلام تھے۔ والہ بن اسد کی ایک شاخ تھا۔ اس نسبت سے انہیں والہی والا سدی کہا جاتا ہے۔ انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ، حضرت ابو سعید خدریؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ جیسی بلند مرتبہ شخصیتوں کے فیضانِ علم سے پورا پورا استفادہ کیا تھا اور علم و فضل کا بحر زخار بن گئے تھے۔ تفسیر حدیث اور فقہ میں وحید احصر تھے۔ ان کے علم و فضل سے ایک دنیا فیض اٹھاتی تھی۔ حق گوئی کا یہ عالم تھا کہ کسی بڑی سے بڑی شخصیت سے مرعوب نہ ہوتے تھے اور بے دھڑک حق بات اس کے منہ پر کہہ دیتے تھے۔ بے حد عابد و زاہد تھے۔ خشیتِ الہی اور سوز گہرا کا اتنا غلبہ تھا کہ ہر وقت آنکھیں انگبار رہتی تھیں۔ قرآن کریم کے حافظ تھے اور عام طور پر دوررات میں پورا قرآن ختم کر لیتے تھے۔ حج بیت اللہ کے لئے اکثر جاتے تھے اور فرطِ ذوق و شوق میں کوفہ ہی سے احرام باندھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں کی عیب جوئی اور غیبت سے سخت پرہیز کرتے۔ ان کی زبان پر ہر وقت یہ دعا جاری رہتی۔

اللھم انی اسئلك صدق التوکل علیک و حسن الظن بک (الہی

میں تو اس چیز کا طالب ہوں کہ تجھ پر سچا توکل اور حسن ظن حاصل ہو)

اپنے نفس کو بے حد حقیر سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتا ہوں مگر جب اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہوں تو اس کو ٹوکتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔ کسی نے پوچھا سب سے بڑا عابد کون ہے؟ فرمایا: جس نے گناہوں میں مبتلا ہو کر توبہ کر لی اور پھر یہ خیال کیا کہ میری سب نیکیاں گناہوں کے مقابلہ میں بے حقیقت ہیں۔

اسلام کو ایک مکمل ضابطہ حیات سمجھتے تھے اور محض نماز و روزہ اور ذبح و غسل کو اسلام نہیں سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے ”ذکر یہ ہے کہ آدمی زندگی کے ہر شعبے میں اللہ کی اطاعت کرے، جس نے اپنے ہر قول و فعل میں اللہ کے احکام کی اطاعت نہ کی، وہ خواہ سخی ہی عبادت کرے اسے اللہ کی یاد رکھنے والا نہیں کہا جاسکتا۔ اللہ کی یاد دہانی یہ ہے کہ اس کا خوف نگاہ کرنے کی طاقت ہی نہ چھوڑے۔“ نماز پڑھتے وقت سورۃ بقرہ کی آیت کو بار بار یاد ہر بار کرتے تھے اور خوف خدا سے کانپا کرتے تھے۔ **وَتَتَّقُوا اللَّهَ مَا تَوْفَعُونَ** لیوہی اللہ اس دن سے اور جس دن خدا کی طرف لوٹائے جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو سعید بن جبیر کے فتوؤں پر اتنا اعتماد تھا کہ اگر کوئی سے کوئی شخص ان سے فتویٰ لینے یا کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو اس سے یہ سوال کرتے: ”کیا تمہارے شویش حدیث بن جبیر نہیں ہیں؟“

ایک مرتبہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت سعید سے کہا، حدیث سناؤ۔ انہوں نے عرض کیا، میں آپ کی موجودگی میں حدیث کس طرح سنا سکتا ہوں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا: ”کیا یہ خدا کی نعمت نہیں کہ تم میرے سامنے حدیث بیان کرو، اگر مجھ بیان کرو گے تو بہتر دوست میں گج کروں گا۔“

ایک دفعہ حضرت سعید بن جبیرؓ کے علم و فضل کے اعتراف میں حجاج بن یوسف ثقفی نے انہیں جامع کو فکا امام اور کو فکا قاضی مقرر کیا۔ جب کو فکے لوگوں نے مطالبہ کیا کہ ہمارا قاضی کوئی عربی انہیں غرض ہو نا چاہیے تو حجاج نے انہیں منصب تھا سے ہٹا دیا۔ سعید بن جبیرؓ نے افسانہ کو لیں بیچانے کی غرض سے مہدہ امامت و قضا قبول کر لیا تھا اور نہ حجاج بن یوسف کے مظالم کی وجہ سے اس سے سخت نفرت کرتے تھے۔ حجاج نے ہزار ہائے گناہ خدا کا خون ناحق بہلایا تھا۔ بیت اللہ پر سنگباری کر کے اس کی بے رحمی کی تھی۔ محمدی رسول ﷺ حضرت زبیر بن العوام کے طویل القندہ فرزند اور صدیق اکبرؓ کے لواستہ عبداللہ (ابن زبیرؓ) کو شہید کیا تھا اور ذلت و ستم و جہالت کی تہذیب کی توہین کی تھی۔ وہ رسول کریم ﷺ

کی اس چٹکائی کا مصداق تھا کہ قبیلہ ثقیف میں کذاب اور ظالم پیدا ہوگا۔ حضرت اسماعیل
توں کے مطابق کذاب بنی ثقیف تھا اور ظالم حجاج ثقیفی۔ سعید بن جبیر حجاج کے مظالم اور
سلا کیوں سے سخت ملاں تھے۔ چنانچہ جب اس کے ایک جرنیل ابن اھصہ نے حکومت
کے خلاف علم بغاوت بلند کیا تو ابن جبیر نے حکم کھلا ابن اھصہ کا ساتھ دیا۔ انہوں نے
فوجی دے دیا کہ حکومت دقت کے خدا کے بندوں پر مظالم غلاموں میں تاخیر
اور مسلمانوں کی تذلیل و تحقیر اس کا مقابلہ کرے۔ اس فوجی کی کٹاہ پر حجاج ابن یامانی دشمن بن
گیا۔

حضرت عبداللہ ابن زبیر بھی شہادت کے بعد بنی امیہ کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔
انکی بے پناہ مسکری طاقت نے ابن اھصہ کو شکست دی اور وہ سیستان کی طرف نکل گیا۔
سعید بن جبیر مکہ چلے گئے اور وہاں بنی امیہ کی طرف سے خلد بن عبداللہ قسری حاکم تھا اس
نے سعید بن جبیر کو پکڑ کر حجاج کے پاس بھجوا دیا۔

حجاج انہیں دیکھتے ہی شعلہ جولا بن گیا۔ انکی جفا جھور غور آشام طبیعت کو ایک
ضیافت ہاتھ آگئی۔ سعید بن جبیر اور اس کے درمیان اس موقع پر جو گفتگو ہوئی تاریخ نے
اسے اپنے صفحات میں محفوظ کر لیا۔ اس سے حضرت سعید بن جبیر کی ہمت و استقامت اور
جرات و مردانگی کا پتہ چلتا ہے چنانچہ اس کی تحصیل یہ ہے۔

حجاج: (ظہر) اتھلا ہوا کیا ہے؟

سعید: سعید بن جبیر (سعید کے معنی ایک بعل کے ہیں اور جبیر کے معنی اصلاح

یا تہ جیر کے ہیں)

حجاج: (بھٹکے بغیر ہو کر کھٹکے بغیر ہیں) تم شقی بن اسیر؟

(شقی کے معنی بد بخت اور کبیر کے معنی بڑی بھڑائی چیز کے ہیں۔)

سعید: میری ماں میرا اسبقہ سے بہتر جانتی تھیں۔

حجاج: خلیفہ اٹک و خلیفہ اٹک تم بھی بد بخت ہو اور تمہاری والدہ بھی بد بخت

سعید: غیب کا علم تیرے پاس نہیں، یہ کسی دوسری ذات کے پاس ہے۔
حجاج: میں تم کو دنیا کے بدلے بھڑکتی ہوئی آگ کے سپرد کر دوں گا۔
سعید: اگر میں یہ جانتا کہ ایسا کرنا تیرے اختیار میں ہے تو تجھے عبادت کے لائق سمجھتا۔

حجاج: رسول کریم ﷺ کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟
سعید: آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول تھے، ہمارے ہادی و رہبر تھے۔۔۔
اور رحمتہ للعالمین تھے۔

حجاج: علیؑ اور عثمانؓ کی نسبت تمہاری کیا رائے ہے۔
سعید: علیؑ جو انوں میں سب سے پہلے اسلام لائے۔ رسول کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی، سیدۃ النساء کے سر تاج اور حسنینؓ کے باپ تھے۔ عثمانؓ دلاور رسول ﷺ تھے، ذوالنورین تھے۔ انہوں نے اپنا گھریا راہ خدا میں لٹایا۔ ان کو ناحق قتل کیا گیا۔

حجاج: خلفاء کی نسبت تمہارا کیا قول ہے؟
سعید: لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ (میں ان کا وکیل نہیں ہوں)
حجاج: ان میں سے کون سب سے بہتر تھا؟
سعید: اَرْضَاهُمْ لِخَالِقِي، جو میرے خالق کی رضا کا سب سے زیادہ پابند تھا۔
حجاج: خالق کی رضا کا کون سب سے زیادہ پابند تھا؟
سعید: عَلِمْتُ ذَلِكَ عِنْدَ الْبَدِيِّ يَعْلَمُ مِزْرَهُمْ وَنَجْوَاهُمْ۔ اس کا علم اس ذات کو ہے جو بیداروں اور پوشیدہ باتوں سے واقف ہے۔

حجاج: امیر المومنین عبد الملک کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟
سعید: اس کے عظیم گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے۔
حجاج: میرے متعلق کیا کہتے ہو؟
سعید: تمہارا قول و فعل کتاب الہی کے خلاف ہے۔ تم اپنا رعب اور بدبہ قائم کرنے

کے لئے سزا کیاں کرتے ہو۔ یہ کام تمہیں برباد کر رہے ہیں۔ کل داؤد محشر کے سامنے حاضر ہو گے تو قدر عافیت معلوم ہو جائے گی۔

حجاج: تم پر ہلاکت ہو۔

سعید: ہلاکت اس شخص پر ہے جس کو جنت سے الگ کر کے دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔

حجاج: تم ہتھ کیوں نہیں؟

سعید: وہ کس طرح ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج: پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہتھ ہیں؟

سعید: سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

حجاج: تم نے تفریح کا سامان کبھی دیکھا ہے؟

اب حجاج نے عود اور بانسری بجانے کا حکم دیا۔ سعید ان کی آواز کو سن کر رونے لگے۔

حجاج نے کہا، یہ رونے کا کیا موقع ہے؟ عود اور بانسری کے نغمے تو تفریح بخش ہیں۔

سعید نے جواب دیا۔ نہیں بانسری کی آواز نے مجھے وہ دن یاد دلایا جب صومر پھونکا

جائے گا اور عود ایک کانٹے ہوئے درخت کی لکڑی ہے جو ممکن ہے ناحق کاٹی گئی ہو اور اس

کے بار بکریوں کے پھنوں کے ہیں جو انکے ساتھ قیامت کے دن اٹھائی جائیں گی۔

اس گفتگو کے بعد حجاج بولا، سعید تمہاری حالت قابلِ انہوس ہے۔

حضرت سعید نے فرمایا: وہ شخص انہوس کے قابل نہیں ہے جو آگ سے نجات پا گیا

ہو اور جنت میں داخل کر دیا گیا ہو۔

بعض روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر حجاج نے بہت موتی زبرد اور یا قوت منگو

کراپے سامنے رکھے۔ حضرت سعید نے انہیں دیکھ کر فرمایا:

”اگر تم نے انہیں اس لئے جمع کیا ہے کہ ان کے ذریعے یوم قیامت کے خوف سے

بچ جاؤ تو ٹھیک ہے ورنہ یاد رکھو کہ قیامت کا ایک بھٹکا اور بھٹا لانے والی عزتوں کو ان کے شیر خوار بچوں سے منسلک کر دے گا اور جو چیزیں دنیا کے لئے قبیح کی جائیں گی ان میں صرف پاکیزہ اور طیبہ کی عمر و اور پسندیدہ چیزیں۔

حجاج: کیا میں نے تمہیں کوئی کام اور فاضلی نہیں بنایا تھا؟

سعید: بھٹک بنایا تھا۔

حجاج: کیا میں نے تمہیں ایک لاکھ کی رقم خیرات کرنے کے لئے نہیں دی تھی؟

سعید: بھٹک دی تھی۔

حجاج: تو کچھ تم میری مخالفت پر کیاں کر رہے ہو۔

سعید: تمہارے مظالم اور بد اعمالیوں نے مجھے اس پر مجبور کیا اور پھر مجھے اس کی بیعت

کی بیعت کا بھی پاس تھا۔

حجاج: خدا کی قسم میں تجھے قتل کئے بغیر یہاں سے نہ ہٹوں گا۔

سعید: کوئی بات نہیں تم میری دنیا خراب کرو گے میں تمہاری آخرت برباد کروں

گا۔

حجاج: بتاؤ تم کس طریقے سے قتل ہونا پسند کرو گے؟

سعید: تو خود ہی پسند کر۔ رب اکبر کی قسم جس طرح تو مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح خدا

تجھ کو آخرت میں قتل کرے گا۔

حجاج: کیا تمہارا مئی چاہتا ہے کہ تمہیں معافی مل جائے؟

سعید: معافی دینا اللہ کے اہل میں ہے، رہا تو۔۔۔ تو یہ میری قدرت سے باہر

ہے کہ کسی کو بری کرے یا کسی کا عذر دے کرے۔

حجاج: تو میں تم کو ضرور قتل کروں گا۔

سعید: ہر شخص کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اگر میرا آخری وقت آ گیا ہے تو اسے

کوئی ہل نہیں سکتا، اگر ابھی وقت نہیں آیا تو کوئی مجھے ہل نہیں سکتا۔

اب حجابِ فرطِ غضب سے جھٹک ہو گیا۔ جلاؤ کو حکم دیا کہ اسے لے جاؤ اور قتل کر دو۔۔۔ اس وقت حاضرین میں سے ایک شخص بے قابو ہو کر اس معدنِ علم و فضل کی مصیبت پر رونے لگا۔ حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا: ”بھائی روتے کیوں ہو، ہر بات اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، پھر یہ آیت پڑھی:

﴿مَنْ أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ لِّىْ الْأَرْضِ وَلَاقِىَ الْفَسَادَ الْآخِىَ كَسِبَ مَنْ لِّبْلِ لِّىْ ثَوْرَانَا﴾ (لہوآ۳۱)

” (زمین میں جو مصیبتیں بھی پہنچتی ہیں، یا تمہارے نفوس پر وارد ہوتی ہیں ان سے پیدا ہونے سے قبل کتاب میں لکھی ہیں۔“

اس کے بعد زکے کو آخری بار دیکھنے کے لئے بلا بھیجا۔ وہ نے تو بے اختیار رونے لگے۔ سعید نے انہیں صبر کی تلقین کی اور کہا: ”بیٹے اس سے زیادہ تیرے باپ کی زندگی تھی، میں نہیں، رونے سے کیا ہوگا۔“ اب جلاؤ نے انہیں قتل کی طرف کھینچے۔ حضرت سعید بن جبیرؓ کھٹکھٹا کر فہم پڑے۔ حجاج نے کہا اسے واپس لاؤ۔ جب پھر حجاج کے سامنے آئے تو اس نے پوچھا: ”تو کس بات پر ہنسے؟“

سعید نے جواب دیا: ”عجبت من جوارک علی اللہ حلیم القلیک“
(خدا کے مقابلے میں تیری جرأت اور تیری نسبتِ خدا کا غرورِ حلیم دیکھ کر مجھے تعجب

(۱۰)

حجاج اس فقرے کو سن کر اور بڑک اٹھا اور جلاؤ کو حکم دیا اسے میرے سامنے قتل کر دو۔ جلاؤ نے چڑا بچھا دیا۔ حضرت سعید بھی سرکنے کے لئے مستعد ہو گئے اور قبضہ رو ہو کر یہ آیت پڑھی:

﴿إِنِّىْ وَجْهٌ وَجْهٍى لِّلْبَیِّ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ خَیْفًا وَمَا آتَا

مِنَ الْمَوْءُودِىْنَ﴾ (الانعام: ۸۰)

”میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے میں اسی ذات کی خوف متوجہ کیا جس نے

معمول زیادہ خون لکھا۔“

یہ المناک واقعہ شعبان ۹۴ھ میں پیش آیا، اس وقت حضرت سعیدؓ کی عمر یا اختلاف روایت ۳۹ یا ۵۷ سال کی تھی، ان کی شہادت سے لوگوں میں کہرام مچ گیا۔

خوارج حسن بصریؒ نے فرمایا: خدا یا تعقیف ظالم سے سعیدؓ کے قتل کا انتقام لے۔ خدا کی قسم دنیا کے تمام باشندے بھی سعیدؓ کے قتل میں شریک ہوتے تو خدا ان سب کو منہ کے بل ہار جہنم میں جھونک دیتا۔“

اس واقعہ کے بعد حجاج تھوڑا ہی عرصہ زندہ رہا۔ اس کے معدے میں کیڑے پڑ گئے جسم میں سردی ساگئی اور عجیب و غریب دماغی عارضہ ہو گیا، اکثر بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، بے ہوشی کی حالت میں یارات کو خواب میں سعیدؓ بن جبیر اسے نظر آتے جو پوچھتے ”فاسق تو نے مجھے کس جرم کی پاداش میں قتل کیا؟“ چونکہ کر کہتا ”میرا سعید سے کیا تعلق۔“ غرض اسی طرح نہایت کرب و الم کے عالم میں ۹۵ھ میں راسی ملک عدم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد صالح سعیدؓ بن جبیر کی دعا کو شرف قبولیت بخشا اور ان کی شہادت کے بعد حجاج کسی شخص کے قتل پر قادر نہ ہو سکا۔

علامہ دیرریؒ نے حیوۃ الحیوان میں لکھا: ”حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے حجاج کو اس کے مرنے کے بعد خواب میں دیکھا کہ وہ بد بودار مردار کی صورت میں ہے۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو ہر مقتول کے عوض میں جس کو میں نے قتل کیا تھا، ایک ایک دفعہ قتل کیا، لیکن سعید بن جبیرؓ کے بدلے میں مجھ کو ستر مرتبہ قتل کیا گیا۔“

اس کے بعد علامہ دیرریؒ لکھتے ہیں: ”اگر کہا جائے کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حجاج کو ہر اس شخص کے بدلے میں جس کو اس نے ایک مرتبہ قتل کیا اور سعید بن جبیرؓ کے بدلے میں ستر مرتبہ قتل کیا، حالانکہ حجاج نے عبد اللہ بن زبیرؓ کو بھی قتل کیا ہے تو عالم میں ان کے مثل بہت سے صحابہ موجود تھے جیسے عبد اللہ بن عمرؓ اور انسؓ بن مالک وغیرہم،

لیکن جب سعید بن جبیر قتل کیا ہے تو کوئی نظیر ان کا موجود نہ تھا اور اکثر مصنفین نے ذکر کیا ہے کہ جب حضرت حسن بصریؒ کو سعید بن جبیر کی خبر ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم سعید بن جبیر دنیا سے ایسے وقت میں اٹھے کہ جب تمام دنیا مشرق سے لیکر مغرب تک ان کے قدم کی آواز سنائی۔ یہ بھی ان کے قتل کی وجہ سے حجاب پر زیادہ عذاب ہوا۔ ”(مواہجین)
حضرت سعید کو شہر واسطہ میں پرد خاک کیا گیا، انہوں نے اپنے پیچھے عین لڑکے چھوڑے، عبد اللہ، محمد اور عبد الملک۔

ابن سعدؒ نے حضرت سعید کا حید اس طرح لکھا ہے: رنگ سیاہ، سر اور دماغ کے بال سفید، خضاب کا پابند نہ کرتے تھے۔ کسی نے ویر کے خضاب کے بارے میں پوچھا، فرمایا: اللہ تعالیٰ کے چہرے کو نور سے روشن کرتا ہے اور بندہ اس کو سیاہی سے بوجھا دیتا ہے۔
حافظ ذہبیؒ نے ”مذکرۃ الخلفاء“ میں بیان کیا ہے کہ سعید بن جبیر علامہ ہاندا کر تے تھے، اور پیچھے کی طرف ایک ہالٹ شامل چھوڑ دیا کرتے تھے۔

ان کے ارشد ثلاثہ میں دو صاحبزادوں عبد اللہ اور عبد الملک کے علاوہ ابوالحسن سمیع، عطاء بن سائب، احمد بن الشعث، طلحہ بن مصرف، عبد الملک بن سلیمان ابوالکریمؒ کی اور آدم بن سلیمان جیسے اکابر امت شامل ہیں۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

نام و نسب نعمان نام، ابو حنیفہ کنیت، امام اعظم لقب، شجرہ نسب یہ ہے۔
نعمان بن ثابت بن زوطی بن ماہ، شجرہ نسب سے صاف ظاہر ہے کہ امام صاحبؒ کی نسل تھے۔ تاریخ بغداد میں خطیب بغدادی نے امام کے پوتے اسماعیل کی زبان پر روایت نقل کی ہے۔ کہ میں اسماعیل بن حماد بن نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان، ہم لوگ نسل خادس سے ہیں۔ اور کبھی کسی کی غلامی میں نہیں آئے۔ ہمارے دادا ابو حنیفہؒ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ثابت بچپن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔

انہوں نے ان کے خاندان کے حق میں دعائے خیر کی تھی، ہم کو امید ہے کہ وہ دعا بے اثر نہیں رہی۔
(بحوالہ تاریخ بغداد)

امام صاحب کے پوتے اسماعیل نے اپنے پردادا کا نام نعمان بتایا اور سگودادا کا نام مرزبان۔ عام طور پر زوطی اور ماہ مشہور ہیں۔ غالباً جب زوطی ایمان لائے تو ان کا نام زوطی سے نعمان میں بدل دیا گیا۔ اور اسماعیل نے سلسلہ نسب کے بیان میں زوطی کا وہی اسلامی نام لیا اور حمیت اسلامی کا مختصفا بھی یہی تھا۔ زوطی کے والد کا نام غالباً کچھ اور ہوگا۔ اور ماہ اور مرزبانی لقب ہوں گے۔ کیونکہ اسماعیل کی روایت سے اس قدر اور بھی ثابت ہے کہ ان کا خاندان فارسی کا ایک معزز اور مشہور خاندان تھا۔ فارسی میں رئیس شہر کو مرزبان کہتے ہیں اس لئے نہایت قرین قیاس ہے کہ ماہ اور مرزبان لقب ہیں نہ کہ نام، حافظ ابوالحسن نے قیاس لگایا ہے کہ ماہ اور مرزبان ہم معنی الفاظ ہوں گے انہوں نے قیاساً کہا کیونکہ وہ فارسی زبان نہیں جانتے تھے لیکن یہ یقیناً کہا جاسکتا ہے کہ درحقیقت ماہ اور مرزبان ہم معنی لفظ ہیں۔ ماہ دراصل وہی ماہ ہے جس کے معنی بزرگ اور سردار کے ہیں۔

عام طور پر دشمنوں نے امام صاحب کے متعلق یہ مشہور کر رکھا ہے کہ وہ غلام تھے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے وہ شہرت دوام حاصل کی۔ جس سے جریدہ عالم پران کی زندگی نقش ہوگئی جیسا کہ مشہور ہے۔ ثبت است بر جریدہ عالم دوام۔

بعض مورخ امام صاحب کے دادا زوطی جن کا اسلامی نام نعمان تھا کہ بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ کابل سے گرفتار ہو کر آئے اور قبیلہ بنی تیم اللہ کی ایک عورت نے خرید لیا۔ کچھ دنوں غلامی میں رہے پھر اس نے آزاد کر دیا اسی لئے امام کا خاندان مولیٰ بنی تیم اللہ کہلاتا ہے۔ اول تو یہ ایک تاریخی غلطی ہے۔ جس کو بعض مورخوں نے امام صاحب کے حسد میں خوب اچھا لیکن اگر درست بھی ہو تو یہ کوئی عیب نہیں اگر ہم صحابہ اکرام میں سے چوٹی کے فقہاء اور مفسرین کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو ان میں سے اکثر غلام تھے ان مقتدر حضرات میں ذرناموں کی فہرست ملاحظہ فرمائیں کہ یہ سب غلام تھے لیکن ان کا نام ان کا

تذکرہ باعث ثواب و عزت ہے۔ ان کے وسیلے سے دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ بارش برساتا ہے۔ ان بزرگوں میں چند یہ ہیں۔ امام حسن بصری، ابن سیرین، طاووس، عطاء بن یسار، نافع، مکرمہ کحول، یہ چند علماء اور فقہا تھے۔ جو غلام تھے تو اگر امام صاحب غلام ہوئے بھی تو کیا عیب ہے۔

پھر انہی پر کیا بس ہے حضرت یوسف علیہ السلام نے کئی سال مصر میں غلامی کی زندگی گزاری ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کہتا ہے۔ اِذَا نَفَخَ اِلٰی الْفُلْکِ الْفَشْحُونِ تو ثابت ہوا کہ غلام ہونا کوئی عیب نہیں۔ رہا یہ سوال کہ امام صاحب دادامولیٰ سے کیسے مشہور ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عرب میں دستور ہے کہ جب کسی سے تعلق جوڑتے ہیں۔ یا کسی کو امن دیتے ہیں تو مولیٰ مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اس جگہ ہذا مولیٰ کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ قوی امکان ہے کہ امام صاحب کے دادا نے بھی عرب کے کسی قبیلے سے اپنا تعلق استوار کر لیا ہو اور اس تعلق کی وجہ سے مولیٰ مشہور ہو گئے۔ رفتہ رفتہ یہ خیال عام ہو گیا اور مورخوں نے جن کی عادت ہوتی ہے کہ بات کی تحقیق کئے بغیر قبول نہیں کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسماعیل کو اپنے بیان میں خاص طور پر یہ کہنا پڑا کہ ہم غلام نہیں ہیں۔ اور نہ کبھی غلام ہوئے۔ اسماعیل کی روایت کئی وجوہ سے قابل قبول ہے۔ کیونکہ یہ نہایت ثقہ اور معزز شخص تھے۔ قاضی صمیری نے اس کی تصریح کی ہے کہ زوطی بنی تیم اللہ کے حلیف تھے۔ زوطی کی نسبت یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ ان کا خاص شہر کونسا تھا۔ مختلف مورخوں نے کئی ایک شہروں کے نام لئے ہیں۔ جن میں سے کسی ایک کو ترجیح نہیں دی جاسکتی۔ یقینی طور پر صرف اس قدر قبول کیا جاسکتا ہے کہ اقلیم فارس کے کسی شہر کے باشندے تھے۔ یہ اقلیم اس زمانے میں اسلامی اثر قبول کر چکے تھے۔ اسلام کی اثر پذیری کی وجہ سے بڑے بڑے خاندان اسلام قبول کر چکے تھے۔ غنا باز زوطی اسی زمانے میں اسلام لائے ہوں گے۔ اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے تمام خاندان کی ناراہنگی مول لی۔ جس کی وجہ سے اقلیم فارس سے ہجرت کر کے عرب کا رخ کیا۔

اس زمانے میں امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت تھی۔ جب زوطی

نے ہجرت کی اور کوفہ کو اسلامی دار الحکومت ہونے کا شرف حاصل تھا۔ زوطی نے بھی کوفہ ہی میں سکونت اختیار کی کبھی کبھار زوطی امیر المؤمنین کے خدمت میں حاضر ہوتے اور خلوص عقیدت سے قدم بوسی کا شرف حاصل کرتے، ایک بار پارسیوں کے عید کے دن امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ازراہ محبت و عقیدت قالودہ بھیجا۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہمارے ہاں روز عید ہے۔ ثابت امام ابوحنیفہؒ کے والد بزرگوار کوفہ ہی میں پیدا ہوئے زوطی نے نیک بخت لڑکے کو حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر کیا آپؑ نے بزرگانہ شفقت سے دعائے خیر فرمائی۔ جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور اللہ نے اس خاندان کی عظمت قیامت تک کے لئے باقی رکھی۔

امام صاحب کے والد بزرگوار ثابت ایسی کوئی مشہور شخصیت نہ تھے کہ جس سے ان کے حالات ضبط تحریر میں لائے جاتے لہذا مؤرخوں نے ان کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مشغلہ حیات تجارت تھا۔ جب عمر عزیز چالیس کے قریب ہوئی تو اللہ نے وہ عظیم فرزند عطا کیا جس کے نام کو اللہ تعالیٰ نے ربی دنیا تک زندہ و نابندہ رکھا۔ امام صاحب کی پیدائش کے وقت عبدالملک بن مروان کی حکومت تھی جو دولت سررائیہ کا دوسرا تاجدار تھا۔ اس مبارک دور میں کچھ ایسے خوش قسمت لوگ موجود تھے۔ جن کی آنکھوں نے آقائے دو جہاں سرکار دو عالم ﷺ کے رخ انور کا دیدار کیا تھا اور ان خوش قسمت انسانوں میں سے کچھ امام ابوحنیفہؒ کے عہد شباب تک زندہ تھے۔ انس بن مالکؓ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ کھل بن سعدؓ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا اور ابوہریرہؓ عام بن وائلہ ایک صدی ہجری تک حیات تھے۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان لوگوں میں سے کسی سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابوحنیفہؒ اس وقت امام ابوحنیفہؒ نہیں تھے بلکہ ایک عام تاجر زادے تھے۔

امام ابوحنیفہؒ جونی اور تعلیم

امام صاحب چونکہ ایک تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے لہذا ان کی ساری توجہ اپنے اس

آبائی پیش کی طرف تھی البتہ خاندانی وجاہت و عزت ایسی تھی کہ بے علم نہ رہے۔ اس دور کے لوگوں کی طرح کچھ نہ کچھ سیکھتے رہے۔ لیکن اتنا نہیں کہ ہم اسے خاص طور پر تعلیم سے متعلق سمجھیں۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ نے جس کام کے لئے ان کو پیدا فرمایا تھا اس کے آثار نام صاحب کی روشن پوشائی میں صاف رکھے جاسکتے تھے۔ چنانچہ علی گھانی نے امام ابو حنیفہؒ کے علم و دین کی طرف تحریک کے بارے میں ایک عمدہ بات لکھی ہے فرماتے ہیں۔

ایک دن بازار میں جا رہے تھے امام شافعی جو کہ کوفہ کے مشہور امام تھے۔ ان کا مکان راہ میں تھا۔ سامنے سے نکلے تو انہوں نے یہ سمجھ کر کہ کوئی نوجوان طالب علم ہے پاس بڑا اور پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے ایک سوداگر کا نام لیا امام شافعی نے کہا میرا مطلب یہ تھا کہ تم پڑھتے کس سے ہو؟ انہوں نے افسوس کے ساتھ جواب دیا کہ کسی سے بھی نہیں شافعی نے کہا کہ مجھ کو تم میں قابلیت کے جواہر نظر آتے ہیں، تم علم کی محبت میں بیٹھا کرو اس فصاحت نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور انہا کی ہمت (جسما سے تحصیل علم پر مستوجب ہوئے۔ (موسیر احمد)

اس وقت کے مزید علوم ادب، انساب، ایام العرب، فقہ، احداث اور علم الکلام تھے۔ امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کے بارے میں ایک اور روایت ہے۔ جس کا سلسلہ سند خطیب بغدادی نے امام صاحب تک پہنچایا ہے، لکھتے ہیں کہ امام صاحب کہتے ہیں کہ جب تحصیل علم کی طرف توجہ ہوئی تو بہت سے علوم میرے سامنے تھے اور کشمکش میں تھا۔ کہ ان علوم میں سے کس کو اختیار کروں، سب سے پہلے علم کلام کا خیال آیا، ساتھ ہی دل میں یہ خطرہ گزرا کہ وہ کفایت رکاوٹ و دواور دونوں ہے۔ ایک مدت کے بعد کمال بھی پیدا کیا تو طاعنیاں اس کا اظہار نہیں کر سکتے کہ لوگ الحاد کی تہمت نہ لگا دیں۔ ادب اور قرأت کا اس کے سوا کوئی فائدہ نظر نہ آیا کہ کتب میں بیٹھ کر پڑھائیں شعر و شاعری میں سوائے جھوٹی مدح سرائی اور جھوٹائی کے کیا دھڑا ہے؟ حدیث کے لئے اونا ایک عمر چاہیے، اور اس کے بعد کم سنوں سے واسطہ پڑتا اور ہر وقت یہی غم سراسر رہتی کہ لوگ جرح و تعدیل کا نشانہ نہ بنائیں۔ آخر فقہ پر نظر پڑی اور دنیا و دین کی ضرورتیں اس سے وابستہ نظر آئیں۔ (تاریخ بغداد)

اس روایت پر علامہ شبلی نعمانی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”یہ روایت کھلی غلط ہے تمام مستند روایتیں اس کے خلاف ہیں جو ریما رک امام صاحب کی طرف سے منسوب کئے ہیں ایسے جاہلانہ ریما رک ہیں کہ ایک معمولی آدمی کی طرح منسوب نہیں کئے جاسکتے۔“ اس روایت کو صحیح نہیں تو ماننا پڑے گا کہ حدیث و کلام کی طرف امام صاحب نے توجہ ہی نہیں کی حالانکہ ان فنون میں امام ابو حنیفہ کا جو پایہ ہے اس سے کون انکار کر سکتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ تحصیل علوم کے بعد امام نے خیال کیا ہو کہ کس فن کو اپنا خاص فن بنائیں۔ اور چونکہ عام خدائش کی ضرورتوں نقد سے وابستہ دیکھیں۔ اسی کو ترجیح دی۔ یہی بات طرز بیان کی رنگ آمیز یوں سے اس حد تک پہنچی گئی۔ (علامہ برتھمن)

امام ابو حنیفہؒ حضرت حمادؒ کی خدمت میں

حماد کوفہ کے مشہور امام اور استاذ وقت تھے۔ حضرت انسؒ جو رسول مقبول ﷺ کے کنش برادر اور خادم خاص تھے اس سے حدیث کی سماعت کی تھی اور بڑے بڑے تابعین کے فیض صحبت سے مستفید ہوئے تھے، اس وقت کوفہ میں انہیں کا مدرسہ مرجع عام تھا۔ معروفہ نے جو انہیں خیال کئے گئے ہیں انہی کے ملحقہ درس میں تعلیم پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جرفند کا سلسلہ چلا آتا تھا اس کا مدار انہیں پر رہ گیا تھا۔ ان باتوں کے ساتھ زمانے نے بھی ان کا ساتھ دیا تھا۔ یعنی دولت مند و فارغ البال تھے۔ اللہ نے انہیں فکر معاش سے آزاد کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے نہایت اطمینان و دلجمعی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، ان وجہ سے امام ابو حنیفہؒ نے علم نقد پڑھنا چاہا مگر استاد کی نئے انہی کو نوبت کیا، اس وقت درس کا طریقہ یہ تھا کہ استاد کسی خاص مسئلے پر زبانی گفتگو کرتا تھا۔ جس کو شاگرد یاد کر لیتے اور کبھی لکھ لیا کرتے تھے امام ابو حنیفہؒ پہلے دن ہمیں صف میں بیٹھے۔ کیونکہ مبتدیوں کے لئے یہ امتیاز عموماً قائم رکھا جاتا تھا۔ لیکن چند روز کے بعد جب حمادؒ کو تجربہ ہو گیا کہ تمام ملحقہ میں ایک شخص بھی حافظہ اور ذہانت میں ان کا ہمر نہیں ہے۔ تو حکم دیا کہ

ابوصنفہ سب سے آگے بیٹھا کریں۔

خود امام صاحب کا بیان ہے کہ میں حمادؓ کے درس میں دو برس تک رہا۔ پھر خیال ہوا کہ خود درس قائم کروں لیکن استاد کا ادب مانع آیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں حماد کا ایک رشتہ دار جو بصرہ میں رہا کرتا تھا انتقال کر گیا حماد کے سوا اور کوئی اس کا وارث نہ تھا اور ضرورت سے ان کو بصرہ جانا پڑا چونکہ مجھے اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے۔ تلامذہ اور ارباب حاجت نے میری طرف رجوع کیا۔ حماد کی غیر موجودگی میں بہت سے ایسے مسئلے پیش آئے جن میں ان سے میں نے کوئی روایت نہیں سنی تھی۔ اس لئے اپنے اجتہاد سے جواب دیئے اور احتیاطاً ایک یادداشت لکھتا چلا گیا، دو مہینے کے بعد حماد بصرہ سے واپس آئے۔ میں نے وہ یادداشت خدمت میں پیش کی کل ساٹھ مسئلے تھے ان میں میں میں غلطیاں نکالیں باقی کی نسبت فرمایا کہ تمہارے جواب صحیح ہیں، میں نے دل میں عہد کر لیا کہ حضرت حمادؓ جب تک زندہ ہیں ان کی شاگردی کا تعلق نہ چھوڑوں گا۔

امام حمادؓ کا انتقال ۱۲ھ میں ہوا۔ امام ابوصنفہؓ نے اگرچہ اور فقہائے کرام سے بھی تحصیل فقہ کی تھی لیکن فی الحقیقت فقہ میں ان کے اول و آخر استاد حضرت حمادؓ ہی تھے۔

امام اعظم ابوصنفہؓ اور علم حدیث

حماد کی زندگی ہی میں امام نے علم حدیث کی طرف توجہ کی کیونکہ فقہ فی الدین علم حدیث سے مکمل آگہی کے بغیر ناممکن تھی۔ اس وقت تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے زور و شور سے حدیث کا درس جاری تھا اور ہر جگہ مسند اور روایت کے درس کھلے ہوئے تھے صحابہ جن کی تعداد کم از کم دس ہزار تھی۔ تمام ممالک میں پہنچ گئے تھے۔ اور اس کی وجہ سے اسناد و روایت کا ایک عظیم الشان سلسلہ قائم ہو گیا تھا لوگ جہاں کسی صحابی کا نام سن پاتے تھے۔ ہر طرف سے ٹوٹ پڑتے تھے کہ چل کر رسول اللہ کے حالات سنیں یا مسائل شرعیہ کی تحقیق کریں اس طرح تابعین کا جو صحابہ کے شاگرد کہلاتے تھے۔ بے شمار گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے سلسلے

تمام ممالک اسلامیہ میں پھیل گئے تھے۔ جن شہروں میں صحابہ یا تابعین کا زیادہ مجمع تھا وہ دارالعلم کے لقب سے ممتاز تھے۔ ان میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، یمن، بصرہ اور کوفہ کو خاص امتیاز تھا کیونکہ اسلامی آثار کے لحاظ سے کوئی شہر ان مذکورہ مقامات کا ہم سر نہ تھا۔

کوفہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہی شہر امام ابوحنیفہؒ کا مسکن تھا اسلام کی تمدنی زندگی کا سب سے اہم گہوارہ یہی شہر تھا۔ اس شہر کی بنیاد کی وجہ مورخین نے یہ لکھی ہے کہ "حضرت عمرؓ نے سعد بن ابی وقاصؓ کو جو اس وقت حکومت کسریٰ کا خاتمہ کر کے مدائن میں سکونت پذیر تھے۔ خط لکھا کہ مسلمانوں کیلئے ایک ایسا شہر بساؤ جو ان کا دارالجمہورت اور قرار گاہ ہو۔" حضرت سعدؓ نے کوفہ کی زمین پسند کی، اچھ میں اس شہر کی بنیاد کا پتھر رکھا گیا۔ اول اول معمولی قسم کی عمارتیں تعمیر ہوئیں اسی وقت سے اطراف و اکناف سے لوگ آکر آباد ہونے لگے۔ تھوڑے ہی دنوں میں یہ شہر علم و فن کی درس گاہ اور تہذیب و تمدن اسلامی کا گہوارہ بن گیا۔ کچھ مدت کے بعد یہ حالت ہوئی کہ حضرت عمر فاروقؓ نے اس شہر کو ریح اللہ، کنز ایمان جیسے القاب سے نوازا۔ بعد میں اس کی وسعت اور کشادگی دیکھ کر چند ملکی مصلحتوں کی بناء پر امیر المومنین حضرت علیؓ نے اس شہر کو دارالخلافہ مقرر کیا۔ نیک اور پاکیزہ صحابہ کی اقامت سے یہاں ہر طرف قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں آنے لگیں۔ یہاں تک کہ کوفہ کا ہر گھر حدیث اور روایت کی درس گاہ بن گیا۔

بصرہ بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے آباد ہوا ہے۔ یہ شہر بھی وسعت علم اور اشاعت حدیث کے لحاظ سے کوفہ کا ہمسر تھا۔ کوفہ و بصرہ مکہ اور مدینہ کی طرح علوم اسلامی کے دارالعلم خیال کیے جاتے ہیں۔

تذکرہ الحفاظ میں علامہ ذہبی نے مسروق بن الاعدع، عبیدہ بن عمر، اسود بن یزید، ابو عمر النخعی، ذر بن حبیش، ربیع بن خثیم، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، ابو عبدالرحمن سلمی، شریح بن الحرث، شریح بن ہانی ابو وائل شفیق ابن سلمہ، قیس بن حازم، محمد بن سیرین حسن بصری، شعبہ بن حجاج، قتادہ بن دعامہ کا تذکرہ لکھا ہے اور ان سب کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے۔ یہ سب

مجلس اس فن کو مجھ سے اچھا جانتا ہے، ”ایک مدت تک منصب قضا پر مامور رہے۔ خلفا اور اعیان سلطنت ان کا نہایت احترام کرتے تھے۔ ۱۰۶۰ھ یا ۱۰۶۱ھ میں علم حدیث کا یہ کتاب غروب ہو گیا۔ (عمر الحدیث کا بیان)

سلطان بن کھلیں..... مشہور محدث اور تابعی تھے۔ جناب ابن عبداللہ، ابن ابی ادلیٰ ابو الغنئی اور ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ ابن سعد نے ابن کو تیسرے درجہ تک لکھا ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ سلسلہ میں کھلیں ارکان میں سے ایک رکن ہیں ابن مہدی کا قول ہے کہ کوفہ میں چار شخص سب سے زیادہ صحیح الرویہ تھے منصور، سلمہ، عمرو بن مروہ ابو حصین۔

ابو اسحاق سجستانی..... کبار تابعین میں سے تھے عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، ابن زبیر، نعمان بن بشیر، زین بن ارقم اور بہت سے صحابہؓ سے جن کے نام علامہ نوویؒ نے تہذیب الاسماء میں تفصیل سے لکھے ہیں احادیث کی ساعت کی ہے۔ ثعلبی نے کہا ہے کہ ۳۸ صحابہؓ سے ان کو بالمشافہ روایت ہے علی بن المدینی جو حدیث میں امام بخاری کے استاد تھے کا قول ہے کہ ابو اسحاق کے شیوخ حدیث میں نے شمار کئے تو کم و بیش تین سو نمبر کے احادیث ابن جریر عقیلی نے تہذیب میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے۔

حضرت سماک بن حرب..... سماک بن حرب بہت بڑے محدث تھے۔ اور حدیث میں امام ابو حنیفہؒ کے استاد تھے۔ امام سفیان ثوری نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ سماک نے کبھی حدیث میں غلطی نہیں کی خود سماک کا بیان ہے کہ میں اسی ۸۰ صحابہؓ سے ملا ہوں۔

حضرت عمارت بن دینار..... عمارت بن دینار نے عبداللہ بن عمرؓ اور جابرؓ وغیرہ سے روایت کی، امام سفیان ثوریؒ کہا کرتے تھے کہ میں نے کسی زاہد کو نہیں دیکھا جس کو عمارت پر ترجیح دوں علامہ ذہبی نے لکھا ہے کہ عمارت عموماً چپے ہیں لیکن مصین، ابو زرعہ، دارقطنی، ابو حاتم، یعقوب بن سفیان اور نسائی نے ان کو ثقہ تسلیم کیا ہے، کوفہ میں منصب قضا پر مامور

تھے، ۱۱۶ھ میں وفات فرمائی۔ عون بن عبد اللہ بن عیینہ بن مسعود، حضرت ابو ہریرہؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے حدیثیں روایت کیں، نہایت ثقہ اور پرہیزگار تھے۔

حضرت ہشام بن عروہؓ..... ہشام بن عروہ، معزز و مشہور تابعی تھے بہت سے صحابہ سے حدیثیں روایت کیں، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً سفیان ثوری، امام مالک، سفیان بن عیینہ کے شاگرد تھے۔ ابو جعفر منصور کے زمانے میں ان سے حدیثیں روایت کیں۔ خلیفہ منصور ان کا بہت احترام کرتا تھا۔ ایک بار ایک لاکھ درہم ان کو عطا کئے ان کی جنازہ کی نماز بھی منصور ہی نے پڑھائی تھی۔ صاحب طبقات ابن سعد نے لکھا ہے کہ ثقہ اور کثیر الحدیث تھے۔ ابو حاتم نے ان کو امام الحدیث کہا ہے۔

حضرت سلیمان بن مہرانؓ..... سلیمان بن مہران المعروف بہ اعمش کوذ کے مشہور امام تھے صحابہ میں سے انس بن مالکؓ سے ملے تھے اور عبد اللہ بن ابی وقاص سے حدیث سنی تھی، سفیان ثوری اور شعبان کے شاگرد ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی تحصیل حدیث کا دوسرا مدرسہ بصرہ تھا۔ جو امام حسن بصریؒ، شعبہ و قتادہ کے فیض تعلیم سے مالا مال تھا، تعجب ہے کہ حسن بصریؒ باوجود یکہ ۱۱۰ھ تک زندہ رہے لیکن امام کا ان کے درس سے مستفید ثابت نہیں ہوتا۔ البتہ قتادہ کی شاگردی کا ذکر امام محدثین نے کیا ہے اور تاریخ ویر کی مختلف کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ امام نے شعبہ سے روایت حدیث کی اجازت بھی لی تھی۔

حضرت قتادہؓ..... حضرت قتادہؓ بہت بڑے محدث اور مشہور تابعی تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ، عبد اللہ بن سرخس اور ابو طفیلؓ اور دیگر صحابہؓ سے حدیثیں روایت کیں۔ حضرت انسؓ کے دو شاگرد جو نہایت نامور ہیں، ان میں سے ایک حضرت قتادہؓ ہیں۔ اس خصوصیت میں ان کو اللہ نے نہایت شہرت دی تھی۔ حدیث کو عینہ ادا کرتے تھے یعنی الفاظ و معانی میں بالکل فرق نہیں ہوتا تھا۔ ان کی قوت حافظہ کی ایک عجیب حکایت لکھی ہے۔ عمرو بن عبد اللہ کا بیان ہے، کہ یہ مدینہ میں سعید بن المسیب سے فقہ و حدیث پڑھتے تھے۔ ایک دن

انہوں نے فرمایا کہ تم ہر روز بہت سی باتیں پوچھتے ہو کیا تمہیں ان میں سے کچھ یاد بھی ہے۔ انہوں نے کہا ایک ایک حرف محفوظ ہے، چنانچہ جس قدر ان سے سنا تھا بقید تاریخ اور دن بیان کرنا شروع کر دیا وہ نہایت متعجب ہوئے اور کہا خدا نے دنیا میں تم جیسے لوگ بھی پیدا کئے ہیں۔ اسی بنا پر لوگ انہیں احفظ الناس کہا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے ان کے تعلق و واقفیت اختلاف و تفسیر دانی کی نہایت مدح کی ہے کہ کوئی شخص ان باتوں میں ان کے برابر ہو تو ہو مگر ان سے بڑھ نہیں سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب میں ان کا حال تفصیل سے لکھا ہے جس سے ان کی عظمت و شان کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شعبہؒ..... حضرت شعبہؒ بھی بڑے مرتبے کے محدث تھے دو ہزار حدیثیں ان کو ازبر یاد تھیں۔ سفیان ثوریؒ نے فن حدیث میں ان کو امیر المؤمنین مانتا ہے۔ عراق میں یہ پہلے شخص ہیں جس نے جرج و قدیل کے مراتب مقرر کئے۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ شعبہؒ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث کا رواج نہ ہوتا۔ ۱۶ھ میں اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے شعبہؒ اور امام ابو حنیفہؒ کا آپس میں بہت گہرا تعلق تھا ان کی غیر موجودگی میں ان کی بڑی تعریف کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دوران تذکرہ فرمانے لگے کہ جس طرح میں یہ جانتا ہوں کہ آفتاب روشن ہے اتنی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم اور ابو حنیفہؒ ساتھ ساتھ ہیں۔ یحییٰ بن معینؒ سے جو امام بخاریؒ کے استاد تھے۔ کسی نے پوچھا کہ آپ ابو حنیفہؒ کی نسبت کا کیا خیال رکھتے ہیں؟ فرمایا اس قدر کافی ہے کہ شعبہؒ نے ان کو حدیث و روایات کی اجازت دی اور شعبہؒ آخر شعبہؒ ہی ہے۔ بصرہ کے اور شیوخ جن سے امام نے حدیثیں روایت کیں ان میں عبدالکریم بن امیہ اور عاصم بن سلیمان الاحول زیادہ ممتاز ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ حرمین کی طرف

امام ابو حنیفہؒ گواہ گردان درگاہوں سے حدیث کا بڑا ذخیرہ ہاتھ آیا تھا۔ تاہم تحصیل کی سند حاصل کرنے کے لئے حرمین جانا ضروری تھا جو علوم مذہبی کے اصل مرکز تھے۔ تاریخ

ان سے یہ باتیں چھتا کہ امام کا پسنا سفر کس بن میں واقع ہوا؟ امام نے غالب ہے کہ جب انہوں نے حرمین کا سفر کیا تو تحصیل کا آغا ز تھا۔ سورخ ابن نعلان نے لکھا ہے کہ کعب نے خود ابو حنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ حج میں ایک عجم نے جس سے میں نے بل منڈوائے تھے کئی باتوں سے مجھ پر گرفت کی میں نے جرات پونھی تو بوز مناسک چکائے نہیں جاتے میں چپ ہو کر اصداغ بنانے لگا اس نے پھر زو کا کہ حج میں چپ نہیں رہنا چاہیے عیسیر کہے جاؤ۔ حجت سے فارغ ہو کر گھر چلا تو اس نے کہا پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو پھر کہیں جانا، میں نے متعجب ہو کر پوچھا یہ مسائل تو نے کہاں سے سیکھے بولا عطاء ابن ابی رباح کا فیض ہے۔ اس واقعہ سے زیادہ قرہن قیاس کیا ہو سکتا ہے کہ ابتدائی زمانہ تھا۔ جس زمانے میں امام ابو حنیفہؒ مکہ منقر پہنچے دوسرے دن ریس کا نہایت زور تھا۔ متعدد استاد وہی جو فن حدیث میں کمال رکھتے تھے اور اکثر صحابہ کی خدمت سے مستفید ہوئے تھے الگ الگ درس گاہ قائم تھیں ان میں عطاء ابن ابی رباح کا حصہ دوسرے سے زیادہ وسیع اور مستحق تھا۔ عطاء مشہور تابعی تھے اکثر صحابہ کی خدمت میں رہتے تھے اور ان کے فیض صحبت سے اجتہاد کا رتبہ حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن سائب، عقیل، ابن عمر ابن زبیر، اسماء بن زبیر، ابراہیم عبداللہ زبیر ابن ارقم، رافع ابودرداء، ابو ہریرہ، رسول اللہ عظیم، جہین وغیرہ اور بہت سے صحابہؓ سے حدیثیں سنی تھیں، خود ان کا بیان ہے کہ میں اور بزرگوں سے ملا ہوں جن کو رسول کریم ﷺ کی محبت کا اثر فہ حاصل تھا۔ مجتہدین صحابہ ان کے علم و فضل کے بہت معترف تھے۔ عبداللہ بن عمر جو حضرت فاروق عظیم کے فرزند اور صاحب افتاء تھے اکثر فرماتے تھے کہ عطاء ابن ابی رباح کے ہونے کو بہرے ہیں کیوں آتے ہیں۔ حج کے موقع کے زمانے میں ہمیشہ سلطنت کی طرف سے ایک مزا دی مقرر ہوتا تھا کہ عطاء کے سوا کوئی شخص فتویٰ دینے کا مجاز نہیں ہے، بڑے بڑے ائمہ حدیث مثلاً، ہادذانی، زبیری، عمرو بن دینار انہی کے حصہ دوسرے سے نکل کر استاذ کہلاتے۔

امام ابو حنیفہؒ استاد وہی کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے

احتیاط کے لحاظ سے عقیدہ پوچھا تو امام نے کہا میں اسلاف کو برا نہیں کہتا گنہگار کو کافر نہیں سمجھتا قضاء و قدر کا قائل ہوں عطا نے اجازت دی کہ حلقہ درس میں شریک ہو ا کریں۔ روز بروز وہ ان کی ذہانت کے جوہر کھلنے لگے اور اس کے ساتھ استاد کی نظر میں ان کا وقار بھی بڑھتا گیا یہاں تک کہ جب حلقہ درس میں جاتے اور عطا اوروں کو ہٹا کر ان کو اپنے پہلو میں جگہ دیتے۔

عطا ۱۱۵ھ تک زندہ رہے۔ اس مدت میں امام ابو حنیفہؒ کو جب مکہ معظمہ جانے کا اتفاق ہوا تو ان کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور مستفید ہوتے۔

عطا کے سوا مکہ معظمہ کے اور محدثین جن سے امام نے حدیث کی سند لی ان میں مکرمہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا جاسکتا ہے مکرمہ حضرت عبداللہ بن عباس کے غلام اور شاگرد تھے انہوں نے نہایت توجہ اور کوشش سے ان کی تربیت کی تھی یہاں تک کہ اپنی زندگی ہی میں اجتہاد و فتویٰ کا مجاز قرار دیا تھا مکرمہ نے اور بہت سے صحابہ حضرت علیؓ، ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عقبہ بن عمرؓ، عفوان، جابرؓ، ابو قتادہؓ سے حدیثیں سنی تھیں۔ اور فقہی مسائل تحقیق کئے تھے کم و بیش سترہ مشہور تابعین حدیث و تفسیر میں ان کے شاگرد ہیں امام شافعیؒ کہا کرتے تھے کہ قرآن جاننے والا مکرمہ سے بڑھ کر نہیں رہا سعید بن جبیر جو کہ تابعین کے سردار تھے ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ دنیا میں آپ سے بڑھ کر کوئی عالم ہے فرمایا ہاں مکرمہ۔

امام ابو حنیفہؒ مدینہ کی طرف

اسی عہد میں یعنی ۱۰۳ھ سے پہلے امام ابو حنیفہؒ نے مدینہ کا رخ کیا۔ مقصد یہ تھا کہ اس جگہ سے حدیث کا علم حاصل کیا جائے جو حدیث کا منبع اور مخزن تھا۔ صحابہ کے بعد تابعین کے گروہ میں سے سات شخص علم فقہ و حدیث کے مرجع بن گئے تھے اور مسائل شریعہ میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔ ان لوگوں نے بڑے بڑے صحابہ کے دامن فیض میں تعلیم پائی تھی۔ اور یہ مرتبہ حاصل کیا تھا کہ تمام ممالک اسلامیہ میں واسطہ در واسطہ ان کے درس کا

سلسلہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ لوگ ہم عصر تھے اور ایک مشترکہ مجلس افتاء کے ذریعے سے تمام شرعی مسائل کا فیصلہ کرتے تھے۔ مدینہ کی فقہ جس کے تدوین امام مالک نے کی اس کی بنیاد زیادہ تر انہی کے فتوؤں پر ہے امام ابو حنیفہؒ مدنیہ پہنچے تو ان بزرگوں میں دو شخص زندہ تھے۔ سلیمان و سالم بن عبد اللہ، سلیمان حضرت میمونہ کے جو رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں تھیں کے غلام تھے اور فقہائے سہد میں فضل و کمال کے لحاظ سے ان کا دوسرا نمبر تھا۔ سالم حضرت عمر فاروقؓ کے پوتے اور اپنے والد بزرگوار سے تعلیم پائی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔

امام ابو حنیفہؒ کی طالب علمی کی ساخت اگرچہ ینک محدود ہے تاہم تعلیم کا سلسلہ اخیر زندگی تک قائم رہا۔ اکثر حرمین جاتے اور مہینوں قیام کرتے حج کی تقریب میں مالک اسلامی کے ہر گوشہ سے بڑے بڑے اہل کمال آکر جمع ہو جاتے تھے۔ جن کا مقصد حج کے ساتھ افادہ اور استفادہ بھی ہوتا تھا امام صاحب اکثر ان لوگوں سے ملنے اور مستفید ہوتے امام اوزاعی اور کچھول شامی کہ شام کے امام ائمہؒ کہلاتے تھے امام ابو حنیفہؒ نے مکہ ہی میں ان لوگوں سے تعارف حاصل کیا اور حدیث کی سند لی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ امام صاحب کی ذہانت و اجتہاد کی شہرت دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں تک کہ ظاہر بینوں نے ان کو قیاس مشہور کر دیا تھا انہیں دنوں میں عبد اللہ بن مبارک نے جو امام ابو حنیفہؒ کے مشہور شاگرد ہیں۔ بیروت کا سفر کیا کہ امام اوزاعی سے فن حدیث کی تکمیل کریں پہلی ہی ملاقات میں اوزاعی نے ان سے پوچھا کہ کونہ میں امام ابو حنیفہؒ کو شخص پیدا ہوا ہے۔ جو دین میں نئی باتیں نکالتا ہے۔ انہوں نے کچھ جواب نہ دیا اور گھر چلے آئے۔ دو تین دن کے بعد پھر گئے تو باز اساتھ لیتے گئے۔ اوزاعی نے ان کے ہاتھ سے اجزائے لئے سر نامہ پر لکھا تھا۔ قال نعمان بن ثابت۔ دیر تک غور سے دیکھا پھر عبد اللہ سے پوچھا نعمان کون بزرگ ہیں۔ انہوں نے کہا عراق کے ایک شخص ہیں، جن کی صحبت میں میں رہا ہوں۔ فرمایا بڑے پایہ کا شخص ہے۔ عبد اللہ نے عرض کی یہ وہی امام ابو حنیفہؒ ہیں جن کو آپ مبتداع بتاتے ہیں۔ (بحوالہ دار الفوائد)

امام اوزاعیؒ کو اپنی غلطی پر افسوس ہوا حج کی تقریب پر امام اوزاعیؒ مکہ گئے تو امام ابوحنیفہؒ سے ملاقات ہوئی اتفاق سے عبداللہ بن المبارک بھی موجود تھے، ان کا بیان ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے اس خوبی سے تقریر کی کہ امام اوزاعیؒ حیران رہ گئے امام ابوحنیفہؒ کے جانے کے بعد مجھ سے کہا کہ اس شخص کے کمال نے اس کو لوگوں کا محسوس نہادیا ہے۔ بے شبہ میری بدگمانی غلط تھی، جبکہ مجھے بہت افسوس ہے، تاریخوں سے ثابت ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فن حدیث میں امام اوزاعیؒ کی شاگردی کی ہے۔ غالباً یہی وہ زمانہ ہوگا۔

حضرت ابوحنیفہؒ امام باقرؒ کی خدمت میں

حضرت امام باقرؒ سے جو اپنے زمانے کے محدث، فقیہ اور بڑے متقی صحابی تھے امام ابوحنیفہؒ کی ملاقات کا تذکرہ مورخوں نے کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک بار امام ابوحنیفہؒ مدینہ گئے تو امام باقرؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ انہوں نے امام سے مخاطب ہو کر فرمایا ہاں تم ہی قیاس کی بنا پر ہمارے دادا کی حدیثوں سے مخالفت کرتے ہو "انہوں نے نہایت ادب سے کہا "العیاذ باللہ" حدیث کی کو ان مخالفت کر سکتا ہے آپ تشریف رکھیں تو میں کچھ عرض کروں پھر مندرجہ ذیل گفتگو ہوئی۔

ابوحنیفہ:- مرد ضعیف ہے یا عورت؟

امام باقر:- عورت۔

ابوحنیفہ:- وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟

امام باقر:- مرد کا۔

ابوحنیفہ:- اگر میں قیاس لگاتا ہوں کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے، کیوں کہ ضعیف

کو ظاہر قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہئے تو پھر پوچھا تمنا را افضل ہے یا روزه؟

امام باقر:- نماز۔

ابوحنیفہ:- اس اعتبار سے حائضہ عورت پر نماز کی قضاء واجب ہونی چاہیے نہ روزہ

کی۔ حالانکہ میں روزہ ہی کی قضا کا فتویٰ دیتے ہوں امام باقر اس قدر خوش ہوئے کہ ہنسی کر چٹائی چوم لی۔ ابوحنیفہ ایک مدت تک استفادہ کی غرض سے ان کی خدمت میں حاضر رہے اور فقہ و حدیث کے متعلق بہت سی باتیں حاصل کیں شیعہ دینی دونوں نے تسلیم کیا کہ ابوحنیفہ کی معلومات کا بڑا ذخیرہ حضرت مہرورج کی فیض صحبت کا نتیجہ تھا۔

امام لک نے ان کے فرزند رشید حضرت جعفر صادق کے فیض صحبت سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ فن حدیث کی تحصیل میں امام کو ایک بہت اونچا مقام حاصل تھا کیونکہ ان کے شیوخ حدیث لاتعداد تھے۔ ابوحنیفہ عمر نے دعویٰ کیا ہے کہ امام نے کم از کم چار ہزار مفسوں سے حدیثیں روایت کی ہیں۔ علامہ ذہبی نے تذکرہ افتخار میں جہاں ان کے شیوخ کے نام شمار کئے ہیں وہیں آخر میں لکھ دیا ہے ”غلط کثیر“

امام ابوحنیفہؒ کی احتیاط و تحقیق

امام صاحب روایت میں بے حد احتیاط تھے اور اس نکتہ سے خوب واقف تھے کہ روایت میں جس قدر واسطے زیادہ ہوں گے اس قدر تغیر و تبدل کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔ یہی بات ہے کہ ان کے اساتذہ اکثر تابعین ہیں جن کا رسول اللہ تک صرف ایک واسطہ ہے یا وہ لوگ ہیں جو مدت تک بڑے بڑے تابعین کی صحبت میں رہے تھے اور علم و فضل و دیانت و پرہیزگاری کے نمونہ خیال کیے جاتے تھے۔ ان دو قسموں کے سوا اگر ہیں شاذ ہیں۔ ان کی تعلیم کا طریقہ بھی عام طالب علم سے الگ تھا۔ بحث و اجتہاد کی شروع سے عادت تھی اور اس باب میں وہ استادوں کی مخالفت کی کوئی پروا نہ کرتے تھے۔

ایک بار حجاز کے ساتھ عیش کی مشابعت کو نکلے، چلتے چلتے مغرب کا وقت آ گیا وضو کے لئے پانی کی تلاش ہوئی مگر کہیں پانی نہ مل سکا، حجاز نے تنہم کا فتویٰ دیا امام نے مخالفت کی کہ آخر وقت تک پانی کا انتظار کرنا چاہیے۔ اتفاق یہ کہ کچھ دور چل کر پانی مل گیا اور سب نے وضو سے نماز ادا کی کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقع تھا کہ استاد کی مخالفت کی۔ امام صحیحہ، ان کے

استاد قائل تھے۔ کہ معصیت میں کفارہ نہیں ایک دفعہ استاد شاگرد کشتی میں سوار جا رہے تھے اس مسئلہ کا ذکر آیا، انہوں نے کہا ”ضرور معصیت میں کفارہ ہے۔“ کیونکہ خدا نے ظہار میں کفارہ مقرر کیا ہے اور اس آیت وَاللّٰهُمَّ لَيَسْقُوْنَهُنَّ مِنْكُمْ اَمْنًا الْقَوْلُ وَ زَوْرًا میں تصریح کر دی ہے کہ ظہار معصیت ہے ”امام شعبیؒ“ کچھ جواب نہ دے سکے۔ عطاء بن ابی رباح سے کسی نے آس آیت کے معنی پوچھے وَ اَتَيْنَا هٗ اَهْلَهُ وَ مَثَلَهُمْ مَّعَهُمْ عَطَاۤنَ کہا خدا نے حضرت ایوب کی آل اولاد جو مر گئی تھی زندہ کر دی اور ان کے ساتھ اور نئی پیدا کر دی، امام ابو حنیفہ نے کہا جو شخص کسی کی صلب سے نہ پیدا ہو وہ اس کی اولاد کیوں کر ہو سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور تدوین فقہ

امام صاحب کی زندگی کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ فقہ اسلامی کی تدوین ہے، بلاشبہ امام ابو حنیفہؒ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے فقہ اسلامی باقاعدہ منظم طریقے سے مدون کیا۔ فقہ کے لغوی معنی سمجھ کے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی یہ لفظ انہی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اصلاح شریعت میں اعمال شرعیہ کے مسائل فقہ کہلاتے ہیں۔ اس سے زیادہ جامع تعریف یہ ہے کہ فقہ شریعت کے ان فروعی احکام کے علم کو کہتے ہیں جو احکام کے مفصل دلائل سے حاصل ہوئے ہوں۔

علماء نے فقہ کے چار ماخذ بیان کئے ہیں۔ ۱۔ کتاب اللہ ۲۔ سنت رسول ﷺ ۳۔ اجماع صحابہ و ائمہ مجتہدین ۴۔ قیاس

اسلامی شریعت میں قرآن کریم کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ملکی قوانین میں دستور کی ہوتی ہے۔ قرآن دور نبوی ﷺ اور آپ کے بعد قیامت تک ساری امت کیلئے رہنما اور پیشوا ہے۔ قرآن کی وہی حیثیت اور صفت ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے۔ یعنی اس میں منصوص احکام کا مجمل بیان ہے اور یہی بیان الہی شریعت کا ماخذ اول ہے۔ اسلامی شریعت کا دوسرا ماخذ سنت رسول ﷺ ہے لفظ سنت کا اطلاق ہر اس قول، فعل یا تقریر پر ہوتا ہے۔

جو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب ہو اور آپ سے منقول ہو کر ہم تک پہنچا ہو اس معنی کی رو سے سنت لفظ حدیث کے مترادف ہے۔

تیسرا ماخذ جو اجماع کہلاتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ آنحضور ﷺ جب اس عالم سے تشریف لے گئے تو بعد میں ایسے شرعی مسائل میں صحابہ کو باہمی مشاورت کی ضرورت پڑی جو یا تو مجمل تھے یا پھر حضور ﷺ کے ایک ہی عمل کے بارے میں مختلف روایتیں جمع ہو گئیں۔ تو ان مختلف فیہ روایتوں میں صحابہ کا جو حلقہ فیصلہ ہوتا اسی کو اجماع کہا جاتا ہے۔

فقہ اسلامی کا چوتھا ماخذ قیاس ہے کسی امر کا جو شرعی حکم ہے وہی حکم علت مشترکہ کی وجہ سے کسی دوسرے امر کا اقرار دینا قیاس کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یعنی کوئی چیز شریعت میں کسی علت کی وجہ سے حرام ہے تو اگر وہی علت کسی دوسری چیز میں پائی جاتی ہے تو از روئے قیاس اس کو بھی حرام قرار دیا جائے گا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهٖ فَاحِشَةٌ یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ کہ بے شک وہ بے حیائی ہے۔ اب زنا اس لئے حرام ہے کہ یہ بے حیائی ہے اس کی حرمت کی علت بے حیائی ہے پس وہ کام جس میں بے حیائی ہوگی حرام قرار دیا جائے گا۔ لیکن بے حیائی اور فحش کی اپنی تعریف ہے، جو کام بھی فحش پر اطلاق کیا جائے گا۔ حرام ہوگا۔

تدوین فقہ کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے رابع دوم میں ہوئی اس وقت سے لیکر موجودہ دور تک فقہ اسلامی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

دوسری صدی کا رابع اول ختم ہو چکا تھا اسلامی مملکت کے حدود بہت زیادہ پھیل چکے تھے۔ جب اسلام کی سادہ تعلیمات کو دنیا کی مختلف اور نگارنگ تہذیبوں سے سابقہ پڑا تو نئے مسائل سامنے آئے۔ اسی دور میں اللہ نے امام ابوحنیفہؒ کو وہ استطاعت و قوت عطا فرمائی کہ وہ اپنی مجتہدانہ فطرت و ذہانت سے ان مسائل کا حل دریافت کریں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ ۱۵۱ھ میں تدوین فقہ کی طرف پورے طور سے متوجہ ہوئے۔

فقہ کی تدوین کا بنیادی مقصد تو یہ تھا کہ عملی زندگی میں رسول کریم ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے متفرق مسائل کو منظم اور مرتب کر دیا جائے اور اس کی ایسی آخری اور فیصلہ کن صورت معین کر دی جائے جس پر مسلمان سہولت کے ساتھ کما حقہ عمل کر سکیں۔ مگر شریعت اسلامی کیونکہ کسی خاص دور اور معین قوم اور علاقہ کیلئے نہ تھی بلکہ اسے قیامت کے لئے جاری اور نافذ رہنا تھا اس لئے ضروری تھا کہ اس کی تدوین کی جائے اور بوقت تدوین دو باتوں کا خاص طور پر اہتمام کیا جائے۔ اول یہ کہ وہ شخصی رائے اور اجتہاد پر منحصر نہ ہو۔ اس کی ترتیب و تدوین میں مختلف علوم و فنون کے ماہرین اور اساتذہ فن شامل ہوں جن کا علم و فضل مسلم اور ان کا زہد و تقویٰ اللہ کو مقبول ہو۔ دوسرے اس اہم کام کی انجام دہی کے لئے کسی ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جو نہ صرف مختلف علوم و فنون کا گہوارہ ہو بلکہ قدیم و جدید، عربی و عجمی تہذیب کا سنگم بھی ہو۔ امام ابوحنیفہؒ نے ان دونوں باتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا اور اس کے لئے کوفہ کا انتخاب کیا۔ یہی وہ خاص شہر تھا جہاں عرب و عجم کی تہذیبیں مل رہی تھیں۔

امام ابوحنیفہؒ نے مسائل کی ترتیب اور اصول و ضوابط کی تدوین اپنی ذات تک محدود نہیں رکھی۔ بلکہ چالیس علماء و اورائے کی ایک مجلس قائم کی۔ اس مجلس میں تمام علوم کے ماہر اور ائمہ جمع کئے گئے۔ جن کی تدوین فقہ میں ضرورت پیش آسکتی تھی۔ ان ائمہ فن کی تعداد چالیس تھی جیسا کہ امام محمد اوی نے امام مالک کے شاگرد اسد بن فرات کا قول نقل کیا ہے کہ۔

”امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے اراکین چالیس تھے“ یہ سب کے سب فقہ میں درجہ اجتہاد کو پہنچے ہوئے تھے ان میں دس ممتاز ترین اہل علم پر مشتمل ایک مجلس خاص تھی جس کے اراکان ابو یوسف، داؤد دطائی، اسد بن عمر، یوسف بن خالد اور یحییٰ بن ابی زائدہ تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدوین فقہ کے متعلق مشہور محدث و کعب بن الجراح کی رائے ہے۔

”امام ابوحنیفہؒ کے کام میں غلطی کیسے رہ سکتی تھی۔ جب کہ واقعہ یہ تھا کہ ان کے ساتھ ابو یوسف، زفر اور محمد جیسے قیاس و اجتہاد کے ماہر موجود تھے اور حدیث کے باب میں یحییٰ بن زکریا ابن زائدہ، مہنص بن غیاث، صہبان جیسے ماہرین حدیث قاسم بن معن جیسے لغت عرب

کے ماہر، داد و دین، اہمیت، طائی اور فضیل بن عیاض جیسے زہد و تقویٰ کے مجسمے ان کے شریک کار تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسے جامع کمالات و فہم کل رشتہ دار و مشیروں کی موجودگی میں غلطی کیسے ممکن تھی۔
(فصل "جامع علی سائبہ)

امام ابو حنیفہ کا طریقہ استنباط یہ تھا کہ پہلے ہر مسئلہ کو کتاب اللہ سے مستنبط کیا جاتا اگر کامیابی نہ جاتی تو اس کو معین فرمادیتے اگر کسی طور پر کتاب اللہ سے براہ راست کوئی سرورغ نہ ملتا تو سنت اللہ رسول اللہ ﷺ میں اس مسئلے کی تلاش و جستجو کی جاتی، سنت رسول اللہ ﷺ میں یہ خاص بات پیش نظر رہتی کہ رسول اللہ کا آخری عمل اور آخری رائے کیا تھی آپ ہمیشہ اسکو اختیار فرماتے اگر حجازی اور عراقی صحابہ کی سر فہام حدیثوں میں اختلاف ہوتا تو بنا برقعہ راوی فقہ کی روایت کو ترجیح دیتے۔

اگر حدیث طیبہ سے بھی کوئی فیصلہ نہ ہوتا تو پھر اہل فتویٰ صحابہ اور فقہاء تابعین کے فیصلے اور اقوال تلاش کرتے اور جس امر پر فقہاء صحابہ کا اجماع ہوتا اس کو اختیار کر لیتے اگر یہاں بھی کوئی جواب نہ پاتے تو پھر چوتھے مرحلے پر تیس اور ائمہ ان کی طرف آتے اور انکی روشنی میں مسائل کو حل کرتے۔ مسئلہ پر غور کرتے وقت یہ بھی دیکھتے کہ مسئلہ سے متعلق نصوص کی حیثیت تشریحی ہے یا غیر تشریحی اس ضمن میں مسئلہ کے حل کرنے کی بھی ضرورت پڑتی تھی نصوص میں ضد ابھرنے اور اختلاف جزئیہ میں اگر تعارض ہوتا تو مضابطہ نص کو ترجیح دیتے اور واقعہ جزئیہ کی توجہ کر لیتے۔

امام ابو حنیفہ کی ترتیب و تدوین فقہ کی طرف متوجہ ہونے سے پہلے فقہاء اور محدثین کسی مسئلہ کے وقوع پذیر ہونے سے پہلے اس مسئلے پر حکم لگانے کے بارے میں غور و خوض کو مایوس سمجھتے تھے مگر امام ابو حنیفہ سب سے پہلے شخص ہیں کہ جنہوں نے اس رجحان کے خلاف عمل کیا، چنانچہ فرماتے ہیں۔

"اول علم کو چاہیے کہ جن باتوں سے لوگوں میں منکلا ہونے کا امکان ہے ان پر غور و فکر کریں تاکہ اگر وہ کسی وقت وقوع پذیر ہوں تو لوگوں کے لئے نئی اور انوکھی بات نہ ہو بلکہ یہ

بات پیش نظر ہی دینی چاہیے کہ ان امور میں کسی نہ کسی وقت جتلا ہونا ہی پڑے گا تو ابتداء کے وقت شریعت نے کیا راہ معین کی ہے۔ بہتر ہے کہ ابھی سے سوچ کر رکھ لیں۔

مشہور محدث قیس بن ربیع نے بڑے مختصر الفاظ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے اس معاملے میں امام ابو حنیفہؒ کی فوقیت و اولیت کا واضح طور پر اعتراف کیا ہے، کہتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ ان مسائل کو جو ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے سب لوگوں سے زیادہ جانتے تھے، اس بنا پر امام ابو حنیفہؒ نے ان تمام فقہی مسائل پر بال تفصیل غور و فکر شروع کیا جو اگرچہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوئے تھے۔ مگر ایک نہ ایک دن ان کا وقوع متوقع اور ممکن تھا۔ مجلس تدوین کا طریقہ یہ تھا کہ امام صاحب کے گرد تمام اراکین مجلس بیٹھ جاتے۔ امام صاحب ایک ایک مسئلہ کو بصورت سوال پیش کرتے لوگوں کے خیالات معلوم کرتے جو کچھ اراکین مجلس کے آرا ہوتے ان کو بغور سننے اگر تمام اراکین جواب مسئلہ میں متفق ہو جاتے تو وہ فیصلہ اسی وقت قلم بند کر لیا جاتا۔ اختلاف کی صورت میں نہایت آزادی کے ساتھ مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بحث و تحقیق ہوتی بسا اوقات یہ بحث ہفتوں جاری رہتی سب کی بحثیں سننے کے بعد امام صاحب اپنی رائے اور فیصلہ کا اظہار کرتے آپ کی رائے اتنی قیمتی ہوتی کہ سب لوگ اسے بلا تامل قبول کر لیتے اور مسئلہ کا ایک رخ معین ہو جاتا۔ کبھی ایسا ہوتا کہ بعض اراکین مجلس امام صاحب کی رائے سے اختلاف کرتے تو ان کی اختلافی رائے بھی فوراً لکھ لی جاتی جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ طویل بحث و نظر کے بعد اتفاق رائے سے طے پاتا تو اراکین شوریٰ بے اختیار اللہ اکبر پکارا رٹھتے۔

تقریباً پانچ سال کی اس شاندار روز سخت کاوش کے بعد امام صاحب کی مجلس تدوین فقہ کا مجموعہ فقہی تیار ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں آیا یہ مجموعہ تراسی ہزار دفعات پر مشتمل تھا۔ جس میں اڑیس ہزار مسائل عبادات سے متعلق تھے اور باقی پچاس ہزار کا تعلق معاملات اور عقوبات سے تھا۔ انیس انسان کے دنیوی کاروبار کے متعلق آئین و ضوابط اور معاشیات و سیاسیات کے بارہ میں تمام بنیادی اجتماعی امور موجود تھے۔ یہ مجموعہ ۱۱۴ھ سے پہلے مکمل

ہو چکا تھا مگر بعد میں اس میں اضافے ہوتے رہے امام صاحب کے ایام اسیری میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا حضرت عبداللہ ابن مبارک کا قول ہے۔ "میں نے امام ابوحنیفہؒ کی کتابوں کو متعدد بار لکھا ان میں اضافے بھی ہوتے رہے ان اضافوں کو بھی لکھ لیا کرو۔"

اس مجموعے نے امام صاحب کے زمانے میں قبول عام حاصل کیا اس مجموعہ کے تکمیل کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے اپنے تلامذہ کو جمع ہونے کا حکم دیا چنانچہ کوڈکی جامع مسجد میں ایک ہزار اہل علم شاگرد جمع ہوئے جن میں وہ چالیس علماء بھی موجود تھے جو امام ابوحنیفہؒ کی مجلس تدریس کے رکن تھے امام صاحب نے ان تمام اہل علم سے مخاطب ہو کر کہا۔

میری دلی مسرتوں کا سرمایہ صرف تم لوگ ہو تمہارے وجود میں میرے غم و اندوہ کا مداوا ہے۔ میں نے فقہ اسلامی کی زمین تمہارے لئے تیار کر دی ہے۔ اب تمہارا جب اور جس وقت دل چاہے تم اس پر سوار ہو سکتے ہو میں نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ لوگ تمہارے نقشِ ثل تلاش کریں گے۔ اور اسی چیز پر چلنے کی کوشش کریں گے میں نے گردنوں کو تمہارے لئے جھکا دیا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ تم سب علم کی حفاظت میں میری مدد کرو۔ تم میں چالیس آدمی ایسے ہیں جو قاضیوں کی تربیت و تادیب کا کام بخوبی سرانجام دے سکتے ہیں۔ میں تم سب کو اللہ کی قسم اور اس علم کا واسطہ دیتا ہوں جو تم کو ملتا ہے کہ اس علم کو کبھی ذلیل نہ کرو۔ اس علم کو محکوم ہونے کی بے عزتی سے بچانا اگر تم لوگوں میں سے کسی کو عہدہ قضا کی ذمہ داری سونپی جائے تو ایسی کمزوریوں کو اپنے فیصلوں میں ہرگز لحاظ نہ کرتا جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہوں، قضا کا عہدہ اس وقت تک درست ہے جب تک قاضی کا ظاہر و باطن ایک ہو۔ تم میں سے جو اس عہدہ کو قبول کرے وہ اپنے اور عوام کے درمیان رکاوٹیں قائم نہ کرے۔ ہر حاجت مند کی تم تک رسائی ہونی چاہیے۔ پانچ وقت کی نمازیں مسجد میں پڑھے مسلمانوں کا امیر اگر مخلوقِ خدا کے ساتھ غلط رویہ اختیار کرے تو وہ اس سے باز پرس کریں۔

امام ابوحنیفہؒ کی اس تقریر کے بعد مجموعہ فقہی کی حیثیت واضح ہو گئی۔ غالباً اس کی تشہیر کے بعد خلیفہ منصور نے امام صاحب کو بغداد طلب کیا اور عہدہ قضا کی پیش کش کی مگر

امام صاحب نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام ابوحنیفہؒ کے اس مرتب مدون کردہ فقہ کا نام فقہ حنفی ہوا، جو عالم اسلام کے مشرق و مغرب میں پھیل گیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی وفات حسرت آیات

۳۶ھ میں منصور نے امام صاحب کو قید کر دیا۔ لیکن قید کرنے کے باوجود اسے امام صاحب کی طرف سے خطرہ لاحق تھا۔ بغداد دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا۔ طالبان کمال اسلامی ملکوں کے گوشے گوشے سے اٹھ کر بغداد کا رخ کرتے تھے، امام صاحب کی شہرت دور دور پہنچ چکی تھی۔ قید کی حالت نے ان کے اثر اور قبول کو عام کو بجا ئے کم کرنے کے اور زیادہ کر دیا تھا۔ بعد کی علمی جماعت جس کا شہر میں بہت کچھ اثر تھا۔ ان کے ساتھ نہایت خلوص رکھتی تھی ان باتوں کا یہ اثر تھا کہ منصور نے ان کو کو نظر بند کر رکھا تھا لیکن کوئی امیر ان کے ادب و تعظیم کے خلاف نہ کر سکتا تھا۔ قید خانہ میں ان کا سلسلہ تعلیم و تدریس بھی برابر قائم رہا۔ امام محمد نے جو کہ فقہ حنفی کے دست و بازو ہیں۔ قید خانہ ہی میں تعلیم پائی ان وجہ سے منصور کو امام صاحب کی طرف سے جو اندیشہ تھا وہ قید خانہ کی حالت میں باقی رہا جس کی آخری تدبیر یہ تھی کہ بے خبری میں ان کو زہر دلوادیا۔ جب ان کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو سجدہ کیا اور اسی حالت میں قضا کی۔

ان کے مرنے کی خبر بہت جلد شہر میں پھیل گئی اور سارا بغداد اٹھ آیا۔ حسن بن عمارہ نے جو شہر کے قاضی تھے غسل دیا، نہلاتے جاتے اور کہتے جاتے ”واللہ تم سب سے بڑے فقیہ، بڑے عابد، بڑے زہد تھے تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں تم نے اپنے جاں نشینوں کو مایوس کر دیا، کہ وہ تمہارے مرتبہ تک پہنچ سکیں۔“ غسل سے فارغ ہوتے ہی لوگوں کی اتنی کثرت ہوئی کہ پہلی بار نماز جنازہ میں کم و بیش پچاس ہزار کا مجمع تھا اس پر آنے والوں کا سلسلہ قائم تھا، یہاں تک کہ چھ ۶ بار نماز جنازہ پڑھی گئی اور عصر کے قریب جا کر لاش دفن ہوئی۔ امام صاحب نے وصیت کی تھی کہ خیران کے قبرستان میں دفن کئے جائیں کیونکہ یہ جگہ ان کے

خیال میں غصہ شدہ شخص، اس وصیت کے موافق خیزران کے مشرق یا جنوب ان کا مقبرہ تیار ہوا مؤرخ خطیب نے لکھا ہے کہ دفن کے بعد بھی میں دن تک لوگ ان کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ جو قبول عام امام کو اس وقت حاصل تھا وہ کسی کو کب حاصل ہو سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے اخلاق و عادات

امام صاحب کا حلیہ اور اخلاق بیان کرنے میں مؤرخین نے بہت کچھ جاننے سے کام لیا ہے، لیکن صحت کے سب سے زیادہ قریب امام ابو یوسف کا قول ہے۔ آئیے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ شاگرد اپنے پیارے اور محترم استاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہ وہ تقریر ہے، جو انہوں نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے کی تھی دراصل ہوا یہ کہ خلیفہ ہارون الرشید نے ایک بار امام ابو یوسف سے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کے کچھ اوصاف بیان کرو۔

انہوں نے کہا کہ جہاں تک میں جانتا ہوں، امام ابو حنیفہؒ کے اخلاق و عادات یہ تھے کہ نہایت پرہیزگار تھے، منہیات سے بچتے تھے اکثر چپ رو کر سوچا کرتے تھے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا اور ان کو معلوم ہوتا تو جواب دیتے اور نہ چپ رہتے نہایت مخفی اور فیاض تھے کسی کے آگے حاجت نہ لے جاتے، مال دنیا سے استرازا تھا، دنیاوی جود و عزت کو حقیر سمجھتے، غیبت سے بہت بچتے تھے جب کسی کا ذکر ہوتا تو بھلائی کے ساتھ کرتے بہت بڑے عالم تھے۔ مال کی طرح علم صرف کرنے میں بھی بڑے فیاض تھے، ہارون الرشید نے یہ سن کر کہا صالحین کے یہی اخلاق ہوتے ہیں۔

امام ابو حنیفہؒ کا حلیہ اور گفتگو

امام صاحب کو خدا نے حسن سیرت کے ساتھ تمام صورت بھی دیا تھا۔ میانہ قد خوش رو اور سوزنوں اندام تھے، گفتگو نہایت شیریں اور بلند آواز اور صاف تھی، کیسا ہی پیچیدہ مضمون ہوتا نہایت فصاحت اور صفائی سے ادا کرتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی اولاد

کسی مؤرخ نے بھی تفصیل سے امام صاحب کی اولاد کے بارے میں نہیں بتلایا البتہ عام طور پر مورخوں کے ہاں یہ بات لکھی گئی ہے کہ وفات کے وقت حماد کے سوا کوئی ان کی اولاد موجود نہ تھی۔ حماد بڑے رتبے کے عالم فاضل آدمی تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم نہایت اہتمام سے ہوئی تھی۔ چنانچہ جب الحمد ختم کی تو ان کے پدر بزرگوار نے اس تقریب میں معلم کو پانچ سو درہم نذر کئے بڑے ہوئے تو خود امام صاحب سے مراتب علمی کی تکمیل کی علم و فضل کے ساتھ بے نیازی و پرہیزگاری میں بھی باپ کے خلف الرشید تھے، امام صاحب نے جب انتقال کیا تو ان کے گھر میں لوگوں کا بہت سامان و اسباب امانت رکھا تھا۔ انہوں نے قاضی شہر کے پاس جا کر حاضر کیا کہ جن کی امانتیں ہیں ان کو پہنچادی جائیں، قاضی صاحب نے کہا ابھی اپنے پاس ہی رہنے دو کہ زیادہ حفاظت سے رہیگا انہوں نے کہا کہ آپ جانچ کر لیں کہ میرے باپ کا ذمہ بری ہو جائے غرض تمام مال و اسباب قاضی کے سپرد کر کے خود روپوش ہو گئے، اور اس وقت ظاہر ہوئے جبکہ وہ چیزیں کسی اور کے اہتمام میں دے دی گئیں، تمام عمر کسی کی ملازمت نہیں کی نہ شاہی دربار سے کچھ تعلق پیدا کیا ذی قعدہ ۱۷۶ھ میں اس دنیائے فانی سے آخرت کی طرف کوچ کیا چار بیٹے چھوڑے جن کے نام عمر، اسماعیل ابوحیان اور عثمان ہیں، اسماعیل نے نہایت شہرت حاصل کی، چنانچہ مامون الرشید نے ان کو عہدہ قضا پر مامور کیا، جس کو انہوں نے اس دیانتداری اور انصاف سے انجام دیا کہ جب بصرہ سے چلے تو سارا شہر انکی مشاعت کو لٹکا، سب لوگ انکی جان و مال کو دعائیں دیتے تھے۔

امام ابو حنیفہؒ کی تصنیفات

امام اعظمؒ کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں۔

۱۔..... فقہ اکبر: یہ عقائد کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ہے، مسائل اور ترتیب وہی

ہے جو عقائد نفسی وغیرہ کی ہے۔ یہ رسالہ زیور طبع سے آراستہ ہو چکا ہے اور عام طور پر آسانی سے دستیاب ہے جس طرح عقائد نفسی کی شرحیں لکھی گئی ہیں اس طرح اس مختصر رسالہ کی بھی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن جس طرح کی شہرت عقائد نفسی کو حاصل ہے اس طرح کی فقہ اکبر کو حاصل نہیں پھر یہ ایک عمدہ رسالہ ہے۔ اس کتاب کے شارحین کے نام درج ذیل ہیں

۱۔..... محی الدین محمد بن بہاء الدین متوفی ۹۳۵ھ۔

ب۔..... مولیٰ الیاس بن ابراہیم السیوطی۔

ج۔..... مولیٰ احمد بن محمد المعتساری۔

د۔..... حکیم اسحاق اس شرح کا ایک مظلوم نسخہ ابوالبقا احمدی کاظم کیا ہوا موجود ہے۔

ل۔..... شیخ اکمل الدین

و۔..... ملا علی قاری، ملا علی قاری کی یہ شرح بہت اعلیٰ پایہ کی اور متداول ہے۔

۲۔..... العالم والمحقق سوال و جواب کے طرز پر ایک مختصر رسالہ ہے۔

۳۔..... مسند اس وقت تک دنیا میں مسند اعظم کے متعدد نسخے ہیں۔ ان نسخوں

کے جامع المؤید محمد بن محمود الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں، ابوالمؤید اس مرتبہ نسخے کے دیباچہ

میں لکھتے ہیں ”یادشام میں بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابوحنیفہ گوئن حدیث

میں چنداں دخل نہ تھا اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے، اس پر مجھ کو

حمیت مذہبی کا جوش ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو یکجا کروں جو علماء کرام نے

امام ابوحنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں اور جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ مسند حافظ ابو محمد عبد اللہ بن محمد یعقوب الحارثی المعروف بہ عبد اللہ الدنیا۔

۲۔ مسند امام ابو القاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد۔

۳۔ حافظ ابو الحسن محمد بن المظفر بن موسیٰ بن عیسیٰ

۴۔ مسند حافظ ابو نعیم اصفہانی صاحب علیہ

۵۔ مسند شیخ ابوبکر محمد بن عبد الباقی محمد الانصاری

- ۶۔ مسند امام ابو بکر احمد عبداللہ بن عدی الجرجانی
 - ۷۔ مسند امام حافظ عمر بن حسن الاشعری۔
 - ۸۔ مسند ابو بکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی
 - ۹۔ مسند امام محمد
 - ۱۰۔ مسند حماد بن امام ابو حنیفہؒ
 - ۱۱۔ مسند ابو یوسف قاضی
 - ۱۲۔ مسند امام ابو القاسم عبداللہ بن ابی العوام العدی
 - ۱۳۔ مسند حافظ حسین بن خسر وثنی
 - ۱۴۔ مسند علامہ حفصی اس مسند کی شرح علامہ طاعلی قاری نے کی ہے۔ اور یہی مسند بہ روایت حفصی علامہ شیخ محمد عابد سندھی نے جمع کی جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔
 - ۱۵۔ مسند مادر دی
 - ۱۶۔ مسند ابن عبدالمہزازی
- ان مسندوں میں بعض کی نہایت عمدہ شرحیں بھی لکھی گئیں ہیں۔ جن کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے کشف الخفون میں نہایت صراحت سے کیا ہے۔ (محولہ مسند امام عظیم)

فقیہ المشرق والمغرب حضرت عبداللہ بن مبارک مروزیؒ

خلیفہ ہارون الرشید عباسی (۱۷۰ھ تا ۱۹۳ھ) کے عہد میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان سرحدوں پر وقتاً فوقتاً معرکہ آرائی ہو رہی تھی۔ ایک دفعہ ایسے ہی ایک معرکہ میں رومی اور اسلامی لشکر ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو رومی لشکر سے ایک ذرہ پوش جنگجو نے اپنی صف سے نکل کر مسلمانوں کو مقابلے کے لئے لاکارا۔ اسلامی لشکر سے ایک مجاہد جس نے

اپنے چہرے پر ڈھانچا یا لٹکھڑکھڑتھ، جھپٹ کر اس کی طرف بڑھا اور ایک ہی وار میں روئی جھنجھو کا کام تمام کر دیا۔ پھر ایک روئی پہنچو کا کارٹا ہو، میدان میں آیا۔ نقاب پوش مجاہد نے اس کو بھی ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد کئی جہادیاں گئے کئی روئی جھنجھو متعلقہ کے لئے گئے۔ نقاب پوش مجاہد نے اپنی تلوار یا نیزے کے وار سے سب کو جہنم رسید کر دیا۔ مسلمانوں نے فرما سرست میں آخر تک سیر بلند کیا اور دوڑ کر اس مجاہد کو یہ دیکھنے کے لئے تلخیر کیا کہ آخر یہ شیر اور شجاعت کا پیکر کون ہے جس کو اپنی شناخت کرانا بھی پسند نہیں۔ انہوں نے بڑے زور اور اصرار سے اس کے چہرے سے ڈھانچہ ہٹایا تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ وہ کوئی عالم فطری نہیں تھا بلکہ رحم و فضل کے مجمع البحرین، فقید المشرق و المغرب حضرت عبداللہ بن مبارک تھے۔۔۔ وہی حضرت عبداللہ بن مبارک جن کے فضل و کمال کے تمام دنیا کے اسلام میں ذمہ دار ہے تھے اور جن کے مرجعہ خفائی ہونے کی کیفیت تھی کہ ایک دفعہ روز تشریف لے گئے تو بازاروں لوگ استقبالی کے لئے دیوانہ وار اٹھ دوڑے۔ اس قدر جنگار ہوا کہ لوگوں کی جوتیاں ٹوٹ گئیں اور سردی فضا غبار آلود ہو گئی۔ اتفاق سے خلیفہ ہارون رشید بھی ان دنوں مدینہ آیا ہوا تھا۔ اس کے حرم کی ایک خاتون نے شاہی محل (قصر الحشبی) کے برج سے یہ نظارہ دیکھا تو طارموں سے پوچھا: یہ اڑو حاکم کیسا ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ”خراسان کے ایک عالم تار ہے ہیں جن کا نام عبداللہ بن مبارک ہے۔ یہ سب لوگ ان کے استقبال میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے کھنکھاتے رہے ہیں۔“ بے ساختہ ہوئی۔۔۔

”واللہ بادشاہ تو حقیقت میں یہ ہیں! بھلا ہارون رشید کیا بادشاہ ہیں جو لوگوں کو سپاہیوں، چوہداروں، نوؤں اور خدمتوں سے اپنے گرد جمع کرتا ہے۔“

حضرت عبداللہ بن مبارک ”شیخ تائیین کی اس مقدس جماعت کے کل سرسید ہیں جس کا برسرِ دہلی ذات میں دین کا ستون اور زمانہ کا امام تھا۔ ان کے والد مبارک بن واضح ترک، بنو حنفیہ کے ایک رئیس کے غلام تھے وہ نہایت ہی نیک اور پندار آدمی تھے اور زہد و تقویٰ، بہت دمانت اور نہف خدا کے اعتبار سے فی الواقع اسماء حسنہ تھے۔ خطاطی و تحریر

نے اپنے باغ کی نگرانی ان کے سپرد کر رکھی تھی۔ ایک مرتبہ اس نے مبارک کو حکم دیا کہ باغ سے ایک شیریں انار تو ڈکراؤ۔ وہ گئے اور ایک انار لاکر پیش کر دیا۔ مالک نے اسے چر کر دیکھا تو ترش لگا۔ اس نے خفاء ہو کر کہا، میں نے بیٹھا انار مانگا، تم نے کھٹا لاکر دے دیا جاؤ کوئی اچھا سا شیریں انار لاؤ۔ وہ گئے اور دوسرے درخت کا انار لاکر پیش کیا۔ بد قسمتی سے وہ بھی کھٹا لگا۔ آقا کا غصہ اور بھڑک اٹھا اور اس نے انہیں ڈانٹتے ہوئے تیسری مرتبہ پھر انار لانے کے لئے بھیجا۔ اب کے بار بھی انار ترش لگا تو اس نے برا فردخت ہو کر کہا ”کیا تمہاری قوت ذاتہ ترش و شیریں کی تمیز نہیں کر سکتی؟ مبارک نے کہا ”نہیں“

آقا نے سبب پوچھا تو انہوں نے کہا ”آپ نے مجھے انار کھانے کی اجازت نہیں دی اس لئے میں نے آج تک باغ کے کسی انار کو کھینچا تک نہیں۔ میرا کام تو باغ کی دیکھ بھال کرنا ہے اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس درخت کے انار بیٹھے ہیں اور کس کے کھٹے۔“ آقا نے اپنے طور پر حالات کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ مبارک نے جو کچھ کہا تھا وہ بالکل صحیح تھا۔ اسے ان کی غیر معمولی دیانتداری اور خوف خدا پر بڑی حیرت ہوئی اور وہ ان کی بہت عزت و تکریم کرنے لگا۔

اس رئیس کی ایک لڑکی تھی جس کے لئے اونچے اونچے گھرانوں کی طرف سے پیغام آرہے تھے۔ دنیاوی ثروت کے لحاظ سے پیغام دینے والوں میں ایک سے ایک بڑھ کر تھا اس لئے رئیس فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ کون سا پیغام قبول کرے اور کون سا رد کرے۔ اسی شش و پنج میں ایک دن اس نے مبارک سے بھی اس بارے میں مشورہ کیا۔ انہوں نے بڑے اخلاص کے ساتھ کہا کہ: ”زمانہ جاہلیت میں لوگ اعلیٰ حسب و نسب والا داماد تلاش کرتے تھے۔ یہودیوں کے نزدیک داماد کے لئے مالدار ہونا ضروری تھا اور عیسائی حسن و جمال کو اہمیت دیتے تھے لیکن امت محمدیہ ﷺ کے نزدیک دیندار ہونا وجہ ترجیح ہے۔ آپ جو طریقہ مناسب سمجھیں، اختیار کر لیں۔“

آقا کو مبارک کا یہ مخلصانہ مشورہ بے حد پسند آیا۔ اس مشورے پر غور و فکر کے بعد

ایک دن اس نے اپنی بیوی سے کہا: ”مجھے اپنی نخت جگر کا شوہر بنانے کے لئے مبارک سے بہتر کوئی شخص نظر نہیں آتا۔“

بیوی نے پہلے تو مبارک کے افلاس اور کم حیثیتی کا عذر پیش کیا لیکن بالآخر وہ بھی شوہر سے شفق ہو گئی اور اپنی بیٹی کی شادی مبارک سے کر دی، ساتھ ہی انہوں نے مبارک کو آزاد کر دیا۔

حضرت عبداللہ اسی رئیس زادی کے لطن اور مبارک جیسے صاحب آفتابی باپ کی صلب سے ۱۱ھ میں مرو میں پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہؓ کے والد مبارکؓ بن واضح نہ صرف ایک متقی آدمی تھے بلکہ علم کی قدرو قیمت سے بھی بخوبی آشنا تھے۔ انہوں نے اپنے فرزند ولید کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کیا اور پوری کوشش کی کہ ان کا بیٹا علم کے آسمان پر سورج بن کر چمکے۔

اس وقت صحابہ کرام کا دور گزر چکا تھا البتہ ہزاروں تابعین و تبع تابعین اور دوسرے ارباب علم و فضل دنیاۓ اسلام کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی معروف نہر اور قصبہ ایسا نہیں تھا جو اہل فضل و کمال سے خالی ہو۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؓ کی ابتدائی تعلیم و تربیت مرو میں ہوئی اس کے بعد وہ حصول علم کے لیے مرو سے نکل کھڑے ہوئے اور سالہا سال تک شہر شہر اور قصبہ قصبہ میں گھوم پھر کر جواہر علم اپنے دامن میں سمیٹتے رہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے فاصلہ دیکھا نہ اس زمانے کے سفر کی صعوبتیں، جہاں بھی کسی صاحب علم کا پتہ چلا، انکی خدمت میں پہنچے اور مقدور پھر کتاب فیض کیا۔ امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں ”ابن المبارکؓ کے زمانہ میں ان سے زیادہ علم کا حریص اور علم کی جستجو کرنے والا کوئی نہ تھا، طلب علم کے لیے انہوں نے دور دراز ملکوں اور شہروں کا سفر کیا تھا مثلاً شام، عراق، یمن، مصر، کوفہ، بصرہ وغیرہ۔“

حضرت ابواسامہؓ فرمادیتے ہیں کہ: ”میں نے عبداللہ بن مبارکؓ سے بڑھ کر کسی کو ملک در ملک گھوم کر طلب علم کرنے والا نہیں دیکھا۔“ (تذکرۃ الحفاظ ص ۱۰۲)

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: "ابن مبارک" کے دور میں ان سے زیادہ علم تلاش کرنے والا کوئی دوسرا نہیں تھا۔" (تہذیب و تمدن)

حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں: "تحقیق علم کے شوق میں عبداللہ بن مبارکؒ کو اپنی حیثیت کی پروا بھی نہیں ہوتی تھی وہ اپنے سے چھوٹے اور فروتر لوگوں سے بھی معلومات حاصل کرتے تھے۔" (تہذیب و تمدن)

خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا بیان ہے کہ میں نے مختلف علاقوں کے چار ہزار جن شیوخ و اساتذہ سے جملہ دینی علوم حاصل کئے، ان میں سرفرست حضرت امام اعظم، حضرت ابوحنیفہ، حضرت امام سفیان ثوریؒ اور حضرت امام اوذاعیؒ ہیں۔ دوسرے شیوخ و اساتذہ سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

"امام مالک بن انسؒ، امام اشعثؒ، ہشام بن عروہؒ، حمید بن ابی حمید الطویل، موسیٰ بن عقبہ صاحب المغازیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ، سلیمان التیمیؒ، عبداللہ بن یزیدؒ، اسماعیل بن ابی خالدؒ، حمی، سفیان بن عیینہؒ، لیث بن سعدؒ، مسعر بن کدام کوئیؒ۔ ابن جریجؒ، سعید بن ابی عروبہؒ، مہران بصریؒ، حماد بن سلمہؒ، ابن ابی ذئبؒ، صالح بن صالحؒ، عمرو بن میمونؒ، جزیؒ، معمر بن راشدؒ، بصریؒ، عبداللہ بن عونؒ، بصریؒ، ابن قدامہ کوئیؒ، بریدؒ بن عبداللہ بن ابی بردہ بن ابی موسیٰ اشعریؒ، عاصم بن سلمان الاحولؒ، داود بن قیسؒ، فراقشی مدنیؒ، ابوسعید ابراہیم بن طہمان خراسانیؒ، زکریا بن ابی زائدہ کوئیؒ وغیرہ ہم۔"

امام ابوحنیفہؒ اور امام سفیان ثوریؒ سے ابن مبارکؒ کو بے حد عقیدت و محبت تھی۔ حافظ ابن حجرؒ نے "تہذیب و تمدن" میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"اگر اللہ تعالیٰ امام ابوحنیفہؒ اور سفیان ثوریؒ کے ذریعہ میری مدد نہ کرتا تو میں عام آدمیوں کی طرح ہوتا۔"

حافظ ذہبیؒ نے بھی "مناقب" میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا اسی سے ملتا جلتا قول نقل کیا ہے۔ البتہ اس میں "تو عام آدمیوں کی طرح ہوتا (كنت كسائر الناس)"

کہے جائے "تو میں ایک بدعتی شخص ہوتا (سمکت، بدعتا)" کے الفاظ ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ کا ذکر ہمیشہ بڑے احترام اور عقیدت سے کرتے مابہوں نے ان کی شان میں بہت سے اشعار بھی کہے۔ (سیرت جہدہ خلیف بغدادی)
حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ ابن مبارک نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے چشمہ علم سے پوری طرح سیراب ہونے کے بعد امام سفیان ثوریؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے خود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ "میں سفیان ثوریؒ کے ساتھ اس وقت تک وابستہ نہیں ہوا جب تک میں نے امام ابوحنیفہؒ کے علوم پر پوری دسترس حاصل نہ کر لی۔" (دسترس کی وضاحت انہوں نے ہاتھ کی ٹمٹی بند کر کے کی)

حضرت عبداللہ بن مبارک متفصل علم کے سلسلے میں امام ابو زامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو عجیب واقعہ پیش آیا۔ علامہ خلیف بغدادیؒ نے اسے تاریخ بغداد میں "ابن مبارک" کی زبانی یوں نقل کیا ہے: "میں طلب علم کے لیے شام گیا اور بیروت (جو اس زمانے میں شام کا ایک حصہ تھا) جا کر امام ازامیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا اے خراسانی، کونہ میں یہ کون بدعتی ابوحنیفہؒ پیدا ہوا ہے؟ میں کہیں گھر واپس آیا، امام ابوحنیفہؒ کی کتابیں نکالیں اور ان میں سے چیدہ چیدہ مسائل چھانٹ کر نکالے (اور انہیں کتاب کی صورت میں مرتب کیا) اس میں تین دن لگ سکے۔ تیسرے روز یہ کتاب ہاتھ میں لیے ان کے پاس گیا۔۔۔ وہ مسجد کے مؤذن بھی تھے اور امام بھی۔ میرے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر کہا، یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا، یہ ملاحظہ فرمائیے۔ انہوں نے ایک مسئلہ پر نظر ڈالی جس پر لکھا تھا قال الحسن اذان کہہ کر کتاب کا پہلا حصہ پڑھ لیا۔ پڑھ کر کتاب آستین میں رکھ لی۔ پھر تکبیر کہہ کر نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو کر کتاب نکالی اور سب پڑھ لی۔ اس کے بعد مجھ سے دریافت فرمایا اے خراسانی! یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا ایک شیخ ہیں، عراقی، ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ امام ابو زامیؒ نے فرمایا، بڑی شان کے شیخ ہیں، جاؤ اور ان سے بہت سافیش حاصل کرو۔ میں نے کہا یہ وہی ابوحنیفہؒ ہیں جن

سے آپ نے مجھ کو روکا تھا۔“ اس طرح ابن مبارکؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام اوزاعیؒ کی غائبانہ غلط فہمی کو نہایت خوبصورت انداز میں دور کر دیا اور پھر امام اوزاعیؒ کے فیضان علمی سے بھی خوب بہرہ یاب ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو غیر معمولی قوت حافظہ عطا کی تھی اور وہ نہایت ذہین اور ذکی تھے۔ اپنے بے پناہ شوق علم، محنت، جستجو، قوت حافظہ، ذہانت، ذکاوت اور بڑے بڑے ائمہ عصر کے فیض صحبت کی بدولت چند سال کے اندر اندر وہ مسند علم و فن کے صدر نشین بن گئے۔ یہاں تک کہ ان کے شیوخ اور اساتذہ نے بھی انکے کمالات علمی کا برملا اعتراف کیا۔ امام سفیان ثوریؒ سے ایک مرتبہ کسی خراسانی نے کوئی مسئلہ پوچھا۔ انہوں نے فرمایا ”تمہارے پاس مشرق و مغرب کے سب سے بڑے عالم عبداللہ بن مبارک موجود ہیں ان سے کیوں دریافت نہیں کرتے؟“ ایک اور روایت میں ہے کہ کسی شخص نے امام سفیان ثوریؒ کے سامنے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو ”عالم المشرق“ کہہ کر خطاب کیا۔ امام سفیان ثوریؒ نے فرمایا، کیا کہہ رہے ہو وہ تو ”عالم المشرق والمغرب“ ہیں۔

(بخاری، خطیب بغدادی)

عبداللہ بن سنانؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے تو حضرت سفیان بن عیینہؒ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ ان کو رخصت کرنے دور تک ساتھ گئے۔ اٹارے راہ میں ان میں سے ایک نے کہا ”یہ فقیہ اہل مشرق ہیں تو دوسرے نے ٹوکتے ہوئے کہا اہل مشرق ہی کے نہیں اہل مغرب کے فقیہ ہیں۔“ (تذکرہ الفقہاء ذہبی)

ابن حبانؒ کا قول ہے کہ ابن مبارکؒ میں اہل علم کے اتنے خصائل جمع ہو گئے تھے کہ ان کے عہد میں تمام کرہ ارض پر کسی میں مجتمع نہیں ہوئے تھے۔ (تہذیب الفقہاء ابن حجر)

علی بن المدینیؒ عثمان بن طلوتؒ سے روایت کرتے ہیں کہ کمال علم دو آدمیوں پر ختم ہو گیا، عبداللہ بن مبارکؒ اور یحییٰ بن معینؒ پر۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ”عبداللہ بن مبارکؒ کی امامت و جلالت پر سب کا اتفاق

ہے۔ وہ تمام چیزوں میں امام تھے۔ ان کے ذکر سے نزول رحمت ہوتا تھا، اور ان کی محبت کی وجہ سے بخشش کی امید کی جاتی تھی۔ (تہذیب الاسلام)

امام ذہبیؒ ان کا تعارف یوں کراتے ہیں: "ابن المبارک، امام حافظ، علامہ شیخ الاسلام، فخر المجاہدین اور قدوۃ الزاہدین۔" (تذکرہ اہل طحاہ)

اسماعیل بن عیاشؒ فرماتے ہیں "روئے زمین پر ابن المبارکؒ کی مثال موجود نہیں۔"

امام نسائی کا قول ہے کہ میں ابن المبارکؒ کے زمانے میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو مرتبے میں ان سے زیادہ ہو اور جس کے اندر تمام خصائل حمیدہ اس جامعیت کے ساتھ پائے جاتے ہوں۔

امام مالک بن انسؒ فرماتے تھے "ابن المبارک خراسان کے فقیہ ہیں ابو اسحاق موطا ریؒ کا قول ہے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ تمام مسلمانوں کے امام ہیں (خلیفہ عرب بعد ازیں) حافظ بن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں "ابن المبارکؒ ماہر حدیث اور حافظ اللہ یث ہیں۔" (تہذیب و تہذیب)

یحییٰ بن معینؒ کے سامنے کسی نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا "وہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار تھے۔" (سید المسلمین)

علامہ ابن سعدؒ لکھتے ہیں: "ابن المبارکؒ نے علم کی تحصیل کا حق ادا کرنے کے لیے کثیر روایات بیان کیں، علم کے مختلف ابواب و اقسام پر متعدد کتابیں لکھیں تصنیف کیں، زہد اور ترغیب جہاد میں شعر کہے، وہ معتبر تھے، حجت تھے، کثیر اللہ یث تھے اور اس قابل تھے کہ ان کے قول کو سند تعلیم کیا جائے۔" (تہذیب و تہذیب)

حسن بن ہستیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ علماء کے ایک اجتماع میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے اوصاف و خصائل کا ذکر چمڑ گیا تو سب نے بالالاف اتفاق تسلیم کیا کہ وہ ایک جامع الصفات ہستی ہیں علم دین، فقہ ادب، نحو، لغت، شعر، فصاحت، زہد، تقویٰ، کم گوئی، قیام اللیل

عبادت، حج، جہاد، شہسواری، شجاعت، صحت مندی، شہزوری، کم آمیزی، مہمل گوئی سے اجتناب وغیرہ صفات انکی ذات میں جمع ہو گئیں تھیں۔ (تذکرہ الفاظ)

غرض حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے ہم عصر اور بعد کے علماء سلف سبھی نے ان کے کمالات علمی اور سیرت و کرداری کی بڑے موثر الفاظ میں تعریف و توصیف کی ہے ابن مبارکؒ کے ہم عصر علماء جن میں بعض امام وقت تھے، نہ صرف ان کی تعریف زبان سے کرتے تھے بلکہ عملی طور پر بھی ان کی بے حد تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

یحییٰ بن یحییٰ اندلسیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہم امام مالک بن انسؒ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ ابن المبارک تشریف لائے۔ امام مالکؒ خود جو کبھی کسی کے لیے نہیں اٹھتے تھے اور نہ اپنی نشست تبدیل کرتے تھے، اٹھ بیٹھے اور اپنی نشست بدل کر ابن المبارکؒ کو اپنے پاس بیٹھا لیا۔ (تمذیب لعبد بن النجری)

حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام مالک ابن انسؒ حدیث کا درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے عبداللہ بن مبارکؒ بھی پہنچ گئے۔ ایک شاگرد نے ابن المبارکؒ سے مخاطب ہو کر کہا، اس مسئلہ کے بارے میں آپ لوگوں یعنی اہل خراسان کے پاس کوئی حدیث یا اثر ہو تو پیش کیجئے۔ ابن المبارکؒ غایت احترام میں اور ازراہ حسن ادب بہت آہستہ آہستہ جواب دیتے رہے۔ امام مالکؒ کو ان کا حسن ادب اور انداز بہت پسند آیا۔ جب وہ چلے گئے تو انہوں نے اہل مجلس سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہ عبداللہ بن مبارکؒ، خراسان کے فقیہ ہیں۔ (تذکرہ الفاظ)

احمد بن سنانؒ سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مبارکؒ پہلی مرتبہ حماد بن زیدؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے دریافت کیا، آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ جواب دیا، خراسان سے پوچھا، خراسان کے کس شہر سے، عرض کیا مرو سے۔ اب حمادؒ نے پوچھا، وہاں کے ایک صاحب عبداللہ بن مبارکؒ کو بھی جانتے ہیں؟ عرض کیا، جانتا ہوں، پوچھا وہ کیسے؟ بولے عبداللہ بن مبارکؒ ہی تو آپ کے سامنے حاضر ہے۔ حماد بن زیدؒ نے قرار ہو گئے سلام

کیا اور مرجعاً کہتے ہوئے نگلے لگالیا۔ (تاریخ خطیب بغدادی)

حضرت عبداللہ بن مبارک قرآن حدیث، فقہ، سیرت و مغازی اور دوسرے دینی علوم کے علاوہ زبان و ادب، لغت و شاعری وغیرہ کے بھی بحرِ ذخار تھے گویا ان کی ذات دینی و دنیوی علوم کی جامع تھی یہاں تک کہ علم طب بھی ان کی دسترس سے باہر نہیں تھا۔ حافظ ذہبیؒ نے ”مذکرۃ الحفاظ“ میں حسنؒ سے روایت کی ہے کہ ابن المبارکؒ ایک دن امام سفیان ثوریؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ وہ شدت کرب میں کرا رہے ہیں۔ دریافت کیا، آپ کو کیا تکلیف ہے؟ انہوں نے مرض کی کیفیت بیان کی۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے اسی وقت پیاز کی ایک ٹکٹھی منگوائی اور اسے کاٹ کر حضرت سفیان ثوریؒ سے کہا، اسے سوکھئے انہوں نے تھوڑی دیر اس کو سوکھا تو ایک چھینک آئی اور طبیعت بالکل بحال ہو گئی۔ اس وقت حضرت امام ثوریؒ کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے:

”سبحان اللہ آپ فقیہ بھی ہیں طبیب بھی۔“

شعر و شاعری کا ذوق نہایت پاکیزہ تھا، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کے جو اشعار نقل کئے ہیں ان پر اخلاقی تعلیمات کی گہری چھاپ ہے۔

فقہ میں اتنا بلند مقام حاصل تھا کہ ان کی موجودگی میں بڑے بڑے علماء فقیہ مسئلہ بتانے سے احتراز کرتے تھے۔ اگرچہ فقہ و اجتہاد میں وہ اپنے جلیل القدر استاد حضرت امام ابوحنیفہؒ کو مرتبہ کو نہیں پہنچتے تاہم امام مالکؒ، امام نوویؒ، امام ذہبیؒ ابن ہمامؒ حنفیؒ ابن شمسؒ اور حافظ حجرؒ بھی نے ان کے تفقہ کا اعتراف کیا ہے۔

علم حدیث سے حضرت عبداللہ کو خاص شغف حاصل تھا اسی لیے وہ ایک یگانہ روزگار محدث اور امام العصر تسلیم کئے گئے۔ علم حدیث میں ان کے مرتبہ کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ان کے معاصر محدثین میں اگر حدیث کے بارے میں اختلاف ہوتا تو وہ فیصلہ کے لئے ان کی طرف رجوع کرتے کیونکہ تمام کے نزدیک ابن مبارکؒ حفظ حدیث کے اعتبار سے حکم فی الحدیث کی حیثیت رکھتے تھے۔ علم حدیث کے لیے جس قوت حافظہ کی

ضرورت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابن مبارکؒ کو اس سے دافر حد عطا کیا تھا۔ خطیب بغدادی نے ان کے ایک دوسرے معاصر صحیحی زبانی اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میں اور ابن مبارکؒ نے خطیب کا طویل خطبہ سنا۔ خطبہ ختم ہوا تو ابن مبارکؒ نے فرمایا، مجھ کو یہ تمام خطبہ یاد ہو گیا پھر انہوں نے ایک شخص کی فرمائش پر اسی وقت وہ خطبہ شروع سے اخیر تک سنا دیا۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ایک دن عشاہ کی نماز کے بعد علی بن الحسن بن شفیق سے ایک حدیث کے بارے میں گفتگو چمڑی۔ ساری رات اسی گفتگو میں مسجد کے دروازے پر کھڑے کھڑے گزرتی لیکن ابن المبارکؒ کو اس کی بھی نہ ہوا۔ (تذکرہ اہلاد) امام احمد ضلعی کا قول ہے کہ ابن المبارکؒ صاحب الحدیث اور حافظ الحدیث تھے۔

(تہذیب احمدیہ)

حدیث سے اپنے والہانہ شغف کی بنا پر گھر سے بہت کم باہر نکلتے تھے۔ نعیم بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ کسی نے پوچھا، آپ کو مکان میں ہر وقت تنہا بیٹھنے رہنے سے دشت نہیں ہوتی؟ فرمایا، ”دشت کیسے ہو سکتی ہے جب کہ اس تنہائی میں رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے فیض سے شرفیاب ہوتا ہوں۔“ (دار بغداد، خطیب بغدادی)

کتب حدیث میں حضرت ابن المبارکؒ سے مروی روایات کی تعداد بیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ اپنی روایات کے بارے میں اسناد کا خاص تعلق رکھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ روایت کو ہر مرحلہ میں لفطہ عن لفطہ ہونا چاہیے۔ (یعنی معتبر شخص، معتبر شخص سے روایت کرے) (تذکرہ اہلاد)

اپنے بحر علمی اور زبردست قوت حافظہ کے باوجود اس قدر احتیاط تھے کہ محض حفظ سے روایت نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب دیکھ کر بیان کرتے تھے۔ امام احمد ضلعی کا قول ہے ”ابن المبارکؒ صاحب حدیث اور حافظ الحدیث تھے اور کتاب سے حدیث بیان کرتے تھے۔“ (تہذیب احمدیہ)

حدیث نبوی ﷺ کا ان کے دل میں حد سے زیادہ احترام تھا۔ روایت و سماع کے

خاص اوقات مقرر کر رکھے تھے۔ صرف سماع حدیث کے اہل حضرات کے سامنے ہی حدیث بیان کرتے تھے۔ وہ ایسی بات برداشت نہیں کرتے تھے جس سے حدیث کی شان اور وقار میں ذرا بھی تخفیف کا پہلو نکلتا ہو۔

ایک مرتبہ ایک شخص طویل مسافت طے کر کے سماع حدیث کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور آتے ہی روایت حدیث کی درخواست کی۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اس نے اپنے ملازم سے کہا: ”چلو“ اور سواری پر بیٹھ کر چلنے لگا۔ حضرت عبداللہ نے فوراً اٹھ کر رکاب تھام لی۔ اس شخص سے کہا: ”آپ نے حدیث تو سنائی نہیں لیکن میری سواری کی رکاب تھام رہے ہیں۔ فرمایا: ہاں میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ تمہارے لیے اپنی ذات کو ذلیل کر دوں لیکن حدیث نبوی ﷺ کی تو جین مجھے گوارا نہیں۔“ (تذکرۃ الحفاظ)

ایک اور موقع پر کسی شخص نے راستہ میں ان میں سے روایت حدیث کی درخواست کی۔ فرمایا: ”یہ موقع حدیث کی روایت و سماع کا نہیں ہے“ (تابع یابین)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اگرچہ علم و فضل کے بحر بے کراں بن گئے تھے لیکن ان کے سینے میں تحصیل علم کے شوق کی شمع عمر بھر فروزاں رہی۔ حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابن المبارکؒ سے پوچھا گیا کہ آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے تو انہوں نے جواب دیا: موت تک ان شاء اللہ۔

ایک اور موقع پر اسی قسم کے سوال کے جواب میں فرمایا: ”شاید وہ کلمہ اب تک میں نے نہ سنا ہو جو میرے کام آئے۔“ (اعلم العلماء)

چنانچہ جہاں ایک دنیا ان کے خوان علم کی زیرہ چمین تھی وہ خود بھی زندگی کے کسی دور میں بھی دوسروں کے فیوض علمی سے بہرہ یاب ہونے کا موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی زندگی کا بیشتر حصہ سفر میں گزرا۔ لڑکپن سے جوانی تک کے زمانے میں تحصیل علم کے سلسلے میں سفر کرتے رہے۔ اس کے بعد اکثر تجارت

ہج، جہاد فی سبیل اللہ، دعوت و تبلیغ اور ارشاد و اصلاح کے لیے پابز کا ب رہے۔ یہی سبب تھا کہ وہ کسی خاص مقام پر مجلس درس قائم نہیں کر سکے لیکن ان کے کمالات علمی نے ایک دنیا کو سخر کر لیا تھا جہاں بھی جاتے لوگ جوق در جوق انکے گرو جمع ہو جاتے اور مقدور بحر اکتساب فیض کرتے تھے۔ حافظ ذہبی کا بیان ہے کہ ممالک اسلامیہ کے اس قدر لوگوں نے ان سے استفادہ کیا کہ ان کا شمار کرنا ممکن نہیں۔

طبعاً شہرت سے متغیر تھے اور گمنام رہنا پسند کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں معلوم ہو جاتا کسی شاگرد نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے قال عبد اللہ بن المبارک لکھا ہے تو اس کے پاس جاتا تو بھیجتے تھے کہ اس سے میرا نام تصنیف میں سے چھیل دو میری کیا حقیقت ہے کہ کسی قول کو میری طرف سے منسوب کیا جائے لیکن خدا کی قدرت جس قدر بھی انہوں نے گمنام رہنے کی کوشش کی اسی قدر شہرت بڑھتی چلی گئی اور وہ مرجع خلافت بن گئے۔

آج کل سفر کے لئے جس قدر آسانیاں اور سہولتیں میسر ہیں ابن المبارکؒ کے زمانے میں ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ آج جو سفر چند ساعتوں میں طے ہو جاتا ہے اس زمانے میں ہفتوں اور مہینوں میں طے ہوتا تھا اور پھر راستے میں جو دشواریاں اور مصیبتیں پیش آتی تھیں ان کی تفصیل جان کر رو ٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ کے لاتعداد سفروں پر نظر ڈالیں تو لامحالہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان کی زندگی بالکل مجاہدانہ تھی۔ کبھی مرو میں تو کبھی بغداد میں، کبھی بصرہ میں ہے تو کبھی رقبہ میں، کبھی شام میں ہیں تو کبھی مصر میں، کبھی حجاز میں ہیں تو کبھی یمن میں۔ انہوں نے تجارت میں لاکھوں روپے پیدا کئے اور لاکھوں ہی راہ حق میں صرف کئے۔ فی الحقیقت ان کے سفر کا عنوان ”تجارت“ ہوتا تھا لیکن اس کی روح علمی افلاہ و استفادہ اور مخلوق خدا کی خدمت ہوتی تھی۔

حضرت ابن المبارکؒ کے چند حلا میذ اور رواق کے اسماء گرامی یہ ہیں۔ (ان میں عظیم المرتبت ہستیاں بھی ہیں جن کی روایات کو صحاح ستہ کے محدثین نے اپنی کتابوں میں درج کیا ہے اور ایسی بھی جن کو درجہ گام حاصل ہوا اور خلق کثیر نے ان سے کسب فیض کیا۔)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ پر ہزار درجہ فضیلت رکھتا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو رسول اللہ ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا شرف حاصل ہوا ہے اور جب حضور ﷺ نے سمع اللہ لمن حمدہ فرمایا تو جواب میں حضرت معاویہؓ نے ربنا لک الحمد کہا۔ کیا اس کے بعد بھی سوال کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟
(ذیلیات ایمان)

خشیت الہی کی یہ کیفیت تھی کہ ہر وقت اللہ کے خوف سے لرزاں و ترساں رہتے تھے۔ نعیم بن حوا سے روایت ہے کہ جب وہ (اپنی تالیف) ”کتاب الزہد والرتقاء“ طلبہ کے سامنے پڑھتے تو ان پر سخت رقت طاری ہو جاتی تھی اور (جوش گریہ میں) ان کے منہ سے اس طرح آواز نکلتی تھی جیسے ذبح کی ہوئی گائے کے منہ سے۔ اس وقت وہ بات کرنے کے قابل نہیں رہتے تھے۔
(تاریخ خلیف بغدادی)

حضرت امام احمد بن حنبلؓ فرمایا کرتے تھے کہ عبد اللہ بن مبارکؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو اونچا مرتبہ دیا وہ اس بنا پر تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔ (مشوہات ابن جریر)
ابن المبارکؒ کے ایک ہم عصر عالم قاسم بن محمدؒ سے روایت ہے کہ اکثر سفر میں عبد اللہ بن مبارکؒ کے ساتھ رہتا تھا۔ کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا تھا کہ آخر ان میں وہ کوئی خوبی ہے جس کی بنا پر ان کی اتنی قدر ہے اور مخلوق خدا ان کی راہ میں آنکھیں بچھاتی ہے نماز وہ بھی پڑھتے ہیں ہم بھی پڑھتے ہیں روزے وہ رکھتے ہیں تو ہم رکھتے ہیں وہ حج کو جاتے ہیں تو ہم بھی جاتے ہیں وہ خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہیں تو ہم بھی جہاد میں شریک ہوتے ہیں لیکن جہاں دیکھیں ہر ایک کی زبان پر عبد اللہ بن مبارکؒ کا ہی نام ہے۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ شام کی طرف سفر کر رہے تھے۔ راستے میں رات آگئی۔ ایک جگہ قیام کیا۔ کھانے کے لیے جب دسترخوان پر بیٹھے تو اتفاقاً چراغ بجھ گیا اور اندھیرا ہو گیا۔ ایک آدمی نے اٹھ کر چراغ جلایا جب روشنی ہوئی تو کیا دیکھتا ہوں کہ عبد اللہ بن مبارکؒ کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہے۔ میں سمجھ گیا کہ اندھیرے میں ان کو قبر کا اندھیرا یاد آ گیا اور ان پر رقت طاری ہو گئی۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ یہی خوف خدا ان کے فضل و شرف کا باعث ہے۔

(منقولہ اہل سنت و اہل بیت جلد ۱)

ابن المبارکؒ اگر خالق اور مخلوق کے معاملے میں انتہائی رقیق القلب تھے تو باطل کے مقابلے میں شیرِ ثیاں تھے جب موقع ملتا جہاد میں شریک ہوتے اور میدانِ جنگ میں شجاعت و بسالت کا حق ادا کر دیتے۔ ایک دفعہ کچھ لوگوں کو شبہ پیدا ہوا کہ وہ عزالت پسند ہیں اور جہاد سے کوئی رغبت نہیں رکھتے لیکن جب رومیوں کے خلاف ایک لڑائی میں غلبہ پوش مجاہد نے کئی رومیوں کو یکے بعد دیگرے ڈھیر کر دیا تو اس مجاہد کے چہرے سے کپڑا ہٹانے کے بعد وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ مجاہد عبداللہ بن مبارکؒ تھے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ اکثر مصیبت اور طرطوس وغیرہ کا سفر کرتے تھے اور یہ سفر محض شرکتِ جہاد کے لیے ہوا کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی مجوس سے مقابلہ پیش آ گیا۔ لڑائی کے دوران میں مجوسی کی عبادت کا وقت آ گیا۔ اس نے ان سے مہلت چاہی کہ میں عبادت سے فارغ ہو لوں اس کے بعد تم سے نبرد آزما ہوں گا۔ وہ مان گئے۔ مجوسی نے سورج کے سامنے سجدہ کیا تو ان کو سخت غصہ آیا اور اس کو قتل کرنا چاہا لیکن پھر حکم الہی کا خیال آیا کہ عہد کی باز پرسی ہوگی تو ضبط سے کام لیا۔ مجوسی عبادت سے فارغ ہوا تو ان کی پاسداری عہد سے اتنا متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

دینی و دنیوی وجاہت اور جلالتِ قدر کے باوجود حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی طبیعت میں عجز و انکساری اور فروتنی کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ اپنی تعریف سنا کر انہیں کرتے تھے اور اپنی تعظیم و تکریم کے مظاہرے بھی پسند نہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ابوہب مروزی نے پوچھا کہ تکبر کی تعریف کیا ہے؟ فرمایا ”تکبر یہ ہے کہ دوسروں کو حقیر اور خود کو باعزت سمجھا جائے۔“ پھر فرمایا ”تکبر میں یہ بھی داخل ہے کہ تم اپنی کسی چیز کی نسبت یہ خیال کرو کہ یہ کسی اور کے پاس نہیں ہے۔“

فرمایا کرتے تھے ”جس شخص نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس کی علامت یہ ہوگی کہ وہ

اپنے آپ کو کتے سے بھی ذلیل سمجھنے لگا۔“

ایک مرتبہ کسی سہیل پر پانی پینے کے لیے گئے۔ وہاں بھیڑتھی لوگوں کا ریٹا جوا آیا تو دھکا لگنے سے دور جا گرے۔ جب وہاں سے واپس چلنے لگے تو حسنؑ سے جوان کے ساتھ تھے کہنے لگے ”زندگی ایسی ہی ہو کہ نہ لوگ ہمیں پہچانیں اور نہ ہماری توقیر کریں۔“

مرو میں ان کے پاس ایک وسیع مکان تھا جس میں ہر وقت عقیدت مندوں کا ہجوم رہتا۔ ان کو یہ عقیدت مندی نا پسند تھی کچھ عرصہ تو اسے برداشت کیا لیکن جب دیکھا کہ اس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو مرو سے کوفہ چلے گئے اور وہاں ایک تنگ و تاریک مکان میں قیام پزیر ہو گئے۔ لوگوں نے پوچھا ”حضرت اتنا کشادہ مکان چھوڑ کر اس تنگ و تاریک مکان میں رہنے سے آپ کی طبیعت نہیں گھبراتی؟“ فرمایا ”لوگ عقیدت مندوں کے ہجوم میں رہنا پسند کرتے ہیں لیکن میں اس کو نہ پسند کرتا ہوں اسی لیے تو مرو سے کوفہ بھاگ آیا ہوں۔“

عام لوگوں کے ساتھ تو ان کے عجز و انکسار کی یہی کیفیت تھی لیکن حاکموں اور امیروں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور ان کے پاس جانا و قار علم کے منافی سمجھتے تھے۔ ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ خلیفہ ہارون الرشید ”عین ذربہ“ آیا تو اس نے دو تین مرتبہ عبد اللہ مبارکؑ سے ملنے کی خواہش کی لیکن میں نے کسی نہ کسی حیلے سے ٹال دیا۔۔۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا ان کے سامنے دین و شریعت کے خلاف کوئی بات ہوگی تو وہ خلیفہ کو سختی سے روکیں گے اور یہ بات اسے ناگوار گزرے گی۔ اتفاقاً ایک دن عبد اللہ بن مبارکؑ خود ہی خلیفہ سے ملنے تشریف لے آئے۔ ملاقات کے بعد کسی نے ان پوچھا ”آپ تو ہارون الرشید کی ملاقات سے گریز کرتے تھے اب کیسے آگئے؟“ فرمایا ”میں اپنے دل کو موت پر راضی کرنا چاہتا تھا مگر وہ نہیں ہوتا تھا اب جب کہ وہ راضی ہو گیا ہے تو میں ہارون سے ملنے آ گیا۔“ گویا وہ ہارون الرشید کے سامنے حق گوئی سے باز نہیں رہ سکتے تھے اور اس کا نتیجہ ان کے قتل کی صورت میں بھی کھل سکتا تھا، جب ان کا نفس اپنی موت پر راضی ہو گیا تو وہ بے دھڑک خلیفہ کے پاس آ گئے۔ کسی دنیوی غرض کے لیے تو حکمرانوں سے انکے ملنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ان کو نہ صرف

خود امراء و سلاطین سے ملنا ناپسند تھا بلکہ وہ اپنے احباب و اقرباء کو بھی اس سے منع کیا کرتے تھے۔ ان کے ایک عزیز دوست اور شاگرد اسماعیل بن علیہؑ تھے وہ بھی بہت بڑے عالم اور محدث تھے اور کاروبار میں انکے شریک تھے۔ انہوں نے بعض حاکموں اور امیروں کے پاس آنا جانا شروع کر دیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ امراء حکام کے ساتھ ان کا یہ اٹھنا بیٹھنا اس سبب سے تھا کہ انہوں نے زکوٰۃ و صدقات کی تحصیلداری کا عہدہ قبول کر لیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے سخت ناگواری کا اظہار کیا۔ ایک دن اسماعیل انکی مجلس میں آئے تو ان سے مخاطب نہیں ہوئے اسماعیل کو بہت رنج ہوا مگر جا کر ابن المبارک کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں انکی بے توقہی اور ناراضگی کا سبب دریافت کیا۔ اس خط کے جواب میں حضرت عبداللہؒ نے چند اشعار لکھ بیچے جن کا مطلب یہ تھا ”تم نے علم دین کو ایسا باز بنا دیا ہے جو غریبوں کا مال سمیٹ کر کھا جاتا ہے۔ تم نے دنیا اور اس کی لذتوں کے لیے ایسی تدبیر اختیار کی ہے جو تمہارے دین کو چھوٹ کر رکھ دے گی۔ تمہاری وہ روایتیں کیا ہوئیں جو تم خود بیان کیا کرتے تھے اور جن میں دنیا دار حاکموں سے میل جول رکھنے کی وعید آئی ہے دیکھو دنیا پرست پادریوں کی طرح دین سے دنیا نہ کماؤ۔ اسماعیل یہ اشعار پڑھ کر رونے لگے اور اسی وقت اپنے عہد سے مستعفی ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کے نزدیک علم دین کو دولت کمانے کا ذریعہ بنانا جائز نہیں تھا۔ اس لیے انہوں نے تجارت کو اپنا ذریعہ معاش بنایا تھا۔ وہ عموماً خراسان سے قیمتی سامان لاتے اور حجاز میں فروخت کرتے تھے۔ اللہ نے تجارت میں خوب برکت دی تھی لاکھوں ہی کماتے تھے اور لاکھوں ہی رضائے الہی کی خاطر کارہائے خیر میں صرف کرتے تھے۔ ان کی تجارت کا مقصد سرمایہ دار بن کر اپنی ذات کے لیے سامان عیش و راحت جمع کرنا نہیں تھا بلکہ اس کے ذریعے سے ایک تو وہ اپنی معیشت میں دوسروں کی دست نگیری سے بے نیاز ہونا چاہتے تھے اور دوسرے خلق خدا کی خدمت میں کرنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ ان کے شاگرد حضرت فضیل بن عیاض نے پوچھا ”حضرت آپ ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ دنیا میں

دل نہ لگاؤ اور آخرت کی فکر کرو لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ خود خراسان سے بیش قیمت سامان تجارت لاتے ہیں اور اسے بلد الحرام میں فروخت کرتے ہیں؟ فرمایا: ”اے ابوعبلی! یہ میں اس لیے کرتا ہوں کہ مصائب سے بچ سکوں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کر سکوں اور اس کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کروں اور اللہ کی طرف سے انہوں پر ایوں کے جو حقوق مجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کی طرف سبقت کر کے اچھی طرح ادا کر سکوں۔ ایک اور موقع پر حضرت فضیلؓ سے فرمایا: اگر تم اور تمہارے ساتھی نہ ہوتے تو میں تجارت کی کھکھیر نہ اٹھاتا۔ حضرت ابن المبارکؓ کی آمدنی کے مصارف کی بڑی بڑی حدیں یہ تھیں۔

۱۔ مہمان نوازی

دستر خوان بہت وسیع تھا سفر میں ہوں یا حضر میں مہمان نوازی کا خاص التزام تھا دوست احباب ہوں یا اعزہ و اقارب فقراء ہوں یا امراء پڑوسی ہوں یا اجنبی مسافر ہوں یا مقامی ان کے دسترخوان پر سب کو دعوت عام تھی۔ کم از کم دو چھڑوں کا گوشت روزانہ مہمان نوازی میں خرچ ہوتا تھا۔ مرغیوں اور بکریوں کا گوشت بھی پکاتا تھا۔ ابو اخطب طالقانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ سفر کر رہے تھے تو ان کے ساتھ دو اونٹنیوں پر بھنی ہوئی مرغیاں لدی ہوئی تھیں۔ یہ ان مسافروں کے لیے تھی جو ان کے ہم سفر تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ سفر میں ان کے دسترخوان کا سامان ایک یا دو گاڑیوں پر لاداجاتا تھا۔ اگر کوئی چیز کھانے کو دل کرتا تو کبھی تہانہ کھاتے۔ کسی نہ کسی مہمان یا مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر تناول کرتے اور فرماتے کہ مہمانوں کے ساتھ جو کھانا کھایا جاتا ہے آخرت میں اس کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ خود روزے کثرت سے رکھتے تھے لیکن اپنے ساتھیوں کو قافلوہ اور مٹوہ بنوانوا کر کھلایا کرتے تھے۔

۲۔ علماء اور طلبہ کی اعانت

علماء اور طلبہ کی اعانت کے لیے ابن المبارکؓ اپنا مال بے دریغ لٹاتے رہتے تھے۔ اس معاملے میں ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ علماء اور طلبہ کو فکر معاش سے آزاد کر دیا جائے تاکہ

یکسوئی سے اشاعت علم اور تحصیل علم کر سکیں۔ وہ ایسے علماء اور طلبہ کی ڈھونڈ ڈھونڈ کر مدد کرتے تھے جو معاشی لحاظ سے پریشان حال ہوتے۔ اس مقصد کے لیے وہ جتنا روپیہ اپنے شہر کے علماء و طلبہ پر خرچ کرتے تھے اس کے کہیں زیادہ مال دوسرے شہروں کے علماء و طلبہ میں تقسیم کرتے تھے۔ خطیب بغدادیؒ نے حبان بن موسیٰ سے روایت کی ہے کہ بعض لوگوں نے ان سے شکایت کی کہ آپ اپنے شہر پر اتنا مال تقسیم نہیں کرتے جتنا دوسروں شہروں میں تقسیم کرتے ہیں۔ اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا:

”جن علماء و طلبہ پر اپنا مال خرچ کرتا ہوں میں ان کے علم و فضل اور صدق و دیانت سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ لوگ علم دین کی اشاعت و طلب میں لگے ہوئے ہیں۔ آخر ان کی ذاتی (خانگی) ضرورتیں بھی تو وہی ہیں جو دوسروں لوگوں کی ہیں۔ اگر یہ لوگ بھی اپنی ضروریات زندگی میں پوری کرنے لگ جائیں تو علم ضائع ہو جائیگا۔ اگر ہم نے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا تو یہ یکسوئی کے ساتھ علم کی اشاعت کریں گے اور میرے نزدیک نبوت کے ختم ہونے کے بعد علم کی اشاعت سے افضل دوسرا کوئی کام نہیں ہے۔“

ایک مرتبہ ان سے کہا گیا کہ اہل علم (یعنی طالبین علم) کی ایک جماعت لوگوں سے اموال زکوٰۃ لیتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ پھر ہم کیا کریں اگر ہم ان کو اس سے منع کر دیں تو وہ طلب علم سے رک جائیں گے جب کہ معاش کا کوئی ذریعہ ان کے پاس نہیں ہے اور اگر ہم ان کو اس کے لئے اجازت دے دیں تو وہ یکسوئی کے ساتھ حصول علم میں لگے رہیں گے اور یہ کام دوسرے سب کاموں سے افضل ہے۔

۳۔ حجاج کی امداد

حضرت عبداللہ بن مبارک کا معمول تھا کہ جب حج کے لیے روانہ ہونے لگتے تو اپنے تمام رکھائے سفر سے فرماتے کہ تم لوگ اپنا سفر خرچ میرے پاس جمع کرادو۔ جب وہ اپنی رقبیں ان کے حوالے کر دیتے تو وہ ہر ایک کی رقم کو الگ الگ قہیلیوں میں بند کر کے ہر

تھیلی پر اس کے مالک کا نام لکھ دیتے پھر ان سب تھیلیوں کو ایک صندوق میں رکھ کر مطلق کر دیتے۔ پورے سفر میں جو خرچ ہوتا اس کو خود برداشت کرتے۔ ان لوگوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھلاتے اور ہر طرح کی آسائشیں مہیا کرتے۔ فریضہ حج سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ منورہ پہنچتے تو ان سے پوچھ پوچھ کر سب کے اہل و عیال کے لیے حسب مشائخہ خرید کر دیتے۔ سفر حج ختم کر کے گھر واپس آتے تو اس زمانے کے حجاج کے دستور کے مطابق ان کے مکانات پر سفیدی وغیرہ کراتے۔ تین دن کے بعد تمام رفتائے سفر اور ان کے اعزہ اوقارب کی پر تکلف دعوت کرتے، اس سے فارغ ہو کر صندوق کھول کر ہر ایک تھیلی جس پر ان کا نام لکھا ہوتا تھا اس کے حوالے کر دیتے تھے۔ راوی کا بیان ہے کہ زندگی بھر ان کا یہی شعار رہا۔

۴۔ جو دو سخا اور اہل حاجت کی امداد

خطیب بغدادی نے "تاریخ بغداد" میں علی بن حسن بن شفیق سے روایت کی ہے کہ ابن المبارکؒ ہر سال فقراء پر ایک لاکھ درہم خرچ کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی کتاب سیرت میں متعدد ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بے حد فیاض اور سیر چشم تھے اور اہل حاجت کی امداد کے لیے ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔

ایک مرتبہ (قائل) جہاد میں شریک ہونے کے لیے بغداد سے مصیہ کی جانب روانہ ہوئے تو کچھ صوفیہ بھی شریک ہو گئے۔ انہوں نے ان حضرات سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ حضرات کے نفوس قانع اس بات پر انتہا ضرور محسوس کریں گے کہ آپ کی خدمت میں کوئی سفر خرچ پیش کیا جائے پھر بھی زاوراہ کی ضرورت سے بے نیاز رہنا ممکن نہیں۔ یہ کہہ کر ایک ملازم کو حکم دیا کہ ایک طشت لائے۔ وہ طشت لایا تو انہوں نے اس میں ایک معقول رقم رکھ دی اور اس کو ایک رومال سے ڈھانپ۔ پھر ان حضرات سے فرمایا کہ ہر

صاحب باری باری اس رومال کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ مٹھی میں آئے لے لیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، کسی کو دس درہم مل گئے کسی کو بیس درہم یا اس سے کم پیش۔ مصیبت پہنچ کر فرمایا کہ یہ پردیس ہے اور ضروریات باقی ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے بھی تقسیم کر لیا جائے یہ کہہ کر ہر ایک کو بیس بیس دینا عطا کئے۔

ایک مرتبہ ایک شخص حضرت ابن المبارکؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ سات سو درہم کا مقروض ہوں مجھے اس قرض سے نجات دلایئے۔ انہوں نے اسی وقت اپنے مٹھی کو لکھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دے دیے جائیں۔ وہ آدمی خط لے کر مٹھی کے پاس پہنچا، اس نے پوچھا تم پر کتنا قرض ہے اور تم نے کتنی رقم ابن المبارکؒ سے طلب کی تھی۔ اس نے کہا ”سات سو درہم“ مٹھی نے سمجھا کہ ابن المبارکؒ سے سہو قلم ہو گیا ہے اور وہ سات سو کے بجائے سات ہزار لکھ گئے ہیں چنانچہ اس نے ابن المبارکؒ کو لکھ بھیجا کہ یہ شخص صرف سات سو درہم کا مقروض ہے اور آپ نے سات ہزار دینے کا حکم دیا ہے کہیں سہو قلم تو نہیں ہو گیا؟ ابن المبارکؒ نے جواب میں لکھا کہ جس وقت میرا خط تم کو ملے اسی وقت اس شخص کو چودہ ہزار درہم دے دو۔ مٹھی اور بھی حیران ہوا اور اس نے ازراہ ہمدردی ان کو دوبارہ لکھا کہ آپ اس طرح اپنا سر مایا بے دریغ لٹاتے رہے تو یہ بہت جلد ختم ہو جائے گا۔ مٹھی کا خط پڑھ کر ابن المبارکؒ سخت برہم ہوئے اور کو سخت الفاظ میں لکھا کہ میں نے جو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو ورنہ میری جگہ پر آنے والے جو حکم دو گے میں اس پر عمل کروں گا۔ میرے نزدیک دولت و غنوی سے قیمتی سرمایہ ثواب آخرت اور رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ہے کہ جو شخص اپنے کسی مسلمان بھائی کو غیر متوقع طور پر خوش کر دے گا اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ میں نے دانستہ سات سو کے بجائے سات ہزار درہم لکھے تھے تاکہ یہ شخص اتنی خطیر رقم اچانک پا کر خوش ہو جائے۔ دوسری مرتبہ میں نے اپنے خط میں چودہ ہزار درہم بھی سوچ سمجھ کر لکھے وہ اس لئے کہ سات ہزار کی بجائے اس شخص کے کان میں پڑ چکی تھی چودہ ہزار اس کے لیے یقیناً غیر متوقع ہوں گے اور یوں میں حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق اجر آخرت کا حقدار ٹھہروں گا۔

حضرت ابن المبارکؒ اکثر شرطوں جاتے رہتے تھے۔ راستہ میں رقد پڑتا تھا وہاں کی ایک سرائے میں قیام کیا کرتے تھے۔ سرائے میں مقیم ایک نوجوان نہایت اخلاص سے ان کی خدمت کیا کرتا تھا اور ان سے حدیث کا درس بھی لیتا تھا۔ ایک مرتبہ حسب معمول رقد کی اس سرائے میں ٹھہرے تو اس نوجوان کو نہ دیکھا۔ لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر فلاں شخص کا دس ہزار کا قرضہ تھا اسے ادا نہ کر سکا تو قرض خواہ نے دعویٰ کر دیا اور اس نوجوان کو قرض کی عدم ادائیگی کی پاداش میں قید خانے بھیج دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے قرض خواہ کو رات کی تنہائی میں بلایا اور اسے دس ہزار درہم دے کر کہا کہ بھائی اس نوجوان کو رہا کرادو۔ ساتھ ہی اس سے قسم لے لی کہ وہ اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کرے گا۔ نوجوان کی رہائی کا انتظام کر کے ابن المبارکؒ اسی رات سرائے سے روانہ ہو گئے۔ نوجوان رہا ہو کر سرائے میں آیا تو اسے ابن المبارکؒ کی آمد اور روانگی کی اطلاع ملی۔ اس کو حضرت سے شرفِ نیاز حاصل نہ کرنے کا اتنا قلق ہوا کہ اسی وقت شرطوں کی طرف روانہ ہو گیا۔ تین چار منزل کے بعد ان سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے حال احوال پوچھا۔ اس نے عرض کیا: ”جناب میں قید تھا۔ ایک نامعلوم شخص نے میرا قرض اپنی طرف سے ادا کر کے مجھے رہا کر دیا معلوم نہیں وہ فرشتہ رحمت کون تھا۔“ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ نے فرمایا: ”بھائی اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے اس نامعلوم شخص کو تمہیں اس مصیبت سے نجات دلانے کی توفیق بخشی۔“

روای (محمد بن یسعی) کا بیان ہے کہ ابن المبارکؒ کی وفات کے بعد قرض خواہ نے یہ واقعہ لوگوں کو بتایا۔ حضرت عبداللہ ابن المبارکؒ عبات و ریاضت، زہد و ورع، امانت و دیانت اور حسن معاشرت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے ”تذکرۃ الحفاظ“ میں اسماعیل بن عیاشؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ روئے زمین پر عبداللہ بن مبارکؒ جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے اور میری دانست میں کوئی اچھی خصلت ایسی نہیں ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات میں ودیعت نہ کر دیا ہو۔

حضرت فضیل بن عیاضؓ فرمایا کرتے تھے ”رب کعبہ کی قسم میری آنکھوں نے عبد اللہ ابن المبارکؓ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“ عبادت و ریاضت سے بہت شغف تھا، مسجد گانہ نماز یا جماعت فرض نمازوں کے علاوہ سنن و نوافل کا بھی خاص اہتمام تھا، بعض اوقات ساری ساری رات عبادت میں گزر جاتی۔ کثرت سے روزے رکھتے تھے۔ حج بیت اللہ کے لیے بھی اکثر تشریف لے جاتے تھے۔ دیانت و امانت کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ قیام شام کے دوران میں کس شخص سے قلم عاریت لیا۔ واپسی پر اسے قلم لوٹانا بھول گئے اور اسے اپنے ساتھ مرو لے آئے۔ گھر آ کر دیکھا تو یاد آیا۔ افسوس کیا اور مرو سے شام تک طویل سفر دوبارہ صرف اس لیے کیا کہ وہ قلم اس کے مالک کے حوالے کر سکیں۔

حسن ادب کی یہ کیفیت تھی کہ ان کے سامنے کوئی شاگرد قرأت حدیث کرتا تو وہ اس سے کسی عبارت کو دوبارہ نہیں پڑھواتے تھے بلکہ توجہ اور خاموشی کے ساتھ سنتے رہتے تھے۔ ایک بار مجلس میں ایک شخص کو چھینک آ گئی۔ اس نے الحمد للہ نہیں کہا۔ حضرت عبد اللہ ابن المبارکؓ نے کچھ دیر انتظار کیا۔ پھر اس سے پوچھا جب چھینک آئے تو اس کو کیا کہنا چاہیے۔ اس نے کہا الحمد للہ اس پر انہوں نے کہا فوراً کہا ”یرحمک اللہ“ زندگی نہایت محتاط اور زہدانہ تھی ابو اسامہ اور شعب ابن حربؓ کہا کرتے تھے کہ ہم سال میں تین دن بھی ابن المبارک کی طرح نہیں گزرا سکتے۔

ان کے زہد و روح کی بنا پر اہل سیر نے انہیں زہاد متبع تابعین میں شمار کیا ہے۔ اسی طرح بعض ارباب سیر نے انہیں اولیا اللہ میں شامل کیا ہے اور انکی بہت سی کرامات بیان کی ہیں۔ علامہ خطیب بغدادی نے ”تاریخ بغداد“ میں ابو وہبؓ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ ابن المبارکؓ کا گزر ایک نامیٹا پر ہوا تو اس نے بڑی لجاجت سے عرض کیا کہ میرے لیے یتانی کی دعا کیجئے۔ چنانچہ انہوں نے نہایت خشوع و خضوع سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کی یتانی بحال کر دی۔

وعدہ و نصیحت اور ارشاد و اصلاح کا طریقہ نہایت بلیغ اور حکیمانہ ہوتا تھا۔ تذکروں

میں ان کے سینکڑوں پر معارف اقوال ملتے ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

☆ بہت سے چھوٹے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیت بڑا بنا دیتی ہے اور بہت سے بڑے عمل ایسے ہوتے ہیں جن کو نیت چھوٹا بنا دیتی ہے۔

☆ سب سے سغلہ اور کمینہ وہ شخص ہے جو دین کو عیاشی کا ذریعہ بنائے۔

☆ عالم ہونے کے لیے یہ شرط ہے کہ دنیا کی محبت سے اس کا دل ہمیشہ خالی رہے۔

☆ دنیا کے مال پر کبھی غرور نہ کرو۔

☆ حق پر جسے درہناسب سے بڑا جہاد ہے۔

☆ ہر کام میں ادب اور تہذیب کا خیال رکھو۔ دین کے دو حصے ادب اور تہذیب

ہیں۔

☆ ایسا دوست ملنا بہت مشکل ہے جو صرف اللہ کے لیے محبت کرے لیکن دوست

فی الحقیقت یہی ہے۔

☆ آدمی اس وقت تک عالم رہتا ہے جب تک یہ سمجھتا رہے کہ شہر میں اس سے

زیادہ علم رکھنے والے موجود ہیں مگر جب وہ یہ سمجھنے لگ جائے کہ میں ہی سب سے بڑا عالم

ہوں تو یوں سمجھ لو کہ اب وہ جاہلوں کی صف میں جا کھڑا ہوا۔

☆ گمنامی کو پسند کرو اور شہرت سے دور رہو مگر یہ ظاہر نہ کرو کہ تم گمنامی کو پسند کرتے

ہو اس لیے کہ اس سے بھی غرور پیدا ہوگا۔

☆ سب سے گرے ہوئے لوگ وہ ہیں جو قرض پر زندگی بسر کرتے ہیں اور ہاتھ چیر

نہیں ہلاتے۔

☆ تو اسے یہ ہے کہ اغنیاء کے مقابلے میں خود داری کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔

☆ حسن خلق یہ ہے کہ غصہ نہ کیا جائے۔

☆ شریف وہ ہے جسے اطاعت الہی کی توفیق ہوئی اور رذیل وہ ہے جس نے بے

مقصد زندگی گزار دی۔

حضرت عبداللہ بن المبارکؓ (۸ھ) میں جہاد فی سبیل اللہ کے لیے شام گئے۔ اثنائے سفر میں ہیبت کے مقام پر طبیعت خراب ہو گئی یہاں تک کہ جاتہری کی کوئی امید نہ رہی۔ انتقال سے پہلے غلام سے فرمایا میرا سر زمین پر رکھ دو۔ غلام یہ سن کر رونے لگا۔ پوچھا روتے کیوں ہو؟ اس نے عرض کیا مجھے آپ کے مقام بلند کا خیال آ گیا کہ اللہ اللہ اپنے وقت کی عقیم ترین ہستی اس طرح جان دی رہی ہے۔ فرمایا بھائی اس میں رنج کی کوئی بات نہیں میں نے خود ہر گاہ اٹنی میں دعا کی تھی کہ میں بے کسی اور فروتنی کی حالت میں جان دوں۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مرض الموت میں آواز دینے لگی تھی اس لیے اندیشہ ہوا کہ مرتے وقت گلہ شہادت پڑھنے سے محروم نہ رہ جاؤں اپنے شاگرد حسن بن ربیع سے جو ساتھ تھے فرمایا کہ تم مزع تم میرے سامنے گلہ شہادت بلند آواز سے پڑھنا جب تم ایسا کرو گے تو میری زبان پر بھی گلہ شہادت خود بخود چھڑی ہو جائے گا۔ چنانچہ انہوں نے اسی حالت میں ۱۳ رمضان المبارک ۸۱ھ (۹ نومبر ۷۰۷ء) کو بروز چہار شنبہ وفات پائی۔ اس وقت ان کی عمر ۶۲ برس کی تھی۔ مقام وفات ہیبت اگر چہ ان کے وطن سے سینکڑوں میل دور تھا لیکن مخلوق خدا کے دلوں پر انکی حکمرانی کا یہ عالم تھا کہ وفات کی خبر پہنچنے ہی لوگ جوق در جوق اس دور افتادہ قصبے کی طرف دوڑ پڑے۔ جنازے پر اس قدر ہجوم تھا کہ ہیبت کے حاکم کو اس واقعہ کی اطلاع بعد از پچھنی پڑی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے یہ خبر سنی تو اس کی زبان پر بے ساختہ یہ الفاظ آ گئے ”افسوس علماء کے سردار کا انتقال ہو گیا“ حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا ”ابن المبارک فوت ہو گئے لیکن افسوس اس کا ہے کہ جو باقی رہ گئے ان میں کوئی بھی ان کا مثل نہیں ہے۔“

سفیان بن عیینہؒ یوں لے اللہ عبداللہ بن مبارکؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے! انہوں نے فرساں میں اپنا کوئی ٹائی نہیں چھوڑا۔ اسی طرح دوسرے تمام علماء عصر نے بھی شاندار القادس میں انہیں خراج تحسین پیش کیا اور انکی وفات پر اپنے ولی کرب کا اظہار کیا۔ مختلف مذاہب میں حضرت ابن مبارکؓ کو بہت سی کتبوں کا مصنف بتایا گیا ہے لیکن ان

میں بیشتر کتابیں مایاب ہو چکی ہیں۔ خوش قسمتی سے چند سال پہلے لگی ایک معرکہ آرا تصنیف ”کتاب الزہد والرقائق“ بھارت میں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ اس کتاب کے گیارہ حصے ہیں اور اس میں ۲۰۲۳ روایات ہیں۔ اسے مجلس احیاء المعارف، لاہور (پاکستان بھارت) نے شائع کیا۔ ہماری دلی دعا ہے کہ خداوند قدوس ان کی مرقد پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے آمین یا رب العالمین۔

امیر المؤمنین فی الحدیث سیدنا محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اسماعیلؒ پایہ کے عالم اور محدث تھے، ان کے دادا مغیرہ، والی بخارا، ایمان بھٹی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تھے، اسی نسبت سے ان کو بھی بھٹی کہا جانے لگا۔ اسماعیلؒ کے والد کا نام امیر ابیہ تھا تاریخ ابراہیم کے تذکرہ سے خاموش ہے۔ (حدیث بخاری)

اسماعیلؒ کو حماد بن زید اور امام مالک سے حدیث کا شرف سماع حاصل ہے، حماد بن زید سے احادیث کے راوی بھی ہیں، لیکن حماد نے اسماعیلؒ کا تذکرہ کتاب اشعاعات میں محدث کے طبقہ راہد کے تحت کیا ہے، تاریخ الدین یحییٰ ان کے متعلق طبقات کبریٰ میں لکھتے ہیں۔

”اسماعیل بن ابراہیم متقی طلاء میں سے تھے، امام مالک سے سماع حدیث کا شرف حاصل کیا، حماد بن زید کی زیارت کی اور عبداللہ بن مبارک کی صحبت پائی۔۔۔ احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ میں اسماعیلؒ کی وفات کے وقت حاضر خدمت ہوا تو فرمانے لگے ”مجھے اپنے تمام سہان میں سے کسی ایک درہم کے مشتہ ہونے کا علم نہیں“ احمد بن حنبل کہتے ہیں یہ بات سن کر مجھے اپنی کمزوری و کم بختی کا احساس ہوا“ (تہذیب الکمال جلد ۲)

۱۳ شوال ۹۴ھ بعد نماز جمعہ بخارا میں اسماعیلؒ کے گھر پر پیدا ہوا، چچ کا نام ”محمد“ رکھا گیا، کسے اعجاز تھا کہ یہ چچ اسلامی تاریخ کے گھٹن کا درہ گل سرسید بنے گا جس کی ہتھکڑیاں رہے گی اور جس کا آواز روزمانہ کے دیبڑ پر دے گا، روک سکیں گے اور کسے معلوم تھا کہ صدیوں میں پیدا ہونے والا یہ ”دیوہ دور“ کائنات کی بہترین ہستی کے بکھرے اور کھڑے

ہوئے ریحان و نستران کی چمن بندی کی وہ لافانی خدمت انجام دے گا جو ان کو ”لسان صدق فی العالمین“ اور حیات جاوداں بخشے گی۔

سوالہا باشندہ کتا یک سنگ اصلی ز آفتاب لعل باشند در بدنشاں یا متیق اندرین
 شخصیات کی بعتریت اپنے خاندان اور وطن کے تذکروں کو بھی زندہ رکھتی ہے، بخارا کے تذکرہ میں اگر آج دلچسپی ہے تو اسی حوالہ سے کہ وہ امام بخاری کا وطن ہے۔

بخارا دریائے جیحون کی زیریں گزرگاہ پر ایک بڑے نخلستان میں واقع ان مردم خیز علاقوں کا ایک شہر ہے، جن سے علم و فن کی تاریخی شخصیات کی عظمتیں وابستہ ہیں، جو علم و دانش کے بڑے بڑے سورماؤں کا وطن رہا اور جہاں صحاح ستہ کے مصنفین پیدا ہوئے۔

امام بخاری کا بخارا ہو یا امام مسلم کا شیشاپور، امام ابو داؤد کا سجستان ہو یا امام ترمذی کا ترمذ، امام نسائی کا نسا ہو یا ابن ماجہ کا وطن قزوین، یہ سب اسی مارواہ النہر اور اس کے ارد گرد علاقوں کے لالہ زار ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ آخری صدیوں میں پھر ان علاقوں کی وہ مردم خیزی باقی نہ رہی جو اسکی تاریخی خصوصیت تھی۔

نہیں اٹھا پھر کوئی رومی غم کے لالہ زاروں سے وہی آب و گل ایران وہی تہریز ہے ساقی
 سطح سمندر سے بخارا کی بلندی ۷۲۲ فٹ (۲۲۲ میٹر) ہے اور یہ طول البلد شرقی ۶۳ درجہ ۳۸ دقیقہ (گرین وچ) اور عرض البلد شمالی (۳۹ درجہ ۴۳ دقیقہ) پر واقع ہے، اس کی مساحت (۲۰۵۰۰۰) کیلومیٹر ہے۔ (دائرہ معارف اسلامیات)

مجم البلدان میں علامہ یاقوت حموی بخارا کے متعلق لکھتے ہیں: ”بخارا (باء کے ضمہ کے ساتھ) مارواہ النہر کے بڑے اور عظیم شہروں میں سے ہے، بخارا کا طول ستاسی درجہ اور عرض اکتالیس درجہ ہے اور اقلیم خاس میں واقع ہے، بخارا کی وجہ تسمیہ باوجود تلاش کرنے کے مجھے معلوم نہ ہو سکی، بخارا ایک قدیم اور باغ و بہار والا شہر ہے وارہ النہر کے تمام شہروں میں جو شادابی اور حسن بخارا کو حاصل ہے کسی دوسرے شہر کو نہیں، جب آپ باہر سے اس کے قلعے پر چڑھ کر اس کا نظارہ کریں تو ہر سو آپ کو مزار اور بزمہ ہی بزمہ نظر آئے گا درمیان میں

ہے ہوئے محلات کا منظر حسین پھولوں کی مانند نظر نواز ہے۔ (حوالہ بالا)

اسکندرا کبر مقدونی کے فتوحات سے قبل بخارا فارسی حکومت کے تابع تھا، اس وقت اس کو "صفدیان" کہتے تھے، اسکندرا کبر نے جب فارس کے شہر فتح کئے تو بخارا بھی اس کے زیر نگیں آگیا، بعد میں یونانیوں کو ملا، پھر جب لشکر اسلام دنیا کے چپے چپے پر دین اسلام کا جھنڈا لہرانے کے لئے اٹھا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا، ہوا یوں کہ جب حضرت معاویہؓ کے دور میں زیاد بن ابی سفیان کا ۵۳ھ میں انتقال ہوا تو ان کی جگہ ان کے بیٹے عبید اللہ کو خراسان کا عامل بنایا گیا، ۵۴ھ میں اس نے بخارا کی جانب پیش قدمی کی اور نصف و یکندہ کو فتح کیا، بخارا کی حکومت اس وقت "خاتون" نامی عورت کے پاس تھی، عورت نے ترک کو مدد کے لئے کہا، ان کی ایک بڑی جماعت آئی، جنگ ہوئی اور انکو شکست ہوئی، خاتون نے پیغام صلح بھیجا اور ایک لاکھ سالانہ پر صلح ہوئی، پھر حضرت معاویہؓ نے ۵۵ھ میں سعید بن عثمان کو خراسان کا امیر مقرر کیا ۸۷ھ تک پھر اس کا تاریخی حال معلوم نہ ہو سکا، ۸۷ھ میں اسلامی فتوحات کے عظیم جرنیل قتیبہ بن مسلم کی قیادت میں اسلامی لشکر کے نہ تھمنے والے سیل رواں نے جب ان علاقوں کا رخ کیا تو بخارا کو بھی فتح کر ڈالا۔

پھر جب چنگیز خان کی تاریخی بربریت کا نام مبارک آغاز ہوا تو عالم اسلام کے بیسیوں شہروں کی طرح بخارا بھی اس کی بربادیوں کا لقمہ بنا اور یہاں اس نے سفاکی کی وہ تاریخ مرتب کی جس کی مثال تباہی اور قتل و درندگی کی تاریخ میں کم سے کم ملے گی، چند محلات چھوڑ کر پورے شہر کو نذر آتش کر کے تاراج کیا گیا، یہ ۶۱۲ ذوالحجہ ۶۱۲ ۱۰ فروری ۱۲۲۰ کا واقعہ ہے۔

(دارالعارف)

پھر تاریخی قوم اسلام کو جڑ سے اکھاڑنے اور دنیا کے نقشہ سے اس کا وجود ختم کرنے پر تلی ہوئی تھی جب پوری کی پوری مسلمان ہو گئی کہ: اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد اور کبے کو منہ خانے سے پاسان مل گئے تو چنگیزی خاندان کے مشہور اسلامی فاتح تیمور لنگ کے ہاتھ بخارا (۱۳۷۰ھ) میں آیا اور بخارا ایک بار پھر اسلامی تہذیب و تمدن کا

مرکز بن گیا، بخارا تیمور لنگ کی اولاد کے پاس رہا حتیٰ کہ ۱۴۹۸ء میں ازبکوں نے اس پر قبضہ کیا اور تیموری خاندان کی حکومت یہاں سے ختم کر ڈالی۔

چونکہ روس کے لئے ہندوستان کی ایک روگنڈ بخارا بھی ہے، اس اہمیت کے پیش نظر مغربی وسائل کی مدد سے روس نے اس پر ۱۸۷۳ء میں قبضہ کر لیا۔

پھر جب ۱۹۹۱ء میں کئی ریاستوں کے عناصر سے بنے ہوئے روس کے کوکان کا عقدہ کشا ہوا تو اور چھ مسلم ریاستیں آزاد ہوئیں، ان آزاد ہونے والی چھ ریاستوں میں بخارا ریاست ازبکستان کا شہر ہے جس کا دار الحکومت تاشقند ہے۔

برسوں روس کی جو رحیت کی زیر نگین رہنے والی اس ریاست سے کیوں کم کی گرد اگر چہ اب تک مکمل نہیں چھڑی تاہم ایام گردش منہم کے ان مراحل کے بعد اب بخارا ایک اسلامی ریاست کے تحت ہے اور ان علاقوں کے ”عروقی مردہ“ میں اب خون اسلام دوڑا ہے، اگر اسلامی تہذیب اور دینی تعلیم کا یہاں پھر چھاپا نہ شروع ہوتا۔۔۔

نہیں ہے تاہم سید اقبال اپنی کشت دیراں سے ذرا نام ہو تو یہ ملی بہت زور خیز ہے ساقی کیونکہ یہیں علم دین کی نابھہ روزگار شخصیات میں سے محدث ابو ذر یا عبد الرحیم بن احمد متوفی (۳۶۱ھ) پیدا ہوئے اور بخارائی کو فلسفہ و حکمت کی بلند یوں پر پکٹنے والے مشہور حکیم ہامین سینا متوفی (۴۲۸ھ) کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

امام نے جب آنکھ کھولی تو ہر طرف اسلامی علوم کا چرچا تھا، دینی ترقیاں اسلامی علوم میں مہارت پر موقوف تھیں، علم حدیث کا شاداب دوست بہادری پر تھا، نبی کریم ﷺ کا مہر ساز دور ابھی ابھی گزر رہا تھا، صحابہؓ کی یادیں اور ان کے تربیت یافتہ زندہ تھے، عالم اسلام کے بڑے شہر محدثین کے مرکز میں چپ چاپ سے آنے والے تشنگان علم حدیث کی آچکھ تھے، خیر القرون کی مبارک لغز میں امام نے پرورش پائی، پھر قدرت کی فیاضیوں نے بلا کا حافظہ دیا، نہ ختم ہونے والے شوق سے نواز اور جہد مسلسل کی توفیق ملی، بلند ہمتی کا جو ہر پایا اور سب سے بڑھ کر وہ عظیم اخلاص مصرعوا جس کے بغیر سب کچھ بیکار، ہر قس، بحمل اور مراب کی ضرور ہے۔

امام نے سفر کی لاشمی ہاتھ میں لی اور عالم اسلام کے بڑے شہروں کا رخ کیا، علوم کی بہتی سوتوں اور حدیث کے فرحت بخش ٹھنڈے چشموں سے تحقیقی بجھا کر طلب علم کی حرارت کی تسکین کی، خطیب بغدادی لکھتے ہیں: ”امام بخاری نے طلب علم میں تمام محدثین کے شہروں کا سفر کیا، خراسان اور اس کے پہاڑوں، عراق کے تمام بلاد، نیز حجاز، شام اور مصر میں جا جا کر حدیثیں حاصل کیں۔“ (تاریخ بغداد)

امام بخاری کی تعلیم و تربیت کے متعلق تاج الدین سبکی ”طبقات“ میں لکھتے ہیں:۔
امام بخاری کی نشو و نما یتیم ہونے کی حالت میں ہوئی، سماع حدیث کا آغاز ۲۰۵ھ میں کیا، ابن مبارک کی تصانیف حفظ کیں، بچپن ہی سے علم کی محبت نصیب ہوئی، قوی حافظہ اس کا معاون بنا، اپنے وطن بخارا میں محمد بن سلام بکینڈی، محمد بن یوسف اور ابراہیم بن اسعد سے سماع حدیث کے بعد ۲۳۰ھ میں دوسرے شہروں کا رخ کیا، بلخ میں یحییٰ بن ابراہیم اور یحییٰ بن بشر سے احادیث سنیں، مرو میں علی بن الحسن اور عبدان وغیرہ سے سماع کیا، نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ اور بشر بن الحکم سے شرف تلمیذ حاصل کیا، رمی میں ابراہیم بن موسیٰ سے پڑھا، بغداد میں شریح بن نعمان۔۔۔ کے تلمیذ رہے، بصرہ میں ابو عاصم نبل، اور محمد بن عبد اللہ سے سنا، کوفہ میں ابو نعیم، طلق بن غنم اور حسن بن عطیہ۔ وغیرہ کے شاگرد بنے، مکہ میں حیدری، مدینہ میں عبد العزیز، اویسی اور مطرف بن عبد اللہ سے سماعت کی، الغرض واسطہ مصر و دمشق، قیساریہ، عسقلان اور حمص میں مخلوق خدا کا ایک جم غفیر سے آپ نے احادیث سنیں جن سب کا ذکر طول ذکر ہے۔ (طبقات شافعیہ کبریٰ)

تاج الدین سبکی نے امام بخاری کے سفر ”الجزیرہ“ کا انکار کیا ہے اور حاکم کی ”تاریخ نيسابور“ میں الجزیرہ کی طرف امام کے تذکرہ فرمودہ ہم قرار دیا چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

وفى تاريخ نيسابور للحاكم انه سمع بالجزيرة وهذا وهم فانه لم

(حوالہ بالا)

يدخل الجزيرة۔۔۔

”حاکم کی ”تاریخ نيسابور“ میں ہے کہ امام بخاری نے الجزیرہ میں حدیث کا سماع

کیا، لیکن یہ ان کا وہم ہے کیونکہ امام الجزیرہ میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوئے۔“

جب کہ حافظ ابن حجر نے امام بخاری کے سفر الجزیرہ کا ذکر کیا ہے اور خود امام بخاری کا یہ قول نقل کیا ہے *دخلت إلى الشام ومصر ولجزيرة موثّقين*۔ ”میں شام، مصر اور الجزیرہ میں موثّق پار گئے ہوں۔“ *لما نزلت في الجزيرة* نے بھی تہذیب الاسماء واللغات میں امام بخاری کے الجزیرہ میں سامع کا تذکرہ کیا ہے۔ بہر حال بخاری نے علم حدیث کے لئے عالم اسلام کے تمام شہروں کی خاک چھانی، وہ خود فرماتے ہیں: *علم الحديث يحتاج الى بعد الاسفار ووطى الديار وركوب البحار*۔ (تہذیب الکمال)

”علم حدیث حاصل کرنے کے لئے دور دور کے سفر، مختلف دیار کے گشت اور دریاؤں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ امام نے اپنی زندگی کے طویل علمی رحلات میں ایک ہزار سے زائد محدثین سے احادیث کا سامع کیا فرماتے ہیں: *کتبت عن الف شيخ و اكثر* *مساعدي حديث الا اذكر اسناده* ”میں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ سے حدیثیں لکھیں، مجھے اپنی ہر حدیث کی سند یاد ہے۔“

اللہ جل شانہ نے اس میدان میں ان سے کام لینا تھا اور جو کام لینا تھا اس کے تمام فطری اسباب ان میں پیدا فرما دیئے، احادیث میں علل کی معرفت کا میدان ہو یا صحیح و سقیم میں امتیاز کا مسئلہ، ہزاروں راویوں کے احوال پر اطلاع کا نقص مرحلہ ہو یا اسماء و جال اور ان کی کتنوں کے حفظ کا معاملہ، امام بخاری کی معجزیت نے ان تمام میدانوں میں جولانیاں کیں، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کی ابتدائی سرگزشت کا آغاز کس طرح ہوا؟ تو فرمانے لگے ”میں ابھی طفل کتب تھا کہ حفظ کا مجھے الہام ہوا۔۔۔ اس وقت میری عمر دس سال یا اس سے بھی کم تھی، کتب سے کھل کر محدث داخلی کے ہاں جانا شروع کیا ایک دن وہ سند حدیث بیان کرتے ہوئے کہنے لگے، ”سفيان عن ابی الزبير عن ابراہیم“ میں نے ان سے کہا، حضرت ابو الزبير نے ابراہیم سے روایت نہیں کی ہے، انہوں نے مجھے جھڑکا، میں نے اصل کی جانب رخ کرنے کے لئے کہا، مگر جا کر جب اصل دیکھ آئے تو کہنے لگے،

لڑکے اچھا برا اہم سے کون روایت کر رہا ہے؟ میں نے کہا ”ذہیر بن حدی“ تو مجھ سے قلم لے کر اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا کہ تم نے ٹھیک کہا، بخاری سے جب پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟ فرمانے لگے، گیارہ سال۔ (تہذیب بغداد)

گیارہ سال کے اس بچے کو دیکھئے اور داغلی جیسے محدث کی سند میں غلطی پر بھری مجلس میں تنبیہ کو دیکھئے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ قدرت آنے والے وقت میں اس بچہ سے حدیث رسول کریم ﷺ کی کتنی عظیم خدمت لینا چاہتی تھی۔

امام بخاری کے ہمدرد س حاشد بن اسماعیل کا بیان ہے کہ بخاری ہمارے ساتھ مشائخ بصرہ کے ہاں حدیث پڑھنے جاتے تھے، ہم احادیث لکھتے، بخاری نہ لکھتے، ان سے ہم کہتے کہ آپ لکھتے کیوں نہیں؟ سولہ دن گزرنے کے بعد بخاری ہم سے کہنے لگے لاؤ جو تم نے جو کچھ لکھا ہے، ہم نے چند ہزار احادیث لکھی تھیں، وہ لے آئے تو بخاری وہ تمام احادیث زبانی سنا کر کہنے لگے، بتائیں میں نے وقت ضائع کیا؟..... (حوالہ بالا)

ابھی عمر کا اٹھارواں سال تھا کہ صحابہؓ اور تابعین کے اقوال پر مشتمل ایک کتاب ”فضا یا الصحابۃ والتابعین“ کے نام سے لکھی اور اسی عمر میں اپنی شہرہ آفاق کتاب ”تاریخ کبیر“ لکھی، روضہ الطہر کے پاس، مدینہ کی منور فضاء اور حسین چاندنی راتوں میں لکھی گئی اس مبارک کتاب کے بارے میں خطیب بغدادی نے سعید بن العاص کا یہ تیرو نقل کیا ہے کہ

”اگر کوئی شخص چاہے تیس ہزار حدیثیں ہی کیوں نہ لکھ دے تاہم وہ بخاری کی ”تاریخ“ سے مستغنی نہیں ہو سکتا“ سلیم بن مجاہد ایک دن مشہور محدث محمد بن سلام بیکندی کی خدمت میں حاضر ہوئے، بیکندی فرمانے لگے، اگر کچھ دیر قبل آتے تو ستر ہزار حدیثیں حفظ کرنے والا بچہ دیکھ لیتے، سلیم یہ سن کر بچہ کی طلب میں نکلے، ملاقات کر کے پوچھا، ستر ہزار احادیث کے حفظ کا آپ کو دعویٰ ہے؟ بخاری کہنے لگے، جی ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ مزید یہ کہ جس صحابی اور تابعی کی حدیث آپ کو سناؤں گا ان تمام کی ولادت، وفات، اور مساکن کا بھی علم رکھتا ہوں۔ (تہذیب الکمال)

بیکند می کہتے تھے کہ، جب یہ بچہ میرے درس حدیث میں آجاتا ہے میں پریشان ہو جاتا ہوں اور مجھے گھبراہٹ کی بنا پر حدیث میں التباس ہونے لگتا ہے۔

یہ آسان علم حدیث کے بدرکامل کی اس وقت کی چند جھلکیاں ہیں جس کے ظہور کی ابھی ابتدا تھی جس قمر کے مرحلہ ”ہلال“ میں ضیا پاشیوں کا یہ عالم ہو، ماہ تاباں میں اس کے جلوؤں کا عالم کیا ہوگا۔

امام نے حافظ بلا کا پایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ جس راہ کے آپ مسافر تھے اس میں غیر معمولی حافظہ کا قدرتی قوشہ اگر پاس و معاون نہ ہوتا تو منزل کی ان بلندیوں پر جہاں آج آپ ہیں پہنچنا مشکل ہوتا، رجال کا فن امام کے زمانے میں مدون نہ تھا، آج کی طرح کسی راوی کے ضعف و صحت کے حتمی فیصلوں پر کتابیں ابھی وجود میں نہیں آئی تھیں، سیکڑوں افتدہ غیر وثقہ ہم نام راویوں میں فرق کرنے کا واحد ذریعہ حافظہ تھا اور ہزاروں کی تعداد میں رجال حدیث کے ضعف و صحت کا مدار بھی اسی پر تھا، محدثین امتحان لیتے، آپ کی قوت حفظ کے کرشمہ دیکھتے اور ششدر و حیران ہوتے۔

ایک مرتبہ بغداد آئے، محدثین جمع ہوئے، امتحان لیا اس طرح کی دس آدمیوں نے دس دس حدیثیں لے کر ان کے سامنے پیش کیں، ان احادیث کے متون اور سندوں کو بدلا گیا تھا، متن ایک حدیث کا اور سند دوسری حدیث کی لگا دی تھی، امام حدیث سنتے او رکہتے ”لا اعرف“ (مجھے یہ حدیث معلوم نہیں) خواص امام کی مہارت جان گئے، کہنے لگے، امام واقعی امام ہیں، عوام کو خیال ہوا کہ یہ کیسے امام ہیں ان کی جانب سے تو ہر حدیث کے بارے میں ”لا اعرف“ کا اعلان ہے، جب اپنی دس دس حدیثیں سنا کر سب فارغ ہو گئے تو امام پہلے شخص کی جانب یہ کہتے ہوئے متوجہ ہوئے۔

تم نے پہلی حدیث یوں سنائی تھی اور صحیح یوں ہے، سب کے ساتھ ایسا کیا، پہلے انہیں ان کی مقلوب حدیث سناتے پھر صحیح کرتے جب ایک ہی مجلس میں ان سب کی سو مقلوب حدیثیں سنائیں پھر ان کی تصحیح کی تو مجمع حیران تھا، مجلس تعجب کا نشان تھی، حافظ ابن

جُزّے یہ واقعہ لکھا تو یہ تبصرہ بھی کر دیا۔

هنا يخطص للبخاري، لهما العجب من رده الخطا الى الصواب، فانه كان حافظا، بل العجب من حفظه للخطا على ترتيب ما ألقوه عليه من مرة واحدة. (تاریخ بغداد)

”یہاں بخاری کی امامت تسلیم کرنی پڑتی ہے، تعجب اس پر نہیں کہ بخاری نے غلط احادیث کی تصحیح، اس لئے کہ وہ تو تھے ہی حافظ، تعجب تو اس کرشمہ پر ہے کہ امام نے ایک ہی دفعہ میں ان کی بیان کردہ ترتیب کے مطابق وہ تمام مقلوب احادیث یاد کر لیں۔“

واقعی اس واقعہ میں دوسری بات زیادہ باعث تعجب ہے، پر امام کے حافظہ نے اس سے بھی زیادہ عجائبات دکھائے ہیں، ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ امام نے مشائخ بصرہ کی سولہ روزہ مجالس کی پندرہ ہزار احادیث زبانی سنائی تھیں جن میں ایک دن کی مجلس کی احادیث ۹۳۷ سے کچھ اور پر غنی ہیں، امتحان کی اس مجلس میں تو صرف سو حدیثیں یکبار سننے سے یاد ہوئیں۔ ابو بکر کلوذانی کہتے ہیں کہ میں نے بخاری جیسا شخص نہیں دیکھا وہ کسی عالم سے کتاب لے لیتے، ایک نظر اس پر ڈالتے ہیں اور کتاب کی احادیث کے اکثر اطراف یاد کر لیتے ہیں۔ (مقدمہ البخاری)

سمرقند میں چار سو محدثین جمع ہوئے، احادیث کی اسانید میں تبدیلیاں کر کے سات دن تک امام بخاری کو مقالہ میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔

فرماتے ہیں: ”مجھے ایک لاکھ صحیح حدیثیں اور دو لاکھ غیر صحیح احادیث یاد ہیں“ امام بخاری گلستان علم حدیث کی بہار تھے، جہاں جاتے تشنگان علم حدیث کی مجلسیں آباد ہو جاتیں، ایک مرتبہ طلحہ مغلّی، اصحاب حدیث جمع ہوئے، علما حدیث کی درخواست کی، ہزار راویوں کی ہزار حدیثیں سب کو لکھوا دیں۔

یوسف بن مروزی کہتے ہیں، میں بصرہ کی جامع مسجد میں تھا، کسی نے اعلان کیا بخاری آئے ہیں ان کی طلب میں نکلے، لوگ نکلے، میں بھی ساتھ ہولیا، کیا دیکھتا ہوں، عقب

ستون میں مصروف نماز ایک نوجوان شخص ہے جس کی رازمی نے ابھی سفیدی کو اجازت نہیں دی، یہ تھے بخاری، چوں ہی نماز سے فارغ ہوئے لوگوں نے مجلس حدیث مستقر کرنے کا مطالبہ کیا، انکار کیسے کرتے، حدیث کی مجلسوں ہی سے تو انکی زندگی کا چین آتا تھا، محدثین، نقباء و اہل حفاظ کا ایک جم غفیر منع ہو گیا، ابھی املاء شروع نہیں کیا کہ جمع کو غائب کر کے فرمانے گئے "میں ایک نو عمر انسان ہوں، آپ لوگوں نے مجھ سے اس وحدیث کا مطالعہ کیا تو اب مناسب یہ ہے کہ میں آپ کو ایسی احادیث سناؤں جو تمہارے پاس پہلے سے نہ ہوں تاکہ آپ سب مستفید ہو سکیں۔" پھر املاء میں شروع کرائی، حدثنا عبد اللہ بن عثمان بن ملیکم قال: ثنا ابی عن شعبہ عن مصود عن سالم بن ابی الجعد عن انس بن اعرابہ جاء الی النبی ﷺ فقال: یا رسول اللہ الرجل یحب القوم... الخ... سننا اور احادیث سنانے کے بعد فرمانے لگے، تمہارے پاس یہ حدیث ہے تو سنی لیکن مضمون کے طریق سے نہیں اس صرح املاء کرتے رہے اور ہر حدیث کے بعد یہ فرماتے رہے کہ یہ حدیث تمہارے پاس ظلالِ راوی کے طریق سے ہے، میرے بیان کردہ راوی کے طریق سے نہیں، مجلس برخواست ہوئی، تو اب مجلس خیران تھے۔ (۵۰ باب ۱۰)

فرماتے تھے، ایک دن حضرت انسؓ کے شاگردوں پر نظیر دوڑائی تو ایک ہی لمحہ میں تین سو حائفہ کے پرہ پڑ گئے۔

امام بخاری علم کی محبت، قدرت کے عطیہ کے طور پر پائے تھے، اس کے لئے پوری زندگی محنت کرتے رہے، علم اُپکا اور صاف تھا، چھوٹا تھا، علم آپ کے لئے سادہ، راحت تھا اس کے لئے زندگی کی ہر راحت کو قربان کیا، آپ کی زندگی کی رونق تھا اس رونق پر دنیا کی تمام رونقیں اٹا نہیں، پوری عمر حدیث پر مچی، حدیث پڑھائی، حدیث لکھی اور دوسروں کو لکھوائی، غصب کے حائفہ کے باوجود طلب اور جدوجہد میں کمی نہ آئی، طلب اور محنت کے پتھر پر گھسنے کے بعد زندگی کی "حلاوت" لائی اور خوب لائی۔

محمد بن یوسف بخاری کہتے ہیں، میں امام بخاری کے ساتھ ایک رات اس کے گھر

رہا، امام مات کو اٹھتے، چراغ جلاتے، کچھ کھ کر پھر لیٹ جاتے، میں نے گفتی کی تو افکار ہ بار آپ اٹھے۔

(تہذیب الکمال)

محمد بن حاتم کہتے ہیں، میں ایک سفر میں بخاری کے ساتھ تھا، میں نے دیکھا کہ امام بخاری رات کو پندرہ پندرہ اور بیس بیس مرتبہ اٹھتے، چراغ جلاتے، اور احادیث پر کچھ نشان لگا کر لیٹ جاتے۔ جامع بخاری کی صحت پر آج جو پوری دنیا متفق ہے کسے اندازہ ہے کہ محنت کے کئی شدید مراحل سے گزرنے کے بعد اس دور تک پہنچی۔

ہانی بن نصر کہتے ہیں، ہم شام میں محمد بن یوسف فریابی کے پاس تھے، جو ان تھے، جو ان کی طرح مزاج و مذاق رہتا تھا، بخاری صرف علم ہی پر چھائے رہتے، ہمارے ساتھ شریک نہ ہوتے۔ محمد بن ابی حاتم نے کسی سے نہ کہ امام بخاری نے بلاؤد (خاص قسم کی دوا) کھائی ہے اس لئے ان کا حافظہ قوی ہے انہوں نے امام بخاری سے دریافت کیا کہ حافظہ کی کوئی دوا ہے؟ امام فرمانے لگے مجھے نہیں معلوم، پھر فرمانے لگے لا اعلم شیئا منفع للـمـحـفـظ من لـمـحـظ الـو جـل و مـدا و مـة العـظـر۔ حافظہ کے لئے آدمی کس شہاک، دانگ، نظر و مطالعہ سے بہتر کوئی چیز میرے علم میں نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تمام کتابوں میں تین بار لکھی ہیں، محمد بن ابی حاتم نے پوچھا، آپ کو اپنی کتابوں کے تمام مندرجات یاد ہیں؟ فرمانے لگے، لا یخفی علی جمیع ما علی من میں سے کوئی چیز مجھ سے غلط نہیں۔

ری کے تاجی ابو العباس مہد و قضا سے معزول ہو کر بخارا آئے، اسحاق بن ابراہیم اپنے شاگرد ابو المعطر کو ان کی خدمت میں لے گئے، تاجی سے فرما لیں کہ اس بچہ کو کچھ احادیث پر احادیث ہو احادیث نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ مجھے مشائخ سے سماع حدیث کا شرف نہیں حاصل، اسحاق کہنے لگے، یہ کیے ممکن ہے؟ آپ فرمائیے، تاجی ابو العباس نے کہا، اور حقیقت میں جب لکھنے پڑھنے کے قابل ہو تو حدیث کا شوق مجھے سلام بخاری کے پاس لے آیا، ان کے سامنے میں نے سچے ہر اور حقوق کا اظہار کیا تو امام بخاری فرمانے لگے، بیٹے! کسی چیز میں داخل ہونے سے پہلے اس کے حدود و شرائط جان لیا کرو،

میں نے کہا، میں جس چیز کا شوق لیکر آیا ہوں اس کے حدود و شرائط آپ ہی مجھے بتا دیں تو بخاری فرماتے لگے،

اعظم ان الرجال لا يصبر محدثا كاملاً في حليته الا بعد ان يكتب اربعاً
مع اربع كاربوع مث اربع في اربع عند اربع باربع على اربع عن اربع لأربع
وكل هذه الرباعيات لاتتم الا باربع مع اربع، فاذا تمت له كلها هانت عليه
اربع، واستطاع باربع، فاذا صبر على ذلك اكرمه الله تعالى في الدنيا باربع
وانابه في الآخرة بلربوع.

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہی اسی وقت کا ہی محدث بن سکتا ہے کہ اولاً چار چیزوں کو چار چیزوں کے ساتھ چار چیزوں کی طرح نکھیں، جیسے چار چیزیں، چار (مقامد) ہو۔ سے چار (قسم کے لوگوں) سے، چار چیزوں پر، چار (مقامات) میں، چار (مذلات) کے وقت (روزِ زندگی کے مختلف) چار (زمانوں) میں نکھیں جاتی ہیں اور تمام رباعیات اسی وقت مکمل ہو سکتی ہیں جب انسان کو چار (مذلات) چار نعمتوں سمیت حاصل ہوں اور جب یہ سب آدمی کو حاصل ہو جائیں تو پھر اس کے لئے چار چیزیں۔۔۔ آسان ہو جاتیں ہیں اور چار (آزمائشوں) میں وہ مبتلا ہو جاتا ہے اور جب ان (آزمائشوں) پر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ دنیا میں اس کو چار (نعمتوں) سے نواز دیتے ہیں، دوزخ میں چار نعمتیں نصیب فرماتے ہیں۔"

ابو العباس بے چارے "رباعیات" کے اس طویل سلسلہ کا فلسفہ کیا جانتے، کہنے گھبراہٹ فرما کر ان کی تشریح بھی فرما دیجئے، امام بخاری نے تشریح فرماتے ہوئے کہا، جو چار چیزیں اولاً لکھنا ضروری ہیں، وہ ہیں۔ ۱۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث اور دیگر احکام شریعت۔ ۲۔ اور ان کے احوال، ۳۔ تابعین اور ان کے حالات، ۴۔ دیگر علم و دہشت کی تاریخ۔ ان چار کو جن کے ساتھ لکھتا ہے وہ ہیں، ۱۔ راویوں کے نام، ۲۔ رجال حدیث کی کنکھیں، ۳۔ چال حدیث کے علاقے اور ۴۔ انکا زمانہ اور دور۔

یہ ایسی لازمی چیزیں جیسے خطبے کے ساتھ حمد و ثنا، انبیاء کے ناموں کے ساتھ درود و سلام، قرآن کی سورتوں کے ساتھ بسم اللہ اور نماز کے ساتھ تکبیر۔

جیسے احادیث مسندہ، احادیث مرسلہ۔ احادیث موقوفہ اور احادیث مقطوعہ چار قسم کی احادیث بچپن میں لکھی جاتی ہیں اور لڑکپن میں بھی، جوانی میں لکھتے ہیں اور کھولت میں بھی، مشغولیت میں بھی اور فراغت میں بھی، فقر میں بھی، اور غنا میں بھی، پہاڑوں پر چڑھ کر بھی اور دریاؤں کو عبور کر کے بھی، شہروں میں جا کر بھی اور صحراؤں کی خاک چھان کر بھی، پتھروں پر بھی اور اصواف (اون) پر بھی، چمڑوں پر بھی اور ہڈیوں پر بھی۔

پھر یہ احادیث بڑے سے بھی لکھی جاسکتی ہیں اور ہم عمر سے بھی، چھوٹے سے براہ راست بھی لکھی جاسکتی ہیں اور اس کے والد کی کتاب سے بھی۔

اور ان سب کا مقصد یہ ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو، رضا خداوندی کے طالبین میں ان احادیث کی اشاعت ہو، کتاب اللہ کے موافق عمل ہو اور آنے والی نسلوں کے لئے تالیف کی صورت میں ذخیرہ ہو۔ لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب انسان لکھنا بھی جانتا ہو اور زبان سے بھی واقف ہو، صرف کا علم رکھتا ہو اور نحو کا بھی۔

اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی جانب سے صحت عطا ہو، کام کرنے کی قدرت حاصل ہو، شوق و طلب کا جذبہ ہو اور حافظہ کی قوت پاس ہو، جب ان تمام کی تکمیل ہو جائے تو پھر اہل و عیال اور مال و وطن کی محبت انسان کے لئے ملے گی ہو جاتی ہے اور دشمنوں کی شامت و دوستوں کی ملامت، جاہلوں کے طعن اور علماء کے حسد کی آزمائش میں انسان جتنا ہو جاتا ہے۔ اور جب ان تمام پر آدمی صبر کر لے تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے پھر چار نعمتیں ملتی ہیں۔

۱۔ قناعت کی عزت ۲۔ نفس کی ہیبت ۳۔ علم کی لذت ۴۔ اور ابدی حیات،

اور چار نعمتیں آخرت میں ملتی ہیں۔

۱۔ حق شفاعت کہ جس کے لئے چاہے اللہ سے سفارش کر دے۔ ۲۔ عرش خداوندی

کے سایہ میں جگہ۔ ۳۔ اپنے نبی محمد ﷺ کے حوض سے پانی پلانے کا اختیار۔ ۴۔ اور اعلیٰ علیین

میں انبیاء کے جوار میں سکونت۔

امام بخاریؒ نے تفصیل بنا کر قاضی ابوالعباس سے فرمائی تھی، ”بیٹے! آپ حجۃ علم حدیث کا مشغلہ اختیار کرنے میں اختیار ہے۔“ قاضی ابوالعباس نے حدیث میں مہارت کی ان تمام شرطوں کی تاب اپنے اندر نہ پا کر فقہ کی طرف توجہ دی کہ اس کے لئے بہر حال اتنے پاپوشیں بیلے پڑتے اور فقہ بن کر قاضی ہوئے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس کام کی امام بخاریؒ کی طرف نسبت مشکوک قرار دی ہے اور اس پر وضع کا شبہ ظاہر کیا ہے لیکن اس کے موضوع پر ہونے والی کوئی دلیل پیش نہ کر سکے، چنانچہ حضرت شیخ الفہرستؒ نے مقدمہ کو بجز المسامک میں مذکور وہ کام میں حافظہ کے اس شبہ کو ضعیف قرار دیا ہے۔

آپ کے دن علم حدیث کے سدا بہار گلشن کی سیر میں گزرتے اور آپ کی راتیں عبارت اور ”آؤ کھر کا ہی“ سے ”مہور تھیں، ہند کی کوہ و وجہ آپ کو بھی نصیب تھا جہاں بیداری شب کی لذت اور آؤ کھر کا ہی کے سامنے دنیا کی تمام لذتیں انسان کو ایچ عسوس ہوتی ہیں اور جس کی تعبیر اقبال کے الفاظ نے یوں کی ہے۔

واقع ہو اگر لذت بیداری شب سے اوچی ہے ثریا سے بھیما یہ خاک پر اسرار

اور

عظاز ہو روی ہو رازی اور غزالی ہو کچھ تھم نہیں آتا ہے آؤ کھر کا ہی

امام بخاریؒ کا معمول تھا آخری شب سحر کے وقت اٹھتے اور تہجد کی نماز ادا کرتے۔

نماز میں خشوع و خضوع کی یہ کیفیت تھی کہ ایک دن نماز سے فارغ ہو کر پاس والوں سے کہنے لگے ”میری قمیص میں دیکھو کوئی چیز تو نہیں؟“ دیکھا تو زہور تھا، مولہ سترہ جگہ پشت پر کاٹا تھا۔ پوری پینچہ سو جھٹکی تھی، جب امام صاحب سے کہا گیا کہ آپ نے اتنی بار کانٹے کا موقع ہی کیوں دیا پہلی ہی بار میں نماز چھوڑ دیتے؟ فرمانے لگے ایک سورت شروع کی تھی، میں چاہ رہا تھا کہ وہ پوری کر دوں۔

زنجیر (عجز) جیسے موادی جانور کا سولہ سترہ جگہ پر کاٹا لیکن اس کے باوجود قرآن میں محو ہمارے حقیقت ہمارے اسلاف کو حاصل وہ ”الطف قرآن“ تھا جو ان کو ہر چیز سے بے نیاز اور ہر تکلیف سے بے پرواہ کر دیتا تھا اور جس پر اس دور میں جب کہ ”دوسرے سوز جگر نما نہ لطف قرآن بحر نما نہ“ یقیناً میں دشواری پیش آتی ہے۔

امام بخاری کا رمضان المبارک میں ہر روز ایک مرتبہ قرآن اور تراویح کے بعد ہر تین راتوں میں ختم معمول تھا۔ ایک مرتبہ حیران دہائی کرتے ہوئے تیرہ کی ہل کے بیچ پر لگا۔ کچھ شکاف پڑا، بخاری حیران دہائی چھوڑ کر ساتھیوں سے کہنے لگے، ہل کا مالک تلاش کرو، ہل کے مالک حمید بن اسحق کو نقصان کا تاوان دینا چاہا، اس نے انکار کیا، کہا کہ آپ پر تو میرا تمام مال نفا ہے، امام اتنا خوش ہوئے کہ تین سو درہم غریبوں میں تقسیم کئے، پانچ سو احادیث اس دن طلبہ کو پڑھائیں۔ پوری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی فرماتے تھے، ”جب سے غیبت کے حرام ہونے کا علم ہوا ہے کسی کی غیبت نہیں کی“ ایک بار ابو مسعر ضریر سے فرمانے لگے، قصو و معاف فرمائیے، ابو مسعر نے کہا، آپ سے کونسا قصور سرزد ہوا؟ فرمانے لگے ایک دن حدیث سناتے کے دوران جب آپ پر نظر پڑی تو حدیث سنتے ہوئے آپ کے عجیب جھومنے کی کیفیت پر ہنسی آئی، ابو مسعر نے کہا آپ پر اللہ کی رحمت نازل ہو آپ میری طرف سے بری ہیں۔

دور سے آنے والے چند مساعیات کے مہمان کے ساتھ بد کیا بدترین اخلاق کا حامل انسان بھی خوش فطرتی سے پیش آتا ہے لیکن اچھے اخلاق جانچنے کی کسوٹی یہ نہیں، مسافر و حضر میں ساتھ رہنے والوں کے ساتھ اخلاقی برتاؤ کا نمونہ بہتری اخلاق کے فیصلہ کا معیار ہے۔

امام بخاری کے مسافر و حضر کے ساتھی محمد بن ابی حاتم نے نو سو تیس درہم کا ایک گھر خریدا، بخاری نے ایک ہزار درہم دیتے ہوئے کہا ”ان کو گھر کی قیمت میں خرچ کر لو“ محمد نے اس وقت لے لئے، کچھ دیر بعد بخاری سے کہا، ”میری ایک حاجت ہے لیکن کہنے کی جرأت نہیں پاتا“ ماہر سمجھے کہ شاید مزید درہم کی ضرورت ہے، کہنے لگے ”آپ کو میرے سامنے

اپنی ضرورت بیان کرتے ہوئے جھجک محسوس نہیں ہونی چاہیے۔ ”محمد بن ابی حاتم نے کہا، ”آپ پوری کرنے کا وعدہ کرتے ہیں تو بیان کروں“ امام نے وعدہ کیا، محمد نے کہا یہ درہم آپ واپس لے لیں، یہی میری حاجت تھی، امام نے چونکہ وعدہ کیا تھا اس لئے واپس لے لئے۔

ایک مرتبہ امام بخاریؒ نے ان کو کچھ رقم دی اور فرمایا کہ اس سے اپنے لئے کچھ خرید لو، محمد بن ابی حاتم نے امام کی طبیعت کی مناسب اشیاء خرید کر ان کے گھر بھیج دیں، امام بخاری نے ان سے کہا، رقم آپ کو دے کر اشیاء اپنے لئے منگوانا میرا مقصد نہ تھا، محمد بن ابی حاتم نے کہا، آپ نے دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی جمع کر دی ہے، جتنا اچھا سلوک آپ مجھ سے برتتے ہیں کون اپنے خادم کے ساتھ اتنا اچھا سلوک کرتا ہے۔ امام گھر میں تھے، باندی آئی، امام کے سامنے دو دات میں بھری سیاہی گرا دی، امام نے تنبیہ کی، کیسے چلتی ہو؟ باندی نے کہا، راستہ نہ ہو تو کیسے چلوں؟ امام نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا تم آزاد ہو، فرماتے تھے جب دنیا کا ذکر کلام میں آتا ہے اللہ کی حمد سے ابتداء کرتا ہوں۔ (مقدمہ فقہ ابی)

سلیم بن مجاہد کہتے ہیں میں نے بخاری سے زیادہ دنیا میں بے رغبتی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، امام کو اپنے والد سے ترکہ میں کافی مال ملا تھا، علم میں مشغولیت کی وجہ سے وہ مال مضاربہ کے سپرد کر دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک مضارب نے پچیس ہزار درہم ضامن کئے، امام سے کہا گیا کہ مقامی حاکم سے کہہ دیں وہ دلوادیں گے، امام فرمانے لگے اگر حاکم سے اس سلسلہ میں مددوں کا توکل وہ میرے دین میں دخل اندازی کرے گا اور میں اپنا دین دنیا کے عوض نہیں ضائع کرنا چاہتا۔

ایک مرتبہ امام کے پاس کچھ سامان آگیا، تاجر جمع ہوئے، پانچ ہزار درہم پر بیع کرنا چاہ رہے تھے، امام نے کہا، رات گزرنے دو صبح دیکھیں گے، صبح دوسرے تاجر آئے اور دس ہزار دینے لگے لیکن امام نے کہا میں نے رات پہلے تاجروں کو دینے کی نیت کی ہے اب نیت نہیں بدلنا چاہتا۔

فرماتے تھے ایک دفعہ آدم بن ابی ایاس کے ہاں پڑھنے گیا، خرچ ختم ہوا، گھاس تک کھانی پڑی کسی کو اطلاع مناسب نہ سمجھی، تین دن بعد ایک اجنبی نے اشرفیوں کی کھلی دی اور چلا گیا۔

ایک مرتبہ بصرہ میں طالب علمی کے دوران کئی دن درس میں نہ آئے۔ تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ کپڑے اور خرچ دونوں نثار و ساقیوں نے پھر اس کا انتظام کیا۔ (ساری بغداد) لافانی علم کے حامل امام کی فانی دنیا سے بے ریشی کی یہ چند مثالیں ہیں اسی کا نتیجہ دریا دلی و سخاوت کے عظیم جذبہ کی صورت میں امام کی شخصیت کا وصف بتا ہوا بنا۔

ضرورت مندوں پر بڑا خرچ کرتے تھے، اس بات کی احتیاط کرتے کہ کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے، ایک بار حدیث کے ایک طالب علم کو تین سو درہم عطا کئے، اس نے چاہا کہ دعائیں دے، امام نے جلد موضوع بدل کر بات شروع کی کی کسی کو خبر نہ ہو۔

آپ کی جانکادگی ماہانہ پانچ سو درہم آمدنی آتی وہ سب فقر و طلبہ میں تقسیم کرتے۔ الغرض امام بخاری کی شخصیت کے ترکیبی عناصر میں ذہن کی بیداری بھی تھی اور علم کی پختگی بھی، حافظہ کی غیر معمولی قوت بھی تھی اور سخت جانی و جانفشانی بھی، طلبہ جو بھی تھی اور ہمت کی بلندی بھی، ذوق و شوق بھی تھا اور فقر و درویشی بھی، معلومات کی وسعت بھی تھی اور نظر کی گہرائی بھی، ملکہ کا رسوخ بھی تھا اور تجربہ کی گیرائی بھی، اخلاص و تقویٰ بھی تھا اور بیداری شب و آہ سرگاہی بھی، علمی جلال بھی تھا اور اخلاص کی نرمی و خوش خرامی بھی، دنیا سے بے ریشی بھی تھی اور وصف سخا و دریا دلی بھی،

یہ چیزیں ملیں تو علم کا چشمہ پھوٹا اور ایسا پھوٹا کہ جس نے بحث و تحقیق۔۔۔ فقہ و حدیث اور روایت و درروایت کے تمام گوشوں کو سیراب کیا۔

حدیث میں ہے انبیاء پر بڑی سخت آزمائشیں آتی تھیں پھر جس کی انبیاء سے جتنی مماثلت ہوگی اتنی ہی سخت آزمائشوں میں وہ جلتا ہوگا۔ (ملکوتہ شریف)

..... امام بخاری کو بھی زندگی میں بڑے طوفانوں سے گزرنا پڑا، ابھی بچے ہی تھے

کہ بیٹائی جاتی رہی، ماما کی استائے نہ جانے کتنی دعائیں کی ہوں گی کہ ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں۔

”اللہ نے آپ کی دعاؤں کی کثرت کا اجر سے آپ کے بیٹے کی بیٹائی کو عطا فرمایا“ صبح ہوئی تو دیکھا تو امام کی بیٹائی لوٹ آئی تھی۔

۲..... جب خراسان گئے تو دوبارہ بیٹائی جاتی رہی کسی نے گلِ صلی کو سر پر ملنے کے لئے کہا اس سے بیٹائی پھر لوٹ آئی۔

۳..... نیشاپور امام آئے تو لوگوں نے بادشاہوں کی طرح استقبال کیا امام مسلم کہتے ہیں ”بخاری نیشاپور آنے گئے تو لوگ دو تین منزل شہر سے نکل کر باہر آ گئے، ایسا فقیہ اہل استقبال کیا کہ میں نے کسی عالم اور حکمران کو نہیں دیکھا کہ اہل شہر نے ان کا اس طرح استقبال کیا ہو، نیشاپور کے شیخ اور محدث محمد بن یحییٰ دہلی اور شہر کے دوسرے علماء سب استقبال کے لئے گئے۔“ (مقدمہ ص ۱۰۰)

محمد بن یحییٰ دہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ دوسری حدیث میں خلقِ قرآن کے متعلق بخاری سے سوال نہ کرنا خدا خواست اگر وہ اس مسئلے میں ہماری رائے کے برعکس جو اب دے دیں تو ہمارے درمیان اختلافات پڑے گا اور غارتی، رافضی اور جمعی سب ہمیں گمے۔

نیشاپور میں امام بخاریؒ کی مجلس حدیث کی ابتدا ہوئی تو عمل دہرنے کو جبکہ نہ تھی، کھوئے سے کھوا اچھل رہا تھا، مسجد اور اس کا محن لوگوں سے کچا کھج بھرا ہوا تھا، دوسرے تیسرے دن مجلس کا آغاز ہوا تو ایک آدمی نے ”لفظی بالقرآن“ کے متعلق پوچھا، امام نے تہجد نہ دی، اس نے دوبارہ سوال کیا، امام خاموش تھے، تیسری مرتبہ سوال پر امام نے کہا ”القرآن کلام اللہ غیر مخلوق و افعال العباد مخلوقہ، ولا متجان بلادہ“

”قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے، بندوں کے افعال مخلوق ہیں اور اس کے متعلق سوال کرنا اور امتحان لینا بدعت ہے۔“

امام بخاری سے یہ سوال چونکہ ایک خاص سازش کے تحت کیا گیا تھا، اس لئے مخالفین نے دھماچوڑی عیادی، کچھ لوگ کہہ رہے تھے، الفعلی بالقرآن "وَمَنْ تَوَلَّى كِبْرًا مِنْهُمْ" کہہ دیا، بعض کہہ رہے تھے، نہیں کہا، چونکہ یہ مسئلہ زبردست معرکہ الاراء بنا ہوا تھا اور امام احمد بن حنبل بھی اس سلسلہ میں پوری حکومت سے گرنے لگا، ابھی ابھی کا واقعہ تھا اس لئے لوگ اس میں بڑے تشدد کا کارخانہ کسی کی طرف سے ڈراما اجمال اس مسئلہ میں اہلسنت کے بڑے بڑے علماء کے جذبات پراگھٹ کرنے کا سبب بن جاتا، پھر شدید اختلافی نوعیت کے اس جیسے مسئلہ میں کسی بڑی شخصیت کے کلام میں تھوڑے سے ابہام کے متعلق جہالت بھانت کی یونیاں بولنا تو ہر حال عوام کا فطری حق ہے۔ کچھ لوگوں نے جا کر غیث پور کے شیخ محمد بن عینی زہنی کے سامنے یہ بے پرکی نزادی کہ بخاری نے کلام اللہ کو مخلوق کہہ دیا ہے، دین خبر نے زہلی کو بخاری کی شدید مخالفت پر آمادہ کر دیا اور انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ "الا من يستخلف انسى مجلسه فلا يستخلف المي مجلسنا" "جو کوئی بخاری کی مجلس میں جائے گا وہ ہر مجلس میں شرکت نہ کرے" (تہذیب نامہ ۱)

محمد بن عینی زہلی بخاری کے استاذ ہیں، امام بخاری نے ان سے ۳۴ روایتیں لی ہیں، حنفی پیش القدر عالم غیث پور کے شیخ اور ہند پارہ محدث ہیں، علامہ زہلی نے سیر اعلام النبلاء میں ان کا تذکرہ ان الفاظ کے ساتھ شروع کیا، محمد بن يحيى الامام، العلامة الحافظ، البارع، شيخ الاسلام، وعالم اهل المشرق، وامام اهل الحديث بخراسان۔ (تہذیب نامہ ۲)

امام بخاری اور علامہ زہلی کے اختلاف کی عام صورت پر کتابوں میں دو وجہ لکھیں ہیں۔
۱۔ چونکہ اس وقت مسئلہ "خلق قرآن" کا اختلاف زوروں پر تھا اس مسئلہ میں معتزلہ کے باطل عقیدہ کو ختم کرنے کی غرض سے ہلنسٹ کے بعض علماء و ذرہ برابر فری یا ابہام برداشت نہیں کرتے تھے اور جیسے کے اقبل میں لکھ چکے ہیں کہ علامہ زہلی نے اپنے شاگردوں سے کہا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق امام بخاری سے سوال نہ کرنا کیونکہ اگر وہ ایسا

جواب دیں گے جس سے ہمارے عقیدہ پر زوہ پڑتی ہو تو ہم میں اختلاف پیدا ہوگا۔ جب لوگوں نے امام بخاری کی طرف سے علامہ ذہلی کے سامنے ”لفظی بالقرآن“ مخلوق ہونے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو نہ شدا اختلاف اختلاف بن گیا۔

۲..... دوسری وجہ یہ لکھی ہے کہ ابتداء میں تو علامہ ذہلی امام بخاریؒ کی آمد سے بڑے خوش تھے لیکن امام بخاریؒ کی مجلس کی طرف لوگوں کی توجہ بڑھتی اور ذہلی کی مجلس کی رونق جیسی پڑتی گئی تو اس سے حسد کی آفت نے جنم لیا جس کا نتیجہ امام بخاریؒ کو شہر بدر کرنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔

خطیب نے تاریخ اہمذیب اور مقدمہ بغداد میں، علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء میں، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب اور مقدمہ التتبع میں دونوں بزرگوں کے اختلاف میں حسد کی یہ وجہ بھی لکھی ہے۔ تاج الدین یسکی نے تو طبقات کبریٰ میں صاف لکھ دیا۔

ولا یرتاب المنصف فی ان محمد بن یحیی اللہلی الحقنہ آفة الحسد النی لم یسلم منها الا اهل العصمة۔ (طبقات کبریٰ)

”انصاف کی نظر سے دیکھنے والے کو اس بات میں شک کی گنجائش نہیں رہتی کہ ذہلی کو حسد کی وہ آفت لاحق ہو گئی تھی جس سے صرف عصمت (انبیاء) محفوظ رہے ہیں۔“

لیکن جس طرح یہ دوسری توجیہ سمجھ میں نہیں آتی کہ بہر حال امام بخاریؒ علامہ ذہلی کے شاگرد تھے، امام کی آمد کے وقت استقبال کے لئے خود گئے، اپنی مجلس میں ان کے استقبال کے بارے میں یہ اعلان کیا کہ جو بخاریؒ کے استقبال کے لئے جانا چاہے جائے ہم تو بہر صورت جائیں گے جس شاگرد کی اتنی محبت و عزت دل میں ہو اس کے ساتھ یکجہت حسد کیونکر؟ ٹھیک اسی طرح اول الذکر بات کی سمجھ میں دشواری یوں پیش آتی ہے کہ امام بخاریؒ کے بارے میں جب لوگوں نے ”لفظی بالقرآن مخلوق“ کہنے کی بے بنیاد خبر اڑائی تو علامہ ذہلی نے اس کی تحقیق کیوں نہ فرمائی؟ بن حقیق اختلاف پر کیونکہ آمادہ ہوئے جب کہ امام بخاریؒ صاف اعلان کر کے کہتے تھے کہ ”انسانوں کی حرکات، اصوات، ان کا کام کرنا

ہمکناسب مخلوق ہیں البتہ قرآن جو مصحف حنف میں مکتوب و ردوں میں محفوظ ہے وہ اللہ کا حکام اور غیر حقوق ہے۔“ (برہن بخیر)

ابو عمرو و خواف نے جب امام بخاریؒ سے اس مسئلہ کی صراحت چاہی تو امام نے وفات کرتے ہوئے کہا۔ ”نیشاپور قوس، رومی، ہمدان، طوزن، بغداد، کوفہ، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں جو بھی یہ کہے کہ میں نے ”مغنی بالقرآن مخلوق“ کہا ہے وہ کذاب ہے، میں نے قطعاً یہ نہیں کہا میں نے تو ”القول العباد مخلوق“ کہا ہے، امام بخاریؒ کا مسلک اس مسئلہ میں عام علمائے اہلسنت کے مطابق تھا۔ (جبریل بغدادی)

غرض ایک طرف علامہ ذہلیؒ کا امام بخاریؒ کے استقبال کے لئے خود جانا اور دوسری طرف محض لوگوں کے تہنہ سننے ہی سے ان کو شہر بدر کرنا حیرت کن ہے۔

اور حقیقت یہ سن کر چیریں جمع ہوئی ہیں اول تو امام بخاریؒ بھرہاں علامہ ذہلیؒ کے شاگرد تھے، ذہلیؒ نے اس مسئلہ میں بن کو حکم کرنے سے منع کیا اس کے ساتھ ساتھ اہل بغداد نے علامہ ذہلیؒ کو امام بخاریؒ کے متعلق لکھا کہ بخاریؒ ”مغنی بالقرآن“ کے خلق میں شامل کرتے ہیں۔ لوگوں نے نیشاپور میں بھی یہی خبر مشہور کی، پھر امام بخاریؒ کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے امام مسلم اور احمد بن سلمہ جیسی شخصیتیں علامہ ذہلیؒ کے درس حدیث سے برسر مجلس انھیں، یہ تمام مواصل جمع ہوئے تو علاوہ ذہلیؒ کے اس اختلافی رویہ کی بنیاد پڑی جس کے بعد انھوں نے یہ تک کہہ دیا۔ ”لا یساکنس هذا الرجل فی البلد“

احمد بن سلمہ امام بخاریؒ کے پاس آکر کہنے لگے اس شخص (علامہ ذہلیؒ) کی شہر میں بڑی مقبولیت ہے ہم سے کچھ کرتے دھرتے بن نہیں پڑ رہا، اب آپ کا کیا خیال ہے؟ ایشیا پور امام بخاریؒ کا اچھا شہر تو تھا نہیں، یہاں نام مہمان اور غریب الہدیہ رتھے، علامہ ذہلیؒ کا یہ انسانی رویہ انکو نکلنے پر مجبور کر رہا تھا، بڑے غمگین اور شکستہ خاطر ہو کر کہنے لگے۔

”اے اللہ! تو خوب جانتا ہے کہ میں نیشاپور تکبر و تکبر و تکبر کی نیت سے نہیں آیا اور نہ ہی بڑائی و ریاست کی چاہت لے کر آیا ہوں، میں تو اپنے وطن بخارا اس لئے نہیں گیا کہ وہاں

پہلے سے میرے مخالفین موجود ہیں۔ (مستدرک الحارثی)

احمد بن سلمہ سے کہنے لگے میں کل نیشاپور چھوڑ دوں گا تا کہ تم اس شخص سے میرے سلسلہ میں خلاصی پانامام کی حالت گویا کہہ رہی تھی۔

نہیں اس کلی خفا میں کوئی گوشہ فراغت یہ جہاں عجب ہے جہاں ہے نہ نفس نہ آشیانہ تیری بندہ پردہ سے میرے دن گزر رہے ہیں

نہ گم ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

احمد بن سلمہ کہتے ہیں امام بخاریؒ جب نیشاپور سے جا رہے تھے تو میرے سوال امام بخاریؒ کو الوداع کہنے والا کوئی نہ تھا۔ لوگوں کی عقیدت کی بے شبہی دیکھئے و انتخاب زمانہ اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھئے کہیں وہ وقت کہ پورا شہر استقبال کے لئے امنڈ آیا اور کہاں اب کہہ خصمت ہو رہے ہیں اور الوداع کیلئے آدمی کے سوا کوئی نہیں۔

زمین بہمن اگاتی ہے گل کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے

خلاصہ علی نے دونوں بزرگوں کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھا "وما زال کلام

الکبار المعاصرين بعضهم لا يملو عليه بمفرده و رحم انظار الجميع و غفر لهم ولنا آمین" "بمعصرا کا برین کا ایک دوسرے کے بارے میں کلام کو بنیاد پر کسی ایک جانب جھکاؤ مناسب نہیں اللہ سب پر رحم فرمائیں، ان کی اور ہماری مغفرت فرمائیں آمین۔" نیشاپور سے امام بخاریؒ نے اپنے وطن بخارا کا رخ کیا، اہل بخارا کو جب امام کی آمد کی اطلاع ملی تو شہر کے راستے حرمین گئے، قہر لگائے گئے بلوگ شہر سے باہر آئے، امام بخاریؒ جب پہنچے تو ان پر درود و تائید پڑھا اور کئے گئے اور فاتحین کی طرح اہل بخارا نے امام کا استقبال کیا۔

امام بخاریؒ گشتِ علم حدیث کے چھپاوتے بلبل تھے، جہاں جاتے اس مہمان کی طرف اپنی نذر سرفرازی سے ایک دنیا کو مستحکم کر لیتے، بخارا میں امام کی مجلس حدیث کی رونق سے رونق ہوئی، جس علم کے حامل تھے اس کی قدر و حرمت کا احساس بھی اہل تہذیب نے من کو مٹا کیا تھا،

علم کو فانی دنیا کے حصول کا ذریعہ سمجھی نہیں بنایا، جہاں تک لیل علم کا شائبہ تھا وہاں تک تیار رہے، امراء اور دنیا والوں کے ہاں جانے سے گریزاں رہے۔ ان کو دنیا داروں کا اعتقاد کے سبب ان سے ٹال دیا۔

امیر بخارا خالد بن احمد ذہلی نے امام کو کہلا بھیجا کہ آپ میرے ہاں آکر صبح بخاری اور "تاریخ کبیر" کا درس دیا کریں تاکہ میں اور میرے بچے نہیں، امام بخاری نے کہا "میں بادشاہوں کے دروازوں پر جا کر علم کی تذلیل نہیں کر سکتا امیر کو اتنا ہی شوق ہے تو میرے ہاں مسجد یا گھر پر تشریف لایا کریں اور اگر یہ بات انہیں پسند نہیں تو میری مجلس حدیث کی پابندی لگادیں تاکہ میرے لئے عذر معقول بن سکے اور اللہ کے ہاں کسمان علم کا میں مجرم نہ قرار پاؤں"

امیر بخارا نے کہا چلو میرے ہاں آئیں، میرے بچے آپ کے ہاں آیا کریں گے، آپ ان کے لئے الگ مخصوص مجلس منعقد کر کے انہیں پڑھائیں جس میں کوئی اور شریک نہ ہو، امام بخاری نے یہ منظور کیا اور کہا کہ "میرے لئے یہ مناسب نہیں کہ علم کی مجلس کسی ایک قوم کے ساتھ مخصوص کر دوں" امام بخاری نے اس پچھلے رویہ سے امیر بخارا کی ہمارا منگی ایک نظری بات تھی، امام بخاری کا اب بخارا میں رہنا امیر کی امرانہ طبیعت پر بوجہ ہو رہا تھا، اس نے اپنے ساتھ حدیث بن ابی النور قاضی اور دوسرے چند علماء کو لایا، اور امام کے مذہب و عقیدہ کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے ان کی جلا وطنی کا پروانہ جاری کیا۔

یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ امام بخاری اس سے قبل بھی بخارا سے جلا وطن کیے گئے، اس آخری مرتبہ سے پہلے ایک دفعہ بخارا سے آپ کا اخراج تو جیجی ہے، بعض حضرات نے اس سے قبل تین بار امام کے جلا وطن ہونا یاد کر لیا۔

مکمل بارہاں وقت جلا وطن کیے گئے جب تاریخ کبیرہ وغیرہ کی تصنیف سے فارغ ہو کر امام جہاز کے سفر سے لوٹ آئے تھے، بخارا آنے کے بعد امام کے شاگرد حفص کبیر نے انکو فتویٰ دینے سے منع کیا اور امام بخاری نے کہا کہ فقہ میں تمہاری مہارت ابھی تھنہ ہے تم کوئی

نہ دیا کرو لیکن امام بخاریؒ کی فتویٰ دینے سے روک کر ان کے دادہ سے حرمت و رخصت کے ثبوت کا فتویٰ دیا جس کی وجہ سے آپ جلاوطن کئے گئے۔

یہ واقعہ اگرچہ کئی کتابوں میں ہے، چنانچہ صاحب نوادہ جہیہ نے ابوہنیہ بن حفص الکبیر کے ترجمہ میں شمار جواد صواب عن یہ نے کتاب الرضاۃ میں جو اہر معصوم کے معصوم نے ابو حفص کے تذکرہ میں محمد بن الحسن مالکی نے ”انجیس“ میں، علامہ ابن حجر مکی نے ”تہذیب الاحسان“ میں، علامہ سرفی نے ”مبسوط“ میں ان کے حوالہ سے مولانا عبدالرشید نعمانی مدظلہم نے ”دراسات المصیب“ کے حاشیہ میں اور حضرت مفتی مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم نے ”مکملہ فہم المسائل“ میں کتاب الرضاۃ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام بخاریؒ کی طرف سے فتویٰ کی نسبت مشکوک اور اس کی صداقت غیر یقینی ہے، ایک معمولی دین کی کچھ رکھنے والا انسان بھی اسکی صداقت نہیں کر سکتا چنانچہ رواہ ابن بخاری جن کے بارے میں نسیم بن حماد کہتے ہیں ”محمد بن اسماعیل فقہ ہلہ لاجعہ“ جن کے بارے میں ابوہنوب زہری فرماتے ہیں: ”ابوہنوبی افقہ عندنا.... الامام مالک و ابوہنوبی کلاہما واحد فی الفقہ والحلیث۔ جن کے بارے میں ابوالحسن بن راہویہ کا قول ہے ”لو کان البخاری فسی زمن الحسن لاحتاج الناس الیہ لمعرفتہ بالحلیث والفقہ، جن کے بارے میں علامہ واری نے کہا، محمد بن اسماعیل بن ابراہیم و اعلمہم و افقہم جن کے بارے میں عبد اللہ بن عبد الرحمن سررقدی نے فرمایا ”محمد بن اسماعیل اعلمنا، و افقہنا“ اور جن کے بارے میں محمد بن بشار نے اس وقت جب وہ بغداد میں داخل ہونے لگے کہا، ”الیوم دخل سید الفقہاء“ اور جنہوں نے اس وقت عبد اللہ بن مبارک اور کعبہ کی کتاب میں حفظ کرنی تھیں جبکہ انکی عمر کئی بھی سبب میں داخل نہیں ہوئی تھی اور جن کی اجتہاد کی صلاحیت متعلقہ اور قرآن وحدیث سے براہ راست استفادہ پر قدرت کے تمام علماء قائل ہیں۔

یہ بات اچھی جگہ درست ہے کہ بڑے سے بڑی غلطی ہو سکتی ہے لیکن اس کے ثبوت

کے لئے غمخوار اور ناگوار تر وہ دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، احترام کو بوجھ و دلائل کے اس کی کوئی مضبوط سند نہ مل سکی چنانچہ صاحب فائدہ ہیچہ علامہ لکھنوی اس واقعہ کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ”ہی حکایہ مشہورۃ فی کتب اصحابنا م لکنی استبعد و قوعا بالنسبة الی جلالہ قللو البغاری و دفعة فہمہ بوسعة نظره و غور لکیرہ۔“ ہمارے اصحاب کی کتابوں میں یہ واقعہ کافی مشہور ہے لیکن امام بخاری کی جملات شانِ ہدایت و رفعت و رفہم، وسیع نظر اور عیش لعل کے پیش نظر مجھے اس واقعہ کا قورع بعد معصوم ہوتا ہے۔

دوسری بار اس وقت جلاوطن کئے گئے جب ایمان کے حقوق اور غیر مخلوق ہونے کی بحث چھڑی اس مسئلہ میں اختلاف کی وجہ سے کئی علماء جلاوطن کئے گئے ان میں بخاری بھی تھے۔ بعض علماء نے یہ شاپور سے آنے کے بعد جس ”خری جلاوطنی میں بخاری کے وفات کا حادثہ پیش آیا اس سے قبل بخارا سے ایک مرتبہ اور امام بخاریؒ کے اخراج کا ذکر کیا ہے کہ علامہ ذہلی سے اختلاف کے بعد جب امام اپنے وطن آئے تو علامہ ذہلی نے شیوخ بخارا کو ان کے عقیدہ کے سلسلہ میں ایک خط لکھا جس کی وجہ سے امام بخاری جلاوطن کئے گئے۔ لیکن یہ درست نہیں یہ شاپور سے واپس آنے کے بعد امام بخاریؒ اور مرتبہ نہیں ایک ہی بار جلاوطن کئے گئے اور اسی میں آپ کی وفات کا حادثہ پیش آیا۔

علامہ ذہلی نے سیر اعلام النبلاء میں محمد بن احمد بن حنبل کے تذکرہ میں علامہ ذہلی کے شیوخ بخارا کے نام خط لکھتے اور اس کی وجہ سے امام بخاریؒ کے اخراج کا ذکر کیا ہے اسی روایت کو بنیاد بنا کر بعض حضرات نے امام بخاریؒ کی یہ قیصری اور مشغل جلاوطنی شمار کی ہے جس میں علامہ ذہلی کے خط کی وجہ سے امام بخاریؒ کی جلاوطنی کی اس روایت کو اگر صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی اس سے وہی آخری جلاوطنی اور اخراج مراد ہے جس میں آپ کی وفات کا واقعہ پیش آیا چنانچہ اس روایت کے آخر میں ہے۔ ”بقی الی ان کتب الی اہل مصر و

یستأذنیہم فی القدوم علیہم فامتنعوا علیہ و مات فی قریۃ“

مگر ہاں میر بخارا نے آپ کے خلاف پروپیگنڈا موثر بنانے کے لئے علامہ ذہلی

کا خط بھی حاصل کیا ہوتا ہم اس میں تمام روایات متفق ہیں کہ امام بخاری کی نیشاپور سے واپسی کے بعد ایک مرتبہ اخراج ہوا اور اسی میں آپ انتقال کر گئے ہیں۔

اس لحاظ سے امام بخاریؒ اس آخری جلاوطنی سے قبل صرف ایک بار مسئلہ طلاق ایمان کی وجہ سے جلاوطن کئے گئے ہیں۔ "جب امام بخاریؒ کو نیشاپور کی طرح بخارا میں بھی رہنے نہیں دیا گیا اور امیر بخارا نے شہر سے نکلنے کا حکم دیا تو امام نے امیر اور دوسرے مخالفین کے حق میں بدعا کی، ابھی ایک زمانہ بھی نہ گزرا تھا کہ بخارا کا وہ امیر معزول کر دیا گیا، قید میں ڈال کر اس کی جائیداد ضبط کی گئی اور اپنے انجام سے غافل اس عظیم محدث کو اپنے وطن سے بلا وجہ نکلانے والے دوسرے لوگوں نے اپنے گھر اور اولاد کے سلسلہ میں وہ رسوائی و ذلت دیکھی جو ناقابل بیان ہے۔

پڑ سردگنی گل پہ جب ہنسنے لگی کلی آواز دی خزاں نے تو بھی نظر میں ہے امام بخاریؒ کے اخراج کا علم اہل سمرقند کو ہوا تو انہوں نے اپنے ہاں آنے کی دعوت دی امام دعوت قبول کر کے سمرقند کے لئے روانہ ہو گئے، ابھی سمرقند کے قریب "خرتک" نامی بستی پہنچے تھے کہ اطلاع ملی کہ سمرقند میں امام بخاریؒ کی آمد پر لوگوں میں اختلاف ہو گیا ہے کچھ لوگ ان کی آمد پر خوش ہیں اور بعض کو ان سے اختلاف ہے، خرتک میں امام کا اپنے ایک عزیز غالب بن جبریل کے ہاں قیام تھا، رات کو اٹھے نماز پڑھی اور دعا کی اللھم قد صاقت علی الارض بسما رحمت، فاقبضی الیک (جنت بئرا) "اے اللہ! یہ زمین اپنی تمام وسوسوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی ہے اب مجھے اپنی طرف اٹھا لیجئے"

دشت و قاف میں جب نہ ملا کوئی آشنا پہروں کرتے رہے دعا ہم افتادگی کے ساتھ ادھر سمرقند سے امام کی آمد پر اتفاقی فیصلہ کی اطلاع آئی لیکن تقدیر کا یہ پیام اب کہہ رہا تھا "يَا أَيُّهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارجِعی الی ربِّکَ رَا ضِیَّةً مُرَضِیَّةً" اب سمرقند نہیں اپنے رب کے پاس جانے کا پروانہ آ گیا تھا جس کی دعا کی تھی اور جو قبول ہو گئی تھی۔ جب یکم شوال ۲۵۶ھ کو خوشیوں کا تہنہ لے کر ماہتاب عید نمودار ہوا اسی رات زمانہ اور اہل

زمانہ کی بے قدری کا دلغ لئے حدیث نبوی کی لافانی خدمت کرنے والے اس عظیم انسان کی زندگی کا آفتاب تپاں وہاں غروب ہوا جہاں زندگی کے ہر آفتاب کا مدفن ہے۔

(تہذیب الاسماء والمقامات)

کہیں سامان مسرت کہیں سازم ہے کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے
عبدالواحد بن آدم کہتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو صحابہ کی ایک جماعت سمیت خواب میں دیکھا کہ آپ ﷺ کھڑے ہیں، میں نے کھڑے ہونے کی وجہ دریافت کی، فرمایا میں بخاری کا انتظار کر رہا ہوں بعد میں معلوم ہوا کہ جس وقت خواب دیکھا تھا اسی ساعت امام بخاری کا انتقال ہوا تھا۔ دفن کرنے کے بعد قبر سے خوشبو پھوٹی، قبر کی سیدھ میں آسمان کی جانب ایک روشن خط نظر آنے لگا، لوگ قبر کی مٹی پر ٹوٹ پڑے، بڑے سخت حفاظتی انتظامات کے بعد قبر سے لوگوں کو روکا گیا، امام بخاریؒ کے پچانے میں جن مخالفین نے غلطی کی تھی ان میں سے بعض قبر پر آئے اور توبہ کی۔

جان کر جملہ خاصانِ معنائی مجھے مدتوں رویا کریں گے جامِ وینا نہ مجھے
بوئے گل کا باغ سے اور کھجور کا دنیا سے سفر اس عالمگیر قانون کا اثر ہے جس سے نہ کوئی بچا ہے، نہ بچے گا، امام بخاری کو زندگی میں محبتوں کے جمونے بھی نصیب ہوئے اور نفرتوں کے طوفان سے بھی سابقہ پڑا، عقیدت کے پھول بھی ملے اور حسد کے کانٹے بھی ہاتھ لگے، امام گئے، امام کے حاسد گئے، وہاں، جہاں سب گئے، سب کو جانا ہے، پر امام کا علم باقی رہا، باقی رہے گا کہ یہ کائنات کی اس بہترین ہستی کے کام کا علم تھا جس کے فیض عام نے صحرائے عرب کے بدویوں کو اور حبشہ کے گنہگار صحابیوں کو حیات جاودا بخشی۔ امام بخاری نے اپنی ”صحیح“ مجلسین کے جن پھولوں سے آباد کیا ہر دنا زندگی ان پھولوں کے لئے فطرت کا انعام ہے کہ۔

چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے رفعتِ شان و درِ فضا لک ذکر کر دیکھے
اسی گلشنِ بندی کا صلہ ہے کی صدیاں گزر گئیں، امام بخاری کی یادیں زندہ رہیں،

زندہ رہیں گئی۔

آئی بی رہے گی تیرے انکس کی خوشبو گلشن تیری یادوں کا مہکسی رہے گا
(ہست ہست مراثیات کی تہلی کے ساتھ دستِ وقت اور کاندھانِ علم)

حجتہ ال اسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے جن کے علم و فضل، جلالتِ قدمہ اور دینی خدمت پر جمہورِ مسلمانانِ برصغیر کے قریب قریب بھی محاکبِ ثمر کا کمال حقائق ہے بلکہ بعض کے نزدیک تو وہ بارہویں صدی ہجری کے مجدد ہیں۔ اور ملکِ عرب عالمگیری کے 1118ھ ہجری (مطابق سترہ سو سات عیسوی) میں وفات پانے کی ریمینی کہ بے کو شک ہو کہ ہولناک سیاسی انتشار نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اس نے دہلی کی مرکزی مسلم حکومت کی جڑیں کھوکھلی کر دیں۔ اسی زمانے میں نام نہاد صوفیوں اور جھگڑاؤں کے جہوں نے اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ ہر طرف بدعات، فحش و فجور اور غیر اسلامی معتقدات کا دور دورہ ہو گیا۔ غیر مسلم اقوام بالخصوص مرہٹے اس صورتِ حال کا پورا فائدہ اٹھا رہے تھے اور وہ مسلمانوں کو اختیار و اقتدار سے یکسر محروم کرنے اور ان پر غلبہ حاصل کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ یکا یک رحمتِ خداوندی جوش میں آئی اور گھٹا ٹوپ اندھیرے میں شاہ ولی اللہ جیسے مردِ کامل کا ظہور ہو و جن کی مسیحائے نفسی نے ہندوستان میں مسلمانوں کے اکثریت کے قدم ایک مرتبہ پھر جمادیئے۔ شاہ صاحبؒ نے جو ہمہ پائشان کارنامے سر انجام دیے وہ یہاں کا خلاصہ یہ ہے:

پہلا: مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کرنا بدعات کا رد کرنا اور مسلمانوں کو قرآن حکیم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دینا۔

دوسرا: حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج

تیسرا: فقہ اور حدیث میں تطبیق کی مساعی

چوتھا: شریعت اسلامی کی مدلل و مربوط ترجمانی

پانچواں: فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین

چھٹا: حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف

ساتواں: اسلام کا بطور ایک مکمل نظام حیات کے عقلی اور استدلالی تعارف

آٹھواں: اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح اور خلافت راشدہ کے خصائص

اور اس کا اثبات

نواں: سیاسی امتیاز اور حکومت مغلہ کے دور زوال میں مجاہدانہ و قائدانہ کردار

دسواں: امت کے مختلف طبقوں کا احتساب اور ان کو دعوت اصلاح و انتخاب

گیارہواں: علماء حق اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور

اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے کارناموں کی اس فہرست سے

ان کی جدوجہد سے بھرپور ولولہ انگیز زندگی کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب ہم ان کے

سوانح حیات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ بیشک آپ اپنے دور کے محدث اعظم مفسرِ اعلیٰ اور امام

علم و فن، عظیم مفکر و مصلح اور بارہویں صدی ہجری کے مجدد تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت نام و نسب

نام ولی اللہ، کنیت ابو محمد، بشارتی نام قطب الدین احمد اور تاریخی نام عظیم الدین ہے،

ولادت سے پہلے ہی آپ کے والد محترم شاہ عبدالرحیم نے خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی

خواب میں زیارت کی، انہوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر

قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے

ذہن میں یہ بات نہ رہی، اور انہوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا نام

قطب الدین احمد تجویز کیا گیا اور شاہ صاحب کے بعض احباب نے ان کی تاریخ پیدائش عظیم

الدین سے نکالی ہے، آپ کا سلسلہ نسب والد ماجد کے طرف سے حضرت عمر فاروقؓ تک، اور

والدہ محترمہ کی طرف سے حضرت موسیٰ کاظمؑ تک پہنچتا ہے، آپ نسلاً عربی و نسباً فاروقی ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔

شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجہیہ الدین بن معظم بن منصور بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی خازن بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین مفتی بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم بن عادل مالک بن فاروق بن جرجمس بن احمد بن شہر یار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن خطابؓ۔

اس نسب نامہ میں متعدد جگہ لفظ ”ملک“ ناموں کے ساتھ آیا ہے، جس کے متعلق شاہ صاحب خود تحریر فرماتے ہیں، یہ زمانہ قدیم میں تعظیمی لقب جانا جاتا تھا، جیسے ہمارے زمانے میں ”خان“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کے آباؤ اجداد قدیم ہی سے دینی و نبوی وجاہت کے مالک رہے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی ولادت باسعادت

آپ کی ولادت حضرت مجدد الف ثانیؒ کی وفات کے ۸۰۶ سال اور شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے چار سال قبل ۳ شوال المکرم ۱۱۱۳ھ مطابق ۷۰۲ء بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپ کے نانہال قصبہ محلہ شلح مظفر نگر میں ہوئی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے والد ماجد

عارف باللہ شیخ کامل حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب آپ کے والد ماجد ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سے حالات، کمالات و کرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے جس کا نام انفاس العارفین ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے خرقہ خلافت یافتہ ایک عظیم شیخ طریقت تھے، آپ کو شیخ ابوالقاسم اکبر آبادیؒ سے خلافت اور اجازت بیعت حاصل تھی۔

دوسری طرف شاہ عبدالرحیم صاحبؒ جید عالم اور محدث و فقیہ بھی تھے آپ فقہ حنفی کے جید علماء میں شمار کیے جاتے تھے اور فقہی جزئیات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کے ایک دوست شیخ حامد وہ جن کو اورنگزیب نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کا نگران مقرر کیا تھا، وہ آپ کی تنگدستی سے واقف تھے، ازراہ دوستی فتاویٰ کی تدوین میں اپنا شریک کار بنانا چاہا اور تنخواہ کی امید دلائی، آپ نے قبول نہ کیا، صاف انکار کر دیا، لیکن جب اس کی خبر آپ کی بیوہ ماں کو ہوئی تو وہ بہرم ہوئیں اور نوکری کر لینے کا حکم دیا آپ نے محض بیوہ ماں کی دل جوئی اور خاطر داری کے لئے شیخ حامد کا شریک بننا منظور کر لیا، اس ملازمت کی خبر آپ کے مرشد کو ہوئی تو انہوں نے نہ صرف اظہار ناراضگی کیا بلکہ اس کے ترک کر دینے پر اصرار کیا، آپ نے والدہ کا عذر کیا، مگر انہوں نے اس کا بالکل خیال نہ کیا اور برابر اصرار کرتے رہے، حتیٰ کہ ملازمت چھوڑ دینے کا حکم دیدیا، آپ نے اس موقع پر بڑی عقلمندی کا ثبوت دیا، چنانچہ آپ نے مرشد کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت آپ ہی دعا فرما دیں نوکری خود بخود چھوٹ جائے، کیونکہ میرے چھوڑنے سے والدہ کی آزر دگی کا اندیشہ ہے، چنانچہ انہوں نے دعا فرمائی اور وہ دعا اس طرح قبول ہوئی کہ ایک روز عالمگیر نے خلاف معمول اچانک تدوین فتاویٰ کے ملازمین کی فہرست طلب کی، اور بلا وجہ شاہ عبدالرحیم کا نام قلمزد کر دیا، اور پھر حکم دیا کہ ”اگر خواستہ باشد اس قدر زمین بد ہید“ یعنی اگر شاہ عبدالرحیم چاہیں تو ان کو اتنی زمین دیدی جائے، گویا نوکری چھوڑ کر اب جاگیر دار بنائے جانے کی تجویز ہوئی مگر آپ اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ فرمان شاهی کے بموجب جب جب آپ سے رائے پوچھی گئی تو باوجود تنگی معاش کے جو جواب دیا وہ آپ کی شان توکل کی آئینہ دار ہے، فرماتے ہیں، ”قبول نہ کروم و شکرانہ بجا آؤرم حمد خدا تعالیٰ گفتم“ نوکری چھوڑی جاگیر کو نظر انداز کیا اور صبر و شکر کے ساتھ اپنے اسی فقر و فاقہ پر خدمت غلط کرتے ہوئے زندگی گزار دی۔ حضرت شاہ عبدالرحیم محدث دہلوی اگرچہ اپنے نامور اور فخر روزگار صاحبزادے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی طرح شہرہ آفاق نہ بن سکے اور وہ خود شاہ ولی اللہ کے والد کی حیثیت سے زیادہ پہچانے

کئے مگر یہ بھی ایسے واقعی واقعات ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تمام فہم و اہمال اور علم و معرفت کی بنیاد اور اساس ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیمؒ کی تعلیم و تربیت ہے جیسا کہ مفکر اسلام مولانا عبید اللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ”شاہ ولی اللہؒ کی فکری تربیت اور ان کی علمی اساس میں ہم ان کے والد شاہ عبدالرحیمؒ کو اصل مانتے ہیں شاہ عبدالرحیمؒ نے خود اپنے نامور صاحبزادے کو تعلیم دی تھی، چنانچہ انہوں نے شاہ ولی اللہؒ کو قرآن کا ترجمہ تفسیروں سے الگ کر کے پڑھایا، اور اس طرح قرآن کا اصل متن ان کے لئے قابل توجہ بنایا، پھر آپ نے وحدۃ الوجود کے مسئلہ کو صحیح طریقہ پر حل کیا، اور اسے اپنے صاحبزادے کے ذہن نشین کیا، نیز شاہ عبدالرحیمؒ صاحب نے حکمت عملی کو اسری علوم میں ایک باوقار اور اہم مقام دیا اور اپنے صاحبزادے شاہ ولی اللہؒ کو دس طور پر تلقین کی، الغرض یہ تین چیزیں قرآن کے متن کو اصل جانتا، وحدۃ الوجود کو صحیح حل اور اسلامی علوم میں حکمت عملی کی غیر معمولی اہمیت شاہ ولی اللہؒ کے علوم میں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اور یہ تینوں کی تینوں شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کی تربیت کا نتیجہ ہیں۔“ (شاہ ولی اللہؒ اور اہل علم و فضلہ) (مسنوۃ الامید اشد سنہ ۱۲۸۱ھ)

شاہ عبدالرحیمؒ نے اپنے صاحبزادے کو خلاق و تہذیب کی علمی تعلیم و تربیت سے بھی آراستہ کیا، آپ اپنے صاحبزادے کو اکثر شیخ سعدیؒ کا یہ شعر سنایا کرتے تھے۔

آسائش دو گیتی تغیر ایں دو حرف است باد وستان کلف بادشمنان مارا
زندگی کی راحت دو، توں میں پوشیدہ ہے، ایک یہ کہ دوستوں کے ساتھ خف و نرم
کا برتاؤ کیا جائے اور دشمنوں کے ساتھ خاطر و مدارات کا سوا کیا جائے۔ اور حضرت شاہ ولی اللہؒ والدہ جدو شیخ محمد علیؒ کی صاحبزادی فخر النساءؒ جو شرعی علوم اور ادب طریقت اور اسرار حقیقت سے آراستہ و پرستہ تھیں، انہیں باہمی محبتوں کے طبقہ میں قابلِ فخر مقام رکھتی تھیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیم و تربیت

جب آپ نے اپنی عمر کے پانچویں سال میں قدم رکھے تو والد ماجد نے تعلیم کا سلسلہ

شروع کر دیا اور آپ نے سات سال کی عمر میں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت ارکان و فرائض بھی معلوم کر لئے۔ اسی سال والد بزرگوار نے نماز روزہ شروع کر لیا تاکہ پابندی فرائض کی عادت پڑے شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ زم سنّت بھی اسی سال عمل میں آئی ساتویں سال کے آخر میں آپ نے فارسی اور عربی کے ابتدائی رسائل پڑھنا شروع کر دیئے اور ایک سال کے اندر ان کو مکمل فرما لیا۔ اس کے بعد آپ نے صرف و نحو کی طرف توجہ فرمائی اور دس برس کی عمر میں علم نحو کی معرکہ الادراک کتاب شرح جامی تک پہنچ گئے، اور نہ صرف درسی کی نوشتہ خواندہ میں مہارت حاصل کر لی بلکہ عربی صرف و نحو پر عبور حاصل کر لیا، شاہ صاحب نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے کہ دس سال کی عمر میں ایک حد تک مطالعہ کی راہ مکمل گئی تھی صرف و نحو سے فراغت کے بعد آپ نے معقولات کی طرف توجہ فرمائی، اور تھوڑے ہی عرصے میں اس سے فراغت حاصل کر لی، پھر وہ سال کی عمر میں تمام متداولہ درسی علوم کی تکمیل کر کے ارباب فضل و کمال کے زمرہ میں شامل ہو کر ایک مقام خاص کے کتبہ ہو گئے

حضرت شاہ ولی اللہ کی تحصیل علوم کی تفصیل

امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تعلیم اکثر اپنے والد بزرگوار کے پاس ہوئی، جس کی تفصیل آپ نے اس طرح بیان کی ہے علم حدیث میں مشکوٰۃ شریف تمام و کمال پڑھی، لیکن چند روز علالت کی وجہ سے کتاب التلخیص سے کتاب اللہ تک کا حصہ چھوٹ گیا، صحیح بخاری شروع سے کتاب الطہارۃ تک شامل ترمذی نوں سے آخر تک پڑھی، ہم تفسیر میں بیہ وی اور تفسیر ہارک کے کچھ حصے باقاعدہ پڑھے اور باقی حصہ کا خود مطالعہ کیا، اس کے علاوہ کامل غور فکر اور مختلف تفاسیر کے مطالعے کے ساتھ والد ماجد کے درسی قرآن، اور اس طرح کئی بار میں نے حضرت سے متن قرآن پڑھا، اور یہی میرے حق میں ”فتح عظیم“ کا باعث ہوا، فالحمد للہ علی ذلک۔

علم فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ کی دو جلدیں تھوڑے حصہ کے علاوہ پوری پڑھیں،

اصول فقہ میں حسامی اور قاضی و کلوتج کا درس لیا، منطق میں شرح شمسہ کامل اور شرح مطالع کا کچھ حصہ پڑھا، علم کلام میں شرح عقائد کامل اور خیالی اور شرح مواقف کا کچھ حصہ پڑھا، علم طب میں موجز فلسفہ میں شرح بدلیہ الحکمۃ وغیرہ، علم نجوم میں کافیہ، شرح ملا جانی، علم معانی میں مطول کا اکثر حصہ اور مختصر المعانی کا وہ حصہ پڑھا، جس پر ملا زادہ کا حاشیہ ہے، ہیئت و حساب میں بعض رسائل پڑھے، تصوف و سلوک میں عوارف المعارف اور رسائل نقشبندیہ پڑھے، علم الحقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی، مقدمہ شرح لعمات، مقدمہ نقد المخصوص، خواص اسماء و آیات میں والد صاحب کا ایک مجموعہ پڑھا، جس کی انہوں نے چند مرتبہ اجازت بھی دی، اثنا تحصیل میں اپنے زمانے کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کی خدمت میں بھی آتے جاتے اور علوم حدیث میں ان سے استفادہ کرتے رہے۔

امام ابو حنیفہؒ کو اجازت تجوید و قرأت

شاہ صاحب نے فن قرأت و تجوید کی تکمیل مشہور قاری مولانا محمد فاضل صاحب سندھی سے کی تھی جو دہلی کے شیخ القراء اور اپنے زمانے کے ماہر فن شمار کئے جاتے تھے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”میں نے قرآن کو اول سے آخر تک بروایت حفص عن عاصم (صالح اللہ) حاجی محمد فاضل سندھی سے ۱۱۸۴ھ میں پڑھا اور انہوں نے دارالسلطنت دہلی میں شیخ القراء شیخ عبدالخالق سے پڑھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی شادی

شاہ صاحبؒ کی دو شادیاں ہوئیں۔ پہلی شادی چودہ سال کی عمر میں آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ بھٹائی کی صاحبزادی سے ۱۱۲۵ھ میں ہوئی، ان سے ایک صاحبزادے شیخ محمد پیدا ہوئے، جنہوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شامل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیزؒ کے شریک تھے، شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑھانہ منتقل ہو گئے اور مدت العمر وہیں رو کر وفات پائی

اور قصبہ بڑھانہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے، اسی بنا پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے، شیخ محمدؒ کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع المعقب لکھا ہے۔ شاہ صاحب کی دوسری شادی پہلی اہلیہ کے انتقال کے بعد سیدنا اللہ سونی پتی کی صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوئی جو سونی پتی کے رہنے والے تھے، اور سید ناصر الدین شہیدؒ کی اولاد میں سے تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی) تولد ہوئے جو ہندوستان میں دین کی نشاۃ ثانیہ کے ”ارکان اربعہ“ ہیں، اور ایک صاحبزادی لہذا العزیزہ بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں ان کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کو اجازت بیعت و وفات والد ماجد

آپ کی عمر کے سترہویں سال والد ماجد سخت بیمار ہوئے اور اسی حالت مرض میں آپ کو بیعت و ارشاد کی اجازت مرحمت فرمائی، بدرسد رحمہ اور خاندانہ رحمہ کی جو بساط بچھائی تھی اس کا انتظام شاہ صاحب کے سپرد فرمایا اور صفر المظفر ۱۱۳۱ھ مطابق ۱۷۱۹ء بروز بدھ اس مرتاض صوفی اور فقیہ الشال عالم نے درس و ارشاد کی مسند اپنے بلند اقبال بیٹے (شاہ ولی اللہ) کے لئے خالی کر دی۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس و تدریس

والد ماجد کے انتقال کے بعد آپ نے مستقل طور پر مسند درس و ارشاد کو رونق بخشی اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے علم و فضل اور کمالات ظاہری و باطنی کا شہرہ دور دور تک پہنچ چکا تھا، ہر طرف سے تشنگان علوم و معارف جو درجہ آتے اور زانوئے تلمذ بچھاتے تقریباً بارہ سال تک آپ کتب دینیہ اور معقولات کا درس دینے میں مشغول رہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا علمی استغراق

دورانِ درس و تدریس میں آپ کو علم و فن میں غور کرنے کا موقع ملا، اسی زمانے میں آپ نے مذاہبِ اربعہ کی فقہ اور ان کے اصولِ فقہ کی کتابوں کا منظرِ غائر مطالعہ کیا، اور ان احادیث کو بھی، ہامعانِ نظر دیکھا جس سے حضراتِ ائمہ اپنے اقوال و مذاہب کی سند لاتے ہیں اور اسی وقت سے فقہاءِ مجددین کا طریقہ بھی آپ کے دلِ نشین ہوا، آپ کا یہ زمانہ نہایت استغراق اور محویت کا گزر رہا، آپ نے نہایت تحقیق و کوشش سے کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اور رات دن انتہائی اٹھنا کھنکھانے کے ساتھ کتبِ نبی میں مشغول رہے، آپ ان دنوں کھانا کم کھاتے اور آرام بھی کم کرتے اور دس و تیرہ گھنٹے کے بعد جو وقت ملتا اسے صحبتِ کتب میں صرف کرتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا سفرِ حجاز

جب شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے یہ محسوس کیا تھا کہ اسلام کو ہندوستان آئے صد ہاں بیتِ پنچیس مگر علمِ حدیث آج بھی ضرورت سے کم ہے تو موصوف نے اس کی کوشش کرتے ہوئے مسلسل تین سال حجاز مقدس میں رہ کر علمِ حدیث حاصل کیا تھا اور پھر ہندوستان واپس آ کر انھوں نے اور ان کے بعد ان کی اولاد نے اس کی اشاعت میں بڑی کوشش فرمائی تھی مگر اس سلسلہ حالات کی وجہ سے اپنے مقصد میں ناکام ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے دیکھ کر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کی استوار کردہ بنیادوں کے کچھ نئے ہوئے نشانات ابھی باقی ہیں اگرچہ وہ چند کمرے کے ان بنیادوں پر مضبوط عمارت نہ تعمیر کی گئی تو نہیں بجا پا سکتا کہ وہ قائم بھی رہ سکیں گی، غور و فکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچے کہ علمِ حدیث اس کے معدنِ حجاز مقدس سے حاصل کرنا چاہئے، چنانچہ زیارتِ حرمین شریفین کا شوق دامنگیر ہوا

۱۱۳۷ھ مطابق ۱۷۱۷ء کے لاکھ میں حجاز روانہ ہو گئے۔

خانہ کعبہ اور روضہ اطہر ﷺ پر روحانی مشاہدات و مکاشفات کی صورت میں شاہ صاحب پر جو فیضان ہوا اس کو آپ نے فیوض حرمین میں قلمبند کیا ہے، فرماتے ہیں کہ ”اللہ پاک کی سب سے بڑی نعمت جس سے اس نے سرفراز فرمایا وہ یہ ہے کہ ۱۱۴۳ھ اور اس کے بعد کے سال میں بھی مجھے مقدس گھر کے حج کی اور اپنے نبی کریم ﷺ کی زیارت کی توفیق فرمائی، لیکن اس سلسلہ میں اس نعمت سے بھی کہیں زیادہ بڑی نعمت جو مجھے میسر آئی وہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس حج کو میرے لئے مشاہدات باطنی اور معرفت حق کا ذریعہ بنایا، اور اسی طرح اس نے نبی علیہ السلام کی اس زیارت کو میرے لئے بصیرت افروز بنایا۔ شاہ صاحب نے حرمین شریفین میں کل چودہ ماہ قیام فرمایا، اور اس زمانہ کے قیام میں آپ نے اپنی اشراقی قوت سے روضہ انور ﷺ سے کسب فیض کیا اور بڑے بڑے علماء و مشائخ سے استفادہ بھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے حجازی اساتذہ

یوں تو شاہ صاحب نے حجاز مقدس میں متعدد علماء و مشائخ سے علم حدیث اور باطنی فیض حاصل کیا مثلاً شیخ سادی شیخ احمد قشاشی سید عبدالرحمن اور سی، شمس الدین محمد بن علا بابلی، شیخ عیسیٰ جعفری، شیخ حسن عجمی، شیخ احمد علی اور شیخ عبداللہ بن سالم بصری، لیکن اس سلسلہ میں جن مشائخ سے آپ بہت قریب ہوئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ شیخ ابو طاہر محمد ابراہیم کروی مدنی، انہوں نے آپ کو سند حدیث بھی عطا فرمائی اور سارے سلاسل کو جامع خرقہ، خلافت و اجازت بھی اپنے دست مبارک سے پہنایا، موصوف حضرت شاہ صاحب کی فطری ذہانت اور خداداد بصیرت کے بڑے مداح تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے، ”و یسند عینی اللفظ و کنت اصصح منه المعنی“ یہ الفاظ کی سند تو مجھ سے لیتے ہیں مگر ان سے حدیث کے معانی میں حاصل کرتا ہوں۔ جب شاہ صاحب نے حجاز سے واپسی کا ارادہ کیا اور آخری بار خدمت میں حاضر ہوئے تو والہانہ انداز میں یہ شعر پڑھا

نسبت کل طریق کنت اعرفہ الا طریقاً یودینی الی ربکم جن راستوں سے واقف تھا سب بھول گیا، سوائے ایک راستہ کے جو آپ کے دیار تک پہنچتا ہے تو شیخ پر ایک کیفیت طاری ہوئی اور بہت متاثر ہوئے اور نہایت خلوص سے شاہ صاحب کے حق میں دعا کی۔ سراج الہند امام شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے لکھا ہے۔ "میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا "ہرچہ خواندہ بودم فراموش کردہ ام الا علم دین" میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا بجز علم حدیث تو یہ سنکر شیخ بہت خوش ہوئے اور دعا میں دیں۔

۲۔ شیخ وفد اللہ بن شیخ سلیمانی مغربی، شاہ صاحب نے ان کی مجلس درس میں موطا امام مالک بروایت یحییٰ بن یحییٰ اول سے آخر تک پڑھ کر تمام مرویات کی سند نہایت قلیل عرصہ میں حاصل فرمائی۔

۳۔ مفتی محمد کمال شیخ تاج الدین بن قاضی عبدالحسن قلعی حنفی، ان کی مجلس درس میں شاہ صاحب نے صحیح بخاری، کتب صحاح کے بعض مشکل مقامات، موطا امام مالک، موطا امام محمد، کتاب الآثار اور مسند دارمی کی سماعت کی شیخ نے خصوصیت کے ساتھ شاہ صاحب کو تحریری اجازت نامہ عنایت فرمایا۔

تجاز مقدس کے چودہ ماہ قیام میں علمی صحبتوں اور متیق مطالعہ کتب اور امداد نبی سے آپ نے حدیث و فقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کیا اور آخر ۱۱۴۳ھ مطابق ۱۷۳۲ء میں آپ نے دوبارہ ارکان حج ادا فرمائے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں وطن مالوف دہلی کا رخ کیا، پورے چھ ماہ آتے آتے لگ گئے، اور بتاریخ ۱۳ رجب المرجب ۱۱۴۵ھ ٹھیک جمعہ کے دن بصحت و عافیت دہلی رونق افروز ہوئے، واپسی کی خبر سن کر تمام اہل شہر علماء و فضلاء اور صوفیا کرام نے آپ کا کھڑے قدم کیا، یہاں کچھ آرام کرنے کے بعد آپ نے سلسلہ درس شروع فرمادیا، مدرسہ رحیمیہ کو آپ نے جدوجہد کا مرکز بنا دیا طلباء جوق در جوق اطراف ہند سے

آ آ کر مستفید ہونے لگے، اور اپنے تجدیدی اور اصلاحی کاموں کا آغاز فرمایا۔ اس سلسلہ میں آپ نے سب سے پہلے فتح القرآن کے نام سے قرآن کریم کا فارسی زبان میں ترجمہ فرمایا اور مختصر تفسیری حواشی لکھے، سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا ترجمہ سفر حجاز سے پہلے ہو چکا تھا اور اس اہم تجدیدی کام کی تکمیل واپس آ کر فرمائی۔

حجت الاسلام امام شاہ ولی اللہؒ کے تجدیدی و اصلاحی کارناموں کا خلاصہ

۱..... اشاعت قرآن

۲..... اشاعت حدیث

۳..... اصلاح عقائد و معاشرت

۴..... حقیقی اسلامی تصوف کا تعارف

۵..... اخلاقی تربیت کا سنون طریقہ

۶..... فقہی اور اجتہادی اختلافات میں اعتدال کی تلقین

۷..... اس وقت کی مسلم حکومت کو اخلاقی زوال اور سیاسی انتشار سے بچانے کی

منظوم جدوجہد

۸..... تحریک اصلاحی و تجدید کو چلانے اور عملی طور پر اسے نافذ کرنے والی جماعت کی

تربیت۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعت قرآن

قرآن کریم امت کے عقائد اور اعمال کی اصلاح کا واحد مؤثر ترین نسخہ ہے، اس کتاب ہدایت سے دور رہ کر امت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، شاہ صاحب سے پہلے امت کے اندر عام طور پر یہ خیال پھیلا ہوا تھا کہ قرآن کریم خدا کا کلام ہے اسے کون سمجھ سکتا ہے، اور کون اس کی حقیقت کو پاسکتا ہے، شاہ صاحب نے اس خیال کی تردید میں سب سے پہلا کام یہی کیا کہ عام امت کو کلام الہی سے قریب کر دیا کہ وہ غور و فکر کر کے اسلام اور صراطِ مستقیم

کو پاسکے، چنانچہ خورشاد صاحب رسالہ ”تحدیث الحدیث“ میں تحریر فرماتے ہیں۔

”بعض لوگ کہہ بیٹھے ہیں کہ قرآن کریم اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو بہت علوم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہو، اور اپنے زمانہ کا علامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ**۔ (سورہ جمہ)

خدا تعالیٰ وہ ہے جس نے اُن پڑھوں میں پیغمبر بھیجا، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان ان پڑھوں پر خدا کی آیتیں اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، اگرچہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

یعنی رسول خدا ﷺ بھی ان پڑھ اور آپ کے صحابہ بھی ان پڑھ تھے مگر جب رسول خدا ﷺ نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں تو وہ ان کو سن کر ہر قسم کی برائی اور بگاڑ سے پاک ہو گئے۔ پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن و حدیث نہیں سمجھ سکتا اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہ برائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت انوس ہے جو صدرہ سمجھے اور قاموس جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں مگر قرآن و حدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو شخص نادان ظاہر کرتے ہیں، اور بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں جو قرآن و حدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالیٰ فرماتا ہے **وَأَخْرَجَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ** (سورہ جمہ) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں یا ان پڑھ مگر جب کہ وہ مسلمان ہوں اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں اور قرآن و حدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن و حدیث کافی ہو سکتی ہے۔ اور قرآن فرماتا ہے **وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ** (القر ۲۲) اور البتہ ہم نے قرآن کو فصاحت کے لئے آسان کر دیا کیا کوئی فصاحت لینے والا ہے؟ یہ کیونکر ہو سکتی ہے کہ ”کافیہ“ پڑھنے والے اور ”شافیہ“ جاننے والے تو اس کے معنی

کچھ سے بجز ظاہر کریں، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ قرآن یوں فرماتا ہے کہ "أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْفُورَانِ" (محمد ۴۳) قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے پس اگر قرآن آسمان نہ ہو تو اس میں فکر کیوں کر کیا جائے۔ "أَمْ عَلَى قُلُوبِ أَفْفَالُهَا" (محمد ۴۳) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہوں گے، باوجود یہ کہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے۔

چنانچہ اس زعم باطل کو مٹانے اور ختم کرنے کے لئے شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے جو مختصر ہونے کے علاوہ بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے، ابتداء میں لکھتے ہیں (يقول الفقير الى رحمة الله الكريم ولي الله بن عبدالحكيم) ایں رسالت در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمہ فی قوانین الترمیم در وقت تسوید ترجمہ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد ترجمہ: اور اصول تفسیر میں "الفوز الکبیر" کی تصنیف بھی دعوت الی القرآن اور اشاعت علم قرآن کی ایک مضبوط کڑی ہے، اگرچہ مختصر ہے لیکن حقائق و دقائق اور اسرار و حکم پر مشتمل ہے، درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنیاد پر لکھ دیئے ہیں دوسری کتابوں کے سینکڑوں صفحات کے مطالعہ سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

شاہ صاحبؒ کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ یعنی شروع کر دی تھی، اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا، اس ضرورت اور انقلاب حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلویؒ نے محسوس کیا، اور شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں

اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہ جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور عکافت ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں۔ شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا جو اپنی اعتیادوں اور مصنف کے علمی تجربہ و اختلاس کی وجہ سے بہت مقبول ہوا اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا بجا زدہ ترجمہ بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج ہو کر قس ترشح قرار پایا۔ اور اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہو گیا۔ جس کی تعداد کا استحصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور درس قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ترجمہ قرآن کے علاوہ درس قرآن کا بھی سلسلہ جاری فرمایا اور شاہ صاحبؒ کے درس قرآن کا آخری دور آیت اعلیٰ اَعْلَمُوا اَنْھُمْ اَقْرَبُ مَبْلَسَافِی تَحْتَ ہوا۔ ان کے بڑے فرزند شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہی سلسلہ سے درس قرآن شروع فرمایا اور تقریباً ۶۲-۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرہویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا اس کو خواص و عوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی اور اس سے اصلاح معائنہ کا جو عظیم الشان کام انجام پایا اس کی کوئی نظیر اور مثال نہیں ملتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس قرآن کا آخری دور اِنْ اَکْثَرُ مِنْکُمْ یَعْلَمُ اللّٰہَ تَعَالٰی تک ہوا، پھر یہاں سے شاہ محمد اسحاق صاحبؒ نے شروع کیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور اشاعت حدیث

شاہ صاحبؒ سے پہلے ہندوستان میں صحاح ستہ کی تدریس کا رواج نہ تھا بلکہ حدیث کا جو سرمایہ ہندوستان میں انہوں نے پڑھا تھا وہ کل یہ تھا، پوری مشکوٰۃ، بجز چند ابواب اور بخاری شریف کا ایک حصہ جن کی کتاب اظہارۃ تک، سب سے پہلے صحاح ستہ کو ہندوستان

میں رواج دینے والے شاہ صاحبؒ ہیں۔ حضرت شاہ عبدالمعز صاحبؒ فرماتے ہیں ”علم حدیث پندرہ کن از حدیث منورہ آورده چو در دہ ماہ حرمین بسر و بارہ سہ کردہ۔“ (المحذات ۹۳)

میرے والد علی مدینہ منورہ سے علم حدیث لائے تھے۔ وہ دہ ماہ حرمین شریفین میں رہ کر آپؐ نے سند حاصل فرمائی تھی۔ شاہ صاحب حرمین شریفین سے ارادوں کی تکمیل کے لئے ہندوستان واپس ہوئے تھے، ان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت کو سب سے زیادہ اہم رکھا، مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے اسٹڈ سے آپؐ نے ارشاد فرمایا ”ہرچہ خواند بودم فراموش کردہ اما علم حدیث“ میں نے جو کچھ پڑھا ہے سب بھلا دیا، مگر علم حدیث کے۔

حضرت شاہ دولی اللہ گادری صاحبؒ حدیث

شاہ صاحبؒ جب حجاز مقدس سے ہندوستان واپس تشریف لائے تو یہاں آنکر صرف تین مخطوطے اختیار فرمائے۔ (۱) قرآن کریم کے معارف بیان کرتے (۲) تصنیف و تالیف کا کام کرتے (۳) حدیث پاک کا درس دیتے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔ حرمین شریفین میں درس حدیث کے تین طریقے ہیں (۱) سرد (۲) بحث و تحقیق (۳) امعان و تعلق، یعنی ہر ہر لفظ اور اس کے متعلقات پر بار بار علی پر بحث کی جائے، اس طریقہ کو شاہ صاحبؒ نے باعظمت اور قصہ خواتین کا طریقہ قرار دیا ہے اور دوسرے طریقہ کو مستبدیوں کے لئے مفید نکالیا ہے، اور پہلا طریقہ دورہ حدیث کے لئے قرار دیا ہے، اس لئے شاہ صاحبؒ کے یہاں مشکوٰۃ شریف، بحث و تحقیق سے اور صحاح ستہ و تراجم پڑھائی جاتی تھی، انہی صحاح ستہ میں ہر کتاب کی کچھ خصوصیات ہیں ان پر طلباء کو متنبہ کیا جاتا تھا، آج ہمارے مدارس میں صحاح ستہ کی تدریس جس کو دورہ حدیث کہتے ہیں، اس کے اپنی اول فی اوقات حضرت شاہ دولی رحمۃ اللہ علیہ صاحبؒ کی ذات گرامی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے سلسلہ حدیث کی مقبولیت

آج ہندوستان میں علم حدیث کا جو رواج و رواج ہے بالواسطہ و بیاوسطہ اس کی بڑی حضرت حمزہ اسلام امام البندہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خالصانہ ہندو جہد پر قائم ہوتی ہے۔ حمزہ اسلام ہالی، راجستھان دہلی بندہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی سے میرجاں نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سراج میں حضرت کا جہاز بن کے ساحل کے کسی بندرگاہ پر ٹھہر گیا، معلوم ہوا کہ چند دن بھی رکا رہے گا۔ حضرت نانوتوی کو کسی نے خبر دی کہ اس بندرگاہ کے شہر میں ایک کہنہ سالن عمر بزرگ محدث رہتے ہیں، ان کی ملاقات کو حضرت تشریف لے گئے، ان سے مل کر مولانا نانوتوی ان کے علم سے بہت متاثر ہوئے اور درخواست کی کہ حدیث کی سند اجازت عطا ہو، اس پر محدث صاحب نے پوچھا کہ تم کس کے شاگرد ہو؟ انھوں نے اپنے استاد مولانا عبد الغنی محمدی کا نام لیا، محدث صاحب ناواقف تھے، پوچھا مولانا عبد الغنی کس کے شاگرد ہیں، کہا شاہ عبد العزیز صاحب کے، شاہ عبد العزیز کا نام سنا رکھے، اور بولے میں ان کو جانتا ہوں، اس کے بعد فرمایا شاہ ولی اللہ جو نبی کا رخصت ہے، جس طرح جہاں جہاں مولوی کی شائستگی ہیں وہاں جنت ہے اور جہاں اس کی شائستگی نہیں وہاں جنت نہیں ہے، یونہی جہاں شاہ ولی اللہ کا سلسلہ ہے وہاں جنت ہے اور جہاں ان کا سلسلہ نہیں ہے وہاں جنت نہیں ہے۔

مصر کے مشہور معروف عالم علامہ رشید رضا مرحوم "مفتاح کنوز السنہ" کے مقدمہ میں ہندوستانی علماء کا حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد حدیث سے جو اعتدال رہا ہے اور اس میدان میں جو ان کا خدمات ہیں جس کا سلسلہ الحمد للہ اب بھی جاری ہے، ان کا اعتراف علامہ موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے: "ولو عناية اخواننا علماء الهند معلوم الحديث في هذا العصر يغني عليها بالروايات من مصادر المشرف لفتح ضعفت في مصر والشام والحجاز منذ القرون الخ" اور تمارے ہندوستانی بھائیوں

میں جو علماء ہیں اگر حدیث کے علوم کے ساتھ اس زمانہ میں ان کی توجہ نہ ہوتی تو مشرقی ممالک سے یہ علم ختم ہو چکا ہوتا کیونکہ مصر، شام، عراق، تہاز میں دسویں صدی ہجری سے یہ علم ضعف کا شکار ہو چکا تھا۔ علامہ موصوف درحقیقت حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے سلسلوں کا اعتراف کر رہے ہیں، شاہ صاحب کے بعد ہندوستانی علماء نے علم حدیث کی کیا خدمات انجام دی ہیں، اس پر مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مقام عظمت

بقول مولانا نسیم احمد فریدی بلاشبہ حضرت شاہ صاحبؒ اپنے وقت کے مجدد حکیم الامت، امام علم و فن، مصلح امت اور ہمدرد انسانیت ہیں، وہ بیک وقت ایک عظیم الشان عالم دین بھی ہیں اور درویش باصفا بھی، مفسر و محدث بھی ہیں اور مفکر و متکلم بھی، مدرس و معلم بھی ہیں اور مؤلف و مصنف بھی، ماہر سیاسیات بھی ہیں اور رموز آشنائے معاشیات بھی، دریائے حکمت و معرفت کے نواہس بھی ہیں اور اسرار شریعت کے محرم خاص بھی۔

ولیس علی اللہ ہمستک
ان یجمع العالم فی واحد

آپ کے معاصر علماء نے جو علوم و معارف میں اپنی مثال آپ تھے آپ کے مقام عظمت کا اعتراف کیا ہے اور بڑی قدر و منزلت سے آپ کا ذکر کیا ہے۔ حضرت مرزا مظہر جان جاناؒ فرماتے ہیں۔ مثل ایشان در محققان صوفیاء کہ جامع اند در علم ظاہر و باطن و علم نو بیان کردہ اند چند کس گذشتہ باشند (کلمات طبابت ۸۴)

ترجمہ: ان اہل تحقیق صوفیاء میں جو ظاہری اور باطنی علوم کے جامع ہیں اور نیا علم بیان کیا ہے حضرت شاہ صاحب جیسے بس چند ہی لوگ گذرے ہوں گے۔

مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی اپنے رسالہ ”فخر الحسن“ میں آپ کو اس طرح یاد فرماتے ہیں۔ ”شیخ صاحب المقامات العالیہ والکرامات الجلیلۃ الشیخ ولی اللہ سلم اللہ تعالیٰ وابقاہ۔“

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں آیۃ من آیات اللہ و معجزۃ لنبیہ الکریم ﷺ یعنی شاہ صاحب اللہ کی آیتوں میں سے ایک آیت اور اس کے نبی کریم ﷺ کا معجزہ ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں "اتحاف" میں تحریر فرماتے ہیں "اگر وجود اور درصدر اول در زمانہ ماضی نبی بود امام الائمہ و تاج المجتہدین شمرده می شود، اگر شاہ صاحب کا وجود گزشتہ زمانہ میں صدر اول میں ہوتا تو تمام مجتہدوں کے پیشوا اور مقتدا مانے جاتے۔

علامہ شبلی رقطنری ہیں کہ "ابن تیمیہ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی حنزل ہوا تھا اس کے لحاظ سے یہ امید نہ تھی کہ کوئی صاحب دل و دماغ پیدا ہوگا لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھانا تھا کہ اخیر زمانہ میں شاہ ولی اللہ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی رازی اور ابن رشد کے کارنامے ماند پڑ گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ اور تحدیثِ نعمت و تحمید الہی

جس مقام و منصب اور عظمت و رفعت سے آپ کو سرفراز کیا گیا تھا اس سے آپ بخوبی واقف تھے، جس کا اظہار بطور تحدیثِ نعمت آپ نے متعدد جگہ فرمایا ہے، چند اقتباسات بطور مثال پیش کئے جاتے ہیں۔

۱..... جب میرا دورہ حکمت یعنی علم اسرار دین پورا ہو گیا تو اللہ نے مجھے خلعتِ مجددیت پہنائی پس میں نے مسائل اختلافی میں جمع (و تطبیق) کو معلوم کر لیا۔

۲..... ایک جگہ اور تحریر فرماتے ہیں، مجھے خدا نے یہ شرف بخشا ہے کہ میں اس زمانے کا مجدد ہوں اور قطب ہوں، اگر خدا نے چاہا تو میری کوششوں سے مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائے گی۔

۳..... مجھ پر اللہ تعالیٰ کے خاص احسانات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے مجھے اس آخری دور کا خالق، حکیم، قائد، اور زعمیم بنایا۔

۳..... میرے ذہن میں ڈالا گیا کہ میں لوگوں تک یہ حقیقت پہنچا دوں کہ یہ زمانہ تیرا زمانہ ہے، یہ تیرا وقت ہے، افسوس اس پر جو تیرے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔

۵..... میں نے خواب میں دیکھا کہ میں قائم الزمان ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ جب خیر کے کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اپنے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے مجھے اکہ کار بناتے ہیں۔ اس قسم کے بیسوں اقوال آپ کی تصانیف میں ملتے ہیں جو نہ بطور تعلیمی و خود ستائی ہیں نہ بطریق فقر و غرور بلکہ یہ بطور تجدیدِ نعت و تحسینِ الہی ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ“

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات حسرت آیات

آپ بذمہ صلیح مظفر گھر میں قیام پذیر تھے کہ مرض الموت میں گرفتار ہو گئے، قلت غذا کی وجہ سے ضعف و نقاہت پہلے ہی لاحق تھی اب اس میں اور اضافہ ہو گیا، ۹ ذی الحجہ ۱۱۸۵ھ کو بغرض علاج دہلی تشریف لائے، لیکن تقدیر تدبیر پر غالب ہوئی اور ۲۹ محرم ۱۱۸۶ھ مطابق ۱۷۶۳ء کو بو وقت تلہریہ علم و معرفت کا آفتاب جہاں تاب افق دہلی میں ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا اور اپنے پیچھے بے شمار کواکب و نجوم کو چمکتا دمکتا چھوڑ گیا جو اس کی مستعار روشنی سے اب تک منور ہیں، حضرت شاہ عبدالرحیم کے مزار سے متصل ”مہندیان“ کے قبرستان میں آپ کے جسد خاکی کو سپردِ خاک کیا۔

اربابِ چین مجھ کو بہت یاد کریں گے ہر شاخ پہ اپنا ہی نشان چھوڑ دیا ہے

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے اخلاق و عادات

شاہ صاحبؒ نہایت سادہ طبیعت، منکسر المزاج، نفیس الطبع، بلند ہمت، فراخ حوصلہ، جنائش، بہادر و شجاع، مستقل المزاج، ہمدرد و فرہاد، ریا و نمود سے خالی، ظاہری نمائش و شان و شوکت سے گریزاں اور بڑے مہمان نواز و فیاض تھے، مشمول ہونے کے باوجود نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، اکثر اوقات آپ کے دسترخوان پر سادہ روٹی اور بعض اوقات

معمولی سبزی ہوتی تھی، نشان بے نیازی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ آپ نے کبھی شاہان وقت کی طرف چشم ارادت سے نہ دیکھا،

نظر ہے ابر کرم پر درخت صحرا ہوں کیا خدا نے نجات باغباں مجھ کو

حضرت شاہ ولی اللہ کا فقہی مسلک

شاہ صاحب کا مسلک فقہاء محدثین کے طرز پر توسط و اعتدال تھا آپ روایت و درایت کی روشنی میں طریقہ کار متعین فرماتے، اور جمہور علماء کے مختلف طریقوں سے وابستہ رہتے علوم دینیہ اور امور شرعیہ میں آپ درجہ اجتہاد پر فائز تھے، اس لئے مذہب حنفی و شافعی میں رہتے ہوئے دونوں مذاہب کا خیال رکھتے تھے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کا سواد اعظم مسلک حنفی سے وابستہ تھا، شاہ صاحب نے ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہندوستان کے مزاج اور یہاں کے فکر و تمدن دیکھتے ہوئے ائمہ فقہ کی تقلید کا درس دیا، چنانچہ جتے اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں۔

”ساری امت یا امت کا معتد بہ حصہ ان چاروں مذاہب حنفی، شافعی، حنبلی، مالکی، پر متفق ہو چکا ہے کہ آج ہمارے زمانہ میں ان کی تقلید جائز ہے، اور اس میں کئی مصلحتیں ہیں جو غنی نہیں ہیں خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ ہمتیں پست ہو چکی ہیں اور لوگوں کے دلوں میں خواہشات نے گھر کر لیا اور ہر آدمی اپنی رائے پر فخر کر رہا ہے۔“ (بجانب اللہ البالغہ)

خدا بخش لاہوری پٹنہ بہار میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے، اس میں آپ کے تلمیذ محمد بن ہیر محمد بن شیخ ابوالفتح نے پڑھا ہے، تلمیذ مذکور نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ شوال المکرم ۱۱۵۹ھ لکھی ہے اور جنما کے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے، حضرت شاہ صاحب نے اپنے دست مبارک سے اپنی سند امام بخاری تک تحریر فرما کر تلمیذ کے لئے سند اجازت تحدیث لکھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات تحریر فرمائے۔ ”العموی نسباً الدہلوی و طناً الاشعری“

۸۔۔۔ قوم کے منجھلا در زوال کے زمانے میں ہر شخص (اہل اور نہ اہل) اجتہاد و کون نے کے لیے آہ رونا مچاتا ہے۔ کسی ایک مسئلہ میں مختلف اجتہادات ملت میں انتشار کا سبب بن جاتے ہیں۔ ان حالات میں تقلید ہی ملت میں اتحاد اور نظم و ضبط قائم کر سکتی ہے۔ بالخصوص یہ کہتے ہوئے کہ لوگ تم بہت بھی ہیں اور خواہش پرست بھی اور ہر شخص اپنی اپنی راے پر مقرر ہو رہا ہے۔ (مطلب یہ کہ بھارت میں نہت کی بولیں بولنے کے بجائے دینی مسلمات میں مصلح صالحین کی تحقیق اور طریقہ پر اعتماد اور عمل کیا جائے۔)

حضرت شاہ ولی اللہ کی تصانیف و تالیفات

ایک مصنف کی حیثیت سے بھی شاہ صاحب کا درجہ بہت بلند ہے، آپ نے عربی طرز بکار کوش کو جو محض ناموس اور پرستو الفاظ کے طلسم اور فضول قافیہ پیمانی کے السوں میں گھرا ہوا تھا وسعت بخش اور اس قافلہ سرد یا کردہ ان لفظی کور کور چندوں اور بھاشاؤں کی پابندیوں سے آزاد ہو کر عکس ماند خیالات اور علمی مضامین کو بطریق احسن پیش کر سکے۔ زمانہ ماضی میں سب سے پہلے ابن خلدون نے یہ خدمت انجام دی تھی مگر بعد آپ ہی ایک ایسے مصنف ہیں جنہوں نے اس سلوب کو زندہ کیا۔

باوجود محی اور ہندوستانی ہونے کے آپ نے عربی فصاحت و بلاغت کا بے نصیر نمونہ پیش کیا جس کی عظمت کا اعتراف ابن قلم نے بھی کیا ہے، مولانا مناظر الحسن گیلانی اسی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”عربی زبان میں انہوں نے جتنی کتب میں لکھی ہیں ان میں ایک خاص قسم کی انشاء کی جو ان کا مخصوص اسلوب ہے پوری پابندی کی غیہ شاہ صاحب پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی عبارتوں میں زیادہ تر ”جوامع الکلم“، ”المنی الہ تم“ کے طرز و شکل کی پیروی کی ہے جتنی جوامع وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے مدعا کا تلہ دار لینی لغات اور لکھی محاورات سے کریں جو لسان نبوت اور زبان رسالت سے خاص تعلق رکھتے ہیں، ان کی بے شمار تصانیف ہیں جنہیں مؤرخین دوسو سے زائد بتاتے ہیں مصنف ”نبی ولی“ نے ان

کی تعداد ۵۱ بیان کی ہیں، مولانا علی میاں صاحب نے ۵۳ کی تعداد تحریر کی ہے، لیکن یہ اختلاف محض اس سبب سے ہے کہ شاہ صاحبؒ کے مختلف رسائل الگ الگ بھی شائع ہوئے ہیں اور کئی کئی رسالے ساتھ بھی چپے ہیں۔ شاہ صاحبؒ کی تصنیفات کے سلسلے میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے یہ تمام کام جیسا کہ حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کل ستائیس اٹھائیس یا تیس برس سے کم مدت میں انجام دیا ہے، اور وہ بھی نہایت پر آشوب اور پر فتن زمانے میں جو آپ کی منزلت علمی اور نمایاں فن کا ایک واضح ثبوت ہے، آپ کی چند مشہور اور متداول تصنیفات حسب ذیل ہیں۔

۱.....فتح الرحمن فی ترجمۃ القرآن :

قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ ہے جو سب سے پہلے ہندوستان میں طبع ہوا، یہ نہایت جامع، مانع اور مطلب فیز ترجمہ ہے، ترجمہ کے ساتھ جا بجا فوائد بھی ہیں جو نہایت مختصر مگر جامعیت اور اشکال کی گروہ کشائی میں بے مثل ہیں، اتنی مدت گزر جانے کے باوجود اب تک اسکے مقابل کا کوئی ترجمہ نہیں ہو سکا۔

۲.....فتح الخیر بحالا بد من حفظہ فی علم التفسیر :

یہ عربی زبان میں قرآن پاک کی تفسیر کا نہایت مختصر اور بے نظیر رسالہ ہے جس میں شرع غریب القرآن اور اسباب نزول پر جا بجا روشنی ڈالی گئی ہے۔

۳.....الفوز الکبیر فی اصول التفسیر :

فارسی زبان میں اصول کا ایک مختصر مگر نہایت جامع رسالہ ہے جس میں قرآن مجید کے علوم خمسہ تاویل حروف مقطعات، رموز قصص انبیاء اور اصول مانع و منسوخ پر نہایت مفید اور بصیرت افروز مقالات جس خوش اسلوبی سے بیان کئے ہیں وہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے، علماء نے اس رسالے کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر دینی مدارس کے نصاب میں داخل کیا ہے یہ فارسی رسالہ اردو اور عربی میں منتقل ہو گیا ہے۔

۴.....حجة اللہ البالغہ :

حضرت شاہ صاحب کو یقین تھا کہ کچھ عرصہ کے بعد دور ”عقلیت“ شروع ہونے والا ہے جس میں احکام شریعت کے متعلق اوہام و شکوک کی گرم بازاری ہوگی، اسی خطرہ کے سد باب کرنے کے لیے شاہ محمد عاشق پھلپٹی کے اصرار پر آپ نے بالہام ربانی یہ بے نظیر کتاب ایسے عالم میں تحریر فرمائی جو جو استفراق کا عالم تھا، اکثر درمیان کتاب میں ”علمی ربی“ ”الہمی ربی“ فرماتے ہیں، یہ کتاب جس محدثانہ، مشکمانہ، فقیہانہ اور فلسفیانہ انداز میں تصنیف ہوئی وہ حضرت شاہ صاحبؒ ہی کا حق ہے، جس میں آپ نے تعلیمات اسلام کو مطابق فطرت اور دینی احکام کو مبنی بر عدل ہونا ثابت کیا ہے، ہر حکم الہی اور امر شریعت کے اسرار و مصالح نہایت یلغ اور مدلل انداز میں بیان کئے ہیں جس سے ایک طرف تو متفکر و متردد حضرات کے شکوک و شبہات کا ازالہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف مفسرین کے احکام اسلام پر معاندانہ اعتراضات کا منہ توڑ جواب مل جاتا ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی یہ مایہ ناز تصنیف آنحضرت ﷺ کے ان معجزات میں سے ہے جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے امتوں کے ہاتھوں پر ظاہر ہوئے، اور جن سے اپنے وقت میں رسول کریم ﷺ کا اعجاز نمایاں اور اللہ کی حجت تمام ہوئی افسوس یہ ہے کہ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ اور حضرت اقدس حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بعد یہ کتاب یتیم ہو گئی ہے، اور اسکے درس کا سلسلہ دار علوم دیوبند جیسے ادارے میں بھی موقوف ہو گیا ہے حالانکہ اس کتاب کی زبان بہت ہی آسان ہے اور معمولی غور و فحوض کے بعد مطلب سمجھ میں آ جاتا ہے۔

۵۔ تاویل الاحادیث فی امور قصص الانبیاء:

مکذبین انبیاء پر جو عذاب الہی آئے اور رسولوں اور نبیوں کے ذریعہ جن معجزات کا ظہور ہوا اس کتاب میں ان کو مطابق فطرت ثابت کیا گیا ہے۔

۶۔ المسوی من الموطا

موطا امام مالک کی مبسوط عربی شرح ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ اس شرح میں شاہ

صاحب کا مجتہد اندیشہ نمایاں ہوتا ہے، ہندو پاک اور مکہ مکرمہ سے شائع ہو چکا ہے۔

۷۔ التصفی شرح الموطا

یہ نام نہ تو مالک کی ندر کی تشریح ہے اس میں آپؐ نے احادیث اور آثار و ائد کر دی ہے اور احادیث پر مجتہد اندیشہ سے بحث کی ہے۔

۸۔ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری

شاء صاحبؒ نے امام بخاریؒ کے تراجم ابواب کی اس مرتبہ شرح کی ہے کہ تراجم ابواب اور احادیث میں مناسبت پیدا ہو جاتی ہے، یہ رسالہ عربی میں ہے، عربی زبان کے صحیح بخاری کے شروع میں ملتی ہے۔

۹۔ إزالة الغناء عن خلافة الخلفاء:

یہ شاہ صاحبؒ کی دوسری شہرہ آفاق تصنیف ہے، اس میں آپؐ نے خلفائے راشدینؓ کی خلافت کا حق دیا، آیات و احادیث و روایات سے دلائل و برہین دے کر ثابت فرمایا ہے، اور شیعوں کے یہی مذاہب و عقائد غلط کو نہایت مدلل و انصاف کے ساتھ حل کر دیا ہے، یہ کتاب فارسی میں ہے۔

۱۰۔ التفضیحات الزہیة

آپؐ نے اس کتاب میں معاشرے کے ہر طبقہ کو مخاطب کر کے اصلاح پر ابھارا ہے، ائمہ میں تعارف و ملوک کی باتیں بھی ہیں، بعض مقالات فارسی میں ہیں اور بعض عربی میں، اپنی کتاب و جلدوں میں ہے، مجلس علمی و کھیل کجرات کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہے۔

۱۱۔ التخییر الکثیر:

یہ تصوف اور علم امر و نہی میں ایک سفیاری کتاب ہے، یہ بھی مجلس علمی و کھیل کجرات سے شائع ہوئی ہے، اصل کتاب عربی زبان میں ہے اور ترجمہ بھی شائع ہوا ہے۔

۱۲۔ طہوض الحرمین:

قیام حرمین شریفین کے دوران جو فیوض و برکات بصورت خواب و عہد شاہ صاحب کو حاصل ہوئے یہ بھی ان ہی کا مجموعہ ہے، اصل عربی زبان میں ہے اور ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

۱۲۔ ...الانصاف فی بیان سبب الاختلاف:

اس کتاب میں قسمی اختلافات کے اسباب پر محققانہ بحث کی گئی ہے اور ہر فرقہ کے افراط و تفریط پر تنقید کی گئی۔ نہایت مفید کتاب ہے اور ترجمہ کے ساتھ کئی بار چھپ چکی ہے۔

۱۳۔ عقد الجنبلی بیان احکام الاجتہاد والتقليد۔

اس عربی رسالہ میں شاہ صاحب نے اجتہاد اور تقلید کے مسائل پر نہایت محققانہ اور مضامینہ بحث کی ہے۔

۱۴۔ ...البلاغ المبین:

یہ رسالہ رد بدعت و شرک اور دعوت توحید پر مشتمل ہے۔

۱۵۔ ...رواة العینین فی تفضیل الشریعین:

تفضیل شریعتین کے متعلق قاری زبان میں اہم رسالہ ہے۔

۱۶۔ ...انسان العین فی مشایخ العزمین:

یہ رسالہ شاہ صاحب کے عربی شیوخ و اساتذہ پر مشتمل ہے۔

۱۷۔ ...المواظعین فی مبشرات النبی الامین:

شاہ صاحب کے اس رسالہ میں ان بشارتوں کو ذکر فرمایا ہے جو آپ کو اور آپ کے نبی یا روحانی بزرگوں کو نبی کریم ﷺ سے ہوئیں۔ یہ رسالہ عربی میں ہے۔

۱۸۔ ...انفاس العارفين:

شاہ صاحب نے اس کتاب میں اپنے والد بزرگوار اور دوسرے خانوادہ فی بزرگوں کے حالات و واقعات بیان کئے ہیں۔

۱۹۔ ...القول الجمیع:

یہ رسالہ وظائف و افکار اور طریقت کے چاروں سطحوں کے میان پر مشتمل ہے۔

۲۱۔... انطاف: القدس

۲۲۔... جمعات

۲۳۔... لجمعات

۲۴۔... سطعات

یہ چاروں رسالے تصوف میں ہیں، ائمہ کمالوں کے نام پر تشریح و تفسیر کے لئے چوتے

ہیں۔

۲۵۔ مکتوبات مع مناقب امام بخاری و ابن شیبہ

۲۶۔... مکتوبات المعارف مع مکتب ثلاث

۲۷۔... العذلة الوصية في النصيحة والوصية

۲۸۔... جہان: حدیث ۲۹۔... اطیب العلم

۳۰۔... الزہراء: دین ۳۱۔... شفاء القلوب

۳۲۔... الوامع شرح حزب البحر

۳۳۔... سرور المحزون فی ترجمہ نور العین

۳۴۔... رسائل تفہیمات ۳۵۔... المعیلات

۳۶۔... الحاکم المجمعون ۳۷۔... النہی المکرم

۳۸۔... اعراب القرآن ۳۹۔... اعراب القرآن

۴۰۔... الفضل المبین فی السبل من حدیث النبی الامین

۴۱۔... العقيدة الحسنة

۴۲۔... المقدمة النبوية فی فیض الفرق النبوية

۴۳۔... شرح ربا عینین ۴۴۔... العظيمة المصنوعة

۴۵۔... فتح الودود فی معرفة الجنود

خصوصیات ہیں۔ (ماہنامہ فاران کراچی نومبر ۱۹۸۸ء) بلاشبہ عربی اور فارسی میں شاہ صاحبؒ کی تحریر ادبیانہ رفعت شان کی مظہر ہیں۔ شاہ صاحبؒ اگرچہ فطری شاعر نہ تھے لیکن قدرت کی طرف سے ان کو ذوق شعر و سخن کا بہرہ وافر عطا ہوا تھا۔ انہوں نے عربی اور فارسی میں خاصہ کلام اپنی یادگار چھوڑا عربی میں ان کا زیادہ تر کلام نعتیہ قصیدوں پر مشتمل ہے ان کے مجموعے کا نام اطیب النعم ہے فارسی میں شاہ صاحبؒ امین مختلص کرتے تھے ان کا فارسی کلام بہت سی غزلوں رباعیوں اور قطعات پر مشتمل ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو۔

رباعی

در صحبت اہل دل رسیدم بے بس درویشہ کنایہ زما کے یک نعلے
از چشمہ آب زندگانی قدح آتش وادی مقدس تھے

رباعی

دائم دل پیش تو حاضر باشد چشم برخ خوب تو ناظر باشد
در مذہب ماسرک جل ہست مصرے گر روئے دگر خطرہ خاطر باشد
ایک غزل کے تین اشعار

من ندائم بادہ ام یا بادہ را پیانہ ام عاشق شوریدہ ام یا عشق با جانا نام
بتلائے حیرتم جاں گو بیت یا جان جاں اصطلاح شوق بسیارست و من دیوانہ ام
با جمال ذآش حسن دگر درکار شد چشم اور اسرمداع یا زلف اور اشنا نام
کچھ اور اشعار

توئی اول توئی آخر توئی ظاہر توئی باطن توئی مقصود اہل دل توئی مشتاق و ہمد ہم
تا کے محنت و مجہوری و دوری یکشم ناز نہیں و طعم سوئے عدن باز روم
تا کے ہمدئے سنگ بود شیوہ من گوہرے از عدم سوئے عدن باز روم
تا کے بست زنجیر تعلق باشم آہوئے از غنیم سوئے خنقن باز روم
گر یکشن مجہوری گل بر رشت مفتون شود ورنہائی قامت خود در سامون وں شود

کار با معنی ست و انار اند پانام و نشاں جذبہ لیلیٰ نداد و بید اگر بجنوں شود
مرد مفلس را جہاں یکسر محل آفت ست شیشہ خالی ست گر بارش رسد و اژن شود
شعراء کے بعض تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اردو میں بھی
اشتیاقِ حقیق کے ساتھ طبع آزمائی کیا کرتے تھے۔ ان تذکروں میں شاہ صاحبؒ کی کچھ اردو
غزلیں بھی ملتیں ہیں۔ ان میں سے ایک غزل بطور نمونہ کلام یہاں درج کی جاتی ہے۔

خیال دل کو ہے اس گل سے آشنائی کا نہیں صبا کو ہے دعویٰ جہاں رسائی کا
کہیں وہ کثرت عشاق سے گھمنڈ میں آذروں ہوں کہ نہ دعویٰ کرے خدا کی کا
مجھے تو ڈھوکے تھاز لہر پر اک نگاہ سے آج غرور کیا ہوا وہ تیری پارسائی کا
جہاں میں نہ دل لگانے کا یوے پھر کوئی نام بیان کروں میں اگر تیری بے وفائی کا
نہ چھوڑا رہی کھا کر گزر گلی کا تری رقیب کو مرے دعویٰ ہے بے حیائی کا
نہیں خیال میں لاتے وہ سلطنتِ جم کی غرور ہے جنہیں در کی تری گدائی کا
جفائے یار سے مت اشتیاق پھیر کے من خیال کی جیو کہیں اور جہہ سائی کا

(ابناسہ فاران کراچی، غوری ۵۹ء بحوالہ تذکرہ مجاز ابراہیم مرحومہ، انجمن اسلامیہ الدین زور)

حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اولاد و امجاد

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے صاحبزادوں کی تعداد عموماً چار بتائی جاتی ہے جبکہ یہ تعداد فی
الحقیقت پانچ ہے۔ ان صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

۱..... شاہ محمد محدث دہلوی

۲..... شاہ عبدالحزیز محدث دہلوی

۳..... شاہ رفیع الدین محدث دہلوی

۴..... شاہ عبدالقادر محدث دہلوی

۵..... شاہ عبدالحفی محدث دہلوی

یہ پانچوں صاحبزادے آسمان علم و فضل پر آفتاب بن کر چمکے (بالخصوص بڑے چار صاحبزادے)۔ ان کے حالات زندگی بیان کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب درکار ہے۔ یہاں ہم ان بزرگوں کا تذکرہ نہایت اختصار کے ساتھ ہی کر سکتے ہیں۔

۱..... شاہ محمد محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پہلی شادی ۱۱۲۸ھ میں بھلت (بہلت) میں اپنے ماموں کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ انہی کے بطن سے شیخ محمد پیدا ہوئے۔ شاہ ولی اللہؒ کی کنیت اپنے ان (سب سے بڑے) صاحبزادے کے نام پر ابو محمد تھی۔ شیخ محمد کی تعلیم و تربیت شاہ صاحبؒ ہی کی نگرانی میں ہوئی اور وہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد مسند درس و تدریس پر رونق افروز ہوئے۔ صاحب ”زمرۃ الخواطر“ مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ نے شامل ترمذی اپنے ان بڑے بھائی (شیخ محمد) کی قراءت ہی سے پڑھی تھی۔ ایک روایت کے مطابق شیخ محمد نے شاہ ولی اللہؒ کی دوسری شادی کے بعد بہلت (بھلت) میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ (نولاد علی اور اس کے اطراف از سید ظہیر الدین احمد) لیکن مولانا عبدالحیؒ کا بیان ہے کہ: ”شیخ محمد اپنے والد کی وفات کے بعد بڑھانہ منتقل ہو گئے تھے اور بڑھانہ کی جامع مسجد کے متصل دفن کیے گئے۔“ (بڑھانہ اور بہلت ضلع مظفرنگر (یوپی، بھارت) کے دوگاؤں ہیں) (ماہ متقارن گرامی جون ۱۹۶۵ء مقالہ سید محمود احمد برکاتی) تذکرہ نگاروں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ شیخ محمد گمنا کیوں ہے، وہ کیا اسباب تھے جن کی بناء پر شیخ محمدؒ نے والد گرامی سے علیحدگی اختیار کی اور دتی کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا۔

شاہ ولی اللہؒ کی وفات کے وقت دوسری اہلیہ سے انکے چاروں صاحبزادے دلی میں موجود تھے۔ اکثر تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ شاہ صاحبؒ نے وفات سے پہلے ان چاروں میں سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ کو اپنا جانشین (خلیفہ) بنایا لیکن خود شاہ عبدالعزیزؒ کا بیان ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے وفات سے تھوڑی دیر پہلے چاروں فرزندوں کے سروں پر دستار مبارک رکھ دی تھی یا بامدھ دی تھی۔ ”گویا انہوں نے چاروں فرزندوں کو اپنا خلیفہ یا جانشین

قراردیہ تھا۔ ان چاروں بھائیوں کے باہمی تعلقات ہمیشہ نہایت خوشگوار رہے۔

(تذکرہ شاہ ولی محمد از سید ناصر الحسن گیلانی)

ان چاروں بھائیوں کے مختصر حالات یہ ہیں:-

حضرت شہادتی اللہ کے چار صاحبزادوں کے مختصر حالات

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

یہ ۱۱۵۹ھ بمطابق ۱۷۵۷ء مسوی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام غلام علیؒ تھا۔ والد گرامی نے ان کی تعلیم و تربیت بڑے اہتمام سے کی اور انہوں نے پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم دینی تفسیر حدیث فقہ بیت ریاضی، اصول، عقائد، منطق، تجارت وغیرہ میں مہارت تامہ حاصل کر لی۔ سترہ سال کی عمر میں والد گرامی کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور انہوں نے والد گرامی کے شروع کیے ہوئے کام کو آگے بڑھایا۔ تاحیات درس و تدریس اور حفظ و خطابات کا سلسلہ جاری رکھا۔ علم حدیث کو فروغ دیا، قرآن مجید کی تفسیر فارسی زبان میں ”فتح العزیز“ کے نام سے لکھی۔ علاوہ ازیں مختلف دینی موضوعات پر متعدد ہندو پادریوں کی تصنیف کی۔ ۱۲۳۹ھ بمطابق ۱۸۶۲ء مسوی میں وفات پائی۔

شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ

ان کی ولادت ۱۱۶۳ھ بمطابق ۱۷۵۷ء میں ہوئی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا پھر تمام علوم متداولہ اپنے والد گرامی اور بڑے بھائی شاہ عبدالعزیز سے حاصل کیے۔ پھر درس و تدریس اور حفظ و فصاحت کے ولی الملک چشمہ فیض کو جاری رکھنے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن پاک کا ترجمہ ہنگلی زبان اردو میں کیا۔ بقول سید سلیمان ندوی اس شہرہ آفاق ترجمے نے لاکھوں کمزوروں مسلمانوں کو دین و ایمان کی راہ بتائی۔ ترجمہ قرآن کے علاوہ انہوں نے کئی لاکھ کتبیں (قیامت نامہ، دفع باطل، العروض، الحاقیہ، اسرار الحکیمہ وغیرہ) بھی تصنیف کیں۔ ۱۲۳۳ھ بمطابق ۱۸۱۸ء

میں انتقال کیا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ

۱۱۶۷ھ مطابق ۱۷۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد گرامی سے اور پھر شاہ عبدالعزیزؒ سے تمام دینی علوم حاصل کیے۔ روحانی فیض بھی کئی بزرگوں سے حاصل کیا، نہایت عابد و زاہد، متواضع اور منکسر المزاج تھے، زندگی کا بیشتر حصہ دلی کی اکبر آبادی مسجد میں گزارا۔ انہوں نے قرآن حکیم کا با محاورہ اور سلیس اردو میں ترجمہ کیا۔ ۱۲۳۰ھ مطابق ۱۸۱۵ء میں سفر آخرت اختیار کیا۔

شاہ عبدالغنی محدث دہلویؒ

۱۱۷۱ھ مطابق ۵۸۔ ۱۱۷۵ء میں پیدا ہوئے، یہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے سب سے چھوٹے فرزند تھے۔ خرد سالی میں کچھ تعلیم والد گرامی سے حاصل کی پھر دوسرے تمام علوم متداولہ شاہ عبدالعزیزؒ اور دوسرے بھائیوں سے حاصل کئے کیونکہ پانچ سال کی عمر ہی میں سایہ پدری سے محروم ہو گئے تھے۔ نہایت ذہین فطین، صابر، قانع، عابد و زاہد اور قبیح سنت تھے۔

چہرے مہرے اور وضع قطع میں اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہؒ سے کمال درجے کی مشابہت رکھتے تھے۔ وقت کا بیشتر حصہ درس و تدریس و دعوت و ارشاد اور طلبہ کی تربیت میں صرف کرتے تھے۔ محدث، مفسر، فقیہ اور معلم ہونے کے ساتھ روحانی شیخ بھی تھے۔ افسوس کہ انہوں نے بہت تھوڑی عمر پائی اور ۱۶ جب ۱۲۰۳ھ مطابق ۱۱۲ پر ایل ۸۹ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ اولاد میں دو صاحبزادیاں اور ایک فرزند شاہ محمد اسماعیل اپنی یادگار چھوڑے۔ اللہ کی قدرت کہ شاہ ولی اللہؒ کے مذکورہ بالا چاروں بھائیوں کی وفات عجیب ترتیب سے ہوئی۔ پہلے سب سے چھوٹے پھر ان سے بڑے، پھر ان سے بڑے اور آخر میں سب سے بڑے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ شاہ رفیع الدینؒ کی وفات کے بعد شاہ

عبدالعزیز نے فرمایا: ترتیب معکوس دررحلت برادران واقع شد یعنی اول مولوی عبدالغنی کہ خرد ترین ہمہ بود، بعد ازاں مولوی عبدالقادر از اوشاں بعد مولوی رفیع الدین کا اس سال از اوشاں انکوں باریاست یعنی الٹی ترتیب بھائیوں کی رحلت میں ہوئی۔ اول مولوی عبدالغنی کہ سب سے چھوٹے تھے، اس کے بعد مولوی عبدالقادر اور ان کے بعد مولوی رفیع الدین سب سے بڑا میں ہوں اب میری باری ہے۔ (بحوالہ کردہ حضرت شاہ ولی اللہ)

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا تاریخی نام نور شید حسن ہے۔ آپ ۱۲۴۵ھ میں پیدا ہوئے مولانا کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب تھے۔ جو بات مردت اور صاحب اخلاق، کتبہ پرور، مہمان نواز، نمازی و پرہیز گار تھے۔ مولانا مملوک علی صاحب کے ساتھ دہلی جا کر شاہنامہ وغیرہ بھی پڑھی تھیں۔ ان کی عمر کا زیادہ حصہ کھیتی باڑی ہی میں گزرا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے دادا شیخ غلام شاہ تھے۔ ان کی بھی تعلیم زیادہ نہ تھی۔ مگر بڑے ذاکر و مشاغل بزرگ تھے۔ درویشوں کی خدمت کرتے تھے۔ خواب کی تعبیر دیکھنے میں مشہور تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا سلسلہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ مختصر نسب نامہ یہ ہے۔ محمد قاسم بن اسد علی بن عالم شاہ بن محمد بخش بن علاؤ الدین بن فتح محمد بن مفتی بن عبدالسمع بن مولوی ہاشم نانوتوی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بچپن ہی سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز و وسیع حوصلہ، بغاکش، جری اور چست تھے۔ کتب میں اپنے ساتھیوں میں ہمیشہ اول رہتے تھے۔ قرآن مجید بہت جلد ختم کر دیا تھا۔ خط بھی سب ساتھیوں میں اچھا تھا۔ شاعری کا بچپن ہی سے شوق تھا۔ اپنے کھیل اور بعض قصے نظم کر لیا کرتے تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ کا نہیالی رشتہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاندان سے ملتا تھا اور حضرت کی بہن نانویہ میں بیانی ہوئی تھی۔ آپ اسی وجہ سے اکثر اپنی بہن سے ملنے نانویہ تشریف لے جایا کرتے

تھے اسی زمانے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ نے جلد سازی سیکھی تھی اپنی اپنی کتابوں کی جلد خود باندھ لیا کرتے تھے۔ نانوتہ میں آپ کے خاندان میں ایک ایسا تقصیب پیدا ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو نانوتہ سے دیوبند بھیجا گیا۔ شیخ کرامت حسین کے گھر پر شیخ نہال احمد صاحب پڑھتے تھے۔ مولوی صاحب کو انہوں نے عربی پڑھائی۔ پھر سہارنپور اپنے نانا کے پاس آ گئے۔ وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارنپوری سے کچھ پڑھا۔

طالب علمی میں خواب

ایام طالب علمی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب دیکھا تھا کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں۔ اپنے استاد حضرت مولانا مملوک علیؒ سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ اور اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند نے برصغیر پاک و ہند میں خصوصاً پورے علم اسلام میں عموماً جو کتاب وسنت وفقہ کی اشاعت کی ہے اس کی مثال پتھر نہیں کی جاسکتی۔ توحید و رسالت، خدا خونی اور فکر آخرت پیدا کر کے لڑکوں میں بلکہ کروڑوں انسانوں کو باخدا بنادیا۔ معاشرتی اور تمدنی زندگی حقوق العباد کا صحیح جذبہ پیدا کیا اور سب سے بڑی بات یہ کہ کسی بھی حال میں اسلام کے تیرہ سو سالہ تسلسل اور اسلاف کی وابستگی میں سرمو فرق نہیں آنے دیا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی شاخوں سے کسب فیض کرنے والے علماء و فضلاء کی اگر فہرست تیار کی جائے تو اس کے لئے ایک ضخیم جلد درکار ہوگی۔ علم ظاہر اور باطن دونوں میں یکساں ماہر افراد تیار کئے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی علمی قابلیت اور تقویٰ بے مثال و بے نظیر تھا۔ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں فرمایا تھا کہ ایسے لوگ کبھی پہلے زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ اب مدتوں سے نہیں ہوتے۔ ایک دفعہ حضرت

حاجی صاحب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض بندوں کو ایک لسان عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ حضرت شمس تبریز کے واسطے مولا ناروم کو لسان بنایا تھا۔ اور مجھ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی لسان عطا ہوئے ہیں اور جو میرے قلب میں آتا ہے بیان کر دیتے ہیں۔

ایک اور خواب

ارواحِ ثلاثہ میں ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا کہ ”میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی جگہ پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور ادھر سے ایک نہر ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے۔“ اس خواب کو انہوں نے مولانا محمد یعقوب صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ برادر شاہ محمد اسحاق صاحب المتوفی ۱۳۶۳ھ) سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہبِ حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ بہت بڑا حنفی ہوگا اور اس کو خوب شہرت ہوگی۔ لیکن شہرت کے بعد اس کا جلد انتقال ہو جائے گا۔ اور اس خواب کی تعبیر پر دلیل لانے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت نانوتویؒ ان کے تلامذہ اور دارالعلوم دیوبند نے فقہ حنفی کی جو خدمت کی ہے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ خود حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بعض کتابیں فاتحہ خلف الامام پر توثیق الکلام اور الہ لیل الحکم اور میں رکعات تراویح پر مصباح التراویح وغیرہ اور اسی طرح دیگر مسائل مختلف فیہا جو مضامین اور دلائل لکھے ہیں۔ وہ علمی دینا میں ہمیشہ یاد رہیں گے۔

سادگی و کسرت فنی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بہت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ مزاجِ تنہائی پسند تھا اور اول عمر سے ہی اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی کہ اکثر سادگی رہتے۔ اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔ ان کے حال سے بھلا ہو یا برا۔ کسی کو اطلاع ہوتی نہ آپ کہتے یہاں تک کہ بیمار بھی ہوتے۔ جب بھی شدت کے وقت کسی نے جان لیا تو جان لیا

۔ ورنہ خبر بھی نہ ہوتی۔ اور دوا کرنا تو کہاں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ کے چھاپہ خانہ میں جب کام کیا کرتے تھے۔ مدتوں یہ لطفہ رہا کہ لوگ مولوی صاحب کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں کوئی نام لے کر پکارتا تو خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے بے تکلف ہر کسی سے رہتے جو شاگرد یا مرید ہوتے ان سے دوستوں کی طرح رہتے علماء کا وضع تمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے۔ ایک دن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ اس علم نے خراب کیا۔ ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔ میں کہتا ہوں۔ اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا۔ جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے۔ کیا ان میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ملا دیا۔ اپنا کہنا کر دکھایا مسئلہ کبھی نہ بتلاتے۔ کسی کے حوالے فرماتے۔ فتویٰ پر نام لکھتا اور مہر لگانا تو درکنار۔ اول امامت سے بھی گھبراتے آخر کو اتنا ہوا وطن میں نماز پڑھا دیتے وعظ بھی نہ کہتے۔ جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی (جو اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے) نے اول وعظ کہلوا یا اور خود بھی بیٹھ کر سنا۔ اور بہت خوش ہوئے۔

سخاوت و مہمان نوازی

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے والد ماجد کو بڑی فکر تھی کہ کچھ ذریعہ معاش اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی نکاح کرتے ہیں۔ بالآخر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پیرو مرشد حاجی امداد اللہ صاحب سے ذکر کیا۔ حاجی صاحب نے حکم دیا تو ناچار نکاح پر راضی ہو گئے۔ مگر شرط یہ لگائی کہ میرے ساتھ جیسی حالت میں ہونگا بیوی رہے گی۔ غربت ہو یا تنگدستی۔ سسرال نے یہ شرط قبول کی ایک چھاپہ خانہ میں پانچ روپے ماہوار تنجھ کا کام کرنے لگے مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت، بچے کیا؟ جب گھر آتے تو مہمان بہت آتے۔ بالآخر بیوی کی اجازت سے اس کا زیور فروخت کر دیا۔ وہ بھی نہایت تابعدار تھیں۔ پہلے والدین کی بے حد خدمت کی بعد میں شوہر کی آخر میں اللہ جل شانہ، نے کشادگی عنایت فرمائی تو جو کچھ ہوتا بیوی

کول کر دیتے۔ اور بیوی بھی ایسی کشادہ دہست کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا کوئی مہمان آیا۔ اسی وقت کھانا پکا کر کھلا یا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مہمان آیا اور قوما کھانا نہ ملا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی خود فرمایا کرتے کہ ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے۔ جو میں قصہ کہتا ہوں۔ وہ مہمان نوازی میں بڑھ جاتی ہے۔ آپ نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کرائے تب قبر میں حضرت جبرائیل تشریف لائے اور کچھ سامنے رکھ کر کہا یہ تمہارے اہل بیت ہیں۔ ان میں ایک تمہیں بہت خوشنما اور کلاں ہے اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کا ہے اس خواب کی تعبیر یہی سخاوت تھی۔

جہاد آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد علماء کے طبقے یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرم نہ رکھتے استعمال کر رہے ہیں۔ ان کے اسد فوجی تدبیریں شروع کر دیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی۔ چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالحقؒ کے 1846ء میں انتقال کے بعد حاجی امجد اللہ علیؒ چوتھے امام مقرر ہوئے۔ جنگ آزادی 1857ء کی ابتدا ہوئی یہ حضرات بھی تیار تھے۔ حضرت حاجی صاحب کے شریک کار مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا عبدالحقؒ، اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ مولانا شیخ محمد تھانویؒ سے جہاد حریت کے سلسلے میں تبادلہ خیال ہوا مولانا شیخ محمد تھانویؒ نے بے سرو سامانی کا ذکر فرما کر جہاد حریت کی مخالفت کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا کہ ہم اصحاب بدر سے بھی بے سرو سامان زیادہ ہیں۔ حضرت امیر امجد اللہؒ نے طرفین کی گفتگو سنی۔ فرمایا کہ اللہ اللہ اشراج ہو گیا اور جہاد کی نیازی شروع کر دی امیر امجد اللہؒ نے امامت قبول کی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور

مولانا رشید احمد گنگوہی قاضی مقرر ہوئے اسی طرح قصبہ تھانہ بمون دارالاسلام قرار پایا۔ میرٹھ کے بعد دہلی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگ آزادی چھڑ گئی تھی۔ ان حضرات نے بھی مورچہ لگا لیا۔ قاضی عنایت اللہ خان اور ان کے بھائی عبدالرحیم ان کے ساتھ سہارنپور پہنچے اور سہارے میں ٹھہرے۔ ایک بیٹے نے ہنگامی صاحب سے جو انتظام سہارنپور پر مامور تھا۔ مغربی کی کہ تھانہ کارنیں بھی کہنی سے باقی ہو گیا ہے اس کا بھائی دہلی میں ملک بھیجنے کے لئے ہاتھی خریدنے آیا ہے اور کئی دن سے سہارے میں ٹھہرا ہوا ہے۔ چنانچہ ایک کاروبار سمیت سہارے روانہ کیا گیا اور عبدالرحیم اور اس کے ساتھیوں کو قید کر کے جیل خانہ بھیج دیا اور ان لوگوں کو پھانسی پر لٹکا دیا اگلے دن قاضی عنایت اللہ خان کو اپنے بھائی کی پھانسی کی اطلاع ہوئی۔ یہ اپنے رفقاء اور رعایا کو چند فوجی سوار کباروں کے کندھوں پر کار تو سوں کی کئی بہنگیاں لدوائے سہارنپور سے کرانہ کی طرف جا رہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی وہ اپنے رفقاء اور رعایا کو ساتھ لے کر شیر علی باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور جس وقت وہ سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے میگزین چھین لیا۔ ایک سوار اس میں زخمی ہو کر ہمت جنگل بھاگا۔ مگر تھوڑے ہی فاصلے پر گھوڑے سے گر کر مر گیا۔ اس واقعہ کی خبر مظفر گڑھ پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ پر فوج کشی کا حکم ہو گیا جس پر عنایت علی خان اور اس کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ ایک معرکہ میں حاجی امداد اللہ مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حافظ ضامن ہمراہ تھے۔ ہندو فوجوں سے مقابلہ ہوا یہ نہر آدرا جتھہ بھاگ جانے والا یا ہٹ جانے والا نہ تھا۔ اس لئے پہاڑ کی طرح مقابلے پر ڈٹ گئے۔ اور دوسرا اگر وہ ہاتھوں میں تلواریں لیے ہندو فوجوں کے سامنے ایسے جا رہا تھا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے۔ چنانچہ ان حضرات پر فائر ہوئے اور حضرت ضامن نے زیر ناف گولی کھائی اور شہید ہوئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ایک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا جانا کہ کشتی پر گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی۔ حضرت حاجی صاحب نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ کیا ہوا میاں۔ عمامہ اتار کر سر جو دیکھا

کہیں گولی کا نشان تک نہیں تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے معرکہ جنگ جاری ہے۔ اسی گھمسان کے میدان میں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پاس بلایا اور فرمایا کہ میاں رشید! میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور ہونا۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ ضامن صاحب دھم سے زمین پر گر پڑے۔ معلوم ہوا کہ گولی گہری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہو گیا۔ حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے پک کر نعش کو کندھے پر اٹھالیا اور قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سراپے زانوؤں پر رکھ کر تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحبؒ کا آپ کے زانو پر وصال ہو گیا اہل کار ان تحصیل اس جنگ میں کام آئے اور خزانہ پر مجاہدین نے قبضہ کر لیا جب کچھ سکون ہوا تو تھانہ بھون کو انگریزی فوج نے گھریا اور مشرقی انب سے گولا باری شروع کر دی۔ دن نکلنے پر فوج قصبہ میں داخل ہوئی اور قتل و غارت گیری کا بازار گرم ہو گیا رات کی تاریکی چھانے سے پہلے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دیئے گئے اور مکانات پر مٹی کا تیل ڈال کے آگ لگا دی گئی اس کس برسی کے عالم میں لوٹ مار خوب ہوئی غرض یہ کہ رات کی تاریکی ختم ہونے سے پہلے تھانہ بھون مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا۔

گرفتاری کے وارنٹ

ان تینوں حضرات۔ حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شامی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے تھانہ کی بستی کی دکانوں کے چھپراتیوں نے تحصیل کے دروازے پر چھپر جمع کئے اور ان پر آگ لگا دی یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے نہ پائی تھی ان نذر مولویوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولانا گنگوہیؒ کو الوداع کہا اور قجاز جانے کے لئے روانہ ہو گئے ان ایام میں مولانا قاسم مرحوم احباب کے اصرار پر

تین دن تک روپوش رہے۔

اتباع سنت و روپوشی

تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں چلنے پھرنے لگے لوگوں نے پھر نسبت روپوشی کے لئے عرض کیا تو فرمایا تین دن سے زائد روپوش رہنا سنت کے خلاف ہے کیونکہ جناب نبی کریم ﷺ ہجرت کے وقت غار ثور میں تین ہی دن تک روپوش رہے۔

داود علیہ السلام اس جزبہ اتباع سنت کی کہ ظالم انگریز ان دنوں اہل ہند عموماً اور مسلمانوں پر خصوصاً سفاکانہ اور قاطعانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوموں کے ناحق خون سے ہولی کھیلتا تھا اور وہ کوئی حیا سوز اور دل آزار حرکت تھی جو اس ظالم نے مجاہدوں کے خلاف روانہ رکھی تھی اور وہ کوئی غیر انسانی کاروائی تھی جو اس نے جھوڑی تھی؟ اس وقت انگریز کا ظلم و جور اور تعدی و ستم اپنے نقطہ عروج پر تھا۔ لیکن حجۃ الاسلامؑ اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر اس موقع پر بھی آنحضرت ﷺ کی سنت اضطراری کو ترک کرنے پر باوجود شدید اصرار کے آمادہ نہ ہوئے اور تین دن کے بعد فوراً باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے لگے اور اس روپوشی کی حالت میں بھی آقائے نامدار ﷺ سے اپنے عشق کا تعلق اور رابطہ مستحکم ہی رکھا اور اس نازک حالت میں بھی سنت پر نگاہ جمی رہی۔

دارالعلوم دیوبند کا قیام

1857ء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہؒ کی قیادت میں ہندوستان سے غیر ملکوں کا قبضہ اٹھانے کے لئے جنگ لڑی۔ لیکن جنگ میں شکست ہو گئی اور ملک پر انگریزوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ اس سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے اور ان میں احساس کمتری کے ساتھ ایک عام مایوسی پھیل گئی۔ ادھر مشنریوں نے عیسائی اقتدار کے زیر سایہ صاف صاف یہ اعلان کرنا شروع کر

دیا کہ انگریزوں کے لئے یہ ملک (ہندوستان) جیسی مسیح کا عطیہ اور امانت ہے۔ اسی لئے اس میں مسیح مذہب ہی کی اشاعت اور ترویج ہمارا نصب العین ہے اور ساتھ ہی کھلے ہندوں ہندوستان کے تمام مذاہب اور خصوصیت سے اسلام پر اعتراضات اور توہمات کی بوچھاڑ بھی شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں کے باشندے مایوسی میں مبتلا ہو کر اور بالخصوص مسلمان اس ابھرتی ہوئی مغربی تہذیب و تعلیم سے الحاد و ہریت کی ضد میں پہنچ گئے اور صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہی لیل و نہار رہے تو وہ دن دور نہیں کہ آئندہ سلیس خواہ وہ کسی بھی دور کی ہوں خود اپنے اخلاقی نظام اور تہذیب و کچھر سے بیگانہ محض ہو کر رہ جائیں گی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے نور معرفت سے وقت کی رفتار اور اس کے خطرناک نتائج کا اندازہ لگایا اور بارشادات فیہ ہندوستان کے تمام باشندوں کو بجائے آپس میں الجھنے کے ایک عالمی نقطہ نظر میں ڈال دینے اور قوم میں ایک جہتی انقلاب لانے کی ضرورت محسوس فرمائی۔ تاکہ یہ احساس کتری دور ہو۔ اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے تعلیم و تربیت کا راستہ اختیار فرمایا۔ جو بے ضرر اور رکی سیاست سے دور تھا۔ چنانچہ 1857ء کے انقلاب کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنی ایمانی فراست سے چھپے ہوئے اقتدار کا نعم البدل تعلیمی راہ سے حریت فکر کے بقاء و ارتقاء کو قرار دیا اور اپنا یہ عظیم مقصد ۱۲۸۳ھ (1866ء) میں دارالعلوم دیوبند کا قیام فرما کر باسانی حاصل کر لیا۔ اس الہامی نقطہ فکر کے تحت دارالعلوم دیوبند محض ایک مدرسہ نہیں بلکہ حریت فکر اور استقلال وطن کے جذبات کو زندہ رکھنے کی ایک ہمہ گیر مکتب فکر اور عظیم تحریک ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے قیام کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے مقصد کی اہمیت کے تحت ملک گیر پیمانہ پر مدارس قائم فرمانا شروع کئے اور بنفس نفیس خود جا کر مراد آباد، گواٹھی، امر دہ، مظفر نگر وغیرہ میں مدارس قائم فرمائے اور چاہتا اپنے متوسلین کو زبانی اور خطوط کے ذریعہ قیام مدارس کی ہدایت فرمائی چنانچہ بہت سے مدارس ہندوستان میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی زندگی میں قائم ہوئے اور پھر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حریت فکر کے امن فضلاء نے

پورے ملک میں حتیٰ کہ انیس ایشیاء افریقہ اور یورپ کے ممالک میں بھی اسی قاسمی طرز فکر پر تعلیم گاہیں قائم کی اور میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ آج انگلستان میں یہ قاسمی فکر فروغ پا رہا ہے۔ عالمی پیمانہ پر ہندوستان میں مفت تعلیم کا سب سے پہلا عوامی مرکز مدرسہ دارالعلوم دیوبند ہے جس کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو صاحب دل علماء اور صداقت شعار رفقاء کا رحضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا ذوالفقار علی، صاحب حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب وغیرہ کا مخلصانہ تعاون حاصل رہا۔ یہ ہی دارالعلوم دیوبند آج ایشیاء کی سب سے بڑی اسلامی مرکزی اور اقامتی یونیورسٹی بن کر ایک خاص کتب فکر کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت و عظمت کا حامل ہے۔

عشق محمدی ﷺ پر چند واقعات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور آپ کے رفقاء کا رواقیت مندوں کی جس درجہ اور جس قدر والہانہ عشق و محبت اور اخلاق و عقیدت جناب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہے اس کا انکار بغیر کسی متعصب اور سوائے کسی صحیح کے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ رومانی افسانوں میں مجنوں بنی عامر کے عشق و محبت کے بڑے بڑے افسانے زبان زدِ خلایق ہیں۔ لیکن اگر مجنوں سگ کو چھ لیلیٰ پر فدا تھا تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور اس کے رفقاء کا رمدنیہ طیبہ کی مبارک گھیلوں کے ذرات پر قربان و نثار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کے عشق میں مجبور و مقبور تھا تو یہ حضرات عشق محمد ﷺ میں بے چین و بے قرار تھے۔ اگر مجنوں لیلیٰ کی اداؤں پر مفتون تھا تو یہ حضرات اپنے آخر الزماں نبی ﷺ کی پیاری سنتوں کے شیدائی تھے اگر مجنوں لیلیٰ کے انس و الفت میں گرفتار تھا تو یہ حضرت آنحضرت ﷺ کے تعلق و علاقہ پر نثار تھے اور آپ کے لگاؤ اور آپ کی پسند کو جان عزیز سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے تھے کیونکہ وہ یہ جانتے تھے اور دل سے مانتے تھے دینی اور دنیوی تمام لذتوں کا سرچشمہ ہی اس برگزیدہ ہستی کے ساتھ موزارت اور عقیدت ہے جن کے ارشاد و فرمودہ ایک جملے کے مقابلے میں دنیا بھر کے اعلیٰ و گویا اور مفت

اُکٹیم کی دولت اور خزانے قطعاً کوئی رقت اور حیثیت نہیں رکھتے، اور جن کے پیارے اقوال و افعال اور اسوۂ حسنہ کے مقابلے میں کوئی لذیذ سے لذیذ اور خوش آنکھ سے خوش آنکھ چیز بھی ایک دلی بھر کا وزن نہیں رکھتی، جن کے اہم گرامی دنیا کی تمام شیرینیوں اور شہرتوں سے مٹھا اور جن کی ایک ادنیٰ سلت بھی جوہرات سے مرصع تاج شامی سے بھی زیادہ مرغوب و پسندیدہ ہے، کیا ہی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کو جناب رسول اللہ ﷺ جیسا افضل المخلوقات تہیٰ اور آپ کی شریعت جیسی پیش بہا شریعت نہ ملے، جس کے بعد کسی اور خوبی کی سرے سے کوئی حاجت باقی ہی نہیں رہتی۔ جوۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے عشق نبویؐ کے واقعات قبولی اور فعلی تو بہت کچھ ہیں جن کے بیان کرنے کے لئے دفتر درکار ہیں۔ ہم صرف چند واقعات بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ہندوستان میں بعض حضرات سبز رنگ کا جو تارے شوق سے پہنتے تھے۔ اور اب بھی پہنتے ہیں لیکن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایسا جو تارے العربیؑ بھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تھکھلا دینا تو اس کے پہننے سے اجتناب و گریز کرتے اور آگے کسی کو بدیدہ دے دیتے اور سبز رنگ کا جو تار پہننے سے محض اس لئے گریز کرتے کہ سرد کائنات آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے گنبد خضراء کا رنگ سبز ہے پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیوں استعمال کئے جاسکتے ہیں؟ چنانچہ شیخ العربیؑ راہم حضرت استادنا المکرم مولانا حسین احمد مدنیؒ (المتوفی ۱۳۵۷ھ = 1958ء) حبیۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں کہ: ”تمام عمر سبز رنگ کا جو تار اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا اگر کوئی بدیدہ لے آیا تو کسی اور کو دے دیا۔“ اعلاۃ سبکچہ اس نظر بصیرت کا گنبد خضراء کے ظاہری رنگ کے ساتھ کس قدر عقیدت و الفت ہے جس کے اندر عظیم المرتبت کمین آرام فرما ہیں۔ جن کی نظر جن کی مثال اور جن کا عافی خدا کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ قیامت تک آسکتا ہے علامہ اساقبالمرحوم نے شاید ہی کسی ترجمانی کی ہے۔

زخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کد اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بزم خیال میں نہ دکان آئینہ ساز میں

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دور ہی سے پاہر ہند چلتے رہے۔ آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیار حبیب ﷺ میں جوتا پہن کر چلیں حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگر اور چھتے والے پتھروں کی بھر مار ہے چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر حسینؒ گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علی خان صاحب حیدر آبادیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس سفر حج میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے رفیق سفر تھے:- ”مولانا مرحوم مدینہ منورہ تک کئی میل آخری شب تاریخ میں اسی طرح چل کر پاہر ہند پہنچ گئے۔

اور نیز حکیم صوفیؒ کے حوالہ ہی سے رقم فرماتے ہیں کہ:- ”جب منزل بہ منزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا، جہاں روضہ پاک صاحب لولاک نظر آتا تھا۔ فوراً جناب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبائے اور پاہر ہند چلنا شروع کر دیا۔“

ملاحظہ فرمائیے: کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مدینہ طیبہ اور گنبد خضراء کے ساتھ کس قدر عقیدت اور کیسی فریفتگی تھی دیکھئے کہ تاؤ ب حسن کا کیا ہی بہترین طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا اور یہ ساری عقیدت و محبت جناب امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ کی وجہ سے ہے۔ ورنہ اس سنگار رخ رقبہ اور پتھر ملی زمین کی فی نفس کیا قدر ہے؟ جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ حبیب کبریا ﷺ ہی کی بدولت ہے۔ اور آپ ہی کے واسطے سے ہے۔

زندگی کے آخری ایام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جب ۱۲۹۵ھ (1878ء) میں حج کے لئے

تشریف لے گئے تھے جس سفر حج میں طویل القدر اور اس دور کے مشاہد و علماء کی ایک جماعت شریک تھی، اسی حج سے واپسی میں جہاز کے اندر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بیٹھ بیٹھا ہو گئے، جہاز میں طاعون کی ہولناکیاں نہ ہونے کی وجہ سے مرض بڑھتا چلا گیا، جہاز میں دہائی بیماری انتہائی تسویش ناک تھی، ہمارے ملک کی آب و ہوا اور مزاج کے لحاظ سے جو علاج ہوتا چاہیے تھا وہ میسر نہ آ سکا، اس لئے کمزوری اور کماہت اس درجہ بڑھ گئی کہ انھیں پیٹھ سے کمزوری ہو گئی، جہاز کے ڈاکٹر نے بعض دوائیں دیں اور مرغ کا جوس پلانے کے لئے کہا اور خود ہی مرغ بھی فراہم کر دیا جس کی وجہ سے قدرے اتفاق رہا، مگر مدین کے مقام پر جہاز روک دیا گیا مگر جہاز وادوں کو جہاز سے اترنے اور شہر جانے سے منع کر دیا گیا، اسی لئے یہاں بھی ضرورت کی دوائیں میسر نہیں ہو سکیں البتہ کچھ دیموں اور کچھ سنٹرے مل گئے جب اس کا استعمال ہوا تو طبیعت قدرے سنبھلی۔ آپ کی بیماری کی حامت میں جہاز پہنچی پہنچا۔ اس سفر میں مولانا محمد شہاب محمد شہاب نانوتویؒ، مولانا محمد مسرہ نانوتویؒ اور حکیم منصور آبادیؒ خصوصی بیمار رہے تھے، ہر وقت ایک شخص آپ کے پاس ضرور رہتا تھا، پہنچی پہنچی کر قدرے اتفاق ہوا اور مدین میں اتنی طمانت آ گئی کہ انھیں پیٹھ لگے تھے۔ لیکن ضعف و فاقہ کی وجہ سے جہاز سے اترنے کے فوراً بعد ہی ٹرین کا سفر نہیں کیا اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہاں کچھ دن ٹھہر کر بہتر معائنہ معالج کے بعد جب جسم میں کچھ طاقت آجائے جب ٹرین میں سفر کیا جائے۔ تقریباً تین چار دن آپ حضرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا علاج یہی میں کرتے رہے۔ طبیعت صحت کی طرف لوٹ رہی تھی جسم میں کچھ طاقت بھی کچھ آئے گی تھی جب ٹرین کا سفر شروع ہوا، ارادہ اپنے وطن کے لئے بھٹکی سے روانہ ہوئے۔ وطن آنے کے بعد مصلیٰ مرض تو ختم ہو گیا لیکن حقیقی الشس اور کھانسی جرمی، اور دورے پڑنے لگے، جب بھی گفتگو فرماتے کھانسی بڑھ جاتی مگر اسی علالت میں آپ نے اسباق شروع کر دیئے اور ترقی شریف علیہ کی ایک جماعت کو پڑھانے لگے، مولانا عبد الرحمن محدثؒ امر وہوئی نے اس دور میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور آپ کے اس درسی ترقی میں وہ

شریک تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک مخلص عقیدت مند ڈاکٹر عبدالمنن تھے جو مظفر نگر جیل کے سرکاری ڈاکٹر تھے۔ ان کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی بیماری کی تفصیل معلوم ہوئی تو انہوں نے از خود اپنی خدمات پیش کیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جب منظور فرمایا تو ڈاکٹر صاحب آپ کو مظفر نگر لے گئے، اب معالج بھی وہی تھے اور تیماردار بھی وہی، بلکہ ساری خدمت وہی انجام دیتے تھے مظفر نگر جانے کے بعد علاج کے ابتدائی مرحلہ میں افادہ ہوا اور آرام کی صورت نظر آئی مگر اصل مرض باقی رہا اور ہر وقت خفیف سے حرارت رہا کرتی تھی، یونانی ایلوپتھی، اور آیوریدک طریقہ علاج اختیار کیا جاتا رہا، مہنگی سے مہنگی اور بیش قیمت سے بیش قیمت دوائیں فراہم کی گئیں لیکن کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ سانس کا دورہ بڑھتا ہی جا رہا تھا جس کی وجہ سے لاغری اور ضعف اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا اب اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہوتا جا رہا تھا لیکن قوت ارادی اب بھی پہلے جیسی ہی تھی، چل اور جو آپ کا امتیازی وصف تھا وہ بیماری میں بھی اپنی جگہ قائم رہا۔

وفات ۱۴۰۳ھ (اپریل 1879ء) کی تاریخ اور جمعرات کا دن تھا کہ بعد نماز ظہر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند نے اس دار فانی سے رخ مبارک موڑ لیا "ان اللہ وانا الیہ راجعون" ہر طرف صف ماتم بچھ گئی، جائداد اور عقیدت مندوں میں کھرام مچ گیا، ہر چہرہ آنسوؤں سے تر ہو گیا، انتقال کے وقت آپ کی عمر ۴۹ سال تھی۔

تدفین..... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے گور غریباں میں دفن کیا جائے، حکیم مشتاق احمد دیوبندیؒ نے ایک زمین خرید کر اس کو قبرستان کے لئے وقف کر دیا تھا، اسی زمین میں قبر کی جگہ تجویز کی گئی۔ عصر کے وقت جنازہ تیار ہو گیا اور مدرسہ کے صحن میں لا کر رکھ دیا گیا، نماز جنازہ میں شرکت کرنے والوں کی کثرت کی وجہ سے یہاں نماز جنازہ کی گنجائش نہیں تھی اس لئے قصبہ کے باہر میدان میں نماز جنازہ ادا کی

سُنی اور مغرب کے بعد توفیق عمل میں آئی۔ (سوانح مکتبہ)

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل اور ان علمائے ربانین نے ڈالی تھی جو سراپہ علوم و لمیت تھے۔ ان کا درس و دماغ ملت اسلامیہ کے شاعر مستقبل کے لئے بے چین تھا۔ انہوں نے اپنے گواہ شاعت دین اور ترویج علوم دینیہ کے لئے وقف کر دیا تھا۔ رب العالمین نے دارالعلوم اور اس کی خدمت کو مقبولیت عطا فرمائی اور اس نے ملک اور بیرون ملک کی دینی علمی، اخلاقی اور اصلاحی جو خدمات عظیمہ انجام دی ہیں وہ کبھی بھٹان نہیں جاسکتی ہیں۔ یہاں سے ہزاروں علماء اور صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہترین محدثین، فقہاء، مصنفین اور مبلغین کا جم غفیر بھی ہے۔ اور رشد و ہدایت اور تزکیہ باطن کرنے والوں کی ایسی لمبی جماعت بھی ہے بلکہ ان میں وہ لوگ بھی بڑی تعداد میں ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی اور یہاں کے باشندوں کی اصلاح کے لئے بے مثال قربانیاں پیش کی ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بعد حضرت سید احمد شہید، حضرت شاہ اسماعیل شہید، حضرت مولانا قاسم نانوتوی، اور قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اسلامی روح کی حفاظت کی۔ اور اسلامی تحریک کو آگے بڑھانے کی کامیاب کوشش فرمائی۔ حضرت نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے اعتقادی اور معاشرتی اصلاح کی زبردست جدوجہد کی۔ انہوں نے اسلامی مسائل کو عقلی زواہل سے منہمک کیا۔ تباہ کن رسم و رواج کی مخالفت کی۔ ان اکابرین نے اسلامی عقائد، سماجی رسوم، دینی تعلیم و تربیت اور سیاسی جدوجہد کے گونا گوں مقاصد بروئے کار لانے کے لئے دینی مدارس کے قیام کو ضروری قرار دیا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند منہمک شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کی تحریک کو شرف قبول عطا فرمایا۔ ملک کے طول و عرض میں ہر طرف لوگوں نے اس کی آواز پر بیک کہا۔ لوہام و رسوم اور شرک و بدعت کے جو گہرے پادل

ہندوستان کی فضاؤں میں چھائے ہوئے تھے، رفتہ رفتہ چھٹنے شروع ہو گئے اور ان کی جگہ کتاب و سنت کے احکام پر عمل کیا جانے لگا۔ دارالعلوم کا قیام جن مقاصد کے لئے عمل میں لایا گیا ان میں قرآن مجید، تفسیر، حدیث، عقائد و کلام اور ان کے علوم کے متعلق ضروری اور مفید فنون عالیہ کی تعلیم دینا اور مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلامی معلومات بہم پہنچانا، رشد و ہدایت اور تبلیغ کے ذریعے اسلام کی خدمت انجام دینا اور اعمال و اخلاق کی اصلاح و ترویج کرنا شامل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے وصال کے بعد دارالعلوم کے سرپرست ثانی قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے قاضی طرز فکر کے ساتھ دارالعلوم کی تعلیمات میں فقہی رنگ بھرا جس سے اصول پسندی کے ساتھ فروغ فقہیہ اور جزئیاتی تربیت کا قیام بھی پیدا ہوا اور اس طرح فقہ اور فقہاء کے سرمایہ کا بھی اس میراث میں اضافہ ہو گیا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو علم حدیث، فقہ اور تصوف سے بہت زیادہ شغف رہا۔ ہزار ہا انسانوں نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے استفادہ کیا۔ حضرت گنگوہیؒ نے علماء و فقہاء کی تربیت فرمائی اور انہیں دین کے بارے میں اتارا رخ اور مستحکم بنادیا کہ ان افراد پر کوئی بھی قہر اثر انداز نہ ہو سکا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنے وقت کے امام ملت، قطب عالم، نمونہ علم و عمل، رشد و ہدایت کا مرکز، عظیم مصلح، مہربانی اخلاق اور قومی و ملکی امور میں مسلمہ قائد تسلیم کئے گئے۔ 1875ء کے انقلاب میں قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے دوش بدوش قائدانہ حصہ لیا تھا۔ اور نو ماہ تک اسیر فرنگ رہے تھے۔ جن لوگوں نے ان سیاسی اور جہادی خدمات پر پردہ ڈالنا چاہا ہے خواہ اپنی لاعلمی اور معاملات کی بے خبری کی بناء پر یا اپنی کسی مصلحت کی وجہ سے ان کی مصلحت اندیشی یا خبر لوگوں کے نزدیک لغو ہے۔ مولانا عاشق الہی میرٹھی لکھتے ہیں کہ

”1857ء میں خانقاہ قدوسی سے مردانہ وار نکل کر انگریزوں کے خلاف صف آراء

ہو گئے اور اپنے مرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب اور دوسرے رفقاء کے ساتھ شامی کے مارکہ جہاد میں شامل ہو کر خوب داد و شجاعت دی۔ جب میدان جنگ میں حضرت حافظ ضامن شہید ہو کر گرے تو قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کی لاش اٹھا کر قریب کی مسجد میں لے گئے اور پاس بیٹھ کر قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ معرکہ شامی کے بعد گرفتاری کا وارنٹ جاری ہوا۔ اور قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو گرفتار کر کے سہارنپور کی جیل بھیج دیا گیا پھر وہاں سے مظفر نگر منتقل کر دیا گیا۔ چھ ماہ جیل میں گزرے۔ وہاں بہت سے قیدی قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے معتقد ہو گئے اور جیل خانے میں جماعت کے ساتھ نماز ہونے لگی۔ رہائی کے بعد گنگوہیؒ میں آپؒ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع فرمایا ۱۲۹۹ھ میں تیسرے حج کے بعد حضرت گنگوہیؒ نے یہ التزام کیا کہ ایک سال کے اندر اندر پوری صحاح ستہ ختم کرا دیتے تھے۔ معمول یہ تھا کہ صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھاتے تھے۔ آپؒ کی درس کی شہرت سن سن کر طلباء حدیث دور دور سے آتے تھے۔ کبھی ان کی تعداد سترہائی تک پہنچ جاتی تھی۔ جن میں ہندو، پیر، وں ہند کے طلباء شامل ہوتے تھے۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلباء کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ درس کی تقریر ایسی ہوتی تھی کہ ایک عامی بھی سمجھ لیتا تھا۔ آپؒ کے درس حدیث میں ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ حدیث کے معمول کو ن کراس پر عمل کرنے کا شوق پیدا ہو جاتا تھا۔ جامع ترمذی کی درسی تقریر، الکوکب الدری، شائع ہو چکی ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود ترمذی کی نہایت جامع شرح ہے۔

۱۳۱۳ھ تک قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا درس جاری رہا۔ سو سے زائد حضرات نے آپؒ سے دورہ حدیث کی تکمیل کی۔ درس حدیث میں آپؒ حضرت گنگوہیؒ کے آخری شاگرد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ تھے۔ آخر میں نزول الماء کی وجہ سے درس بند ہو گیا تھا مگر ارشاد و تلقین اور فتویٰ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ذکر اللہ کی تحریریں و ترغیب پر بڑی توجہ تھی جو

لوگ خدمت میں حاضر ہوتے رغبت آخرت کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور لے کر جاتے تھے۔ اتباع سنت کا نہایت احترام فرماتے تھے۔ ۱۲۹ھ میں حضرت نانوتویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہوئے۔ مشکل حالات میں دارالعلوم کی گتھیوں کو سلجھا دینا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی بڑی خصوصیت تھی۔ ۱۳۱۳ھ میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کی سرپرستی بھی قبول فرمائی تھی۔ فقہ اور تصوف میں تقریباً چودہ (۱۴) کتابیں تصنیف فرمائیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے شیخ المشائخ حضرت حاجی المدا اللہ صاحب مہاجر کی قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر بیعت کا شرف حاصل کیا۔ اس سلسلے میں حضرت مولانا یعقوب صاحبؒ نے ”سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتویؒ“ میں لکھا ہے کہ:-

”جناب مولوی رشید احمد گنگوہیؒ اور مولوی محمد قاسم صاحب سے اسی زمانے میں ہم سبق اور دوستی رہی ہے۔ آخر میں حدیث جناب شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی خدمت میں پڑھی اور اسی زمانے میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی المدا اللہ صاحب دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔“ چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے سلوک کی منزلیں طے کر لیں اور صرف چالیس دن کی قلیل مدت میں خلافت سے سرفراز ہو گئے اور گنگوہ واپس آ کر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے حجرے میں اپنا قیام گاہ بنایا۔ اس دوران میں مطلب ذریعہ معاش رہا، ہزاروں افراد کی اصلاح فرمائی۔ اور بڑے بڑے نامور علماء ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے اسی طرح سے ان کی تلامذہ اور خلفاء ایک وسیع حلقہ بن گیا جن میں سے کئی حضرات تو رشد و ہدایت کے آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے اور پھر ساری عمر اصلاح و تربیت مخلوق خدا میں مصروف رہے۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قدس سرہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ”قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ علم و فضل میں یگانہ روزگار ہونے کے ساتھ زہد و تقویٰ اور سادگی و تواضع و عنایت میں

بھی انتہا کو پہنچے ہوئے تھے۔ ایک مرتبہ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی حدیث کا حق پڑھا رہے تھے کہ: ”ارشاد گئی۔ سب طلبہ ہمتا میں لے کر اندر کو بھاگے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سب طلبہ کی جوتیاں تن کر رہے تھے۔ کدھا کر سبے طہیں۔ لوگوں نے یہ حالت دیکھی تو کثرت گئے۔ حضرت قحانویؒ فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت میں یہ رشتہ کہ کسی ہی پریشانی یا وسوسہ کی کثرت کیوں نہ ہو۔ ہوں ہی آپ کی صحبت میں بیٹھے قلب میں یہ خاص قسم کا سکون و رحیمیت حاصل ہوتی۔ جس سے سب کدو رقیں رافع ہوتیں اور قریب آپ کے کل مریدوں میں عقدہ نمک اصلاح و دین کی خوشحالی، خصوصاً حسب فی الشیخ الغفر فی الشیخ عبدالرحمن کی مشاہدہ کیا جاتا۔ یہ سب برکت قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت کی ہے۔“

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ قدس سرہ نے قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے تعلق کے مقام بلند کی بناء پر ”الوضیفہ عصر“ کا لقب تھا اور وہ اپنے عہد میں اس لقب سے معروف تھے۔ اسی طرح استاد الکرام امام العصر علامہ محمد انور شاہ صاحب کلیمہ قدس سرہ جیسے بلند پایہ عالم و محقق جو علامہ شامیؒ کو ”نفیہ النفس“ کا مرتبہ دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو نفیہ النفس فرمایا کرتے تھے۔ بہر حال حضرت کے مقام مرتبہ اور علم و فضل کا یہاں لکھنا ”قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ“ نے ۹۰۸ھ تا ۱۳۲۳ھ بروز جمعہ ازلان کے بعد ۷۸ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کی وفات کے بعد دارالعلوم دیوبند میں یہ سب سے بڑا احاد تھا۔ حق تعالیٰ شانہ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے درجات بلند فرمائیں۔

چند واقعات و کرامات

نماز کا شوق اور نجس حفاظت

ساتھ چھ سال کی عمر تھی کہ آپ سے ایک ایسی کرامت خدیہ اور استقلال و وقار کا

ظہور ہوا کہ جس سے آپ کے مقبول بارگاہِ احدیت ہونے کا پتا چلتا ہے۔ آپ بچپن ہی میں نماز کے پابند تھے۔ جمعہ کا قصہ تو گزری چکا۔ عام نمازوں کے اوقات کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دن شام کو ٹہلنے ٹہلنے قصبہ سے باہر نکل گئے وہاں غروب آفتاب کا وقت ہو گیا تو احساس ہوا کہ مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ عباس کے پھولوں کی دو جھڑیاں ہاتھ میں لے کر بسرعت پلے پہلے گھر آئے اور والدہ کو جھڑیاں پکڑائیں کہ یہ رکھو میں نماز پڑھنے جاتا ہوں۔ جھپٹتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے تو جماعت کھڑی تھی۔ وضو کے لئے لوٹوں کی طرف بڑھے تو خالی تھے۔ دیر میں اور دیر ہوئی گھبرا کر پانی کھینچنے کے لئے کنویں میں ڈول ڈالا ڈول وزنی تھا گھبراہٹ میں رسی پاؤں میں الجھ گئی تھی ہاتھ پاؤں جماعت کے فوت ہونے کے خدشہ سے پھولے ہوئے ذرا سا جھکا لگا اور دھڑام سے کنویں میں گر گئے نمازیوں کو نماز میں احساس ہوا کہ کوئی کنویں میں گر گیا امام صاحب نے جلدی نماز پوری کرائی۔ اور تمام نمازی جلد کنویں کی طرف لپکے اب ہر ایک کنویں میں جھانکنے لگا اندر سے آواز آتی ہے..... ”گھبراؤ نہیں میں بہت آرام سے بیٹھا ہوں“..... قدرت حق تعالیٰ یہ ہوئی کہ ڈول الٹا پانی میں گرا آپ جب گرے تو حواس مجتمع کر کے فوراً اس پر بیٹھ گئے جب آپ کو باہر نکالا گیا تو معلوم ہوا کہ پاؤں کی چھوٹی انگلی میں خفیف سے خراش آئی ہے اور بس..... اب اس قصہ سے استقامت و استقلال اور مصیبت میں نہ گھبراتا۔ الطمنان سے نماز ختم ہونے تک بیٹھے رہنا کشائش و فرج من اللہ کا انتظار دوسروں کو اطمینان دلانا خدا پر توکل و اعتماد اور مقدمات نماز میں نکالیف کا ایسا تحمل کہ کلمہ شکایت زبان پر نہ آئے یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ ابتداء ہی سے آپ اللہ کی حفاظت و رہنمائی میں فطرت کی راہوں پر چلتے ہوئے عمدہ خصائل و عادات کے حامل تھے۔

(تذکرۃ الرشید)

طلبہ کے جوتے اٹھائے

ایک دفعہ درسِ حدیث میں بارش شروع ہو گئی طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں اور

تپائیاں، کتابیں رکھنے والے چھوٹے چھوٹے میز اٹھائے اور چل دیئے۔ اس کے بعد طلبہ نے دیکھا حضرت مولانا نے اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں ڈالی ہوئی ہیں اور اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ طلبہ بہت نادام اور حیرت زدہ ہوئے فرمایا کہ: اس میں کون سی بری بات ہے۔ تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں مچھلیاں سمندر میں چونیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمان رسول اللہ ﷺ ہو۔ کہ حدیث پڑھنے آئے ہو

حضرت طلبہ کی مدارات اور عزت و تکریم میں ہر وقت کوشاں رہتے اگر کسی کو کوئی غم یا فکر لاحق ہوتا تو صبر و تپائی کے کلمات سے تسکین بخشتے جس طرح ان کے اپنے دل میں طلبہ دین کی عزت تھی چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت کریں۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو یہ ہرگز گوارہ نہ تھا کہ کوئی ان کو با نظر حقارت دیکھے۔ ایک طالب علم کا کھانا کسی جگہ لگایا ہوا تھا اس کو دیکھا کہ کھانا کھلا ہوا بغیر کسی کپڑے وغیرہ کے لا رہا ہے پوچھا کھانا کہاں مقرر ہے، اس نے آپ کے کسی رشتے دار کا نام لیا فرمایا کہ اچھا وہاں سے کھانا نہ لانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔ ادھر اپنے رشتہ دار سے ناراضگی کے کلمات کہلا بھیجے کہ اس وجہ سے اس کو اس طرح کھانا دیتے ہو کہ یہ پردہ کی ہیں ان کو دروازے کا فقیر سمجھا گیا سو کیا مضائقہ ہے ”ملک خدا تک نیست پائے گدا رنگ نیست“ تم اپنی روٹی اپنے پاس رکھو خدا ان کا اور جگہ انتظام کر دے گا۔ وہ عفت مآب عورت جن کے گھر سے کھانا آتا تھا حاضر ہو کر معذرت خواہ ہوئیں اور خطا معاف کروائی اور کہا آئندہ دسترخوان میں کھانا ڈھک کر تعظیم کے ساتھ پیش کیا کروں گی۔ آپ نے منظور فرمایا۔

قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ بیک وقت طلبہ کے استاد بھی تھے اور شیخ بھی۔ اگرچہ طلبہ آپ سے رسمی بیعت نہ کرتے ہوں تاہم آپ دونوں چیزوں کو ملحوظ رکھ کر طلبہ کی ہر طرح اصلاح و تربیت فرماتے تھے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی زندگی کا مشن

ہی یہ تھا کہ لوگوں کے عقائد و اعمال درست کئے جائیں۔ شرک و بدعت کی رد کی جائے تاہم سبق پڑھتے وقت اس کا بہت زیادہ اہتمام تھا شرک و بدعت کا جگہ جگہ قلع قمع فرماتے۔ توحید و اتباع سنت کی ترغیب دیتے صرف زبانی فصاحت پر اکتفا نہ فرماتے بلکہ ضرورت پڑنے پر تیزی اور سختی بھی فرماتے اور اس کے توجہ قلبی اور روحانی فیضان سے تاریک دلوں کو منور کرتے اور زنگ دور فرماتے۔ بعض اوقات طلبہ کا پورے کا پورا حلقہ محو حیرت ہوتا کہ جہلہ کا جہلہ آسمانی سکینت کے نزول کا احساس کر رہا ہے سلوک و معرفت کے حقائق دوران درس بیان فرماتے کہ طلبہ کو وجد آجاتا غرض یہ کہ طلبہ کی ہر طرح دیکھ بھال کرتے ان کی نشست برخاست چال و حال گفتار و کردار وضع قطع ہر چیز کا خیال رکھتے۔ اگر کسی طالب علم کو دیکھتے کہ وہ اپنے پڑھے ہوئے عمل پر پیرا نہیں ہے تو جب تک اس میں خوشگوار تبدیلی پیدا نہ ہو جاتی حضرت گنگوہیؒ بے چین رہتے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ مومن کی فراست سے بچو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ طلبہ کی ہر وقت کڑی نگرانی رکھتے تھے۔ اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق یہ محسوس فرماتے کہ اس میں کچھ کچی ہے جو درست نہیں ہو سکتی اور یہ پڑھ لکھ کر لوگوں کو گمراہ کرے گا یا پھر سلسلہ کی بدنامی کا باعث بنے گا تو اس کا سبق شروع نہ کرتے لطائف الخلیل سے نال دیتے یا روکھا پین دکھاتے کہ وہ خود ہی چلا جائے۔ ہاں جس طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی ولداری فرماتے۔ بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

پہلانا حج اور کرامات کا ظہور

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے دن بڑی غربت اور تنگ دستی میں گزرے تھے۔ لیکن حرمین شریفین کی حاضری کے لئے آب مایہ بے آب کی طرح تڑپتے رہے لیکن صورت حال یہ تھی کہ آپ کی اقتصادی حالت اس قدر کم زور تھی کہ بمشکل اہل و عیال کی گزران ہوتی تھی بلکہ یہاں تک کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خواہش یہ ہوتی کہ جس

حال میں پڑا ہوں اسی گمنامی و گوشہ نشینی کی حالت میں پڑا رہوں کسی آنکھ یا کان کو اس کی خبر نہ ہو۔ ان حالات میں حرمین شریفین تک آنا چاہا کیسے ہو؟ لیکن جب طلب بھی ہوا تو اللہ تعالیٰ اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، ڈپٹی عبدالحق راجپوری کا قصد حج ہوا اور انہوں نے اپنے اہل و عیال اور متعلقین و وابستگان کا ایک جم غفیر ساتھ لے جانا چاہا حکیم ضیاء الدین صاحب راجپوری جو حضرت حافظ شبید سے فیض پذیر تھے۔ ڈپٹی صاحب کے احباب میں سے تھے۔ ڈپٹی صاحب نے حکیم صاحب کو بھی ساتھ لیا حکیم صاحب قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے عشاق میں سے تھے۔ کیونکہ انہیں علم تھا کہ میرے پیرو مشد نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے زانوؤں پر جام شہادت نوش فرمایا تھا حکیم صاحب نے قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا ذکر کیا تو ڈپٹی صاحب بلا اذنی طالب مان گئے بلکہ اس پر خوشی کا اظہار کیا کہ یہ تو ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی جیسا محبت رسول قبیح سنت ہمارے قافلے میں شریک ہو۔ مولوی ابوالنصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے ماموز و بھائی جو حضرت کے بچپن کے ساتھ اور جان و مال و فقی تھے ان کو جب علم ہوا کہ مولانا سفر حج پر جا رہے ہیں تو انہوں نے اپنا اثاثہ لانے پونے بیچ کر مع اہلیہ معیت اختیار کی۔ ان دنوں سفر حج انتہائی دشوار تھا۔ اور فرائض حج کی ادائیگی سب فرائض سے مشکل تھی۔ ایسا بھی ہوتا کہ دفائی کشتیاں تین تین چار چار ماہ سمندر میں چکولے کھاتی رہتیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے سفر میں سخت طوفان آیا تمام مسافر گھبرا گئے۔ مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نہایت پرسکون تھے لوگوں کی گھبراہٹ پر انہیں یہ کہہ کر تسلی دی کہ ”بھئی کوئی سرے کا تو ہے نہیں، ہم تو کسی کے بلائے ہوئے جا رہے ہیں خود بخود جا رہے“ اور جہاز جب اصلی حالت پر آیا تو کپتان نے گھڑی دیکھ کر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس طوفان کی وجہ سے ہمیں آٹھ دن کی مسافت تین دن میں طے کرا دی ہے۔

دوسرا حج ... قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے دوسرا حج

۱۳۹۴ھ بھی کیا۔ اور اس سفر حج میں اللہ کے ایسے ایسے نیک بندوں نے شرکت کی کہ شاید

ہندوستان میں اس سے پہلے اور اس کے بعد کی نظیر نہ مل سکے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب مہتمم دورِ معلوم دیوبند، شیخ الہند مولانا محمد حسن بھکیم ضیاء الدین صاحب، مولانا محمد مظہر صاحب، بانی مظاہر العلوم سہارنپور کے علاوہ تقریباً سو بڑے بڑے عالم و فاضل اس قافلے میں شریک تھے۔ اس سفر کی پورے ملک میں شہرت ہو گئی۔ لہذا گھر سے لے کر ساحل تک ہر جگہ فقید الممال استقبال ہوا۔ ایسے صلحاء و علماء کے سفر حج پر اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات کی جو بارش ہوئی ہوگی اس کی کون اندازہ لگا سکتا ہے حضرت حاجی صاحب کو اطلاع مل چکی تھی۔ لہذا اعلیٰ حضرت باوجود ضعف و نقاہت اور پیرانہ سالی کے مکہ معظمہ سے باہر استقبال کے لئے نجانے کتنی دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ قافلے کے آنے پر ہر ایک سے مصافحہ کیا۔ اور سب کو تقریباً اپنے پاس ٹھہرایا ۱۲۹۵ھ میں واپسی ہوئی۔

تیسرا حج ۱۲۹۹ھ میں قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے تیسرے حج کا دفعہ ارادہ کیا اور ایسے وقت میں کیا کہ بظاہر حج کے دنوں میں پہنچنا مشکل تھا ۳۴ ذی قعدہ کو گنگوہ سے روانہ ہوئے بمبئی سے جب جہاز چلا ہے تو چودہ روز حج میں باقی تھے خدا کا فضل شامل حال تھا۔ نویں دن جدہ پہنچ گئے حالانکہ آج کے تیز رفتار وقت میں بھی چھ روز میں کراچی سے جدہ پہنچا جاتا ہے اور بمبئی سے کراچی کی نسبت جدہ زیادہ دور ہے۔ کامران میں قرطبہ کے لئے جہاز کا ٹھہرنا اشد ضروری تھا لیکن ٹھہرنا کی کشش کی بناء پر جہاز کشاں کشاں چلتا رہا اور باوجود کامران میں رکنے کی ہدایت کے نہ رکا جس کی وجہ سے جہاز کو تین ہزار روپے جرمانہ ادا کرنا پڑا۔ قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جب مکہ پہنچے ہیں تو اگلے دن ارکان حج شروع ہو گئے۔

ایک گنگوہ کے شخص اس سال کے حج کے لئے روانہ ہوئے مگر قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خواہش کے باوجود پہلے چل دئے اور واپس میں بھی جلد نکلے نتیجہ یہ نکلا ایک ماہ قرطبہ کے لئے راستے میں ٹھہرنا پڑا خرچ بھی زیادہ ہوا اور وقت بھی زیادہ لگا

قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا جہاز نہ آتے ہوئے رکا اور نہ جاتے ہوئے، حضرت گنگوہیؒ کا تیسرا حج آخری حج تھا۔ اس کے بعد سفر حج کا اتفاق نہیں ہوا بالاستقلال تعلیم و تعلم میں مشغول ہو گئے۔

حوادث اور صدقات پر صبر

دنیاوی حوادث و صدقات و مصائب قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صبر کرنے میں کوہ استقلال تھے۔ ایک دفعہ تھوڑے ہی عرصہ میں آپ کے پانچ عزیز آپ کا نواسہ، بیٹا، مرحوم بیٹے کی بیوی شیر خوار بچہ چھوڑ کر اور نواسی کے بعد دیگرے فوت ہو گئے لیکن قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایسا کمال صبر کا مظاہرہ کیا کہ لوگ انگشت بدنداں تھے۔ ان کا کبھی تذکرہ نہ کرتے۔ زندگی میں تین واقعات ایسے ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے جانے والوں کا ذکر کیا ہے ایک مرتبہ مولانا یحییٰ کاندھلوی (قلب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ان کے نہایت درجہ مشفق و مہربان تھے) سے ایک موقع کی مناسبت سے فرمایا ”مولوی یحییٰ، تمہاری عقل کو ہیضہ تو نہیں ہو گیا“ ان کے جانے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ دوسرے ساتھیوں سے فرمانے لگے کہ میں نے مولوی یحییٰ کو ویسے ہی کہہ دیا ورنہ ہمارے گروہ میں سبھی ان کو عقل مند مانتے ہیں۔ انہوں نے اسباب جواب دیا تو فرمایا..... مزاج دانی تو مسعود احمد کی ماں ہی کو تھی..... اس سے قارئین یہ خیال نہ فرمائیں کہ شاید حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ان حوادث کا صدمہ ہی نہیں ہوا۔ صدمہ تو ہر انسان کو ہوتا ہے مگر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اظہار نہیں فرماتے تھے۔ بس اتنا ہی اظہار ہوتا جتنا سنت سے ثابت ہوتا ہے..... ورنہ صدمہ تو بہت ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ..... محمود احمد (بیٹے کی وفات) نے میری کمر توڑ دی..... حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ایک خادم مولوی رحمت اللہ پانی پتیؒ اپنے خطوں میں ہمیشہ محمود احمد کو سلام لکھتے۔ آخر دو سال کے بعد امام ربانیؒ نے ان کے خطوط کے جواب میں یوں تحریر فرمایا ”آپ خط میں حافظ مسعود احمد کو

سلام لکھا کریں۔ حافظ محمود احمد مرحوم دو (۲) سال ہوئے کہ اس عالم سے رحلت فرما کر مجھ ناکارہ کو پریشان و حیران کر گئے ہیں۔ جب تم اس کو سلام لکھتے ہو مجھ کو بے قراری ہو جاتی ہے۔ آئندہ اس کا نام مت لکھنا۔“

حرمین اور اس کے تعلقات سے محبت

انسان کو جس کسی کے ساتھ محبت ہوتی ہے اس کے تمام تعلقات سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت امام ربانی کے دل میں حق تعالیٰ شانہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی محبت از حد راسخ تھی۔ اس لئے حرمین شریفین کے خس و خاشاک تک کو آپ محبوب سمجھتے اور سر آنکھوں پر رکھتے تھے۔ مدینے کی کھجوروں کی گٹھلیاں پھو کر رکھتے اور ان کو کبھی کبھی پھاٹکا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ ”لوگ زمزم کے ٹینوں اور گٹھلیوں کو یونہی پھینک دیتے ہیں یہ نہیں خیال کرتے کہ ان چیزوں کو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی ہوا لگی ہے۔“ ایک مرتبہ مدنی کھجور کی گٹھلی پسلی ہوئی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے مولانا عاشق الہی کو دی اور فرمایا کہ اس کو پھاٹک لو۔ اور ایک دفعہ مدینہ الرسول کی مٹی عطا فرمائی کہ اسے کھا لو۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت مٹی کھانا تو حرام ہے آپ نے فرمایا ”میاں وہ مٹی اور ہوگی۔“ اگر کوئی مدینہ منورہ یا مکہ معظمہ سے آپ کے لئے کوئی تبرک یا تحفہ لاتا تو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اس کو اس قدر خوشی سے قبول کرتے کہ ہدیہ دینے والے کا جی خوش ہو جاتا اور آپ فوراً ہی تمام حاضرین میں اس کو تقسیم فرما دیتے اور اگر کوئی شخص کوئی چیز مانگ لیتا تو فوراً ہی اسے عطا فرما دیتے اور خوش ہوتے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے تسبیح مانگی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس بیش قیمت تسبیح تھی۔ ان کے حوالے کی اور فرمایا ”پڑھتے رہنا ایسا نہ ہو کہ ویسے ہی رکھی ہوئی ہے۔“ حضرت امام ربانی کا جی چاہتا تھا ہر شخص حرمین شریفین سے اور وہاں سے آئی ہوئی چیزوں سے اسی طرح محبت و پیار رکھے جس طرح خود ان کو تھا۔ ایک مرتبہ مولانا محمد اسماعیل کو موم بنی کا ذرا سا ٹکڑا عنایت فرما کر کہا کہ اسے نگل جاؤ اور ایک بار غلاف کعبہ کے ریشم کا

ایک تار یا ریک یا اور کہا اس کو کھالو۔

نماز میں خشوع و خضوع کا منظر

حق تعالیٰ کی عظمت اور جلالت شان چونکہ آپ کی رگ رگ میں پیوست تھی اس لئے قرآن مجید کی تلاوت کے وقت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ پر اکثر حالت کا غلبہ ہوتا، اور اگر اغیار سے مجلس خالی ہوتی تو اس کا اظہار بھی ہو جاتا تھا، آخری شب میں خالی مکان کے اندر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ آقا کے حضور میں دست بستہ کھڑے ہوتے اور نوافل میں قرآن مجید شروع فرماتے تو عموماً آپ پر گریہ طاری ہو جاتا اور پڑھتے پڑھتے رک جاتے تھے سسکیاں آپ کا حلق تمام لیتیں اور بکاہ پر مجبور کرنے والی حالت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ساکت و صامت بنا دیا کرتی تھی، آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور رخسار و لہجہ پر گزرتے ہوئے موتیوں کی طرح مصلے پر گرا کرتے تھے، مولوی عبدالرحمن صاحب خورجووی کہتے تھے کہ ایک مرتبہ میں گنگوہیؒ میں حاضر ہوا۔ رمضان کا مہینہ تھا اور تراویح میں کلام اللہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہی سنایا کرتے تھے، ایک شب آپ نے تراویح شروع کی، میں بھی جماعت میں شریک تھا قرآن مجید پڑھتے پڑھتے آپ اس رکوع پر پہنچے جس میں خوف و خشیت دلایا گیا تھا، جماعت میں حالانکہ نصف سے کم عربی زبان سمجھنے والے تھے، اور باقی سب ناواقف، مگر آپ کے اس رکوع کی قرأت پر خوف کا اثر سب پر پڑ رہا تھا، کوئی روتا تھا اور کسی کے بدن پر لرزہ، اس رکوع کے بعد جب آپ نے دوسرا رکوع شروع کیا تو اس میں رحمت خداوندی کا بیان تھا، اس وقت دفعۃً تمام جماعت پر سرور طاری ہو گیا اور پہلی حالت یکلفت مقلب ہو گئی فرحت و انبساط کے ساتھ یہاں تک کہ بعض مقتدی فہمی ضبط نہ کر سکے۔

(تذکرہ الرشید)

نماز بیٹھ کر کبھی نہیں پڑھی

اپنے معاملہ میں آپ کا تقویٰ و احتیاط اس قدر تھا کہ مسئلہ مختلف فیہا میں قول رائج

اور اقرب الی الاحتیاط کو اختیار فرمایا کرتے تھے باوجود ضرورت کے احتیاط کو ہرگز نہیں چھوڑتے تھے، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی احتیاط کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آپ نے اپنے امراض میں کیسا ہی شدید مرض کیوں نہ ہو کبھی بیٹھ کر نماز نہیں پڑھی۔ مرض الموت میں جب تک اس قدر حالت رہی کہ دو آدمیوں کے سہارے سے کھڑے ہو کر پڑھ سکیں اس وقت اس طرح پڑھی کہ دو تین آدمیوں کو بمشکل اٹھایا اور دونوں جانبوں سے کمر میں ہاتھ ڈال کر لیکر کھڑے ہو گئے اور قیام، رکوع اور سجود ان ہی کے سہارے نماز ادا کی، ہر چند خدام نے عرض کیا کہ حضرت بیٹھ کر نماز ادا کر لیجئے، مگر نہ کچھ جواب دیا نہ قبول فرمایا، ایک روز مولوی محمد یحییٰ صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! اگر اس وقت بھی جائز نہیں تو پھر وہ کون سا وقت اور کون سی حالت ہوگی جس میں بیٹھ کر نماز پڑھنا شرعاً جائز ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے فرمایا کہ امام صاحب کے نزدیک قادر بقدرۃ الغیر قادر ہوتا ہے، اور جب میرے دوست ایسے ہیں کہ مجھ کو اٹھا کر نماز پڑھاتے ہیں تو میں کیونکر بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہوں، آخر نوبت ضعف اس قدر پہنچ گئی کہ دوسروں کے سہارے بھی کھڑے ہونے کی قدرت نہ رہی تو اس وقت چند وقت کی نمازیں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے بیٹھ کر پڑھیں۔ (تذکرہ الرشید)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

حکیم الامت مجدد ملت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس اللہ سرہ کی شخصیت اور ذات گرامی کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی ذات والا صفات یگانہ روزگار اور ”آفتاب آمد دلیل آفتاب“ مصداق ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ شریعت و طریقت کے مجمع البحرین، جامع علم و عرفان اور دینی بصیرت و فقہانیت، تقویٰ و طہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے علم و فضل اور زاہد و تقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، بجا طور پر سلف صالحین کے

علوم و لغویں کے امین اور وارث تھے۔ حضرت مکی کی کیا اثر محبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزار ہا ہنگام خدا کو یقین و معروف کی لازوال دولت میر تقی میر بہت سے تشنگان معروف کو اس چشمہ عرفان سے میرا دل دشا دلی ہوئی۔

محاطات و معاشرت سیاست عقائد و عبادات غرض کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی گراں قدر و تجربہ پوری خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ نے تجہید و مصالح نہ کی ہوں۔ ہر شعبہ میں حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ کی تصانیف موجود ہیں۔ تفسیر حدیث، فقہ، تصوف و سلوک، قرآن و مجموعہ منطق و فلسفہ وغیرہ تمام علوم و فنون میں حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ حکیم الامت قدس سرہ کی مجددانہ اور حکیمانہ تحقیقات عصر حاضر کا بے مثال منفردانہ، مصلحانہ عظیم الشان کارنامہ ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ قدس سرہ کی ذہانت و ذہانت کے آثار بچھن اسی سے نمایاں تھے۔ حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ نے ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی تھی اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب سے حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ زیادہ مستفید ہوئے ہیں۔ پھر حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ ۱۳۰۱ھ میں مدرسہ فیض عام کانپور میں مدرسہ مدرسہ مقرر ہوئے اور پھر مدرسہ جامع العلوم کی مسند صدارت کی زینت بن گئے۔ کانپور میں حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ کے درس حدیث کی شہرت سن کر دود دراز سے طلبہ کھینچے چلے آئے تھے۔ ۱۳۱۵ھ میں اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ تھانویؒ صاحب کی قدس سرہ کی خانقاہ امدادیہ تھانویہ میں تو کمالی ائمہ قیام فرمایا۔ جہاں علوم و ادبیں ۷۷ سال تک تبلیغ دین و ترقیہ نفس اور تصنیف و تالیف کی شاہکار اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔ جس کا اصل اس دور کے کسی دوسری شخصیت سے نہیں ملتی۔ علم نہایت وسیع اور گہرا تھا جس کا ثبوت حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ کی تصانیف کا ہر پر صمد دے سکتا ہے۔ حضرت مولانا شرف علی تھانویؒ کی تصانیف مواعظ سے لاکھوں افراد کی علمی و روحانی فیش و کچل اس کے ساتھ ساتھ

بیعت دارشاد کی رو سے عوام و خواص کا جتنا بڑا حلقہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے مستفید ہووا اس کی مثال بھی کم ہی ملے گی۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوپاک کے بڑے بڑے صاحبِ علم و فضل اور اہلِ کمال و تقویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ حضرت دلائلِ ذاتِ القدس علم و حکمت و نور معرف و طریقت کا ایک ایسا سرچشمہ تھے جس سے نصف صدی تک برصغیر کے مسلمان سے سیراب و شاداب ہوتے رہے۔ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی عظیم خدمت تقریری و تحریری صورت میں نمایاں نہ ہوں۔

حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کے الفاظ میں اصلاح امت کی کوشش میں علمی و عملی زندگی کے ہر گوشے پر حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر تھی۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر علموں تک، عاصیوں سے لے کر مصلحوں تک، ورور و پستوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر معروف اصلاح و تربیت رہی۔ پیدائش، شادی، بیاہتی اور خوشی، ماور و دوسری تقریبات پر اور اجتماعوں تک کے احوال پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کھرا کھوٹا الگ کیا۔ رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر داڑے سے ہاتھ دھو کر ہٹا کر مرامِ مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کو تباہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، نقص کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی اتنی ہی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان و سلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے تجزیہ فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے سامنے دین کی صحیح مثال تھی۔ اسی کے مطابق مسلمانوں کی موجودہ زندگی کی تصویر میں جہاں جہاں نقصان کے شعبے ان کے درست کرنے میں مریض و مستحول رہے۔ انہوں نے اپنی زندگی اس میں صرف کر دی کہ مسلمانوں کی تصویر حیات کو اس شعبہ

کے مطابق بنادیں جو دین حق کے مرقع میں نظر آتی ہے۔

میری زندگی کی ساخت و پرواخت میں بھی حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ احقر کی عمر کا بڑا حصہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے ہاں آتے چاتے گزرا۔ مسائل دینیہ میں ان کی بیدار مغزی، حکیمانہ تحقیقات، معاشرتی معاملات میں غیر معمولی ضبط و نظم ان کا وسیع عمیق علم، ان کی سینکڑوں تصانیف، ان کی محبت و برکت اور حکیمانہ انداز تربیت نے زندگی کے بہت بڑے بڑے سبق سکھائے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اللہ رب العزت نے مرجع خلائق بنایا تھا آج بھی ان کی تصانیف اور ان کے خلفائے کرام، شریعت و طریقت کے میدان میں ایسی ایسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس دور میں حرام و حلال کا اور جائز و ناجائز کا اہتمام، کم ہی ملتا ہے۔ جتنا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے یہاں تھا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے والد مرحوم کے انتقال کے بعد جائیداد ملی اس کے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سرکاری کاغذات و دستاویزات ترکہ سے اپنے از سر نو تحقیقات فرمائی اور اپنے شہر اور دوسرے شہر کے رہنے والے جس شخص کے متعلق ذرا سا بھی معلوم ہوا کہ اس کا ذرا سا بھی کوئی حق اس جائیداد میں ہے پورے اہتمام کے ساتھ اس کا حق پہنچا دیا۔ غرضیکہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اپنی تحریر، تعلیم و تبلیغ سے لاکھوں مسلمانوں کو علمی و عملی فیض پہنچایا اور ہزاروں مسلمانوں کی باطنی اصلاح فرمائی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ان کے تلامذہ و خلفاء ملک کے ہر خطے میں پھیلے اور بدوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ و تبلیغ نہ فرمایا ہو، تصنیف و تالیف کے ذریعے ہر علم و فن میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ہزار سے زائد تصانیف و رش میں چھوڑی اور اصلاح و تربیت کا کام اپنے خلفاء و متوسلین کے حوالے کر کے ۱۶ ربیع المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانی بھون میں اس جہاں فانی کو خیر باد کہا اور حافظہ ضامن تھانوی شہیدؒ کے مزار کے قریب انہیں کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ ولداد یہ کے نام سے وقف کر دیا تھا آرام ہوئے۔ حق تعالیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے

درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ضبط اوقات و تنظیم کار

ایک سچے مومن ہی کی زندگی نظم و ضبط کا بہترین نمونہ ہو سکتی ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی حیدرہ وادہ شان کا یہ وصف بھی بہت ممتاز ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے خارجی زندگی اور داخلی زندگی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ اہل حق ایسے بھی ہوتے ہیں اور اہل فہم نے سمجھ لیا کہ مصلحان دین ایسے ہی ہوتے ہیں۔ بعض کم عقولوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو بالکل انگریزیت ہے کہ ملنے کے اوقات مقرر ہوں گے، گفتگو کے طریق جعین۔ لیکن ان کے متعلق اس کے سوا کیا کہا جائے۔

ع بریں عقل و دانش بہاید گریست

کیونکہ بغیر اس اصولی زندگی کے نہ خود کو راحت میسر آ سکتی ہے نہ غیر کو نہ اپنی صلاحیتوں سے استفادہ ممکن ہے نہ غیر کی تربیت و اصلاح نہ اپنی صحت و توانائی برقرار رہ سکتی ہے نہ اس کی افادیت اسی لئے خانقاہ امدادی میں ان ذریعہ اصولوں کو جن کے ماخذ بہر حال اسوہ وارشادات رسول کریم ﷺ ہی تھے پائمال نہیں کیا جاسکتا تھا۔

خارجی زندگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اوقات اس طرح بنے ہوئے تھے۔ صبح سے بارہ بجے تک اور نماز عصر سے عشاء تک کے اوقات اپنی انفرادی امور مثلاً تصنیف و تالیف وغیرہ کے لئے مختص تھے۔ البتہ اس میں یہ استثنا تھی کہ نووارد جو پہلی بار ملاقات کرنا چاہے، جو رخصتی ملاقات کا طالب ہو۔ وہ جس کو کوئی فوری ضرورت لاحق ہو۔ ۱۲ بجے سے نماز ظہر تک بالکل تنہائی اور قیلولہ کا وقت تھا اور اس میں کوئی استثناء نہ تھا۔ نماز ظہر و قیلولہ سے فراغت کے بعد نماز عصر تک عام مجلس ہوتی تھی جس میں ہر شخص شریک ہو سکتا تھا اور بات چیت کر سکتا تھا۔ پھر بعد نماز عشاء کسی سے نہ ملنے لیکن یہ تو ان کے لئے ہوا جو برملا اپنا مدعا ظاہر کر سکتے

تھے۔ راز اور تنہائی کے طالبوں کے لئے اصول یہ تھا کہ مردی میں آویزاں لہجہ کسی کے اندر یا تو اچھتہ عالمکھ کر ڈال دیں یا اس کے عرض کرنے کے لئے متعین وقت چاہیں۔ اور ہر دو صورتوں میں اپنا پہلہ ضرور لکھ دیں (یعنی خانقاہ کے کس کمرے میں مقیم ہیں) تاکہ جواب پہنچائی وہاں پہنچی جائے۔ نہ سائل کو تکلیف ہو نہ مسئول کو۔ خانقاہ و فداویہ کالج بھی اصول تھا کہ کوئی شخص بلا اجازت صاحب خانقاہ کی خدمت نہ کرے کوئی اس کے ہمارا اور نہ دانتے میں ان سے مصافحہ کرے۔ خود اپنے کام میں مشغول رہے اور حضرت شیخ کو اپنے امور مشاغل میں آزار نہ رکھے۔

چونکہ پڑھے لکھے اور غیر تعلیم یافتہ مآداب سے واقف اور بے عباد سب ہی طرح کے لوگ آتے تھے اور ہر ایک کو بار بار تہذیب میں کافی وقت ضائع ہونے کا امکان تھا۔ اس لئے صحیح خدشہ حاصل کرنے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک جدول بنا رکھا تھا تاکہ اس کے مطابق خاندانی کر کے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو دے دیں۔ اس کے عنوان یہ تھے۔ (۱) ۲۴ (۲) وطن اصلی، (۳) اس وقت کس مقام سے آتا ہوا، اور وہاں کی مدت قیام، (۴) فاضل، وزیر، معاش، کوئی صورتی زمین کے مالک تو نہیں، (۵) کسی استفادہ اور دوسری انگریزی کی کس قدر ہے، (۶) آنے کا اصلی مقصد کیا ہے، بعض ملاقات یا کچھ کہنا بھی، لکھ کر دینا یا زبانی، مجمع میں یا تنہائی میں، (۷) کسی سے بیعت ہیں یا نہیں، اگر ہیں تو کس سے؟ (۸) اگر مجھ سے بیعت ہیں تو کتنا عرصہ ہوا؟ تعلیم کس سے متعلق ہے۔ (۹) میرے سوا دعا و رسائل کیا کیا رکھتے ہیں؟ اگر (۱۰) مجھ سے کچھ خط و کتابت ہوئی ہے وہ پاس ہیں یا نہیں؟ اگر ہے تو دکھائیں، (۱۱) کتنا قیام ہوگا؟ (۱۲) کہاں قیام ہوگا۔ (۱۳) خانقاہ میں پہلی مرتبہ آتا ہوا یا پہلے بھی آئے ہیں (۱۴) یہاں کے انتظام طعام کی خبر ہے یا نہیں (۱۵) باہر والا بڑا قلمی اعلان دیکھ لیا یا نہیں؟ (یہ وہی اعلان ہے جس میں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اوقات فراغت و مصروفیت کی تفصیل ہے) اس کے علاوہ ہر ہر طبقہ کے افراد کے لئے اصول و ضوابط متعین تھے اور سب میں ایسی روح کا در فہم تھی کہ مرشد و مرید

دونوں کو راحت حاصل رہے۔ تفتیح اوقات نہ ہو اور بے جا اختلاط نہ رہے۔ اب کوئی بتائے کیا بغیر اس نظم و ضبط کے مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وہ کچھ کر سکتے تھے جو انہوں نے کر دکھایا۔ سینکڑوں کتابوں اور رسالوں میں تحقیق و معارف کے ذخائر جمع فرماتے ہزاروں خطوط کے گراں بہا جواب لکھے سینکڑوں مواعظ کے ذریعے رشد و ہدایت کے دریا بہائے ان گنت ملفوظات کے ذریعہ طریقت کے عقدے کھولے۔ ہزاروں تشنگانِ حب الہی کو سیراب کر گئے یہ سب اسی اصول زندگی کا نتیجہ تھا۔

داخلی زندگی

وعدہ و پند، اصول و ضوابط صرف اغنیاء کے لئے نہ تھے۔ گھر کی نجی زندگی میں بھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ پر نگاہ رکھی جاتی تھی۔ البتہ ہر موقع و مقام کے لحاظ سے اصول بھی جدا تھے اور ہونے بھی چاہئیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو (۲) ازواجِ مطہرات تھیں۔ اس لئے جو بھی نقد یا جنس کی صورت میں آتا مساوی مساوی کر کے اپنے ہاتھ سے تقسیم فرماتے غیرت کا یہ عالم تھا کہ دونوں کے مہر ادا کر دئے تھے اور باوجود فریق ثانی کی طرف سے واپس لینا گوارہ نہ فرمایا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سخت گیر نہ تھے۔ کبھی گھر والوں سے تکلف و تحکم کا برتاؤ نہ کرتے بلکہ ہمیشہ لطف و کرم سے پیش آتے اور بہت ہشاش بشاش رہتے تھے۔ اپنی ازواج کے مہمانوں کی پوری مہارت کرتے اور ان کے بچوں سے خوب مزاح فرماتے تھے۔ اہل خانہ پر حتی الامکان کوئی بوجھ نہ ڈالتے تھے حتیٰ کہ کسی خاص کھانے کی فرمائش نہ کرتے البتہ جب خود ادھر سے فرمائش کرنے کا اصرار ہوتا تو اس میں بھی ایسا اسلوب اختیار کرتے کہ ان کی دل چاہی نہ ہو، نہ ان پر بار پڑے۔ فرماتے ”تم ہی چند کھانوں کے نام لو جو باسانی پک سکیں ان میں سے جو مرغوب ہوگا بتا دوں گا“۔ باوجود کثرتِ مشاغل کے گھر پابندی سے تشریف لے جاتے تھے تاکہ ان کی دل آزاری نہ ہو۔ ان کی بیماریوں پر پوری فراغ دلی سے روپیہ خرچ فرماتے اور ضرورت ہوتی تو دور دراز

ماتہ پر خود لے جا کر علاج کرواتے تھے۔ اس طرح تعلق مع اللہ کے یہاں حقوق تعالیٰ کبھی نہ ہونے دیتے تھے یہ تو ان لوگوں کا شعار ہے جو سنت رسول ﷺ سے نا آشنا ہوتے تھے جن کے نزدیک عبادت و تعلق مع اللہ کا رشتہ اتنا نازک ہے کہ مسجد خانقاہ کے باہر قدم رکھتے ہی تار تار ہو جاتا ہے۔ حالانکہ جنس سنت کے تحت ہر فعل جو مسجد خانقاہ میں ہو یا گھر در ہزار میں ہو عین عبادت اور ترقی قرب کا موجب ہے اور یہی مفت "بے حمد با حمد" سائن کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو دو عقد کر کے عدل و انصاف کی دو نظیر قائم کر لی کہ اب لوگوں کے لئے عقد بنائی کی جرأت مشکل ہو گئی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ خود فرماتے تھے۔ "میں تو ایک کی باری میں دوسری کا خیال لانا بھی خلاف عدل سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میں سے اس طرف توجہ میں کی ہوگی۔ اور اس کی حق تلفی ہے۔ اب میں اپنے کپڑے خانقاہ ہی میں رکھتا ہوں۔ کیونکہ اگر میں ایک گھر میں کپڑے رکھتا تو دوسرے گھر والوں کو شکایت ہوتی کہ ہمارے ساتھ اتنی خصوصیت نہیں بہشتی دوسری کے ساتھ ہے۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اس شعار کو غور سے دیکھو اور جان لو کہ دین داری میں معاشرت معاملات و معاملات اسے ہی مجتہد با شان ہیں جتنے عقائد و عبادات، تکمیل دین کے لئے ان پانچوں پہلوؤں پر یکساں عمل ضروری ہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو رنج ہوتا جب شوہروں کے ظلم و ستم کی روایتیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ تک پہنچتیں۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہر ایک کو اپنی بیویوں پر مہر و کرم، عضو و رزق اور پس روست کی تلقین فرماتے تھے۔

کچھ واقعات و کرامات

جہاں تم جاؤ گے، وہاں تم ہی تم ہو گے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ ہرے زمانہ میں چودہ

طلبہ درودِ حدیث میں تھے۔ دستار بندی کی تجویز ہوئی یہ دارالعلوم دیوبند کا دوسرا جلسہ تھا ہمیں بھی چکری ہانڈہ سے کا اردہ کیا۔ تو ان چودہ طالب علموں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جلسہ کو رکوانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ ہم انہیں کو چکری ہانڈہ عطا کیے جاتے گی اور ہم اہل نہیں ہیں جس سے مدرسہ کی بدنامی ہوگی غرض ان چودہ طالب علموں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا کہ جا کر مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ سے جلسہ رکوانے کی درخواست پیش کریں حضرت مولانا مصروف و دارالعلوم دیوبند کے اول مدرس تھے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ جب ان کی خدمت میں پہنچے آپ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف تھے اور انتہائی اہتمام کا عالم تھا۔ رعب کا یہ عالم تھا کہ ہر آدمی بات کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ اچانک نگاہ اٹھائی تو دیکھا کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کھڑے ہیں۔ آپ نے پوچھا تیر تو ہے کیسے؟ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:

”میں نے درخواست پیش کی کہ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے جلسہ دستار بندی ہو رہا ہے۔ حکم کی تکمیل سے تو انکار نہیں لیکن اگر عرض کرنے کا موقع دیں تو ہماری درخواست ہے کہ ہم اس کے اہل نہیں! نالائق ہیں۔ پھر مدرسہ ہمارے اکابر اساتذہ بدنام ہو جائیں گے جلسہ روک دیا جائے اور ہماری نالائقیوں سے پردہ نہ اٹھایا جائے ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے عیب پر پردہ پڑا رہے۔“ یہ سن کر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو جوش آگیا اور فرمایا: ”یہ تمہاری نالائقی کا احساس تمہاری سعادت مندی ہے اور جب آدمی میں اپنی نالائقی کا احساس آجائے تو یہ اس کے کمال اور اس کی تفضیلت و سعادت مندی کی دلیل ہوتی ہے اور ہم جو یہ جلسہ کر رہے ہیں تو وہاں ہم اعلان کریں گے کہ ”الحمد لله و بحین اللہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ یہ لوگ ہمارے نزدیک اہل ہیں اور قائل ہیں جس کی مرضی ہو ان کا کسی بھی فن میں امتحان لے لے۔“ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ ہم لوگ اور بھی ڈر گئے کہ آئے تھے جلسہ رکوانے کو اور یہاں امتحان دینے کا الگ کہہ دیا گیا۔ بہر حال ہم وہاں سے چلے آئے چلے وقت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے ایک جملہ فرمایا تھا کہ

:- ”دنیا گدھوں سے بھری پڑی ہے جہاں تم جاؤ گے وہاں تم ہی تم ہو گے اور تمہارا ہی غلبہ ہو گا۔“ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:- ہم نے یہ تجربہ کیا کہ جہاں گئے ہم ہی نظر آئے جہاں گئے غالب ہی رہے کہ حق ہی کو غلبہ ہے۔ ”الحق یغلبوا ولا یغلبون“ غالبیت کے لئے حق ہے اور مظلومیت باطل کے لئے ہے۔“

تفسیر لکھنے میں آپ کو کتنا روپیہ ملا؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ دہلی شریف لے گئے وہاں ایک انگریز نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے ملاقات کی اور اول سوال اس نے یہ کیا کہ:- میں نے سنا ہے کہ آپ نے کوئی تفسیر لکھی ہے حکیم نامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا ہاں لکھی ہے اُس نے دریت کیا:- ”آپ کو اس میں کتنا روپیہ ملا؟“ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا ایک بھی نہیں۔ وہ سن کر بہت حیران ہوا اور دریافت کیا کہ پھر آپ نے اتنی محنت کیوں کی؟ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ:- ”آخرت کے ثواب کے لئے۔“ وہ انگریز کہنے لگا کیا ابھی مسلمانوں میں ایسے خیال کے لوگ موجود ہیں حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جواب دیا:- ”بہت کثرت سے۔“

دین اور دنیا، دونوں میں عزتیں ہونگی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ میں بچپن میں خواب بہت دیکھا کرتا تھا۔ اب تو بالکل نظر نہیں آتے۔ اور تعبیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سے لیا کرتا تھا مولانا نے بعض اوقات استخارہ تک مجھ سے گرایا ہے کہ تجھے خواب سے سنا بہت ہے۔ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ مولانا دیوبندی کے مردانہ مکان میں دروازے کے سامنے چوہہ جڑا رہا ہے اس کے کنارے پر ایک چارپائی بھی ہوئی ہے اور اس پر ایک بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں جو بہت نازک پتلے ابلے تھو بھی اچھا کپڑے نہایت نفیس بڑے قیمتی تھے۔ انہوں نے مجھے ایک کاغذ دیا جس پر لکھا ہوا تھا کہ (ہم نے تم کو عزت دی) اور اس کاغذ پر بہت سی مہریں ہیں

جو نہایت صاف تھیں اور مہر میں صاف لکھا ہوا تھا (محمد ﷺ) آپ کو حلیہ شریف میں دیکھنا کچھ ضروری نہیں) اسی خواب میں پھریوں دیکھا کہ قہار بھون میں شادی لال تحصیل دار کے مکان میں ہوا، ایک کے متعلق جو کتب تھا اس کے اندر کے درجہ میں ایک انگریز اجلاس کر رہا ہے لباس اس کا بالکل سیاہ ہے (یہ معلوم نہیں مکان میں کد کمر چنچا) اس میں بھی مہر ہے، بہت مگر صاف نہ تھیں۔ میں نے مولانا محمد یعقوب صاحب سے عرض کیا تو فرمایا کہ تم کو دین اور دنیا کی دونوں عزتیں نصیب ہوں گی (جمع کہتا ہے کہی برجستہ تعبیر ہے کہ آج جس کو ایک عالم اپنی نفرت سے دیکھ رہا ہے اللہ (ذلفرد)

لیکن چیزوں کی پابندی سے سسوک طے ہو جائے گا

حضرت محمد شفیع صاحب نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے عرض کیا کہ: "حضرت میری تمنا ہے کہ تصوف و سلوک کے مراحل طے کروں مگر سنا ہوں کہ بڑے مجاہدین اور ریاضتوں اور محنت اور فرصت کا کام ہے میں خلق ضعیف بھی ہوں زیادہ محنت برداشت کرنے کے قابل نہیں اور فرصت بھی کم ہے اور وقت تمام درس و تدریس اور مطالعہ کے کاموں میں گزر رہا ہے، کیا ان حالات میں بھی مجھے کوئی حصہ نصیب ہو سکتا ہے؟" حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے بڑی شفقت سے فرمایا: "یہ تم نے کیا کہا؟ کیا اللہ کا رستہ صرف التواضع کے لئے ہے؟ ضعفاء کے لئے نہیں؟ فارغ البال لوگوں کے لئے ہے کم فرصت لوگوں کے لئے نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ راستہ سب کے لئے کھلا ہوا ہے۔ ہاں ہر ایک کے لئے عمل کا طریقہ مختلف ہے، بزرگوں نے فرمایا ہے: "طریق الوصل الی اللہ بعد النفس لا خلاص" یعنی اللہ تک پہنچنے کے راستے اتنے ہی ان محنت ہیں جتنے انسان "یہاں کوئی عطائی کی دکان نہیں کہ سب کو ایک ہی گولی دے دی جائے ہم آپ کو ایسا طریقہ بتائیں گے جس میں بقوت کی ضرورت ہوگی و فرصت کی"۔ اس کے بعد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا کہ: "فرانض و اجہات اور سنن وغیرہ جو سب

مسلمان لوگوں کے ہیں وہ تو اپنی جگہ ہیں آپ صرف تین چیزوں کی پابندی کر لیں اللہ، اللہ، اللہ سارا سلوک اسی سے ملے ہو جائے گا۔ "تقویٰ اختیار کریں اس کا مفہوم آپ کو بتلانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ تقویٰ صرف نماز روزہ اور ظاہری معاملات کا نہیں باطنی اعمال میں بھی اتنا ہی ضروری ہے۔" جتنا ظاہر میں ہے۔ "دوسرے ہر لایعنی (بے فائدہ) کام، کلام، مجلس اور ملاقات سے پرہیز کریں اور فرمایا لایعنی سے مراد وہ کام ہے جس میں شرین کا کوئی فائدہ ہو نہ دنیا کا، غور کرو گے تو معلوم ہوگا کہ ہمارے اعمال، اقوال، مجالس میں بہت سادقت ایسا گزرتا ہے کہ کام کی بات تو ٹوٹی ہی اور بے فائدہ زیادہ دیکھیں ان سے پرہیز کرنا۔" تیسرا بقدر صحت و فرصت کچھ تلاوت قرآن روزانہ کیا کریں۔"

"اب بتاؤ اس نسخہ میں کون سی چیز محنت یا فرصت کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر غور کرو گے تو اس میں قوت اور زیادہ محفوظ رہے گی کیونکہ تقویٰ ایسی چیز ہے کہ بہت سے ایسے کاموں سے روکتا ہے جو انسان کی قوت ضائع کرنے ہیں اور جب لایعنی کاموں، ملاقاتوں، مجلسوں سے پرہیز کر دے تو تمہاری فرصت طبعی مشاغل کے لئے اور بڑھ جائے گی۔" حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "خبر میں فرمایا کہ۔" سنو تو آپ کے لئے اتنا ہی ہے کہ اگر ول چاہے اور فرصت بھی ہو تو صبح و شام سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، سوسو مرتبہ اور استغفار درود شریف سوسو مرتبہ پڑھ لیا کرو اور نمازوں کے بعد تسبیح فاطمہ کا احترام کر لو۔"

نو مسلم کا جھوٹا پی کر کا پلٹ دی

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ایک مرتبہ کالپی تشریف لے گئے وہاں ایک شخص نہایت صاف ستھرے اچلے پڑے ہوئے جامع مسجد میں نماز کو آیا، اس کے گاؤں والوں سے معلوم ہوا کہ یہ پہلے بھنگی تھا اب مسلمان ہو گیا ہے لیکن وہاں کے چوہری ساتھ کھانا پلانا تو درکنار اس کے ہاتھ کا برتن بھی نہیں لیتے تھے وہاں جلسہ تھا اس میں وہ بھی موجود تھا اور وہاں کے رئیس بھی جمع تھے بعض لوگوں نے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

سے خواہش کی کہ آپ اس موقع پر ان لوگوں کو سمجھادیں کہ ایسا پرہیز نہ کیا کریں، اس کی سخت دل شکنی ہے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے دل میں سوچا کہ نرے سمجھانے سے کچھ کام نہیں نکلے گا سمجھانے سے تو اس وقت ہاں ہاں کہہ دیں گے پھر بعد کو کون پرواہ کرتا ہے؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک بدھنے میں پانی منگوایا، جب پانی آگیا تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس نو مسلم سے فرمایا کہ ٹوٹی ہی سے منہ لگا کر پانی پیئے، چنانچہ اس نے پیا، پھر آپؒ نے اس کے پیچے ہوئے پانی سے پیا پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سب سے فرمایا کہ سب لوگ پانی پیئیں، اس وقت سوا مان لینے کے کسی سے کوئی عذر دین نہ پڑا۔ سب نے جیسے تیسے پانی پیا، پھر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ دیکھو بھائی اب اس سے پرہیز نہ کرنا، کہنے لگے اجی بس اب منہ کی کیا رہا پرہیز کرنے کا، آپ کی تربیت ہی ایسی ہے کہ ہمارا سارا دھرم ہی لے لیا۔ اب آپ اطمینان رکھیں۔ اب ہم اسے اپنے ساتھ کھائیں پلائیں گے، اس سے پرہیز ہی کیا رہ گیا۔ جب اس کا جھوٹا پانی ہی آپ نے پلا دیا۔

حکیم الامتؒ کے ایک مستجاب الدعوات شاگرد کا واقعہ

حضرت مولانا حاجی محمد شفیع بجنوریؒ حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادیؒ کے مرید اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے شاگرد رشید تھے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے، مدرسہ جامع العلوم کانپور میں تعطیل تھی باہر سے ایک رفیق درس کا خط حاجی محمد شفیع صاحب کے نام آیا پڑ پڑ انتہائی تعظیمی القاب ”قطب وقت“ وغیرہ درج تھے، مدرسہ کی ڈاک صدر مدرس کی حیثیت سے حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس آتی تھی حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حاجی صاحب کو بلا کر طنز سے ارشاد فرمایا کہ: ”لیجئے اب تو آپ ”قطب وقت“ ہو گئے۔“ اور وہ خط ہاتھ میں دیا حاجی صاحب جھنجھلا کر بولے: ”ایسے لوگوں کا دماغ بھی خراب ہو جاتا ہے خواہ مخواہ مجھ کو رسوا کرتے ہیں۔“ دوسری

چار دن گزرے تھے کہ اس طالب علم کے بھائی کا عیال آیا کہ: ”ظلالِ تاریک، ظلالِ وقت، وہ طالب علم، نعمتِ بھون ہو گیا، خدا کے لئے دعائے صحت فرمائیں۔“ اب حاجی صاحب بڑے ہی قلق و اضطراب میں جھلا ہو گئے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آنسوؤں کے ساتھ بڑے انداز و اضطراب کے عالم میں بولے کہ: ”حضرت! آخر کیا کروں وہ فقرے میں نے کچھ دشمنی میں پور جان کے تھوڑے ہی کہے تھے بس تھجلا ہٹ میں زبان سے نکل گئے تھے، میں تو اس نعمت سے بے جز آ گیا ہوں۔“ شواہد و حواشی ہی کو نہیں، خواص اکابر کو بھی پیش آتی رہتی ہیں اور ایسے درجہ سے نکلنے کا کام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہی جیسے دقیقہ منجھ مصلحین کا ہو سکتا ہے کسی محض بزرگ کا نہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: ”ہم کا علاج بھی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، اسی حربہ سے کام لیجئے جو آپ کے پاس موجود ہے وعا کیجئے کہ اے اللہ اس نعمت عظیم کے بار کا قفل اب کھٹھتا تو اس سے نہیں ہوتا، اسے بدل کر کسی دوسری نعمت سے سر فراد فرمایا جائے، دعا آپ اپنی زبان سے کیجئے، جس کی قبولیت کے یہ سب کرشمے ہیں، ہمیں میں بھی کہتا جاؤں گا۔“ حاجی صاحب اس شخص اور معالج کو سن کر بار بار غموں کے عمل اسی وقت کیا اور یہ دعا بھی وہی وقت قبول ہو گئی، یعنی اسی وقت سے وہ خاص کیفیت سلب ہو گئی، مرض بھی ٹھیک ہو گیا۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے نزدیک اہل علم کی شان

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ قدس سرہ اپنے ایک اہل علم و دست کی فرمائش پر تکریم کے لئے مہاترہ روز گزرے تھے کہ ایک نواب ظلالِ نواز جنگ کا پرچہ آیا، جو نواب صاحب حیدر آباد (دکن) سرخونم کی ناک کا ہل ہوا ارکانِ سلطنت میں سے لکھا تھا کہ: ”مرصع سے مجھے زیارت کا اشتہاق تھا مگر بد قسمتی سے تھکانہ بھون کی حاضری فی سبب نہیں ہوئی، برائے ذہورت حاضر ہونا چاہتا ہوں ظلالِ ظلال وقت اپنے فرائض منصبی سے

”حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے سوال کیا کہ ”جس وقت آپ نے مناسب اور غیر مناسب ہونے پر غور فرمایا ہوگا۔ اس پر بھی غور فرمایا ہوگا کہ ملاقات سے نفع کس کا ہے؟“ کہا: ”نواب صاحب کا“۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا: ”نفع نواب صاحب کا، اور ملاقات کی ترغیب مجھ کو دی جا رہی ہے۔ مطلوب کو طالب اور طالب کو مطلوب بنایا جا رہا ہے۔“ اس پر کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا کہ: ”اب میں خود عرض کر رہا ہوں کہ اس صورت میں کہ میں خود ملاقات کو جاؤں، حضرت ہی حضرت ہے نفع کچھ بھی نہیں، اگر میں ملاقات کو گیا تو وہ مطلوب اور میں طالب ہوں گا اس صورت میں ان کو مجھ سے کچھ نفع ہوگا ہاں اس سے مجھ کو نفع ہو سکتا ہے اس لئے کہ اس کے پاس جو چیز ہے وہ مجھے ملے گی یعنی دنیا و بقدر ضرورت بھی ان کے پاس نہیں یعنی دین۔ اگر میں گیا بھی جو ان کے پاس ہے یعنی دنیا و منصب، و نفیقہ (وغیرہ) وہ مل بھی گیا تو اس صورت میں ایک خاص ضرورت بھی ہے اگر قبول کرتا ہو تو اپنے مسلک کے خلاف، اگر قبول نہیں کرتا تو آداب شاہی کے خلاف، کیونکہ قبول نہ کرنے میں ان کی سبکی اور اہانت ہوگی، اور چونکہ اس وقت میں اس کی حدود میں ہوں اس کی پاداش میں اخراج وغیرہ جو چاہیں میرے لئے جو یہ کر سکتے ہیں تو نواب صاحب کو کوئی نفع نہ ہوگا اور میرا نقصان ہوگا، یہ امر بھی شانِ سلطین کے خلاف ہے وہ اپنی رعایا کے مدعو کئے ہوئے شخص سے ملاقات کریں۔“ یہ سن کر..... نواز جنگ صاحب کی آنکھیں کل گئی اور کہا کہ: ”ان چیزوں پر تو ہم لوگوں کی نظر بھی نہیں پڑتی سکتی۔“ غرض کہ استفناء اور توکل کی وجہ سے حضرت تھانویؒ ہر جگہ غالب ہی رہتے تھے“ (علمی احوال، ص ۷۷)

بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا کا وطن اور خاندان

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا وادھیالی اور تانہیلیاں شجرہ نسب حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جاملتا ہے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے والد ماجد مولانا محمد اسماعیل

صاحب ”گنجیمانہ ضلع مظفرنگر کے رہنے والے تھے۔ آخر میں گنجیمانہ کی سکونت ترک کر کے دہلی میں آکر قیام پزیر ہو گئے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی والدہ مولانا مظفر حسین صاحب کا ندھلویؒ کی نواسی تھیں، مولانا مظفر حسین صاحب ”مفتی الٰہی بخش کے حقیقی بھتیجے، حضرت شاہ اہلق صاحبؒ کے عزیز شاگرد اور حضرت شاہ محمد یعقوب کے مجاز تھے، ان کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ آپ کے معدہ نے عمر بھر کوئی مشتبہ چیز قبول نہیں کی۔ حضرت مفتی الٰہی بخش صاحبؒ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ممتاز شاگرد صاحب فتویٰ۔ صاحب تصنیف، حکیم حاذق۔ بے مثل ادیب اور عربی، فارسی اور اردو کے بلند پایا شاعر تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کا شجرہ نسب چھٹی پشت پر مفتی صاحب کے شجرہ نسب سے مل جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی ولادت ۱۳۰۷ھ میں ہوئی۔ آپ کا تاریخی نام اختر الیاس ہے۔

مولانا کی اہم خصوصیات

افسوس ہے کہ اس مختصر مقالہ میں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔ چونکہ اس کی گنجائش نہیں اس لئے مختصر طور پر یہاں حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے چند خصوصی صفات کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی سب سے بڑی خصوصیت مولانا کا آخرت پر کامل یقین اور ہر وقت اس کا احتضار ہے، جن لوگوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو قریب سے دیکھا ان کا زبانی اور تحریری بیان یہی ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تمام حرکات و سکنات سے واضح ہوتا تھا کہ جنت اور دوزخ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔

مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں کہ:

”حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ جسمانی لحاظ سے اگرچہ نہایت نحیف و ناتواں تھے مگر اس مقدس مقصد کے لئے ایسی ان تھک اور اس قدر بے پناہ جدوجہد کر کے دکھا گئے کہ میرا اندازہ ہے کہ اگر بالفرض کسی شخص کے سامنے جنت اپنی ساری نعمتوں اور دل فریبیوں

کے ساتھ اور جنہم اپنی ساری ہولناکیوں سمیت منکشف کر دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اُس یہ کام کرو گے تو یہ جنت ملے گی اور انہیں کرو گے تو اس جنہم میں ڈالے جائے گے تو شاید اس کی سزا جہنم سے زیادہ نہ ہو سکے گی جو حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی بالخصوص آخری زمانہ میں تھی۔"

یہ تو حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا حال تھا اب مثال کی بات سنئے۔ مولانا نعمانیؒ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے ملفوظات میں لکھتے ہیں۔

"قرآنِ باری تعالیٰ کے وعدوں پر یقین نہیں رہا۔ اللہ کے وعدوں پر یقین اور اعتماد پیدا کرو اور پھر اس یقین اور راستہ وحی کی بنا پر کام کرنے کی مشق کرو۔ اور اللہ کے وعدوں کے معنی بھی خود غور و تہوار محکم اور تجربہ بہت محدود ہے اس کے وعدوں کا مطلب اس کی شان کے مطابق سمجھو اور اس سے یوں ہی مانگو کہ اپنی شان اور قدرت کے مطابق اور وعدوں کو پورا فرمائے۔"

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی دوسری اہم صفت مولانا دہلویؒ کا سوز و رونا اور بندہ الہی ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کا دل اس زمانے کی دینی و دنیوی صورتِ دیکھ کر جلتا تھا اور حقوقِ خدا کی عدم گرامی اور جہالت و بندگی کی ہمہ گیری کا تصور کر کے آپ ہلکی بے آب کی طرح تر پڑتے تھے۔ مویا اس شعر کی محسم تفسیر تھے۔

خنجر چلے کسی پر تر پڑے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا دور ہمارے پیر میں ہے
مولانا ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں کہ: "کبھی کبھی دین کے اس درد اور اس فکر میں بہتر پر کر نہیں دیتے اور بے چینی برحق تو اُنھ اُنھ کر نہائے لگتے۔ ایک رات اہلہ و عیال مولانا محمد یوسف صاحب نے پوچھا کہ سخر کیا بات ہے کہ یہ نہیں آتی فرمایا۔ کیا باتیں اگر تو کہو وہ بات معلوم ہو جائے تو جاگنے والا ایک نہ ہے وہ ہوجائے نہیں۔"

اسی سوز و رونا کا نتیجہ تھا کہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے ساری زندگی کا اور نا بچھوٹا دین اور اشاعتِ دین ہی کو بن لیا تھا اور حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی ساری زندگی

کی دلچسپیاں اسی تبلیغی کام میں سمٹ کر رہ گئی تھیں۔ حتیٰ کہ اپنی جان کو اس راہ میں قربان کر دینا اپنے لئے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور اس راہ کی تمام تکلیفوں اور مشقتوں کو نہایت عالی حوصلگی اور بلند ہمتی سے برداشت کرتے تھے۔ مئی 1936ء کے ایک سفر میوات کے موقع پر مولانا محمد ذکریا صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کو تحریر فرمایا: "اس قدر ضعف ہے کہ خلاف طبع الجبھی ہوئی بات سے اختلاف اور خفقان ہوتا ہے اور آرام کے ساتھ مونڑ کی دہلی تک کی سواری سے بخارا آتا ہے اس پر الحمد للہ ایک مہینہ کی مسافت کیلئے میوات کی سخت ترین بادِ سموم اور جہال کی باتوں کے الجھاؤ کا نشانہ بن کے موت کے لئے اپنی جان کو پیش کرنے کی نیت سے اس سفر کو کارزار کا میدان تصور کرتے ہوئے مصمم ارادہ سفر ہے۔ گویا یہ سفر جہاد ہے۔ مگر اپنے ضعف سے اور اپنی مجریمہ کم ہمتی سے نہایت خوف ہے کسی جگہ یہ نفس شریر کرب و شدائد کے مقابلہ سے فرار کر کے نامردی سے واپس ہو گا دعا کرو جان کے جانے تک تحمل حق تعالیٰ شانہ شدائد و کرب کا نصیب کریں

"وما ذالک علی اللہ العزیز" اور یا کام کو پورا کر کے سہا متی کے ساتھ انہیں عود نصیب فرمادیں۔ اپنے اس سفر کو اہم فریضہ اور صحت کی رعایت کو سنگین ترین مصیبت سمجھ کر اپنی زندگی سے مایوس ہو کر سفر کر رہا ہوں۔"

حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تیسری خصوصیت حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی وسیع القسمی ہے۔ جس کی وجہ سے ملتِ اسلامیہ کے ہر کتب خیال اور ہر دائرہ فکر کے لوگ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے قریب ہو گئے اور اس تحریک کے ساتھ جڑ گئے۔ تمام اہل حق کی طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کو بھی حق تعالیٰ نے ایسی وسیع نظری اور عالی ظرفی عطا فرمائی تھی کہ جس مسلمان کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان تھا اس کی بھی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ عزت کرتے تھے اس کا نتیجہ تھا کہ ہندو پاکستان کے تقریباً تمام مشہور دینی مدارس و مکاتب کے لوگوں کے دوش بدوش انگریزی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے لوگوں کو اس جماعت میں کام کرتے ہوئے پایا گیا۔

اسی طرح مختلف اذواق اور مختلف طرق کے مشائخ کے متبعین نے اس جماعت میں برابر کا حصہ لیا۔ کیونکہ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کے دل میں ہر ایک کی قدر اور عزت تھی۔ مدارس، یونیورسٹیوں، اداروں اور خانقاہوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے علاوہ ہر قسم کے کاروباری اور ملازمت پیشہ لوگ بھی حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی تحریک میں منسلک ہو گئے اور ہر ایک نے اپنی اپنی استعداد کے مطابق اس سے نفع اٹھایا۔ اکرام مسلم حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی دعوت کا اہم اصول تھا اور تمام تبلیغی کارکنوں کو بھی اس کی تاکید کی جاتی تھی۔

اس زمانہ کی تمام دینی جماعتوں اور مذہبی اداروں کے ایک دوسرے سے بعد و نفرت اور عام مسلمانوں کی افتراق و تشقت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ہر جماعت اور ہر شخص اپنے کو سب سے افضل اور تمام خوبیوں کا مجموعہ سمجھتا ہے اور دوسرے شخص اور دوسری جماعت کو تمام خوبیوں سے محروم اور تمام خرابیوں کا سرچشمہ خیال کیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے فتنوں کی اس بنیاد پر اس طرح تیشہ چلایا کہ جماعت کے بنیادی اصولوں میں اکرام مسلم کو داخل کر دیا اور ہر اس شخص پر اس کی پابندی لازمی قرار دے دی گئی جو جماعت میں شامل ہو کر تبلیغی کام کرنا چاہتا ہو۔

زمانہ کے اس دستور کے برعکس کہ لوگ اپنی ذات کو مجموعہ محاسن اور دوسروں کو مجموعہ معائب سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ نے اس بات پر زور دیا کہ اپنے عیب کا تو محاسبہ کیا جائے اور دوسروں کی خوبیوں پر نظر رکھی جائے۔ ایک کارکن کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا: ”کوئی شخص اور کوئی مسلم ہرگز ایسا نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً کچھ خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر خرابیوں کے ساتھ نظر اندازی اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور ان کے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خوبیاں اپنے آپ دنیا سے اٹھ جائیں اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنیاد پڑ جائے۔“ حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی یہی وہ اہم

خصوصیات اور ذریعہ اصول ہیں جنہوں نے حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی کو چشتی سلسلہ کے جلیل القدر مشائخ کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا ہے۔ پروفیسر خلیل احمد نظامی نے بالکل ٹھیک لکھا ہے کہ ”حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید تھے جو دینی بصیرت اور جذبہ اللہ نے انہیں عنایت فرمایا تھا اس کی مثال اس عہد میں مشکل ملے گی۔ گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اسلامی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی نے کیا تھا۔ (تخمیناً ۱۸۷۹ء میں بڑے مسلمان)

شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۹ شوال ۱۲۹۶ھ مطابق 16 اکتوبر 1879ء کو دوشنبہ اور سہ شنبہ کی درمیانی شب میں بوقت ۱۱ بجے باغرمو ضلع اٹاک میں ہوئی۔ جہاں حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد مولانا حبیب اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدرس تھے۔ تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نسبتاً حسینی سید ہیں۔ آپ کے والد ماجد بڑے پایا کے بزرگ تھے۔ ذاکر شائع، بڑے پاک باز و با خدا انسان تھے۔

کچھ اوصاف اور واقعات و کرامات

ذوق عبادت

رسول اللہ ﷺ کی امتیازی شان بندگی اور عبادت تھی۔ اسی لئے عبد و درویش کے ممتاز خطاب سے آپ ﷺ کو نوازا گیا۔ جیسا کہ اللہ رب العزت اپنی شان و بوبیت اور عبودیت میں یکتا اور بے مثال ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ﷺ اپنی شان عبودیت اور بندگی میں کامل اور بے مثال تھے۔ اسی کمال عبودیت نے کمال رسالت اور رسولوں کی سیادت کے اعلیٰ مقام پر پہنچایا۔ باوجود یہ کہ آپ ﷺ اللہ کے محبوب ترین بندے تھے۔ لیکن اس کے باوجود ساری ساری رات قیام و نوجو میں گزار دیتے۔ پاؤں پر درم آجاتا۔ سوال کرنے پر ارشاد ہوتا۔ ”افلا

اکوئی عیناً شکوراً" ترجمہ کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ بنوں؟

اس بیسویں صدی میں محبت رسول اور صبح سنت نبویہ ﷺ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے ذوق عبادت کا وہ لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔ جنہوں نے حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی نماز کو دیکھا ہے۔ بن کی نماز حقیقی نماز ہوتی تھی۔ جس کو حدیث پاک میں معراج المومنین کے نام سے فرمایا گیا ہے۔ اور جس کو احسان کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے کہ: "اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ خیال کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔" (بندی شریف)

جب حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نماز میں مشغول ہوتے تو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ بندہ سارے عالم سے استبردار ہو کر اپنے معبود کے ساتھ سرگوشی میں مشغول ہے اور بارگاہ خداوندی میں باریاب ہے۔ جو آیت بھی نماز میں تلاوت ہوتی تھی سننے والوں کو یوں محسوس ہوتا تھا۔ گویا وحی نازل ہو رہی ہے اور وہ کیفیت درقت طاری ہوتی کہ جس کا بیان دشوار ہے بارہا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سفر میں ہیں۔ یا سفر کی مشقت برداشت کر کے آتے ہیں اور پھر سفر کرتا ہے مگر جب نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تو ایسی شان کے ساتھ پڑھتے کہ گویا نہ پہلے لقب تھا۔ نہ آئندہ کوئی سفر کرتا ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہر وقت ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے اس کا اندازہ اس وقت ہوتا تھا۔ جب انتہائی سوز و گداز کے ساتھ "ہا حبیبی یا قبوم برحمتک استخین" بار بار پڑھتے تھے۔ وصال سے ایک روز قبل کوئی صاحب دم کروا رہے تھے کہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے انتہائی بے قراری سے بار بار یہی پڑھا۔ حاضرین میں سے کسی نے پوچھا کہ حضرت کیا کوئی تکلیف یا درد ہے؟ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے ارشاد فرمایا کہ یہی کیا تکلیف کم ہے کہ آپ حضرات مشغول ہیں اور میں بے کار پڑا ہوں عرض کیا گیا حضرت آپ نے تو بہت کام کیا ہے۔ اتنا کام تو ایک جماعت بھی نہیں کر سکتی۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے ارشاد فرمایا۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

رمضان کے مہینے میں ۱۲ بجے تک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ "خود تراویح" پڑھاتے۔ اس کے بعد آدھا گھنٹا آرام فرماتے اور پھر تہجد میں مشغول ہو جاتے اور سارا دن تلاوت قرآن کریم میں بسر ہوتا تھا۔

اتباع شریعت وسنت

ایک مکتوب میں حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں۔ "آپ ذکر اور اتباع شریعت وسنت پر مداومت کرتے رہئے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح رفتہ رفتہ ہو جائے گی۔"

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی زندگی اس دور میں شریعت محمدی اور سنت نبویؐ کا بہترین نمونہ تھی۔ اس لئے ان کی ہر اداسے انسانیت نمایاں تھی۔ کیونکہ اصل انسانیت دنیا کے سب سے بڑے انسان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ جو آدمی دنیا کے سب سے بڑے انسان کی جتنی اتباع کرے گا۔ وہ اتنا انسانیت سے قریب ہوگا۔ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ چونکہ قبیح سنت تھے۔ لہذا دیکھنے والا پہلی نگاہ میں بھانپ لیتا تھا کہ واقعی انسان ایسے ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم بھی آپؒ سے ملتا تھا۔ تو وہ آپؒ کا گرویدہ ہو جاتا تھا۔

عزم واستقلال

کوئی شخص سوائے انبیاء علیہم السلام ماں کے پیٹ سے بڑا بن کر نہیں آتا۔ البتہ بڑا بننے کی صلاحیت وقابلیت ہر ایک میں موجود ہوتی ہے۔ پھر جوان صلاحیتوں کو بروئے کار لاتا ہے اور عزم واستقلال اور ہمت وحوصلہ سے کار نمایاں انجام دیتا ہے۔ وہی بڑا انسان شمار ہوتا ہے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی زندگی پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو عزم واستقلال اور ہمت وحوصلہ کے کوہ ہمالیہ نظر آتے ہیں۔ جو کام بھی انجام دیا پورے عزم واستقلال اور انتہائی ہمت وحوصلے کے ساتھ انجام دیا۔ جس کی نظیر دوسری جگہ نہیں مل سکتی۔ وہ بوڑھے اور ضعیف ہو جانے کے باوجود ہمت وحوصلے میں جوان مرد تھے۔ جو تمام جوان مردوں سے سبقت لے گئے تھے۔ برطانیہ کا جس شان سے مقابلہ کیا۔ وہ اپنی نظیر آپؐ

ہے۔ حصول آزادی کے لئے جو جدوجہد کی اس کا کوئی نمونہ پیش نہیں کر سکتا۔

پھر ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت و وقعت برقرار رکھنے کے لئے جو کارنامے انجام دیئے وہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہی کا حصہ تھا اور ابھی کچھ اور زندہ رہتے تو بہت کچھ کرتے۔ جو برطانیہ کی سنگینوں سے ڈرنے والا نہیں تھا۔ وہ ہندوستانی حکومت سے کسی طرح مرغوب نہیں ہو سکتا تھا۔ حصول آزادی کے بعد ایک ساتھی نے عرض کیا کہ اب تو حکومت اپنی بن گئی! تو حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے ہنس کر فرمایا:۔
 ”ہمارے لئے تو پہلے بھی جیل خانہ تھا اب بھی جیل خانہ ہے۔“

ہندوستان میں مسلمانوں کی موجودہ حیثیت بھی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے عزم و استقلال کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ ورنہ مظلوم مسلمانوں کی تباہی، مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں کی بربادی کس حد تک سختی اور نقشہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

سادگی اور بے تکلفی

سادگی اور بے تکلفی بھی اعلیٰ انسانی جوہر ہے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سادگی اور بے تکلفی میں یکتائے روزگار تھے۔ شیخ طریقت عالم ربانی ہونے کے علاوہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی ظاہری شخصیت ایک بڑے سیاسی رہنما کی تھی۔ اور ہر سیاسی لیڈر مسلم ہو یا غیر مسلم ملکی ہو یا غیر ملکی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے آستانہ پر حاضری کو ضروری اور باعث فخر سمجھتا تھا۔ اس ظاہری عزت و وقار کے باوجود اپنی درویشانہ شان اور بور یہ نشانی اور سنت نبوی کے موافق سادگی کے ساتھ زندگی گزارنا ان صرف حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کا ہی حوصلہ تھا۔ یہاں بڑوں بڑوں کے قدم ڈگمگاتے ہیں اور اپنی راہ سے بھٹک جاتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ لباس وضع قطع، رہائش، بود و باش سب لطیف اور سادہ تھا اور سنت نبوی کا بہترین نمونہ، حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سنت کے موافق

چمڑے کا بکریہ استعمال کرتے تھے اور چمڑے کا گول دسترخوان استعمال ہوتا تھا۔ جس پر ہمیشہ ایک سالن ہوتا تھا اور دائرے کی شکل میں کم از کم دس بارہ آدمی دسترخوان کے گرد بیٹھ کر ایک ہی برتن میں کھاتے تھے ان میں سے ایک حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ بھی ہوتے تھے۔ اور ساتھ کھاتے تھے۔ صبح کو ناشتے کے ساتھ باسی روٹی اور مرغ کا اچار ہوتا تھا۔ یہی حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کا ناشتہ تھا اور یہی تمام مہمانوں کا ایک دفعہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے کھانے والوں کو مخاطب کر کے فرمایا: ”ہم آپ حضرات کے یہاں جاتے ہیں تو آپ مرغ اور حلوے لاتے ہیں اور یہاں باسی روٹی اور مرغ کھانا پڑتی ہے۔“ اس پر حضرت مولانا احتشام الحسنؒ کا مدحیہ (جو ان تمام باتوں کے راوی اور محرر ہیں) نے فرمایا کہ: ”حضرت باسی روٹی اور اچار مرغ سے زیادہ مزیدار ہے۔“

تواضع اور انکساری

انسان کی انسانیت اور برتری و سر بلندی کا اصلی راز تواضع اور انکساری میں مضمر ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو ضرور رفعت اور سر بلندی عطا فرماتے ہیں۔“ یہی تواضع و انکساری اصل شانِ عہدیت ہے۔ جو شخص بھی اپنی حقیقت کا شناسا ہوگا۔ وہ مجسمہ تواضع ہوگا اور کبر و فرد سے بالکل مبرا ہوگا۔ جو عہدیت کے بالکل منافی اور متضاد ہے۔

حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ تواضع اور انکساری کا ایک مجسمہ تھے کبھی صدر مقام پر نہ بیٹھتے تھے اور ہمیشہ نشست کے لئے مجلس کا گوشہ اختیار فرماتے تھے۔ ہر ایک چھوٹے بڑے کو ”آپ“ کے لفظ سے خطاب فرماتے تھے اور ہمیشہ اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ گویا چھوٹا اپنے بڑے سے گفتگو کر رہا ہے۔ اور ہر ایک کے ساتھ گفتگو کا یہی انداز تھا۔ گویا حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کی نظروں میں سب بزرگ تھے اور یہ خورد۔ ہر کام کے لئے خود سبقت کرتے اور ہر محنت و مشقت کے لیے حضرت مولانا حسین سید احمد

دنیٰ "اپنے آپ کو پیش کرتے۔

علمیج تواضع اور انکساری کی وجہ سے اپنے مخالفین و سناہدین کا بھی ہمیشہ اچھے الفاظ میں ذکر کرتے اور کسی کو برے لفظ سے یاد نہیں کرتے تھے حتیٰ کہ گورنمنٹ برطانیہ جس کی عداوت و نفرت حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ کی فطرت بن چکی تھی۔ اس کو بھی ہمیشہ ہماری مہربان گورنمنٹ فرماتے تھے۔ اگرچہ اس لفظ "مہربان گورنمنٹ" میں پورا طعن ہوتا تھا اور بعض نظائر میں "گورنمنٹ برطانیہ کی تمام مہربانیوں کا راز کاش ہوتا تھا۔ حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ کی یہی خاکساری اور انکساری تھی جس نے مخلوق خدا کو اپنا گرویدہ اور شیدائی بنا رکھا تھا حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ ہر ایک کے سردار اور سر تاج بنے ہوئے تھے۔

قناعت و استغفار

حضرت مولانا کو برلش حکومت ڈھاکہ یونیورسٹی کے شعبہ دیانات کے لئے کثیر مشاہدہ پر (اس وقت کے پانچ سو روپے) ماہوار بلاتی ہے مگر حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ اسے قبول نہیں کرتے۔ حکومت مصرچہ مع ازہر میں شیخ الحدیث کی جگہ کے ٹرایک ہزار روپے ماہوار مشاہدہ، مکان، موٹر اور سال میں ایک دفعہ ہندوستان آنے کا کرایہ دینے کی پیش کش کرتی ہے۔ مگر حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ وہاں تشریف لے جانے سے صاف انکار فرمادیتے ہیں۔ اور دارالعلوم دیوبند کی معمولی سی تنخواہ پر قناعت کرتے ہیں۔

حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ کے پاس مل آتا تو مستحقین کے پاس پہنچ جاتا۔ کہا جاتا ہے حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ اس دنیا سے رخصت ہو گئے دوران کی زندگی میں کبھی اتنا مل جمع نہیں ہوا کہ اس پرز کو خرچ ہو۔

قاضی شہر الحسن باقم سید ہاروی فرماتے ہیں کہ میں نہ حضرت مولانا حسین سید احمد دینیؒ کا شاگرد ہوں نہ مرید نہ حیر، بھائی ان کے مجاہدانہ کارناموں سے مجھے ان سے محبت

و عقیدت ہوئی تھی۔ میں ایک مرتبہ لکھنؤ سے میری طبیعت خراب تھی۔ چادر اوڑھ کر سیٹ پر لیٹ گیا۔ بخار تھا، اعضا شکنی تھی، اس لئے میں کراہتا بھی تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ کون سا اسٹیشن آیا اور کون سا مسافر سوار ہوا۔ بریلی کے اسٹیشن کے بعد ایک شخص نے مرے پاؤں اور گرد بانا شروع کی۔ مجھے بہت راحت ہوئی۔ چکالینار ہا اور وہ دبا تار ہا۔ مجھے پیاس لگی پانی مانگا تو اس نے اپنی صراحی سے گلاس پانی دیا اور کہا لیجئے میں نے اٹھ کر دیکھا تو حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ تھے۔ مجھے عداوت ہوئی اور معذرت کی، لیکن انہوں نے اس درجہ مجبور کیا کہ میں لیٹ گیا اور حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ رام پور تک برابر مجھ کو دباتے رہے۔ پھر میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔ (قاضی عہد راسن با غم سہ ہادی)

یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے

حضرت مولانا محمد علی لاہوریؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ آخری حج سے تشریف لا رہے تھے تو ہم لوگ اسٹیشن پر شرف زیارت کے لئے گئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے متوسلین میں سے ایک صاحبزادہ محمد عارف ضلع جھنگ دیوبند تک ساتھ گئے۔ ان کا بیان ہے کہ ٹرین میں ایک ہندو جنٹلمین بھی تھے جس کو ضرورت فراغت لاحق ہوئی۔ وہ رفع حاجت کے لئے گئے اور الٹے پاؤں بادل نہ خواستہ واپس ہوئے۔ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ سمجھ گئے فوراً چند سگریٹ کی ڈبیاں ادھر ادھر سے اکٹھی کیں اور لوٹا لے کر پختانہ میں گئے اور اچھی طرح صاف کر دیا اور ہندو دوست سے فرمانے لگے کہ جائیے پاخانہ تو بالکل صاف ہے۔ نو جوان نے کہا مولانا میں نے دیکھا ہے پاخانہ بالکل بھرا ہوا ہے۔ قصہ مختصر وہ اٹھا اور جا کر دیکھا تو پاخانہ بالکل صاف تھا۔ بہت متاثر ہوا۔ اور بھرپور عقیدت کے ساتھ عرض کرنے لگا۔ ”یہ حضور کی بندہ نوازی ہے جو سمجھ سے باہر ہے۔“

راقم الحروف کو یہ بات بھی پہنچی ہے اسی واقعہ کو دیکھنے پر ایسی طرح کے کسی دوسرے

موقعہ پر اسی ڈبے میں خوب نظام الدین تو نسوی مرحوم نے اس ڈبے میں ایک ساتھی سے پوچھا کہ یہ کھدر پوش کون ہے جواب ملا یہ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ ہیں تو خوب صاحب مرحوم بے اختیار ہو کر حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ کے پاؤں سے لپٹ گئے اور رونے لگے۔ حضرت مدنیؒ نے جلد پاؤں چھڑائے اور پوچھا کیا بات ہے تو خوب صاحب نے کہا: ”سیاسی اختلافات کی وجہ سے میں نے آپ کے خلاف فتوے دیئے اور برا بھلا کہا۔ اگر آج آپ کے اس اعلیٰ کردار کو دیکھ کر تائب نہ ہوتا تو شاید سیدھا جہنم میں جاتا۔“ حضرت مولانا حسین سید احمد مدنیؒ نے فرمایا: میرے بھائی میں نے تو حضور ﷺ کی سنت پر عمل کیا ہے۔ اور وہ سنت یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ایک یہودی مہمان نے بستر پر پاخانہ کر دیا تھا۔ صبح جلدی اٹھ کر چلا گیا جب اپنی بھولی ہوئی تلواریں لینے واپس آیا تو دیکھا کہ حضور ﷺ پہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے بستر دھو رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ یہودی مسلمان ہو گیا۔ (عظیم میں بے مسلمان)

قارئین سے ایک گزارش

محترم قارئین! گزشتہ صفحات میں آپ نے امت محمدیہ ﷺ کے صرف اور صرف دس علماء کرام کی حیات کے کچھ درخشاں پہلو ملاحظہ فرمائے، جو کہ بطور نمونہ کے آپ کے سامنے پیش کئے گئے۔ خاتم النبیین محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت میں اللہ نے بلند پایہ اور عظیم علماء پیدا فرمائے، بے شک جب ہم پچھلی امتوں کے حالات پر نظر ڈالتے ہیں تو ایسے اہل علم تاریخ میں نہیں ملتے تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کی امت میں ایسے عظیم علماء کا پیدا ہونا بھی آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اس امت کو اس طرح کی تمام خصوصیات حضور ﷺ کے صدقے ہی ملی ہیں، دعا کیجئے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیارے نبی ﷺ کی صحیح صحیح قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور آپ ﷺ کا سچا امتی بن کر آپ ﷺ کے دین کو ساری دنیا میں پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصیت نمبر ۷

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے اکثر ہویں خصوصیت شروع کی جارہی ہے جس کا عنوان ہے "رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے امی بنا کر مبعوث فرمایا" اور بحمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے اپنے آقا ﷺ کے روضے کے سامنے بیٹھ کر ترتیب دیا ہے، حالانکہ اس سے قبل بھی میں نے کئی کتابیں لکھی ہیں لیکن جو سرور اور لطف مسجد نبوی میں رسول اکرم ﷺ کے روضے مبارک کے سامنے بیٹھ کر آ رہا ہے، اس سے قبل کبھی بھی ایسا سرور محسوس نہیں ہوا اس لئے کہ میرے آقا ﷺ کے مدینے کی بات ہی کچھ اور ہے، اور پھر میرے آقا ﷺ کی مسجد کی بات ہی نرالی ہے، پھر اس سے بھی بڑھ کر میرے آقا ﷺ کے روضہ کی بات سب سے نرالی اور انوکھی اور ایمان میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہے، خداوند قدوس میری اس کاوش کو اپنے بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی ایک امتیازی خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو امی بنایا لیکن ہمارے نبی ﷺ نے اپنی زندگی میں جو کارنامے سر انجام دیئے، وہ بڑے سے بڑے علم والوں سے ممکن نہیں ہیں، چنانچہ دیگر انبیاء کرام کو اللہ نے علم دیکر مبعوث فرمایا لیکن ہمارے نبی ﷺ کو امی بنا کر کائنات کا سب سے بڑا معلم بنایا تو معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کا امی بیکر مبعوث ہونا اور پھر دنیا والوں کو معلوم الہی سے روشناس کرانا آپ ﷺ کی عظیم خصوصیت ہے، جیسا کہ تفصیل آپ آنے والے اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے جسے ہم نے عین قرآن وحدیث کی روشنی میں مرتب کیا ہے، بے شک اب ہماری نجات اسی میں

ہے کہ ہم اپنے نبی امی ﷺ کی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائیں اور زندگی کے ہر سوز پر تعلیمات نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہوں جو عامگو ہوں کہ خداوند قدوس ہم سب کو اپنے محبوب نبی ﷺ کی سیرت و صورت اور تعلیمات و سنت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ چنانچہ اب لیجئے آئے والے اوراق میں اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ کیجئے:-

اکثر ہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

قرآن مجید میں رسول اکرم ﷺ کو ”النبی الامی“ کہہ کر پکارا گیا ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ارشاد ہوتا ہے: **اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ الْاَمِیْنَ** ”یہ وہ لوگ ہیں جنہیں مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے پیچھے ہوئے ناخواندہ پیغمبر کی متابعت کرتے ہیں۔“

بعض لوگوں نے ”امی“ کے معنی ”ناخواندہ“ کرنے کی بجائے اس کی مختلف تاویلیں کی ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ”امی“ کے معنی محاورہ عرب کے مطابق ”ان چہ“ ہی ہیں یعنی وہ شخص جو کھانا پڑھا نہ ہو۔ اور اس نے ظاہری تعلیم حاصل نہ کی ہو۔

رسول اکرم ﷺ کا ”امی“ ہونا فی الحقیقت ایک بہت بڑا معجزہ تھا اور اللہ کے نشانوں میں ایک عظیم نشان تھا۔ آپ ﷺ کا ”امی“ ہونا مصلحت الہی کے عین مطابق تھا اور مصلحت الہی یہ تھی کہ قرآن حکیم ایک ”امی“ کی زبان سے اُترا ہو۔ وہ قرآن جو اپنی فصاحت و بلاغت میں لاجواب ہے۔ جو اسرار و نکات، حقائق و معارف اور احکام و مواضع کا خزینہ ہے۔ اور جو باطنی اور مستقیم کے حالات و واقعات کا آئینہ ہے۔

اگر کسی ایسے شخص کی زبان سے اُترا ہوتا جس نے اپنے وقت کے علماء و فضلاء کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ہوتا اور ہندی تعلیم حاصل کی ہوتی تو کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ سب کمال اس کی تعلیم اور استادوں کا ہے۔ لیکن جب وہ دیکھتے تھے کہ یہ بات اس شخص کی زبان سے اُدا ہو رہی ہے جو انہی کی قوم میں پیدا ہوا جو انہی کے درمیان پلا بڑھا اور ظاہری تعلیم اور نوشت و خواندہ کے دائرے سے بالکل پاک ہے تو ان کی زبانیں گنگ ہو جاتی تھیں۔ تاہم بعض

بعض باطل پرست اپنی خفت مٹانے کے لئے نہایت ڈھٹائی کے ساتھ قرآن اور حامل قرآن پر کوئی نہ کوئی اعتراض جڑتے رہتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اعتراضات کا جواب اس طرح دیا ہے۔ اے نبیؐ نزول قرآن سے پہلے نہ تو آپؐ نے کوئی کتاب پڑھی تھی، اور نہ آپؐ کو اپنے ہاتھوں سے لکھنا ہی آتا تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شبہ کرتے۔ بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں، جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں، جن کو علم عطا کیا گیا ہے، اور ہماری آیت سے صرف گناہ گار ہی انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس (تغییر ﷻ) پر خدا کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں ہیں؟ کہہ دیجئے کہ نشانیاں اللہ کے قبضہ میں ہیں، میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لئے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے آپؐ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر ہنسائی جاتی ہے۔ اس میں ایمان داروں کے لئے رحمت اور نصیحت ہے۔ (سورہ حکمت، ص ۵)

ان آیات کا مفہوم بالکل واضح ہے، یعنی اگر آپؐ (ﷺ) پڑھے لکھے ہوتے تو مشرکین ضرور شک کرتے کہ رسول اکرم ﷺ نے پہلی کتابوں سے مضامین کا اقتباس کر کے قرآن بنالیا ہے۔ لیکن رسول اکرم ﷺ کے ناخواندہ ہونے کی وجہ سے ان کا شک کرنا یا اعتراض کرنا ہی ہٹ دھرمی تھی۔

یہاں یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ انسانوں کے لئے تکبر و انانیت جائز نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے تکبر و انانیت صفت مدح ہے۔ اسی طرح ناخواندہ ہونا عام انسانوں کے لئے تو عیب کا باعث ہے لیکن رسول اکرم ﷺ کے لئے صفت مدح اور باعث ستائش ہے کہ باوجود ناخواندہ ہونے کے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں ایسے علمی اور عملی کمالات ودیعت کئے گئے تھے کہ ان کی مثال کائنات کی کسی بڑی سے بڑی ہستی میں بھی نہیں مل سکتی۔

”یہ رسول اکرم ﷺ کے برگزیدہ رسول اور برحق ہونے کی ایک زندہ اور دائمی شہادت تھی۔“ ایک دفعہ ایک عیسائی نے (جو مشرکین سے ملا ہوا تھا) بظاہر اسلام قبول کر لیا اور رسول اکرم ﷺ سے سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس کو کتابت وحی

کی خدمت تفویض کی۔

کچھ عرصہ بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (رسول اکرم ﷺ) کو جو کچھ لکھ کر دیا ہے اس کے سوا (نعوذ باللہ) وہ کچھ نہیں جانتے۔ اس کی افتر پروازی پر اللہ کا غضب نازل ہوا اور فرشتہ اجل نے اس کو مزید شرانگیزی کی مہلت نہ دی۔ مرنے کے بعد اس کی لاش کو زمین بھی قبول نہ کرتی تھی۔ دوسری طرف مشرکین نے دیکھ لیا کہ اس بد بخت کے مرنے کے بعد بھی یضمان نبوت کا بحرِ خدا ہی طرح موجزن ہے۔

ایک دفعہ کفار نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ نہ کا ایک نصرانی غلام رسول اکرم ﷺ کو سکھاتا پڑھاتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ یہ نصرانی غلام کبھی کبھی اپنی زبان میں کتب مقدسہ پڑھتا تھا اور رسول اکرم ﷺ راستہ چلتے چلتے کبھی اس کے پاس کھڑے ہو جاتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نہ تو ان کتابوں کی زبان سمجھتے تھے اور نہ وہ غلام عربی جانتا تھا۔ کفار کے اس بے جا شبہ کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس طرح دیا: ”اور تم کو با تحقیق یہ علم ہے کہ یہ مشرکین کہتے ہیں کہ محمد (رسول اکرم ﷺ) کو کوئی آدمی تعلیم دیتا ہے، جس شخص کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں اس کی زبان کبھی ہے اور یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے۔“ (سورہ بقرہ: ۱۷۴)

غرض یہ کہ رسول اکرم ﷺ کا ”امی“ ہونا ایک عظیم الشان معجزہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ ”امی“ تھے لیکن ان کا بلند معیار اخلاق (اسوۂ حسنہ) پیش کیا کہ قیامت تک اس کی مثال نہیں مل سکتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں کے وہ مسائل حل کئے کہ رسول اور افعالوں کا خارج خیال بھی وہاں تک نہ پہنچا تھا۔ رسول اکرم ﷺ کی روحانی اور اخلاقی تعلیمات نے ظلمت کدو جہاں میں ایسی شمع روشن کی جو ابھی تک نور افشاں رہے گی۔ اسے معجزہ کے سوا کچھ اور کہنا ناممکن ہے۔

اور رسول اکرم ﷺ کے معجزہ ”امیت“ سے متعلق علامہ شبلی نعمانی اپنی کتاب سیرت النبی میں لکھتے ہیں کہ: یہ واقعہ تصدیق بیان نہیں کہ رسول اکرم ﷺ خارجی تعلیم اور نوشتہ و خواند کے داغ سے پاک تھے۔ قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا

ہے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں ہے کہ: ﴿الَّذِينَ يَقُولُونَ الرُّسُلُ الْاٰثِمِيْنَ﴾ ”یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پر چغیر اور فرستادہ انبی کی عیرو کی کرتے ہیں۔“

”یہ صورت میں ہمارے کے بعد ہی ہے: ﴿فَقُلُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُوْلِهِ الْاٰثِمِيْنَ﴾ ”تو لوگو! خدا پر اور اس کے ان پر چغیر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ۔“

سورہ جمد میں نہ صرف رسول اکرم ﷺ کے ”امی“ بلکہ اغلب آپہ کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے ”امی“ ہونے کا اظہار ہے۔ ﴿فَقُلُوْا اَلَسْبٰی نَعْبُدُ اِلٰهِي الْاٰثِمِيْنَ رُسُوْلًا مِّنْهُمْ﴾ (جمعه) ”اے خدا نے امیوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک چغیر بنا کر بھیجا۔“

دوسری جگہ سورہ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ”اور قرآن کے نزول سے پہلے اپنے چغیر بند تم کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اس کو کچھ سکتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو یہ باطل پرست ٹھک کر سکتے تھے۔“ (عنکبوت)

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصحف الہی کا ایک خاص منہ تھا۔ اسی لئے اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ: ”مگر مقرر نہیں کہتے ہیں کہ اس چغیر پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہہ دے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں، کیا ان مقرر نہیں کو یہ نشانیاں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر (جو ”امی“ ہے) کتاب امیری جو ان کو پڑھ کر سناں جاتی ہے۔“ (عنکبوت)

قرآن مجید کی مختلف صورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ: ”اے محمد! تمہاری زبان سے آج کڑی تہنیروں، بگئی، امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے اللہ ان کے ہاتھ میں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو۔ دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے تمہارا یہ کہ

رسول اکرم ﷺ اطلاع کے ان ذرائع سے نا آشنا تھے۔ اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ مفقود تھا۔ قرآن مجید سے آدم سے مولد محمدی تک تمام واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے وقوع پزیر ہوئے تھے اور رسول اکرم ﷺ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا اسی لئے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریم اور حضرت زکریا کے قصہ میں کہا ہے کہ: ”یہ گزشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم تیری طرف دتی کر رہے ہیں۔ تو ان کے پاس اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ ڈال رہے تھے کہ کون مریم (علیہ السلام) کی کفالت کرے گا اور نہ تو ان کے پاس اس وقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے۔“ (سورہ آل عمران)

حضرت موسیٰ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: ”جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تو اس وقت مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا بلکہ ہم نے صدیاں اس پر گزاردیں، تو میں پیدا کی گئیں جن کی بڑی بڑی عمریں ہوئیں اور نہ تو اہل مدین میں قیام پزیر ہو کر آیات الہی ان کو پڑھ پڑھ کر سنا تا تھا بلکہ ہم آئندہ تم کو بھیجنے والے تھے اور نہ تو اس وقت گوشہ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی بلکہ (اس قصہ کا علم جو تجھ کو حاصل ہو رہا ہے یہ) محض تیرے پروردگار کی رحمت ہے۔“ (سورہ قصص)

حضرت یوسف کے قصہ میں فرمایا کہ: ”یہ اس گزشتہ زمانہ کا قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں، تو اس وقت ان میں موجود نہ تھا، جب وہ باہم مشورہ سے بات کر رہے تھے۔“ (سورہ یوسف)

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو۔ قرآن مجید نے اس کی بھی نفی کی: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَلْقَوْنَ فِيهَا قُرْآنًا مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَا تَخِطُوهُ بِحَبِيبِكَ﴾ (سورہ عہد)
”نہ تو تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کر سنا تا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اس کو لکھ سکتا

تھا۔“ ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَدْرُونَ مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِنْفَاقُ﴾ (سورہ شعراء)

”تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں۔“

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کے یہ علم حاصل کیا جائے۔ سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے رسول اکرم ﷺ کی زندگی تمام مکہ معظمہ میں گزری۔ بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گزرے ہوں اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی۔ اس لئے یہ ذریعہ علم بھی ثابت نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے علی الاطلاق کہا کہ: ”یہ گزشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعہ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں، تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے آگاہ نہ تھی۔“ (سورہ صحر)

رسول اکرم ﷺ کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گزری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلہوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب رسول اکرم ﷺ مکہ میں تھے جب بھی رسول اکرم ﷺ قریش کے مجمع میں تھے اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جہر مٹ میں رہے۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ کی زندگی کا کوئی لحد ان سے مخفی نہ تھا۔ اگر رسول اکرم ﷺ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مخنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اٹھنا بھی کر سکتے تھے۔ مگر انہوں نے نہیں کہا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے بآواز بلند کہا کہ: ”اگر خدا کا منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سنا دیتا اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا۔ اس سے پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔“ (سورہ ہل)

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے۔ ان کو یہ شک تھا کہ رسول اکرم ﷺ کسی دوسروں سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا، اور اس کا جواب دیا کہ: ”اور ہم کو یہ تحقیق معلوم ہے کہ کفار کہتے ہیں کہ محمد کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ منسوب کرتے ہیں غمی ہے اور یہ فصیح عربی ہے۔“ (سورہ ہل)

سورہ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہ مذکور ہے۔ فرمایا کہ: ”اور کافر کہتے

ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے جس کو محمدؐ نے گھڑ لیا ہے اور اس افتراء پر درازی میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں۔ وہ یقیناً غلط اور جھوٹ کہتے ہیں۔“ (سورۃ فرقان)

یہ سب شبہات کئے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہ نہیں ظاہر کیا کہ محمدؐ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ رسول اکرم ﷺ کی امت پر ان کو یقین تھا۔ مدینہ آ کر یہودیوں سے معاملہ پڑا۔ روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود رسول اکرم ﷺ سے وہ سوالات کرتے تھے جو ان کی کتابوں میں مذکور تھے اور کہتے تھے کہ ان کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے۔ رسول اکرم ﷺ ان کے صحیح جواب دیتے تھے۔ اور وہ متحیر رہ جاتے تھے۔

اس واقعہ سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہؐ انہی شخص ہیں، اور ہماری کتابوں کو انہوں نے نہیں پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں۔ اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے۔ قریش کو جس شخص کی نسبت شبہ تھا کہ وہ رسول اکرم ﷺ کو سکھاتا ہے، اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں جن سے اس شخصیت اور نام کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا جو اپنی زبان میں کتب مقدسہ پڑھتا تھا اور رسول اکرم ﷺ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اسی پر کفار نے کہا کہ محمد کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ: ”اس غلام کی، اور جو کتابیں وہ پڑھتا ہے ان کی زبان عربی نہیں اور نہ وہ عربی جانتا ہے اور رسول اکرم ﷺ عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے اور قرآن کی زبان فصیح عربی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اکرم ﷺ غیر عربی کو سمجھ لیں اور وہ عجیب غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے۔“

رسول اکرم ﷺ کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ

رسول اکرم ﷺ کو آپ ﷺ کے چچا ابو طالب اپنے ساتھ شام لے جا رہے تھے۔ راستہ میں بحیرانام کے ایک راہب نے رسول اکرم ﷺ کو دیکھ لیا اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ﷺ ہی پیغمبر آخر الزماں ہیں۔ چنانچہ اس نے ابو طالب کو مشورہ دیا کہ ”ان کو مکہ واپس بھیج دو ورنہ اگر یہود دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے۔“

اگرچہ یہ واقعہ جیسا کہ سیرت نبویؐ جلد اول (شام کا سفر) میں بہ تفصیل لکھا جا چکا ہے تفصیل کے لئے وہاں مراجعت کی جاسکتی ہے کہ صحیح نہیں ہے۔ تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلامؐ نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا ہے۔

اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لئے اس سے بڑا معجزہ رسول اکرم ﷺ کا اور کیا چاہیے کہ ایک ابجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول و مقام، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک ”شریعت عظمیٰ“ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لئے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں؟ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی، اگر رسول اکرم ﷺ کسی انسانی معلم سے فیض پاتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں رسول اکرم ﷺ کے ساتھ رہتے کہ وقت ضرورت (نعوذ باللہ) رسول اکرم ﷺ اس سے قرآن بنواتے۔ احکام و مواظبات سکھاتے۔ اسرار نکات معلوم کرتے اور یہ فیض یقیناً مسلمان نہ ہوتا۔ کیونکہ جو شخص خود مدعی نبوت کو تعلیم دے رہا ہو وہ کیوں کر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا اور پھر اس شہرت عام، ذکر جمیل، رفعت مقام کو دیکھ کر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا اور صحابہ کرامؓ کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا۔ جس کی نسبت قریش کو شبہ تھا۔

اگر حقیقت میں رسول اکرم ﷺ اس سے تعلیم حاصل کرتے تو قریش جو رسول اکرم ﷺ کی تکذیب، تذلیل اور رسول اکرم ﷺ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے

کہ اس غلام غمی کو الگ کر دیتے، کہ رسول اکرم ﷺ کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعتاً درہم برہم ہو جاتا۔

علاوہ انہیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں فیضان الہی کا سرچشمہ کیوں ابھرا۔ قرآن مجید، شریعت اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے مکہ میں تو نسبتاً بہت کم صورتیں نازل ہوئی ہیں۔ جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچہ پھیلنا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ آکر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں، تاکہ رسول اکرم ﷺ کی بدنامی ہو اور لوگوں کا خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہو تا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا؟

سورہ آل عمران میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو اثر ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔“ چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا اور سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھی، رسول اکرم ﷺ نے کتابت وحی کی خدمت اس کی سپرد کی، چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا اور کہنے لگا کہ میں نے محمد (رسول اکرم ﷺ) کو جو کچھ لکھ دیا ہے وہ اس کے سوا اور کچھ نہیں جانتے۔ خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی اور موت نے بہت جلد اس کی افترا پر دازی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا، اور دنیا نے دیکھ لیا کہ رسول اکرم ﷺ کے فیضانِ نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے۔

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا، حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے، عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ ”یہ شرائط جن کو خدا کے رسول محمد ﷺ نے منظور کیا۔“ قریش نے کہا: اگر آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی؟ اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حضرت علیؓ کو فرمایا: ”حسب خواہش ترمیم کرو۔“ حضرت علیؓ نے کہا: ”مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی۔ رسول اکرم ﷺ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں؟

حضرت علیؓ نے اُٹھ کر رکھ کر بتایا، تو رسول اکرم ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے رسول اللہ ﷺ کا لفظ منادیا اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا۔

یہ واقعہ بخاری، مسلم نسائی، مسند ابنِ فضال اور تمام کتب سیر میں مذکور ہے، اسی کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے کہ "ولیس یحسن یکتب" اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں "ولیس یحسن ان یکتب" یعنی رسول اکرم ﷺ لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن باوجود اس کے تمام احادیث و سیر میں یہ ہے کہ: "رسول اکرم ﷺ نے محمد بن عبد اللہ کے الفاظ لکھ دیئے۔"

روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ رسول اکرم ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور رسول اکرم ﷺ نے شائد اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطے سے روایت کی ہے کہ: رسول اکرم ﷺ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک رسول اکرم ﷺ کو پڑھنا لکھنا نہ آ گیا۔

اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کثیر السلول عن سہل بن الجحظیہ) نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عینہ کو عنایت فرمایا۔ انہوں نے رسول اکرم ﷺ سے آکر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے؟ رسول اکرم ﷺ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا: "وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔" اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو رسول اکرم ﷺ کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمام تر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں۔ اس لئے رسول اکرم ﷺ کی اُمت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی تفسیح نہیں ہو سکتی۔

یہ ممکن ہے کہ اُمی سے اُمی آدمی کے ہاں جب شب و روز گھسنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہو جائے۔ خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ قائل مجازی و حقیقی فرامین اور مراسلات

نکھاتے ہیں، جو دور و علم میں ان کو کمزور سمجھتے ہیں۔

آپ ﷺ کہتے ہیں کہ: ”عالمگیر نے یہ فرمان لکھ دیا، شاہجہان نے جامع مسجد بنوائی، ملتان بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا۔“ حالانکہ نیکھے والے، بتانے والے اور تعمیر کرنے والے کا تہ اور معمار تھے، مگر چونکہ ان مسلمانین کے حکم اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھ یا بنایا گیا، اس لئے بولنے والے خود مسلمانین اور امراء کی طرف فضل کی نسبت کر دیتے ہیں۔ چنانچہ اسی حکم اور کے مطابق اس موقع پر جب رسول اکرم ﷺ نے مسلمانین عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں کہ: ”و کتب الیٰ قبضو و کتب الیٰ کعبو علیٰ“

”رسول اکرم ﷺ نے قلعہ کو یہ خط لکھا۔ کسریٰ کو یہ خط لکھا۔“ مگر سب کو معلوم ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے۔ مگر چونکہ رسول اکرم ﷺ ہی نے لکھوائے تھے، اس لئے ان کی نسبت رسول اکرم ﷺ ہی کی طرف کی گئی ہے۔

قرآن پاک نے رسول اکرم ﷺ کو بار بار بر ملا ”نبی“ کہا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہئے، لیکن رسول اکرم ﷺ کی ہر کامیوں میں ملی کر کتب سہادت کی ظاہری تعلیم سے آگاہ ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے۔ اور یہ رسول اکرم ﷺ کا سبب و تھا۔ اور آپ ﷺ کی خصوصیت ہے۔

خدا کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمد (ﷺ) کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ آیتائے تعلیم ہو مگر بھی وہ سب کچھ جانتا ہے جس کی علامتیں اسرائائیل کے سوال اور کسی کو خبر نہیں ہے۔ ”انہ لقی ذی الا ولین لولم یکن لہم اذیہ ان یعلمہ علماء ہنسی“ (سورہ اشعراء: ۱۱) ”یہ باتیں گزشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں، کیا ان کا فروغ کے لئے یہ نشان نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک آدمی کی زبان سے آواز ہو رہی ہیں) نبی اسرائیل کے علم جانتے ہیں۔“ (بحوالہ برت الہی: ۱۰۰، رشتہ خانی، سید سلیمان ندوی)

اور آپ ﷺ کی اس خصوصیت کے حوالے سے مولانا کاظمی سید بن منصور لاری دہلوی کتب رحمتہ الملائکین (ﷺ) میں لکھتے ہیں کہ: ”اُنّی“ یہ محقق ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے سوا

”الرسول النبی الامی“ اور کسی نبی کا لقب نہ تھا۔ رسول اکرم ﷺ کا یہی لقب انجائے کرام کو اور سابقہ ام کو بتایا گیا ہے۔ علامہ نے اسم امی کے مطلق جو پاکیزہ خیالات ظاہر فرمائے ہیں۔ ناقرین کے لئے ان پر عبود موجب فرج و سرور ہوگا۔

(الف) آئی..... ام القریٰ کی نسبت سے ہے، اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کا نام ام القریٰ فرمایا ہے۔ ﴿وَوَلِّیْنَاکَ اُمَّ الْقُرَیْیِیْنَ وَمَنْ حَوْلَہَا﴾ ”کہ تو ام القریٰ کو دہاں کے ارد گرد کی بستی کو درائے۔“ مشہور قدیم جرمن مورخ سپرینگر اور سکر بدر کا قول ہے کہ ان معتقدین کی رائے بالکل درست ہے جو لانا دہام کا اصلی وطن ملک عرب کو قرار دیتے ہیں۔

اسلامی روایات مجتہد سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ عرب میں سب سے پہلی آبادی ”بلدہ مکہ معظمہ“ ہے جہاں خانہ بدلوں نے قیام کیا اور بربریت و وحش کو چھوڑ کر مہرمان تمدن کی زندگی میں داخل ہوئے۔ الغرض تاریخ اور روایات کے مجموعی اتفاق سے ثابت ہے کہ مکہ ام القریٰ ہے۔ اب سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ انہوں نے بنائے مکہ کے وقت یہ دعا کی تھی: ﴿رَبِّ اجْعَلْ ہٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّلَا رِزْقًا اَفْلٰتًا مِنْ الشَّعْرَاتِ﴾ (قرآن) ”اے رب! اس جگہ کو امن والا شہر بنائو، اور یہاں دامن کو بیوہ جات کھلا یا کھجھ۔“ دعا کے یہ الفاظ بھی ہیں: ﴿وَاَبْعَثْ فِیْہِم رَسُوْلًا مِنْہُمْ﴾ (قرآن) ”ان میں ایک شاعر رسول بھی جو انہی میں سے ہو جو ش کی حیو۔“

دعاے ظلیل میں دو باتیں عجیب ہیں: (۱) اس بستی کے رہنے والوں کے لئے جہاں کی زمین ناقابلِ زراعت ہے، بیوہ ہوت و ثمرات بکثرت ملنے کی استدعا۔ چنانچہ ان الفاظ کی برکت آج تک نظر آ رہی ہے کہ مکہ کے بازار سبزیوں اور گونا گوں بیوہ ہوت سے بھرے نظر آتے ہیں۔ یہ علامت نگاہی اس امر پر والی ہے کہ رب العالمین نے فی الواقع اپنے ظلیل کی دعا کو امن و امن شرف قبولیت بخشا۔

(۳)۔ اور یہی دعا بوضوح بتا رہی ہے کہ صرف خود اک جسمانی یا مادہ کام

ودین تک ہی اس کا اثر محدود نہ تھا۔ بلکہ روحانیت کے لئے دعا کے الفاظ زیادہ پر زور تھے۔

وعدہ کار رسول اور دعائے ظلیل کار رسول مبعوث ہوا اور بڑی شان کے ساتھ مبعوث ہوا اس کے جنسی و نسبی تعلقات انہی لوگوں کے ساتھ تھے جو اس ہستی کے سردار تھے۔ لہذا ام القرئی کی نسبت سے اسے ای کہنا درست ٹھہرا۔

ام امی، ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ رسول اکرم ﷺ بیچہ پاک کی فطرت و عصمت منجانب رب العزت جملہ عیوب نقائص سے ایسے ہی پاک و صاف ہیں جیسا کہ ماں کے پیٹ سے پیدا شدہ بچہ ہوتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ طیبہؓ نے انہیں معافی پر نظر رکھتے ہوئے اشعار ذیل رسول اکرم ﷺ کی شان میں پڑھے تھے اور ان اشعار کو سکر رسول اکرم ﷺ نہایت سرور ہوئے تھے۔

ومبرء من کل غیر حبضة ولساد مرضعة وداء مخیل
واذا نظرت الی اسرة وجهہ برقت بروق العارض المتهلل
اور امی ام کی طرف منسوب ہے، اس اعتبار سے کہ رسول اکرم ﷺ نے ولادت کے بعد اکتساب علوم و فنون کی جانب کوئی رغبت نہ کی تھی اور رسول اکرم ﷺ کی لوح قلب پر تقریر یا تحریر کسی ایک حرف کا نقش بھی ثبت نہ ہوا تھا۔

ملک عرب کی حالت بھی یہی تھی کہ وہ لکھنے پڑھنے سے عاری ہوتے تھے، وہ اپنی تمام عمر اسی حالت میں پوری کر دیا کرتے، جو ایک ایسے بچہ کی ہوتی ہے جو نہ کتب گیا، نہ درس، نہ قلم ہاتھ میں پکڑا نہ سبق زبان پر جاری ہوا۔ یہودیوں نے اسی لئے اہل عرب کا نام ”امیون“ رکھ دیا تھا۔ ﴿ذَٰلَکَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاٰمِیْنِ سَبِیْلٌ﴾
”یہودی کہتے ہیں کہ ہم ان امی لوگوں کے ساتھ خواہ کچھ ہی برتاؤ کریں، ہم پر کچھ مواخذہ نہ ہوگا۔“ یہی نام اہل عرب کے لئے معروف بن گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاٰمِیْنِ رَسُوْلًا﴾ (سورہ بقرہ)
”اللہ وہ ہے جس نے امیوں کے اندر شاندار رسول کو مبعوث فرمایا۔“
یہی لفظ اہل کتاب کے ناخواندہ اشخاص کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے استعمال فرمایا

ہے ﴿وَمِنْهُمْ لَقَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ﴾ ”یہودیوں میں ایسے ناخواندہ بھی ہیں، جن کو کتاب کا کچھ علم نہیں۔ الغرض لفظ الٰہی سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ طرز و طریق خواندگی میں اہل دنیا سے بالاتر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسری جگہ اس طرح ظاہر فرمایا ہے: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ مِنْ قَبْلِهِ مِنْ كِتَابٍ وَلَا تَخِطُّهُ بِيَمِينِكَ إِذَا لَارْتَابَ الْمُبْطِلُونَ﴾ اے رسول قرآن سے پہلے تو تم نہ کسی کتاب کو پڑھا کرتے تھے اور نہ تمہارے دست راست نے کبھی کوئی خط کھینچا تھا تب تو یہ بطلان والے شک بھی کر سکتے۔

معنی بالا کے لحاظ سے اسم نبی الٰہی رسول اکرم ﷺ کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ واضح ہو کہ نبی، نباء سے ہے اور نباء واقعہ عظیم اور اعلام ذوالاہتمام کو کہتے ہیں۔ یعنی نبی وہ ہے جو علوم عالیہ اور واقع کی اطلاع اہل عالم کو دیتا ہو اور جب یہ لفظ اللہ کی طرف سے مضاف ہوتا ہے تب اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نبی وہ جو علوم عالیہ اور شرائع عالیہ اور نوامیس ربانیہ کی اطلاع براہ راست اللہ تعالیٰ سے کرتا ہو۔

نبی کو نباء سے بھی مشتق بتایا گیا ہے، نباء کے معنی مقام مرتفع ہیں اور نبی وہ ہے جو اس مقام علیا پر فائز ہو۔ جہاں کوئی انسان اکتساب و محنت و ریاضت سے نہیں پہنچ سکتا اور اس مقام پر اس کے فائز ہونے کا سبب محض اصطفاۓ ربانی ہوتا ہے۔ نبی الٰہی کے وصف نے بتا دیا کہ حضور حرف شناسی و خط کشی سے تو دور ہیں اور بالاس ہر علوم عظیمہ و آیات کاملہ کا صدور رسول اکرم ﷺ سے برابر ہوتا رہا۔

اہل سیرت جانتے ہیں کہ آپ ﷺ کو نبی الٰہی کے لقب سے یاد کیا جاتا، اور بلایا جاتا اور آپ ﷺ اسی طرز خطاب سے خرسند و سرور ہوا کرتے تھے۔ اب اہل زمانہ کا حال دیکھو کہ جو نبی کسی شخص کو ذرا شدید کہنے کی لیاقت پیدا ہوئی تو وہ اپنے لئے فاضل اکمل، لوزی اور لہمی، علامہ وغیرہ الفاظ سننا اور کہلانا پسند کرتے ہیں۔ اور یہ ہر ایک صاحب قلم و زبان آور کا فطری خاصہ سا ہو گیا ہے، کہ وہ چاہتا ہے کہ اصلیت سے بڑھ کر اس کے علم و فضل کا اندازہ لگایا جائے، لیکن ایک سیدنا رسول اکرم ﷺ ہیں، جن کو ہر وقت ناخواندگی کا اعتراف اور الٰہی

ہونے کا اقرار ہے۔

اس اعتراف و اقرار پر بھی ہزاروں علماء و متفکروں کا سفر حاضر ہوتے، ہزاروں ادب
تجربہ کرتے اور اقرار کرتے کہ ان لوگوں کا علم قدیم اور حضور کا عرفان ظہر و قلوب کی مثال رکھتے
ہیں۔ غور کیجئے کہ جو شخص دنیا میں کسی کاشا مگر نہیں بنا دو تمام دنیا کا استاذ بنا ہوا ہے، معاصرین
اطلاق، معاصر اہل مال، تدبیر منزل، سیاست عدل، اقتصادیات، سیاسیات، عمرانیات کے درسی
اور دماغ کو روشن و قلب کو کھلی، روح کو منور بنانے والی تعلیم دے رہا ہے، اس کی درس گاہ مدرس
کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے وہاں داخلہ کی کوئی فیس نہیں ہے وہاں ایک صحرانی نظمیں اور
ایک شہری، ایک خلا سفر اور ایک بدوی پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے ہیں اور بآں واحد اپنی اپنی
استعداد و قابلیت کے موافق مستفیض و مستفید ہو رہے ہیں۔ اندریں صورت امی لقب سے
”عَلَّمَنِي رَبِّي طَاحِسَنَ فَادْبَسِي كَا نَوْرٍ ظَهَرَ بَشَرٌ هَادٍ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابُ كَا دَعَا نِي جَنَّةُ
” اور ہے۔

لقب امی کی وجہ یہ بھی ہے کہ اول انبیاء و ہر البشر حضرت آدم (علیہ السلام) سے لے
کر آخر الانبیاء یعنی اسرائیل عبد اللہ صلی بن مریم تک جملہ انبیاء و مرسلین نے رسول اکرم ﷺ
کے نعوت عالیہ اور اوصاف جلیہ بیان کئے۔ لقب سے آدم سے مسیح مراد ہے اور یائے
نسبت سے دوزکی کاشف ہے۔ (بحوالہ: علامہ ابن کثیر)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْعَالَمِيْنَ اَجْمَعِيْنَ



خصوصیت نمبر ۷۲

رسول اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے

قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ بہترین خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے“ الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فاعل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ تعالیٰ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے، اور اسی اللہ کی ذات سے امید بھی ہے کہ اس رحیم اللہ کے حکم سے میری اس کاوش کی بدولت میرے گناہوں کی بخشش بھی ہوگی اور انشاء اللہ اللہ کی توفیق سے روز قیامت رسول اکرم ﷺ کی شفاعت بھی نصیب ہوگی، بس اسی امید پر باوجود لوگوں کے اڑھام ہونے کے آقا ﷺ کی محبت میں لکھ رہا ہوں زبان پر درود جاری ہے، اور جس قدر روضہ مبارک کے سائے میں درود پڑھتا ہوں ایمانی کیفیت میں اضافہ نظر آتا ہے اور قلم چلاتے ہوئے ایک روحانی سرور نصیب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب میں سے ہر ایک کو بار بار آقا ﷺ کے روضے کی زیارت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! رسول اکرم ﷺ کی یہ خصوصیت جو آپ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کی سیرت عالمگیر اور دائمی نمونہ عمل ہے، جبکہ ہم دیگر انبیاء کرام کی سیرتوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو انکی سیرت عالمگیر بھی نہیں کہ وہ محدود علاقے اور محدود لوگوں کی طرف اور محدود زمانے کے لئے آتے رہے لیکن ہمارے نبی ﷺ عالمگیر نبوت کا تاج پہن کر آئے اس لئے کہا کہ ہمارے نبی ﷺ کی سیرت عالمگیر ہے، اور اسی

طرح ہمارے نبی ﷺ کی سیرت دائمی بھی ہے دیگر انبیاء کرام کی سیرت دائمی نہیں کہ آج ان کی سیرت پر عمل کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ جیسا کہ عرض کیا کہ وہ محدود علاقہ و زمانہ تک کے لئے آتے تھے، اس لئے ان کی سیرت ان ہی کے زمانے تک رہی اور بعد میں لوگوں نے ان کی کتابوں تک کو بدل ڈالا، اور ہمارے نبی ﷺ دائمی سیرت لیکر آئے کہ بے شک آج اربوں کھربوں لوگ ان کی سیرت پر عمل کرنے والے لوگ موجود ہیں تو معلوم ہوا کہ اس خصوصیت کا مظہر بھی صرف اور صرف ہمارے نبی ﷺ ہیں، لیکن جیسا کہ ہم پہلے بھی وضاحت کرتے آئیں ہیں کہ ہمارا مقصد دیگر انبیاء کرام کی تنقید نہیں ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ) بلکہ تمام انبیاء کرام کی تعظیم ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے بلکہ ہمارا اصل مقصد اپنے نبی ﷺ کے مقام کو واضح کر کے امت کے دل میں نبی کی محبت کو جا کر کرنا اور عمل کے شوق کو ابھارنا ہے۔ بہر حال آپ آنے والے اوراق میں انشاء اللہ اس خصوصیت سے متعلق تفصیل ملاحظہ کریں گے، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کی سیرت و صورت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔ تو لیجئے قارئین تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

بہتر ہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

انسان کے حال و مستقبل کی تاریکی کو چاک کرنے کے لئے ماضی کی روشنی سے فیض حاصل کرنا ضروری ہے، جن مختلف انسانی طبقات نے ہم پر احسان کئے ہیں، وہ سب شکر یہ کے مستحق ہیں، لیکن سب سے زیادہ ہم پر جن بزرگوں کا احسان ہے وہ انبیاء کرام علیہم السلام ہیں، ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی قوموں کے سامنے اس زمانہ کے مناسب حال اخلاق عالیہ اور صفات کاملہ کا ایک نہ ایک بلند ترین معجزانہ نمونہ پیش کیا، کسی نے صبر، کسی نے ایثار، کسی نے جوش و حید، کسی نے ولولہ حق، کسی نے تسلیم، کسی نے عفت، کسی نے زہد، غرض ہر ایک نے دنیا میں انسان کی ہر چچ زندگی کے راستے میں ایک ایک منار قائم کر دیا ہے، جس سے صراطِ مستقیم کا پتہ لگ سکے۔ مگر ضرورت تھی ایک ایسے رہنما اور

رہبر کی جو اس سرے سے لے کر اس سرے تک پوری راہ کو اپنی ہدایات اور عملی مثالوں سے روشن کر دے۔ گویا ہمارے ہاتھ میں اپنی عملی زندگی کا پورا گائڈ بک دے دے، جس کو لے کر اسی کی تعلیم و ہدایت کے مطابق ہر مسافر بے خطر منزل مقصود کا پتہ پالے۔ یہ راہنما سلسلہ انبیاء کے آخری فرم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ ہیں قرآن نے کہا۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا. وَذَاعِبًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَبِسِرِّ اجْتِمَاعِهِمْ أ.** (ازہاب۔ ۶)

اے پیغمبر ہم نے تجھ کو گواہی دینے والا اور (نیکیوں کو) خوشخبری سنانے والا اور (عافلوں کو) ہوشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس کے حکم سے پکارنے والا، اور ایک روشن کرنے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

آپ ﷺ عالم میں خدا کی تعلیم و ہدایت کے شاہد ہیں، نیکیوں کا رول کو فلاح و سعادت کی بشارت سنانے والے مبشر ہیں، ان کو جو ابھی تک بے خبر ہیں، ہوشیار اور بیدار کرنے والے نذیر ہیں، بھٹکنے والے مسافروں کو خدا کی طرف پکارنے والے داعی ہیں، اور خود ہمد تن نور اور چراغ ہیں، یعنی آپ کی ذات اور آپ کی زندگی راستہ کی روشنی ہے، جو راہ کی تاریکیوں کو کافور کر رہی ہے، یوں تو ہر پیغمبر خدا کا شاہد، داعی، مبشر اور نذیر وغیرہ بن کر اس دنیا میں آیا ہے مگر یہ کل صفتیں سب کی زندگیوں میں عملاً یکساں نمایاں ہو کر ظاہر نہیں ہوئیں، بہت سے انبیاء تھے جو خصوصیت کے ساتھ شاہد ہوئے جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت اسحاق علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام وغیرہ، بہت سے تھے جو نمایاں طور پر مبشر بنے، جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام، بہت سے تھے جن کا خاص وصف نذیر تھا جیسے حضرت نوح علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، بہت سے تھے جو امتیازی حیثیت سے داعی حق تھے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام، حضرت یونس علیہ السلام، لیکن جو شاہد مبشر، نذیر، داعی، مراج منیر، سب کچھ بیک وقت تھا، اور جس کے مرقع حیات میں یہ سارے نقش و نگار عملاً نمایاں تھے، وہ صرف محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام تھے اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ دنیا کے آخری پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے، جس کے بعد کوئی دوسرا آنے والا نہ

تھا۔ آپ ایسی شریعت لے کر بھیجے گئے جو کامل تھی۔ جس کی تکمیل کے لئے پھر کسی دوسرے کو آنا نہ تھا۔

آپ کی تعلیم دائمی و جو در کھنے والی تھی، یعنی قیامت تک اس کو زندہ رہنا تھا اس لئے آپ کی ذات پاک کو جو مجسمہ مکمل اور دولت بے زوال بنا کر بھیجا گیا۔

محترم تاریخین! یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ ہمارے خدا ہی عقیدہ کی بنیاد پر تھیں کوئی دعوئی نہیں ہے، بلکہ یہ واقعہ ہے جس کی بنیاد و لائن نور شہادتوں پر قائم ہے۔

وہ سیرت یا نمونہ حیات جو انسانوں کے لئے ایک آئینہ عمل سیرت کا کام دے اس کے لئے متعدد شرطوں کی ضرورت ہے جن میں سب سے پہلی اور اہم شرط تاریخیت ہے۔

تاریخیت سے مقصود یہ ہے کہ ایک کامل انسان کے جو اصول و اخلاقیات، پیش کئے جائیں، وہ تاریخی اور روایت کے لحاظ سے مستند ہوں، ان کی حیثیت قصوں اور کہانیوں کی نہ ہو، روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کی ایک ساری کائناتی یہ ہے کہ کسی سلسلہ حیات کے متعلق اگر یہ معلوم ہو جائے کہ فرضی اور خیالی ہے، یہ مشتبہ ہے تو خواہ وہ کسی قدر مؤثر انداز میں ”کیوں نہ پیش کیا جائے“ ضمیمہ اس سے دیر پا اور گہرا اثر نہیں لیتیں اس لئے ایک کامل سیرت کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کے تمام اہم اجزاء کی تاریخیت پر یقین ہو، یہی سبب ہے کہ تاریخی افسانوں سے جو اثر ضمیموں میں پیدا ہوتا ہے، وہ خیالی افسانوں سے نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب تاریخی سیرت کے ضروری ہونے کا یہ ہے کہ آپ اس سیرت کا لہ کا نقشہ محض دلچسپی یا فرست کے گھنٹوں کی مشغولی کے لئے نہیں پیش کرتے، بلکہ اس غرض سے پیش کرتے ہیں کہ اپنی زندگی اس نعمت پر ڈھائیں، اور اس کی پیروی و تقلید کریں، لیکن وہ زندگی اگر تاریخی اور واقعی طور سے ثابت نہیں ہو آپ کی فکر اس کے قابل عمل اور پیروی و تقلید کے لائق ہونے پر زور دے سکتے ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ یہ فرضی اور میسجاولو جیکل قفسے ہیں جن پر کوئی انسان اپنی عملی زندگی کی بنیاد نہیں ڈال سکتا اس لئے یہ پڑاؤ ہونے کے لئے سب سے پہلے ضروری ہے کہ اس کامل انسان کی سیرت تاریخی اسناد کے معیار پر پوری اترے۔

ہم تمام انبیائے کرام علیہم السلام کا ادب اور احترام کرتے ہیں، اور ان کے سچے پیغمبر ہونے پر یقین رکھتے ہیں، لیکن قرآن کے مطابق ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ”کہ یہ پیغمبر ہیں جن میں سے بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے“ دوام بقاء و ختم نبوت اور آخری کامل انسانی سیرت ہونے کی حیثیت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو جو خاص شرف عطا ہوا ہے، وہ دیگر انبیاء کو اس لئے نہیں مرحمت ہوا، کہ ان کو دائمی، آخری اور خاتم نبوت نہیں بنایا گیا تھا، ان کی سیرتوں کا مقصد ایک خاص قوم کو ایک خاص زمانہ تک نمونہ دینا تھا، اس لئے اس زمانہ کے بعد بتدریج وہ دنیا سے مفقود ہو گئیں۔

غور کرو کہ ہر ملک میں، ہر زمانہ میں، ہر زبان میں کتنے لاکھ انسان خدا کا پیغام لے کر آئے ہوں گے، ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ ۲۴ ہزار پیغمبر آئے، مگر آج ان میں سے کتنوں کے نام ہم جانتے ہیں، اور جتنوں کے نام جانتے بھی نہیں ہیں، اُن کا حال کیا جانتے ہیں؟ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ قدیم، اور پرانے ہونے کا دعویٰ ہندوؤں کو ہے، گو وہ مسلم نہیں، لیکن بغور دیکھو کہ اُن کے مذہب میں سنگتوں کی کڑیوں کے نام ہیں، مگر اُن میں سے کسی کو ”تاریخی“ ہونے کی عزت حاصل نہیں ہے، ان میں سے بہت سے تو نام کے سوا کسی اور چیز کا ذکر تک نہیں اور میتھا لوجی سے آگے بڑھ کر تاریخ کے میدان میں اُن کا گزر نہیں، ان میں بہتر سے بہتر معلوم کیر کیٹروہ ہیں جو مہابھارت اور رامائن کے ہیرو ہیں، مگر اُن کی زندگی کے واقعات میں سے تاریخ کس کو کہہ سکتے ہیں، یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ زمانہ کے کس دور، اور دور کی کس صدی، اور صدی کے کس سال کے واقعے ہیں، اب یورپ کے بعض علماء بیسیوں قیاسات سے کچھ کچھ تقریبی تاریخی زمانوں کی تعیین کرتے ہیں، اور انہی کو ہمارے ہندو تعلیم یافتہ اصحاب اپنے علم کی سند جانتے ہیں، لیکن یورپ کے محققین میں سے زیادہ تر تو ان کو تاریخ کا درجہ ہی نہیں دیتے اور یہ تسلیم نہیں کرتے کہ یہ فرضی داستانیں کبھی عالم وجود میں بھی آئی تھیں۔

ایران کے پرانے مجوسی مذہب کا بانی زرتشت اب بھی لاکھوں آدمیوں کی عقیدت کا

مرکز ہے مگر اس کی تاریخی شخصیت بھی قدامت کے پردہ میں گم ہے، یہاں تک کہ اس کے تاریخی وجود کے متعلق بھی بعض قطعی مزاج امریکی اور یورپین علماء کو شبہ ہے، مستشرقین میں سے جو لوگ اس کے تاریخی وجود کو تسلیم کرتے ہیں، سینکڑوں قیاسات سے اس کے حالات زندگی کی کچھ کچھ تعین کرتے ہیں، تاہم وہ بھی مختلف محققین کی باہمی متضاد رایوں سے اس قدر مشکوک ہیں کہ کوئی انسان اُن کے بھروسہ پر عملی زندگی کی بنیاد نہیں قائم کر سکتا، زرتشت کی جائے پیدائش، سال پیدائش قومیت، خاندان، مذہب، تبلیغ مذہب، مذہبی صحیفہ کی اصلیت، زبان، سال وفات، جائے وفات ان میں سے ہر ایک مسئلہ سینکڑوں اختلافات کا مرجع ہے، اور صحیح روایتوں کا اس قدر فقدان ہے کہ بجز جنہیں قیاسات کے اور کوئی روشنی مان سوالات کی تاریکیوں کو دور نہیں کر سکتی، بائیں ہند پارسی اصحاب ان مشکوک قیاسی باتوں کا علم براہ راست اپنی روایتوں سے نہیں رکھتے بلکہ یورپین اور امریکن اس اسکالرس کی تلخیصات سے وہ ابھی سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جوان کے ذہنی ذرائع علم ہیں وہ فردوسی کے ”شاهنامہ“ سے آگے نہیں بڑھے، یہ غدر بیکار ہے، کہ یونانی دشمنوں نے ان کو مٹا دیا، یہاں بہر حال ہم کو صرف اتنا بتانا ہے کہ وہ مٹ گئے، خواہ وہ کسی طرح سے مٹے ہوں، اور یہی اس بات کی دلیل ہے کہ اُن کو دوام اور بقا کی زندگی نہ ملی، اور کرن اور ڈرامیٹیر جیسے محققین کو زرتشت کی شخصیت تاریخی سے انکار کرنا پڑا۔

قدیم ایشیا کا سب سے زیادہ وسیع مذہب بودھ ہے جو کبھی، ہندوستان، چین، اور تمام ایشیائے وسطی، افغانستان، ترکستان تک پھیلا ہوا تھا۔ اور اب بھی برما، سیام، چین، جاپان، اور تبت میں موجود ہے، ہندوستان میں تو یہ کہنا آسان ہے کہ برہمنوں نے اس کو مٹا دیا۔ اور ایشیائے وسطی میں اسلام نے اس کا خاتمہ کر دیا، مگر تمام ایشیائے اقصیٰ میں تو اس کی حکومت، اس کی تہذیب، اس کا مذہب گوار کی قوت کے ساتھ ساتھ قائم ہے اور اس وقت سے اب تک غیر مفتوح ہے، لیکن کیا یہ چیزیں بودھ کی زندگی اور سیرت کو تاریخی روشنی میں برقرار رکھ سکیں اور ایک مورخ اور سوانح نگار کے تمام سوالات کا وہ تشفی بخش جواب دے سکتی

ہیں؟ خود بدھ کے زمانہ وجود کی تعین مکدھ دیس کے راجاؤں کے واقعات سے کی جاتی ہے ورنہ کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے اور ان راجاؤں کا زمانہ بھی اس طرح متعین ہو سکا ہے کہ ان کے سفارتی تعلقات اتفاقاً یونانیوں سے قائم ہو گئے تھے، چینی مذہب کے بانی کا حال اس سے بھی زیادہ غیر یقینی ہے اور چین کے بانی مذہب کنفیوشس کی نسبت ہم کو بودھ سے بھی کم واقفیت ہے، حالانکہ اس کے ماننے والوں کی تعداد کروڑوں سے بھی زیادہ ہے۔

سامی قوم میں سینکڑوں پیغمبر آئے، لیکن نام کے سوا تاریخ نے ان کا اور کچھ حال نہ جانا، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ کے حالات اور سیرتوں کے ایک ایک حصہ کے علاوہ کیا ہم کو کوئی کچھ بتا سکتا ہے؟ ان کی سیرتوں کے ضروری اجزاء تاریخ کی کڑیوں سے بہر حال غم ہیں، اب ان کی مقدس زندگیوں کے ادھر سے اور نامربوط حصے کیا ایک کامل انسانی زندگی کی تقلید اور پیروی کا سامان کر سکتے ہیں؟ قرآن مجید کو چھوڑ کر یہودیوں کے جن اسفار میں ان کے حالات درج ہیں، ان میں سے ہر ایک کی نسبت محققین کو مختلف شکوک ہیں، اور اگر ان شکوک سے ہم قطع نظر بھی کر لیں تو ان کے اندر بزرگوں کی تصویریں کس درجہ ادھوری ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا حال ہمیں تورات سے معلوم ہوتا ہے، مگر خود وہ تورات جو آج موجود ہے، اہل تحقیق کے بیان کے مطابق جیسا کہ خود مصنفین انساںکلو پیڈیا بڈمانیکا تسلیم کرتے ہیں حضرت موسیٰؑ کے صد ہا سال کے بعد عالم وجود میں آئی ہے اس پر بھی اب جرمن اسکالر سن نے پتہ لگایا ہے، کہ موجودہ تورات میں پہلو پہلو ہر واقعہ کے متعلق دو مختلف صورتوں یا راویوں کا سلسلہ ہے، جو باہم کہیں کہیں متضاد ہیں، اور یہی سبب ہے کہ تورات کے سوانح واقعات میں ہر قدم پر ہم کو تضاد بیان سے سابقہ پڑتا ہے اس تصویر کی تفصیل انساںکلو پیڈیا بڈمانیکا کے اخیر اڈیشن کے آرٹیکل "بائبل" میں موجود ہے، اب ایسی صورت میں حضرت موسیٰؑ بلکہ حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت موسیٰؑ تک کے واقعات

کی تاریخی حیثیت کی بارہ چالٹی ہے۔

حضرت مصطفیٰ ﷺ کے حالات انجیلوں میں درج ہیں مگر ان بہت سی انجیلوں میں سے آج عیسائی دنیا کا بڑا حصہ صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، باقی انجیل غنولیت انجیل برناباس وغیرہ نامستند ہیں، ان چار انجیلوں میں سے ایک انجیل کے لکھنے والے نے بھی حضرت مصطفیٰ ﷺ کا کوئی قصہ نہیں دیکھا تھا، انہوں نے کسی سے سن کر یہ حالات کا مجموعہ لکھا، یہ بھی معلوم نہیں، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جاتا ہے کہ ان چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے، وہ نسبت صحیح بھی ہے، یہ بھی واضح طور سے ثابت نہیں کروہ کن زبانوں میں اور کن زبانوں میں لکھی گئیں۔ ۱۰۰ سے زائد بعد کے متعدد مختلف سالوں تک مختلف مشرین، راجہ جیل، بان کی تعریف کا زمانہ بتاتے ہیں، حضرت عیسیٰ کی پیدائش و ولادت اور متبیت کی تعلیم ان سب کو سامنے رکھ کر اب بعض امریکن نقاد اور ریشنلسٹ یہ کہتے گئے ہیں کہ حضرت مصطفیٰ ﷺ کا وجود محض فرضی ہے اور ان کی پیدائش اور حثیت کا یہ ان یونانی و رومی متفلسفین کی محض نقالی ہے، کیونکہ اس قسم کے خیالات ان قوموں میں مختلف دینوں اور ہیرروؤں کے تحقق پہلے سے موجود تھے چنانچہ چکاگو کے مشہور سالار روپن کورٹ میں مینوں حضرت مصطفیٰ ﷺ کے فرضی وجود ہونے پر بحث رہی ہے، اس بیان سے جیسائی روايتوں کے ذریعہ سے حضرت مصطفیٰ ﷺ کی زندگی کی تاریخی حیثیت کتنی کمزور معلوم ہوتی ہے۔

اور اسی طرح کسی انسانی سیرت کے دائمی نمونہ عمل بننے کے لئے تاریخی حیات کے ساتھ کمالیت کا ہونا بھی ضروری ہے یعنی یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے صحید حیات کے تمام حصے ہماری نگاہوں کے سامنے ہو کوئی واقعہ پرہیز اور ناواقفیت کی تاریخی میں سم نہ ہو، بلکہ اس کے تمام سوانح اور حالات روز روشن کی طرح دنیا کے سامنے ہوں تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس کی سیرت کہاں تک انسانی سوسائٹی کے لئے ایک آئینہ دل زندگی کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس معیار پر اگر مشرین، ادیان اور پانین مذاہب کے سوانح اور سیرتوں پر نظر ڈالو تو معلوم ہوگا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا اور کوئی جتنی اس معیار پر پوری نہیں اترتی، اسی سے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ خاتم الانبیاء ہو کر دنیا میں تشریف لائے تھے ہم کہہ چکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور مصلحین دین کے زمرہ میں سے صرف تین چار ہی ہستیاں ایسی ہیں جو تاریخ کی جاکستی ہیں۔ لیکن کمالیت کی حیثیت سے وہ بھی پوری نہیں ہیں، غور کرو کہ مردم شماری کے لحاظ سے آج بودہ کے پیر و دنیا کی آبادی کے چوتھائی حصہ پر قابض ہیں، مگر باایں ہمد تاریخ کی حیثیت سے بودہ کی زندگی صرف چند قصوں اور کہانیوں کا مجموعہ ہے، لیکن اگر ہم انہی قصوں اور کہانیوں کو تاریخ کا دہرہ دے کر بودہ کی زندگی کی ضروری سے ضروری اور اہم سے اہم اجزاء تلاش کریں تو ہم کو نا کامی ہوگی، ان کہانیوں اور قصوں سے ہم کو زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں نیپال کی ترائی کے کسی ملک میں ایک راجہ کا لڑکا تھا جس نے فطرۃ سوچنے والی طبیعت پائی تھی، جوان ہونے اور ایک بچہ کا باپ بننے کے بعد اتفاقاً اس کی نظر چند مصیبت زدہ انسانوں پر پڑی، اس کی طبیعت بے حد متاثر ہوئی اور وہ گھر پار چھوڑ کر دیس سے نکل گیا، اور بنارس، گیا پاتلی پتر (پٹنہ) اور راجگیر (بہار) کے کبھی شہروں میں اور کبھی جنگلوں میں اور پہاڑوں میں پھر تار پا اور خدا جانے عمر کی کتنی منزلیں طے کرنے کے بعد اُس نے گیا کے ایک درخت کے نیچے انکشاف حقیقت کا دعویٰ کیا۔ اور بنارس میں سے بہار تک اپنے نئے مذہب کا وعظ کہتا رہا، پھر اس دنیا سے رخصت ہو گیا یہ خلاصہ ہے بودہ کے متعلق ہماری معلومات کا۔

زرشت بھی ایک مذہب کا بانی ہے، مگر ہم بتا چکے ہیں کہ قیاسات کے سوا اس کی زندگی اور سیرت کا بھی سراغ نہیں ملتا، ان قیاسات سے بھی جو کچھ معلوم ہوا ہے اُس کو ہم بجائے اپنی زبان سے کہنے کے بیسویں صدی کے مستند خلاصہ معلومات انسائیکلو پیڈیا بریٹانیکا کے آرٹیکل ذرا ستر سے نقل کرتے ہیں۔

”زرشت کی جس شخصیت سے (گاتھا کے) ان اشعار میں ہماری ملاقات ہوئی ہے، وہ نئے اوستا کے زرتشت سے بالکل مختلف ہے، وہ ٹھیک متضاد ہے، اس دوسرے افسانہ کی معجزانہ شخصیت سے (اس کے بعد گاتھا کے کچھ واقعی حالات نقل کر کے مضمون نگار لکھتا

عرب اور شام میں داخل ہوتے ہیں، کافر باشندوں سے لڑائیاں پیش آتی ہیں۔ اسی حالت میں جب وہ بہت بوڑھے ہو جاتے ہیں تو ایک پہاڑی پر ان کی وفات ہو جاتی ہے، تورات استثناء کے اختتامی فقرے میں ہے، سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق مواپ کی ایک وادی میں مر گیا اور اس نے اس مواپ کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا، پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا، اور موسیٰ اپنے مرنے کے وقت ایک سو بیس کا تھا، اور اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی نہیں ہوا۔

۱۔ یہ تورات کی پانچویں کتاب کے فقرے ہیں جس کی تصنیف بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے، ان فقروں میں سب سے پہلے آپ کی نظر اس پر پڑنی چاہیے کہ پوری کتاب یا اس کے آخری اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف نہیں، لیکن با اس ہمہ دنیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس سوانح نگار سے واقف نہیں ہے۔

۲۔ ان دروسوں کے الفاظ ”کہ آج تک اس کی قبر کو کوئی نہیں جانتا، اور اب تک ویسا کوئی نبی بنی اسرائیل میں نہیں ہوا۔“ ظاہر کرتے ہیں کہ سوانح موسویٰ کے تکمیل اجزاء اتنی مدت دراز کے بعد لکھے گئے ہیں، جس میں ایک مشہور یادگار کو لوگ بھول جاسکتے ہیں، اور ایک نئے پیغمبر کے ظہور کی توقع کی جاسکتی ہے۔

۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک سو بیس برس کی عمر پائی، مگر غور سے دیکھو کہ اس (۱۲۰) برس کی عمر کے طویل زمانہ کی وسعت کو بھرنے کے لئے ہم کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کیا واقعات معلوم ہوئے ہیں اور ان کے سوانح کے ضروری اجزاء ہمارے ہاتھ میں کیا ہیں، پیدائش، جوانی میں ہجرت، شادی اور نبوت کے واقعات معلوم ہیں، پھر چند لڑائیوں کے بعد بڑھاپے میں ۱۲۰ برس کی عمر میں ان سے ملاقات ہوتی ہے، ان واقعات کو جانے دیجئے یہ تو شخصی حالات ہیں جو ہر شخص کی زندگی میں الگ الگ پیش آتے ہیں، انسان کو اپنی سوسائٹی کی عملی نمونہ کے لئے جن اجزاء کی ضرورت ہے وہ اخلاق و عادات اور زندگی گانی کے طور و طریق ہیں، اور یہی اجزاء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبرانہ سوانح عمری سے ہم ہیں

دور نہ عام جزئی حالات یعنی اشخاص کے نام و نسب، مقامات کے پتے، مردم شماریاں اور قانونی قال و اقوال بہت کچھ تو رات میں مذکور ہیں، مگر یہ معلومات خواہ جغرافیہ، کرائونولوجی، مناسب ناموں اور قانون دانی کے لئے کسی قدر ضروری کیوں نہ ہوں، مگر عملی حیثیت سے بالکل بیکار اور اجزائے سوانح کی کامیت سے معز ہیں۔

اسلام سے سب سے قریب العہد پیغمبر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) ہیں جن کے پیر و آج یورپین مردم شماری کے مطابق تمام دوسرے مذاہب کے پیروؤں سے زیادہ ہیں، مگر یہ سن کر آپ کو حیرت ہوگی کہ اسی مذاہب کے پیغمبر کی زندگی کے اجزاء تمام دوسرے مشہور مذاہب کے بانیوں اور پیغمبروں کے سوانح سے سب سے زیادہ کم معلوم ہیں، آج عیسائی یورپ کے تاریخی ذوق کا یہ حال ہے، کہ وہ باہل و اسیریا، عرب و شام، مصر و افریقہ، ہندوستان و ترکستان کے ہزار ہا برس کے واقعات کتابوں اور کتبوں کو پڑھ کر اور کھنڈروں، پہاڑوں، اور زمین کے طبقوں کو کھود کر منظر عام پر لا رہا ہے، اور دنیا کی تاریخ کے گمشدہ اوراق اُس سر نو ترتیب دے رہا ہے، مگر اس کا مسیحائی معجزہ جس چیز کو زندہ نہیں کر سکتا وہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی زندگی کی مدفون واقعات ہیں، پر وہ فیر رینان نے کیا کیا نہ کیا، مگر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کے واقعات زندگی نہ ملنا تھے، نہ مل سکے، انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰ کی زندگی ۳۳ برس کی تھی، موجودہ انجیلوں کی روایتیں اولاً نامعتبر ہیں، اور جو کچھ ہیں بھی وہ صرف اُن کے آخری تین سالوں کی زندگی پر مشتمل ہیں، ہم کو اُن کی تاریخی زندگی کے صرف یہ حصے معلوم ہیں، وہ پیدا ہوئے اور پیدائش کے بعد مصر لائے گئے، بڑھپن میں ایک دو معجزے دکھائے، اس کے بعد وہ غائب ہو جاتے ہیں، اور پھر یک بیک تیس ۳۰ برس کی عمر میں پہاڑیوں اور دریاؤں کے کنارے مانی گيروں کو وعظ کہتے نظر آتے ہیں، چند شاگرد پیدا ہوتے ہیں، یہودیوں سے پُچھنا منظر سے ہوتے ہیں یہودی اُن کو پکڑا دیتے ہیں، رومی گورنر کی عدالت میں مقدمہ پیش ہوتا ہے اور سولی دے دی جاتی ہے، تیسرے دن اُن کی قبر اُن کی لاش سے خالی نظر آتی ہے تیس برس اور کم از کم پچیس برس کا زمانہ کہاں گزر اور کیونکر گزرا؟ دنیا اس سے ناواقف ہے

اور رہے گی ان تین آخری برسوں کے واقعات میں بھی کیا ہے؟ چند معجزے اور مواظبت اور آخر سولی!

اور اسی طرح کسی سیرت کے عملی نمونہ بننے کے لئے ہمارے حقیقت اور کاملیت کے ساتھ ساتھ تیسری ضروری شرط، جامعیت، ہے جامعیت سے مقصود یہ ہے کہ مختلف طبقات انسانی کو اپنی ہدایت اور روشنی کے لئے جن نمونوں کی ضرورت ہوتی ہے یا ہر فرد انسان کو اپنے مختلف تعلقات و روابط اور فرائض و واجبات کو ادا کرنے کے لئے جن مثالوں اور نمونوں کی حاجت ہوتی ہے۔ وہ سب اس ”آئیڈیل زندگی“ کے آئینہ میں موجود ہوں، اس نقطہ نگاہ سے بھی دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ سوائے خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کوئی دوسری شخصیت اس معیار پر پوری نہیں اترتی، مذہب کیا چیز ہے، خدا داد بندوں اور باہم بندوں کے متعلق جو فرائض اور واجبات ہیں ان کو تسلیم کرنا اور ادا کرنا، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بجالانے کا نام ہے لیے ہر مذہب کے پیروں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے پیغمبروں اور بانیوں کی سیرتوں میں ان حقوق فرائض اور واجبات کی تفصیلات تلاش کریں۔ اور ان کے مطابق اپنی زندگی کو اس قالب میں ڈھالنے کی کوشش کریں، حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں حیثیتوں سے جب آپ تفصیلات ڈھونڈیں گے تو وہ پیغمبر اسلام کے سوا آپ کو کہیں نہیں ملیں گی۔

مذہب دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں یا تو خدا تسلیم ہی نہیں کیا گیا ہے، جیسا کہ بودھ اور جین مذہب کے متعلق کہا جاتا ہے، اس لئے ان مذہبوں کے پیغمبروں اور بانیوں کی زندگیوں میں بھی خدا طلبی کے واقعات مفقود ہیں، خدا کے متعلق ہم کو کیا اعتقادات رکھنے چاہئیں اور ان کے کیا اعتقادات تھے، اور ان اعتقادات پر ان کو کس حد تک عملاً یقین تھا، اس کی تفصیل سے ان کی سیرتیں خالی ہیں، پوری تورات پڑھ جاؤ، خدا کی توحید اور اس کے احکام اور قربانی کے شرائط کے علاوہ تورات کی پانچ کتابوں میں کوئی ایسا فقرہ نہیں جس سے یہ معلوم ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تعلقات قلبی، اور اطاعت و عبادت، اور خدا پر توکل

و یقین، خدا کے صفات کاملہ والہیہ کی جلوہ گری اُن کے قلب اقدس میں کہاں تک تھی، حالانکہ اگر موسوی مذہب ہمیشہ کے لئے اور آخری مذہب کے طور پر آیا ہوتا تو اس سے پیروؤں کا فرض تھا کہ وہ اُن واقعات کو قید تحریر میں لاتے، مگر خدا کی مصلحت یہ نہ تھی، اس لئے اُن کو اس کی توفیق نہ ملی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا آئینہ انجیل ہے، انجیل میں اس ایک مسئلہ کے علاوہ کہ خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا، ہم کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس دنیاوی زندگی میں اس مقدس باپ اور بیٹے میں کیا تعلقات اور روابط تھے، بیٹے کے اقرار سے یہ تو معلوم ہوتا ہے، کہ باپ کو بیٹے سے بڑی محبت تھی، مگر یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بیٹے کو باپ سے کس درجہ محبت تھی، وہ کہاں تک اپنے باپ کی اطاعت اور فرمانبرداری میں مصروف تھا، وہ اُس کے آگے شب و روز میں کبھی جھکتا بھی تھا، اور ”آج کی روٹی کے علاوہ کوئی اور چیز بھی اس نے کبھی اس سے مانگی، گرفتاری کی رات سے پہلے کوئی ایک رات بھی اس پر ایسی گزری جب وہ باپ کے حضور میں دعا مانگ رہا ہو پھر ایسی سیرت سے ہم روحانی حیثیت سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں خدا اور بندہ کے تعلقات واضح ہوتے تو ساڑھے تین سو برس کے بعد پُرسائی بادشاہ کو تین سو عیسائی علماء کی مجلس اس کے فیصلے کے لئے فراہم کرنی نہ پڑتی اور وہ اب تک ایک ناقابل فہم راز نہ بنے رہتے۔

اب حقوق عباد کی حیثیت کو لیجئے تو اس سے بھی حضرت خاتم النبیین ﷺ کے سوا تمام دیگر انبیاء علیہم السلام اور بانیان مذہب کی سیرتیں خالی ہیں، بودھ نے اپنے تمام اہل اہل و عیال اور خاندان کو چھوڑ کر جنگل کا راستہ لیا اور پھر کبھی اپنی پیاری بیوی سے جس سے اس کو محبت تھی، اور اپنے اکلوتے بیٹے سے کوئی تعلق نہ رکھا، دوستوں کے جھرمٹ سے علیحدہ ہو گیا، حکومت اور سلطنت کے بارگراں سے سبکدوشی حاصل کی اور نروان یا موت کے حصوں کو انسانی زندگی کا آخری مقصد قرار دیا، ان حالات میں کیا کوئی انسان یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس دنیا کے بسنے والوں کے لئے جن میں حکومت و رعیت، شاہ و گدا، آقا و نوکر، باپ بیٹے، بھائی بہن، اور

دوست احباب کے تعلقات ہیں، بودہ کی سیرت کچھ کارآمد ہو سکتی ہے؟ کیا بودہ کی زندگی میں کوئی ایسی جامعیت ہے جو تاریک دنیا بھکشوؤں اور کاروباری انسانوں دونوں کے لئے قابل تقلید ہو؟ اسی لئے اس کی زندگی کبھی بھی اس کے ماننے والے کاروباریوں کے لئے قابل تقلید نہ بنی اور نہ چین و جاپان، سیام و انام، تبت و برما کی تمام سلطنتیں، تجارتیں و صنایعیاں اور دیگر کاروباری مشاغل فوراً بند ہو جاتے، اور بجائے آبادیوں کے صرف سنبھال و جنگوں کا وجود رہ جاتا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک ہی پہلو نہایت واضح ہے، اور وہ جنگ اور سپہ سالاری کا پہلو ہے، ورنہ اس کے علاوہ ان کی سیرت کی پیروی کرنے والوں کے لئے دنیاوی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کا کوئی نمونہ موجود نہیں ہے، میاں بیوی، باپ بیٹے، بھائی بھائی، دوست و احباب کے متعلق ان کا کیا طرز عمل تھا، صلح کے فرائض میں ان کا کیا دستور تھا، اپنے مال و دولت کو کن مفید کاموں میں انہوں نے لگایا، بیماروں، یتیموں، مسافروں اور غریبوں کے ساتھ ان کا کیا برتاؤ تھا، اور ان کے ماننے والے ان امور میں ان کی زندگی کی مثالوں سے کیونکر فائدہ اٹھائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بیوی رکھتے تھے، بچے رکھتے تھے، بھائی رکھتے تھے، دوسرے اعزاء اور متعلقین رکھتے تھے، اور ہمارا اعتقاد ہے کہ ان کا پیغمبرانہ طرز عمل، تھینا ہر حرف گیری سے پاک ہوگا، مگر ان کی موجودہ سیرت کی کتابوں میں ہم کو یہ ابواب نہیں ملتے، جو ہمارے لئے قابل تقلید اور نمونہ ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں تھیں، اور انجیل کے بیان کے مطابق ان کے بھائی بہن بھی تھے، بلکہ مادی باپ تک بھی موجود تھے، مگر ان کی زندگی کے واقعات ان عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ ان کا تعلق، طرز عمل، سلوک اور برتاؤ نہیں ظاہر کرتے، حالانکہ دنیا ہمیشہ ان ہی تعلقات سے آباد رہی ہے اور رہے گی، مذہب کا بڑا حصہ انہی کی متعلقہ ذمہ داریوں کے ادا کرنے کا نام ہے، علاوہ ازیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے محکومی کی زندگی بسر کی اس لئے ان کی سیرت تمام حاکمانہ فرائض کی مثالوں سے خالی ہے وہ متاثر نہ تھے، اس لئے

ان دو جوڑوں کے لئے جن کے درمیان تورات کے پہلے ہی باب نے ماں باپ سے زیادہ مضبوط رشتہ قائم کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی تھید کا کوئی سامان نہیں رکھتی اور چونکہ دنیا کی بیشتر آبادی متابلاً نہ زندگی رکھتی ہے۔ اس لئے اس کے معنی یہ ہیں کہ دنیا کے بیشتر حصہ آبادی کے لئے اُن کی سیرت نمونہ نہیں بن سکتی، جس نے گھربار، اہل و عیال، مال دولت، صلح جنگ، دوست و دشمن کے تعلقات سے کبھی واسطہ ہی نہ رکھا ہو، وہ اس دنیا کے لئے جو انہی تعلقات سے معمور ہے، کیونکر مثال ہو سکتا ہے، اگر آج دنیا یہ زندگی اختیار کر لے تو کل وہ سنسان قبرستان بن جائے، تمام ترقیاں دفعہ رک جائیں، اور عیسائی یورپ تو شاید ایک منٹ کے لئے بھی زندہ نہ رہے۔

اور اسی طرح ”آئیڈیل لائف“ کا دیگر معیاروں کے ساتھ سب سے آخری معیار عملیت ہے عملیت سے یہ مقصود ہے کہ شارع دین اور بانی مذہب جس تعلیم کو پیش کر رہا ہو، خود اس کا ذاتی عمل اُس کی مثال اور نمونہ ہو، اور خود اُس کے عمل نے اس کی تعلیم کو عملی یعنی قابل عمل ثابت کیا ہو۔

خوش کن سے خوش گمن فلسفہ، دلچسپ سے دلچسپ نظریہ، اور خوش آئند سے خوش آئند اقوال، ہر شخص ہر وقت پیش کر سکتا ہے، لیکن جو چیز ہر شخص ہر وقت نہیں پیش کر سکتا وہ عمل ہے، انسانی سیرت کے بہتر اور کامل ہونے کی دلیل، اُس کے نیک اور معصوم اقوال، خیالات اور اخلاقی فلسفیانہ نظریے نہیں، بلکہ اُس کے اعمال اور کارنامے ہیں، اگر یہ معیار قائم نہ کیا جائے تو اچھے اور بُرے کی تمیز اُنھ جائے، اور دنیا صرف بات بنانے والوں کی مسکن رہ جائے، اب ہمیں یہ پوچھنے کا حق ہے کہ لاکھوں شارمین اور ہزاروں بانیان مذہب میں سے کون اپنی عملی سیرت کو اس ترازو پر ثلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

”تو اپنے خداوند خدا کو اپنی ساری جان اور دل سے پیار کر، تو دشمن کو پیار کر، جو تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو اُس کے سامنے اپنا بائیں گال بھی پھیر دے، جو تجھ کو ایک میل بیگارے جائے تو اس کے ساتھ دو میل جا، جو تیرا کوٹ مانگے تو اُس کو کرتا بھی دے

دے تو اپنے مال و اسباب کو خدا کی راہ میں دے دے تو اپنے بھائی کو ستر دفعہ معاف کر، آسمان کی بادشاہت میں دولت مند کا داخل ہونا مشکل ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی نصیحتیں نہایت دل خوش کن ہیں مگر عمل سے اُن کی تصدیق نہ ہو تو وہ سیرت کا کھڑا نہیں، بلکہ وہ صرف معصومانہ شیریں زبانوں کا ایک مجموعہ ہیں جس نے اپنے دشمن پر قابو نہ پایا ہو، وہ غصہ کی عملی مثال کیسے پیش کر سکتا ہے، جس کے خود کچھ نہ ہو، وہ غریبوں اور مسکینوں اور یتیموں کی مدد کیونکر کر سکتا ہے، جو عزیز و اقارب، بیوی بچے، نہ رکھتا ہو، وہ انہی تعلقات سے آباد دنیا کے لئے مثال کیونکر بن سکتا ہے، جس نے بیماروں کی تیمارداری اور عیادت نہ کی ہو، وہ اس کا وعظ کیونکر کہہ سکتا ہے جس کو خود دوسروں کے معاف کرنے کا موقع نہ ملا ہو، اس کی زندگی ہم میں سے غضب ناک اور غصہ ور لوگوں کے لئے نمونہ کیسے بنے گی۔

غور فرمائیے! نیکیاں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک سلبی اور ایک ایجابی، مثلاً آپ پہاڑ کے ایک کھوہ میں جا کر عمر بھر کے لئے بیٹھ گئے تو صرف یہ کہنا صحیح ہو گا کہ بدیوں اور برائیوں سے آپ نے پرہیز کیا، یعنی آپ نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جو آپ کے لئے قابل اعتراض ہو مگر یہ تو سلبی تعریف ہوئی، ایجابی پہلو آپ کا کیا ہے؟ کیا آپ نے غریبوں کی مدد کی، محتاجوں کو کھانا کھلایا، کمزوروں کی حمایت کی، ظالموں کے مقابلہ میں حق گوئی سے کام لیا، گرتوں کو سنبھالا، مگر اہوں کو راستہ دکھایا، غصہ، کرم، ہٹا، مہمان نوازی، حق گوئی، رحم، حق، مکی نصرت کے لئے جوش، جدوجہد مجاہدہ، اداائے فرض، ذمہ داریوں کی بجا آوری، غرض تمام وہ اخلاق جس کا تعلق عمل سے ہے، وہ صرف سلب فعل اور عدم عمل سے نیکیاں نہیں بن جائیں گی، نیکیاں صرف سلبی پہلو نہیں رکھتیں، زیادہ تر ایجابی اور عملی پہلو پر اُن کا مدار ہوتا ہے، اس تقریر سے ظاہر ہو گا کہ جس سیرت کا عملی حصہ سامنے نہ ہو اس کو ”آئیدیل لائف“ اور قابل تقلید زندگی کا خطاب نہیں دیا جاسکتا کہ انسان اس کی کس چیز کی نقل کرے گا؟ اور کس عمل سے سبق حاصل کرے گا؟ ہم کو وہ صلح و جنگ فقر و دولت ازدواج و تجرد و تعلقات خداوندی و تعلقات عباد، حاکمیت و مملوکیت، سکون و غضب، جلوت و خلوت، غرض زندگی کے

ہر پہلو کے متعلق عملی مثال چاہئے، دنیا کا بیشتر بلکہ تمام تر حصہ انہی مشکلات اور تعلقات میں الجھا ہوا ہے، اس لئے لوگوں کو انہی مشکلات کے حل کرنے اور انہی تعلقات کو بوجہ احسن انجام دینے کے لئے عملی مثالوں کی ضرورت ہے، قولی نہیں بلکہ عملی، لیکن یہ کہنا شاعری اور خطابت نہیں بلکہ تاریخی واقعہ ہے کہ اس معیار پر بھی سیرت محمدیؐ کے سوا کوئی دوسری سیرت پوری نہیں اُتر سکتی۔

ہم نے جو کچھ کہا ہے، اس کو اچھی طرح سمجھ لیجئے، ہم یہ کہنا اور دکھانا چاہتے ہیں، کہ ”آئیڈیل لائف“ اور نمونہ تقلید بننے کے لئے جو حیات انسانی منتخب کی جائے، ضرور ہے کہ اس کی سیرت کے موجودہ نقشہ میں یہ چار باتیں پائی جائیں، یعنی تاریخت، جامعیت، کمالیت اور عملیت، ہمارا یہ مقصد نہیں کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی زندگیاں اُن کے عہد اور زمانہ میں ان خصوصیات سے خالی تھیں، بلکہ یہ مقصد ہے کہ اُن کی سیرتیں جو اُن کے بعد عام انسانوں تک پہنچیں، یا جو آج موجود ہیں، وہ ان خصوصیات سے خالی ہیں، اور ایسا ہونا مصلحت الہی کے مطابق تھا، تاکہ یہ ثابت ہو سکے کہ وہ انبیاء محدود زمانہ اور متعین قوموں کے لئے تھے، اس لئے اُن کی سیرتوں دوسری قوموں اور آئندہ زمانہ تک محفوظ رہنے کی ضرورت نہ تھی، صرف محمد رسول ﷺ تمام دنیا کی قوموں کے لئے اور قیامت تک کے لئے نمونہ عمل اور قابل تقلید بنا کر بھیجے گئے تھے، اس لئے آپ ﷺ کی سیرت کو ہر حیثیت سے مکمل، دائمی اور ہمیشہ کے لئے محفوظ رہنے کی ضرورت تھی، اور یہی ختم نبوت کی سب سے بڑی عملی دلیل ہے (بحوالہ معمولی رد و بدل کے ساتھ خطبات مدراں از علامہ سید سلیمان ندوی)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى خَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۷۳

رسول اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ تہترہویں خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا“ جیسا کہ آنے والے اوراق میں اس خصوصیت کی وضاحت کی جا رہی ہے، لیکن اس وضاحت سے پہلے گزشتہ خصوصیات کی طرح یہاں بھی بتانا چلوں، کیونکہ میری زندگی کا یہی سب سے بڑا سراہا ہے کہ محمد اللہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو بھی میں نے ریاض الجہنہ میں بیٹھ کر روضہ رسول ﷺ کے سائے میں ترتیب دیا ہے کیونکہ میرا ایمان ہے کہ روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر روضہ اقدس میں آرام فرمانے والے عظیم پیغمبر اور ہم سب کے پیارے آقا ﷺ کی خصوصیت کو لکھنا اور ترتیب دینا بہت بڑی سعادت ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بار بار مجھے مدینہ بلائے اور پھر اپنے محبوب ﷺ کی محبوب مسجد اور پھر پیارے روضہ کے سامنے بٹھا کر آقا ﷺ کی میرت کے ہر ہر گوشے کو لکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

بہر حال محترم قارئین! دیگر خصوصیات کی طرح یہ خصوصیت بھی آپ ﷺ کی ایک عظیم و اعلیٰ خصوصیت ہے کہ قیامت کے دن جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا، اور لوگ حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی جنت میں جانے کے منتظر ہونگے، لیکن جنت اس وقت تک نہیں کھلے گی جب تک اللہ کے حکم سے کائنات کے سب سے بڑے پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جنت میں داخل نہیں ہو جائیں گے، چنانچہ آنے والے صفحات میں اسی بات کی وضاحت کی جا رہی ہے کہ بے شک آپ ﷺ کے لئے سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا مقلدین اس

خصوصیت سے خاص طور پر آپ ﷺ کا امتیاز دیگر انبیاء کرام پر واضح ہوتا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام انبیاء کرام کا احترام و عزت کرنے اور حضور ﷺ کی صحیح صحیح قدر دانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔ لیجئے اب اس خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

تہتر ہوئیں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو میرے پاس لوہا لکھ ہوگا اور میں تمام رسولوں کا نامہ ہولان کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ: فرقہ یہ ہوگا کہ میں اللہ کا حبیب ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی سے نہیں کہتا، میں ہی قیامت کے دن لوہا لکھ کو اٹھائے ہوئے ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے لیے نہیں کہتا، اور میں ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک انھوں اور پھلوں سب میں سب سے زیادہ معزز ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور قیامت کے دن میں ہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والا ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کے طور پر نہیں کہتا، اور میں ہی وہ پہلا آدمی ہوں گا جو جنت کا دروازہ ہلاؤں گا، اللہ تعالیٰ اس کو میرے لیے کھول دے گا اور میں اپنے ساتھ غریب و مسکین مسخوں کو لے کر اس میں داخل ہوں گا اور یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا۔

ایک روایت ہے کہ میں قیامت کے دن جنت کے دروازہ پر آؤں گا اور اس پر دستک دے کر کھولنے کی درخواست کروں گا یعنی پکار کر نہیں کھلواؤں گا۔ اس وقت جنت کا خازن یعنی رضوان پوچھے گا کہ آپ کون ہیں، میں کہوں گا۔ ”محمد“ اور ایک روایت کے مطابق میں محمد ہوں جب وہ کہے گا ”جیسے آپ ہی کے لیے حکم دیا گیا ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے لیے جنت کا دروازہ نہ کھولوں۔“ ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کے بعد کسی کے لیے دروازہ کھولنے کے لیے کھڑا نہ ہوں۔

چنانچہ یہ بات آنحضرت ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ جنت کا رضوان صرف

آپ کے لیے خود دروازہ کھولے گا اور آپ کے علاوہ دوسرے نبیوں وغیرہ کے لیے دروازہ نہیں کھولے گا بلکہ اس کے بعد یہ ذمہ داری کسی دوسرے خازن کو مل جائے گی۔ آنحضرت ﷺ کی اس خصوصیت کو علامہ قطب خضریٰ نے بہت عظیم قرار دیا ہے۔

فائدہ..... اس سے پہلے یہ بیان ہوا ہے کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ جنت کا دروازہ کھول دے گا، جبکہ اس روایت میں رضوان جنت کا ذکر ہے، اس سے کوئی اختلاف پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے دروازہ کھولنے کا مطلب یہی ہے کہ رضوان جنت سے حق تعالیٰ دروازہ کھلوا دیں گے کیونکہ رضوان بھی حق تعالیٰ کے حکم پر ہی دروازہ کھولے گا لہذا حقیقت میں دروازہ کھولنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہو گا۔

ایک روایت میں ہے کہ میں ہی وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا۔ یہ بات میں بڑائی کی خاطر نہیں کہتا چنانچہ میں جنت کے دروازہ کی زنجیر ہلاؤں گا تو پوچھا جائے گا کون ہے، میں کہوں گا محمد ﷺ، اسی وقت دروازہ کھول دیا جائے گا حب اللہ جبار جل جلالہ میرے سامنے ہوں گے، میں فوراً ہی جہنم سے گرجاؤں گا۔ یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت ادریسؑ تو پہلے ہی جنت میں پہنچ چکے ہیں لہذا آنحضرت ﷺ کا سب سے پہلے جنت میں داخل ہونا کیسے ہو گا، اس کے متعلق کہتے ہیں کہ یہاں گفتگو قیامت کے دن کے متعلق ہو رہی ہے جبکہ ادریسؑ قیامت سے بہت پہلے جنت میں داخل ہوئے ہیں لہذا اس حدیث سے اس واقعہ کے متعلق کوئی اشکال نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کا جنت میں داخل ہونا دروازہ کھلنے پر ہی ہوا ہو مگر وہ قیامت سے پہلے ہو چکا ہے، جبکہ قیامت کے دن وہ جنت سے باہر نکل کر میدان حشر میں آئیں گے اور اپنی امت کے ساتھ حساب کتاب کے لیے پیش ہوں گے۔

جہاں تک اس روایت کا تعلق ہے کہ سب سے پہلے جو جنت کا دروازہ کھٹکنا میں گئے وہ ہلالِ حرام ہوں گے تو اس روایت کو درست ماننے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جنت کا دروازہ وہی کھٹکنا میں گئے جبکہ آنحضرت ﷺ دروازے کی

زنجیر جانے والے پہلے آدمی ہوں گے، یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ بلال ابن حمامہ اس امت میں سب سے پہلے آدمی ہوں گے جو جنت کا دروازہ کھٹکھٹائیں گے۔ واللہ اعلم

طبرانی کی کتاب اوسط میں سند حسن کے ساتھ حدیث بیان کی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا! جب تک میں جنت میں داخل نہ ہو جاؤں اس وقت تک وہ تمام نبیوں کے لیے حرام رہے گی اور اسی طرح جب تک کہ میری امت جنت میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک جنت تمام دوسری امتوں کے لیے حرام رہے گی۔ (مکملہ سیرت صلیہ)

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ



خصوصیت نمبر ۷۴

رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ چوتھا نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے ”رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے“ الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول ﷺ کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول ﷺ کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فاعل ترتیب دیا، اس سعادت کے ملنے پر میں اپنے اللہ کا جتنا زیادہ شکر ادا کروں کم ہے۔

بیشک ہمارے نبی ﷺ کی یہ بھی عظیم خصوصیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے، جیسا کہ تفصیل آنے والے اوراق میں آرہی ہے، اور جبکہ دیگر انبیاء کرام کی سیرتوں میں ایسی خصوصیت نہیں ملتی، اگر کسی کے نام میں یہ خصوصیت نظر آتی ہے، تو فقط اسی نام میں یا ایک دو ناموں میں لیکن ہمارے نبی ﷺ کے کئی نام اللہ تعالیٰ کے نام کی طرح ہیں، بے شک یہ ہمارے نبی ﷺ کی خصوصی فضیلت ہے، اور جو مقام اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ کو عطا فرمایا ہے ان ناموں میں ان ہی مقام و مرتبے کی طرف اشارہ ہے۔ آنے والے اوراق میں حضور ﷺ کے اس طرح کے تمام ناموں کی تفصیل واضح کی گئی ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی سے جچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ اور حضور ﷺ کی تمام سنتوں پر عمل کرنے اور تمام سنتوں کو ساری دنیا میں عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین بے شک اسی میں ہمارے نجات اور فلاح ہے، اور اسی میں ہماری تمام پریشانیوں کا حل ہے، بہر حال تمہیدی بات ختم کی جاتی ہے، لیجئے اب اس

خصوصیت کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:

چتر ہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

مثلاً رؤف اور رحیم اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنی میں ہیں اور قرآن پاک میں یہ دونوں نام آپ ﷺ کے لئے استعمال فرمائے گئے ہیں۔ علماء نے تمیز سے دو پر اس طرح کے مشترک اسماء مبارکہ ذکر کئے ہیں۔ لیکن جو نام اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں وہ اللہ کی شان الوہیت کے مطابق ہیں اور یہی اسماء اللہ تعالیٰ کے حبیب ﷺ کے لئے ہیں وہ آپ کی شان عبدیت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ پہلے ہم کچھ رؤف اور رحیم پر کلام کریں گے اور اسکے بعد انشاء اللہ دیگر ناموں سے متعلق کلام کیا جائے گا۔

آپ ﷺ کے اسمائے مبارکہ کی تعداد

آنحضرت ﷺ کے اسماء مبارکہ بہت ہیں جن میں سے کچھ کا ذکر قرآن مجید میں ہے کچھ سابقہ آسمانی کتابوں میں پائے جاتے ہیں۔ کچھ کا ذکر انبیاء علیہم السلام کی زبان سے ہوا ہے اور کچھ احادیث میں مذکور ہیں۔ تاہم ان کی کل تعداد کے بارے میں کوئی ایک قول نہیں ہے۔ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے: رسول اکرم ﷺ کے نام اور انتخاب قرآن مجید میں بہت آئے ہیں۔ چنانچہ بعض علماء نے خانوے نام جمع کئے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء پاک کی بھی تعداد ہے، خاصی عیاض کا قول منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ناموں میں سے تیس نام اپنے حبیب کے لئے مخصوص کئے ہیں۔ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اگر سابقہ آسمانی کتابوں اور قرآن و حدیث میں آپ ﷺ کے نام تلاش کئے جائیں تو ان کی تعداد تین سو تک اور ایک قول کے مطابق چار سو پچھتی، اور قاضی ابوبکر ابن العربی نے جو بالکی مسلک کے بڑے عالموں میں سے ہیں لکھا ہے: بعض صوفیاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہزار نام ہیں اور اس کے حبیب کے بھی ہزار نام ہیں اور یہ کہ ”ناموں“ سے مراد وہ اوصاف و صفات ہیں جن سے رسول اکرم ﷺ کی ذات متصف ہے اور ہر وصف و صفت سے ایک نام نکلا ہے۔ امام

سیوطیؒ نے بھی مستقل طور پر ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں انہوں نے رسول اکرم ﷺ کے اسم مبارک جمع کئے ہیں اور سیوطیؒ نے بائیس نام ذکر کئے ہیں اور ان سب کی وضاحت کی ہے۔

اصل اسم مبارک..... رسول اکرم ﷺ کا اصل نام جو سب سے زیادہ مشہور و رائج ہے ”محمد“ ہے اور رسول اکرم ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطلب کا رکھا ہوا نام ہے۔ منقول ہے کہ جب عبدالمطلب سے کسی نے کہا کہ تم نے اپنے پوتے کا نام اپنے آباؤ اجداد کے نام پر کیوں نہیں رکھا اور ایک ایسے نام کو ترجیح دی جو تمہاری قوم اور تمہارے خاندان میں پہلے کسی کا نہیں رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا! میں نے اپنے پوتے کا یہ نام اس امید پر رکھا ہے کہ تمام دنیا والے اس کی توصیف میں رطب اللسان ہوں۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں! تاکہ آسمانوں پر اللہ تعالیٰ اس کی تعریف و توصیف کرے اور زمین پر دنیا والے رطب اللسان ہوں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے بہت پہلے حضرت عبدالمطلب نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ ان کی پشت سے چاندی کی ایک زنجیر نکلی جس کا ایک سلسلہ آسمان تک چلا گیا، ایک سلسلہ شرق کی آخری حدود تک اور ایک سلسلہ مغرب کی آخری حدود تک پہنچ گیا۔ اس کے بعد وہ زنجیر ایک تناور درخت میں تبدیل ہو گئی اور اس درخت کے پتہ پتہ پر نور پھیل گیا۔ پھر انہوں نے دیکھا کہ ان نورانی پتوں کے نیچے مشرق سے لے کر مغرب تک کے لوگ جمع ہیں۔ عبدالمطلب نے بیدار ہونے کے بعد اس عجیب و غریب خواب کا ذکر لوگوں سے کیا تبغیر دینے والوں نے اس خواب کو سن کر کہا کہ مبارک ہو تمہاری نسل میں ایک ایسا شخص پیدا ہوگا جس کی تابعداری کرنے والوں کا سلسلہ مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوگا، اور زمین و آسمان میں اس کی تعریف ہی تعریف ہوگی۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ پیدا ہوئے تو حضرت عبدالمطلب نے آپ ﷺ کا نام ”محمد“ رکھا۔ رسول اکرم ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہؓ نے بھی حاملہ ہونے کے بعد خواب میں دیکھا تھا کہ ایک شخص نے ان سے کہا کہ تمہارے بطن میں اس امت کا سردار اور خلیفہ ہے، جب تمہارے ہاں ولادت

ہو تو بچہ کا نام ”محمد“ رکھنا۔

روایتوں میں آتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی پیدائش سے پہلے کبھی کسی کا نام ”محمد“ نہیں رکھا گیا تھا، ہاں اہل کتاب نے جب اپنی آسمانی کتابوں میں مذکور پیش گوئیوں کے مطابق لوگوں کو بتایا کہ وہ زمانہ آیا ہی چاہتا ہے جب خدا کے آخری پیغمبر پیدا ہونگے اور ان کا نام ”محمد“ ہوگا تو یہ سن کر چار لوگوں نے اس آرزو میں اپنے بیٹوں کا نام محمد رکھا کہ شرف نبوت سے مشرف ہوں۔ تاہم یہ چار نام بھی رسول اکرم ﷺ کے نام سے پہلے نہیں کہے جاسکتے کیونکہ ان چاروں نے بھی رسول اکرم ﷺ کا نام ”محمد“ سن کر ہی اپنے بیٹوں کے نام محمد رکھے تھے۔
(بخاری، ظاہر حق جدید)

اور جیسا کہ عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے ناموں میں سے کچھ نام دیئے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **بِاسْمِ مَعْنِیْ رَوْفٍ رَحِیْمٍ** کہ وہ مومنوں سے بہت پیار کرنے والا اور ان پر ہمیشہ رحم کرنے والا ہے۔ آیت بالا میں نبی ﷺ کو **رَوْفٍ** اور **رَحِیْمٍ** کے اسماء سے یاد فرمایا گیا ہے۔ **رَوْفٍ** رافت سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ **رَحِیْمٍ** رحم سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ جو صیغہ مبالغہ کے اوزان پر آتے ہیں، وہ معنی کثرت و فراوانی کا اظہار کیا کرتے ہیں اور جو صیغہ صفت مشبہ کے اوزان پر آتے ہیں، وہ صفت لازم اور معنی ثابت کے مظہر ہوتے ہیں۔ لہذا **رَوْفٍ** کے معنی کامل المعطوف ہیں اور **رَحِیْمٍ** کے معنی دائم الرحمت ہیں۔ سورہ حج اور سورہ بقرہ میں ہے **إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَّوْفٌ رَحِیْمٌ** اللہ تعالیٰ انسانوں پر رُؤف و رحیم ہے۔

نبی ﷺ کے حق میں یہ امر نہایت شرف و عزت اور غایت تکریم و حرمت کا موجب ہے کہ حضور ﷺ کی صفت میں وہ دو نام بہ حالت ترکیبی تجویز فرمائے گئے جو اسی ترکیب کے ساتھ خود ذات پاک سبحانی کے لئے مستعمل ہوئے ہیں۔

ہاں اللہ اکہود کی رافت و رحمت کو عوام الناس پر عام فرمایا گیا ہے اور رسول اکرم ﷺ کی

رافت و رحمت کو بالخصوص مومنین کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ فہم معانی میں اس عموم و خصوص کا امتیاز زیادہ رکھتے ہوئے مومنین کے لئے شکر کا مقام ہے کہ ان کو رحمت و عطوفت کا مورد و مصداق بنایا گیا ہے۔ مناسب مقام سے یہ بحث بھی ایک لطیف بحث ہے کہ کیا دیگر اسمائے مبارکہ میں بھی نبی ﷺ کے لئے ایسا شرف و امتیاز موجود ہے؟

حسان بن ثابت انصاریؓ کا شعر ہے:

وَشَقِيٌّ لَّهُ مِنْ اِسْمِهِ لِحِجْلُهُ..... فَلَوْ العَرْشُ مَحْمُودٌ وَهَذَا مُحَمَّدٌ

عزت افزائی کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کا نام اپنے نام سے نکالا ہے۔

اللہ تعالیٰ ”محمود“ ہے اور حضور ”محمد“ ہیں۔

اگر حسان بن ثابت کی نیت کی اتباع کی جائے جب تو آپ ﷺ کے اسی ۸۰ سے زیادہ ایسے اسماء گرامی ظہیں گے جن کا توافقی و تطابقی اسماء اللہ الحسنى سے ہو جاتا ہے۔

بہر حال حضور کے وصف رافت و رحمت کے متعلق مختصراً کچھ لکھا جا رہا ہے۔ صحیحین میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہم کو گاہ بہ گاہ وعظ سنایا کرتے اس اندیشہ سے کہ روزانہ وعظ کا سنتا ہم پر گراں نہ گزرے۔

رسول اکرم ﷺ کا یہ اصول ازراہ شفقت و رافت تھا کہ سامعین جس قدر بھی سنیں نشاط طبع اور حضور قلب سے سنیں اور آئندہ کے لئے شوق تمام باقی رہے۔

عادت مبارکہ تھی کہ جب یہ حالت نماز کسی بچہ کے رونے کی آواز سن پاتے تو نماز ہلکی فرما دیتے کہ ماں بچہ کو جلد سنبھال سکے۔ عادت مبارکہ تھی کہ سوار ہو کر کسی کو پاپیادہ ہرکاب چلنے کی اجازت نہ فرماتے تھے۔ اگرچہ بہت سے فدائی اس خدمت کے تمنائی رہتے، یا تو اسے سوار کرا لیتے تھے یا واپس لوٹا دیتے تھے۔

عادت مبارکہ تھی جب کوئی مسلمان مقروض مرجاتا تو اس کا قرض بیت المال سے قبل از مہلکین اور فرما دیتے تھے مگر خود کسی مردہ کا مال قبول نہ فرمایا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کسی کی خیریت میرے سامنے مت کرو میں نہیں چاہتا کہ کسی کی طرف سے میری صاف

دلی میں فرق آئے۔ بارہا ایسا ہوا کہ ساری رات امت کے حق میں دعا کرتے ہوئے گزر جاتی، چھوٹے بچوں کو پیار کرتے، ماں کو خود سلام کیا کرتے، ان کے سر پر دستِ شفقت رکھتے، گلی میں کھیلنے ہوئے بچوں کو اپنی سواری پر آگے پیچھے سوار کر لیتے، غلاموں کے ساتھ سفید زمین پر بیٹھ کر کھانا کھانے میں شامل ہو جاتے۔ ان سب امور کا ظہور ازراہ شفقت ورافت ہوا کرتا تھا اور اس بلند ترین رافت ورحمت کا ظہور حضور ﷺ کے خصائص میں سے تھا۔ (نورالرحمۃ العظیمین ج ۳)

اب مناسب ہے کہ آپ ﷺ کے دیگر ناموں کی بھی کچھ وضاحت ہو جائے لہذا آپ ﷺ کے ناموں میں سے کچھ کی وضاحت ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

(۱) سیدنا محمد ﷺ کا معنی بہت تعریف کیا گیا۔ تعریف میں مبالغہ ہے اور اس میں شک نہیں معنی بھی تعریف رسول اکرم ﷺ کی گئی ہے وہ مخلوق میں سے کسی کی نہیں ہوئی، اللہ نے اپنے نام کے ساتھ کلمہ شہادت میں کلمہ توحید میں اذان اور اقامت میں اپنے نام مبارک کے بعد ان کا نام محمد رسول اللہ ﷺ مقرر فرمایا۔ محمد کے نام پر غور کرو کہ اس کے لغوی معنی کے تحت میں ایک پیشگوئی بھی شامل ہے اور عالم الغیب والشہادۃ کی جانب سے جملہ عوام واہل عالم پر یہ راز آشکار کیا گیا ہے کہ اس اسم کے مسکن کی مدح و ثناء دنیا میں سب سے بڑھ کر، سب سے زیادہ تو اہل و قوٰاتر کے ساتھ کی جائے گی۔

وہ کون ہے جس کا مقدس نام آج کروڑوں اشخاص کی زبان پر جاری اور قلوب میں ساری ہے وہ کون ہے جس کے مقدس نام کی فہرست شاہانہ مساجد کے بلند ترین میناروں سے سامعہ نواز ہے۔ وہ کون ہے جس کی سیرت پاک انسانی زندگی کے ہر لمحہ و ہر ساعت میں اور ہر درجہ اور ہر مقام پر رہنما ہے۔ وہ کون ہے جو اپنے افعال میں محمود ہے اور اپنی تعلیم سے محمود ہے۔ وہ کون ہے جس کی رفعت فرش سے عرش تک ملی ہوئی ہے۔ وہ کون ہے جس کی تعلیم کی وسعت بر بحر پر چھائی ہوئی ہے۔ بیشک وہ محمد ہے، اسم بھی محمد ہے اور مسکن بھی محمد ہے اور محمد کو اس کی ذات سے نسبت خاص ہے۔ اُسی کے مقام شفاعت کا نام "مقام

محمود ہے اور اسی کی امت ”خداؤن“ کے لقب سے روشناس ہے۔ اس کی لائی ہوئی کتاب کا الحمد للہ قرب العلمین سے افتتاح ہوتا ہے۔

(۲) سیدنا احمد ؒ..... یہ بھی حمد میں مباہلہ کا صیغہ ہے جن کی حمد کی گئی ہے ان میں سب سے برتر اور سب سے افضل ہیں۔ ہاں اسی کا نام احمد ہے۔ یہ بھی اُسی سرچشمہ ”حمد“ سے نکلا ہے۔ دونوں نام اپنے منبع و ماخذ کے اعتبار سے اتحاد تام رکھتے ہیں اور اشتراک کلیہ کے ساتھ ساتھ انوار و برکات خاص سے مختص بھی ہیں۔ وہ ”احمد“ ہے اور اسی لئے کائنات کا ذرہ ذرہ اس کا ثنا گستر و مدح خواں ہے۔

وہ ”احمد“ ہے اور اسی لئے اس نے بارش کے قطرات سے اور ریگ کے ذرات سے بڑھ کر اپنے مالک، اپنے خالق، اپنے رازق، اپنے ہادی، اپنے معظی کی حمد و ثنا پھیلائی ہے۔ ہاں وہ ”محمد“ ہے اور کُل دنیا اس کی مداح ہے۔ وہ ”احمد“ ہے اور کُل دنیا سے بڑھ کر اپنے رب کا حامد ہے۔ ہاں وہ پیارا ہے، اُسی نے دشمن و دوست سب سے پیار کیا ہے۔ وہ حبیب ہے اور اسی نے محبت کا تاج اکمال سے مزین فرمایا ہے۔ وہ محبوب ہے، مگر محبین سے بے نیاز ہے۔ وہ مطلوب ہے مگر طالبین سے کوئی احتیاج نہیں رکھتا۔ وہ متوجع ہے اور اس کی تہجیت دوسرے کو مخاطب بنادیتی ہے۔

(۳) سیدنا عفو ؒ..... معنی ظاہر ہے قرآن میں اور تورات میں رسول اکرم ﷺ کا وصف عفو سے بیان کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی فطرت میں اذیت کی برداشت اور غیر کے ساتھ حسن سلوک تھا کبھی اپنے نفس کے لئے کسی سے انتقام نہیں لیا۔ انسان کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی کسی مسلم کو لعنت سے یا نہیں کیا افسوس آج کل مسلمان مسلمان کو بغیر ثبوت شرعی کے کفر میں دھکیلتے ہیں اور اپنی عاقبت کو برباد کرتے ہیں۔ جنگ احد میں دندان مبارک شہید ہو گئے لب مبارک زخمی ہو گیا، خون چہرہ انور سے بہتا تھا اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ناگوار گزارا، عرض کیا آپ ان کے حق میں بددعا کریں تو اس حالت میں یہ جواب فرمایا۔ انسی لم ابعث لعنا بل بعثت داعیا ورحمة۔

وہ غفور ہے، غفور اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے اور نبی ﷺ صفاتِ عالیہ میں سے بھی جملہ صفاتِ نبوی ﷺ کی صفاتِ الہی کے ہلال ہیں اور رسول اکرم ﷺ کے جملہ محاسن عطیاتِ ربانی ہی کے مظاہر ہیں۔ کوہِ جمعیم کے اتنی اعدائے دین کو جنہوں نے رسول اکرم ﷺ کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مصروفِ نماز دیکھ کر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا، معاف کر دینے والا وہی ہے۔ زہب بنت الحارث بن سلام خیری کو جو مسموم گوشت کا ہدیہ لے کر آئی اقبالِ جرم کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ سردارانِ قریش کو جنہوں نے ۱۳ سال تک اثنائے اسلام کو روکا اور اسلام میں داخل ہونے والوں کو مشقِ ستم اور ہدفِ تیر و نیزہ بنایا، مغلوب کر لئے جانے کے بعد معاف کر دینے والا وہی ہے۔ ابنِ سلول رئیسِ المنافقین اور اس کی جماعت اہلِ یثرب کو بار بار معاف کرنے والا اور ان کی پاجیانہ حرکات سے درگزر کرنے والا وہی ہے۔ جنگِ خنین کے چھ ہزار قیدیوں کو ایک ذبائی درخواست پر آزاد کرنے والا وہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:-

غَفُوٌّ عَنِ الزَّلَّاتِ يَقْبَلُ غُلُومَهُمْ..... فَإِنْ أَحْسَنُوا فَإِنَّ اللَّهَ بِالْحَبِيرِ أَحْوَدُ

دنیا کی تاریخ ایسے غفور و درگزر کے نظائر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

(۴) سیدنا ہادی ﷺ..... ہدایت کے معنی و مفہوم دو ہیں۔ کسی کے دل میں ایمان ڈال دینا آیت ذیل میں اسی مفہوم کو بیان کیا گیا ہے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ اَخِيتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. (تھیں) تو ہدایت نہیں دے سکتا جسے ٹو پند کرتا ہے لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو بھی چاہے۔

کسی کو ایمان دینے کی طرف بلانا اور اپنی دعوت کی حقانیت کو دلائل و براہین روحانی یا عقلی سے اور اپنے افعالِ حمیدہ و اقوالِ حکیم سے مستحکم کرنا بلا شائبہ غرض اور بلا آمیزشِ طمع خاصہٴ خیر خواہی و نیک۔ گالی کے فرائض ادا کرنا۔ اس مفہوم کی تکمیل رسول اکرم ﷺ کی ذات پر ہوتی ہے اور آیت ذیل میں اس معنی کو بیان کیا گیا ہے۔ وَاِنَّكَ لَتَهْدِي اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ تو بالضرور سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔

رسول اکرم ﷺ نے ہدایت اور دعوت الی الحق کے جملہ بہترین طریقوں کو جمع فرمادیا تھا۔ کشادہ رُوئی، نرم خوئی، خلاق، عظیم ایسی صفات تھیں کہ دشمن بھی رسول اکرم ﷺ کو دیکھ کر اپنی دشمنی بھول جاتا تھا۔ شیریں کلامی، واضح بیانی، ایسی کہ جو لفظ زبان مبارک سے نکلتا، سامع کے قلب میں اتر جاتا تھا۔

دلائل و براہین کے وار کرنے میں رسول اکرم ﷺ نے منطقیوں اور فلسفیوں کی ثر و لیدہ تقریروں اور مغلطی الفاظ و غیرہ کے جملہ مسلک ترک کر دیئے تھے۔ رسول اکرم ﷺ کے دلائل انہی اور آفاقی ہوتے تھے۔ انسان کے سامنے خود اسی کی فطرت کو پیش کر دینا یا انسان کے ماحول کو انسان کے لئے دلیل راہ بنادینا رسول اکرم ﷺ کا مبارک شیوہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ پر اُن قوانین فطرت کو کھول دیا تھا۔ جن پر مخلوق کی آفرینش ہوئی ہے۔ لہذا رسول اکرم ﷺ کے دلائل بھی براہ راست سرشت انسانی اور خلقت بشری کو متوجہ و بیدار اور مخاطب کرنے والے ہوتے تھے۔

اور بے شک رسول اکرم ﷺ انواع انسانی کے لئے ایسا مکمل نمونہ تھے کہ حضور ﷺ کے افعال، آپ ﷺ کے اقوال کے مصداق ہوتے تھے اور آپ ﷺ کے اقوال آپ ﷺ کے افعال کا معیار تھے۔ اس ظاہر و باطن کے توافقی اور افعال و اقوال کے تطابق نے رسول اکرم ﷺ کو نوع بشر کا سچا ہادی بنادیا تھا۔ ضرار بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے دن رسول اکرم ﷺ کے سامنے ایک قصیدہ پڑھا تھا، جس کا ایک شعر یہ ہے:

يَا نَبِيَّ الْهُدَى الْيَكِّ لِحَاجَتِي..... فَرِيَشٌ وَلَدَتْ حَسِينَ بِحَاءِ

تا بجز جعدی کا شعر ہے۔

آبِثٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِذَا جَاءَ بِالْهُدَى..... وَيَتْلُوْا كِتَابًا مِّنْهُ لَمْخَرَةٌ نَّبِيْرًا
(۵) سیدنا مطاع رضی اللہ عنہ..... آپ ﷺ کا ایک نام مطاع بھی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ ہی کی ذات سبحانی ہے جس کی اطاعت مقصود بالذات ہے اللہ تعالیٰ اپنے اطاعت کرنے والوں کی شناخت کے لئے یہ معیار مقرر کر دیتا ہے کہ انبیاء الہی کی اطاعت کرنے والے ہی

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے سمجھے جائیں گے۔ اور اطاعت انبیاء سے گریز کرنے والے ہی اطاعہ ربانی سے گریز کرنے والے قرار دیئے جائیں گے۔ اس رسول کو اللہ تعالیٰ نے بطور قانون محکم ظاہر فرمادیا ہے وما أَرْسَلْنَا مِنْ رُّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ۔

اصولی حکم کے بعد ذات مبارک نبوی ﷺ کی نسبت خصوصیت سے فرمایا وَمَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ اس رسول کی جس نے اطاعت کی تو اُس نے بالضرور اللہ ہی کی اطاعت کی ہے۔ بعد ازاں فرمایا اِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا اس کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاب بن جاؤ گے۔

قرآن مجید میں مضطاع ثم آمین۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی صفت میں فرمایا گیا ہے اور سورہ تحریم میں وجہ پیل و صالیح المؤمنین و الملائکۃ بعد ذلک ظہیر و نازل کیا گیا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ مضطاع آسمانی اور آمین وحی ربانی بھی رسول اکرم ﷺ کے مددگاروں میں اسی طرح داخل ہیں جیسے دیگر ملائکہ اور جملہ مومنین ہر دو آیات نے رسول اکرم ﷺ کا سب سے بڑھ کر مضطاع ہونا واضح فرمادیا۔

لہذا اب کوئی نئی یا نرسل، کوئی ملک یا حامل وحی، کوئی پیر و مرشد کوئی امام، کوئی شہید یعنی مخلوق الہی میں سے کوئی بھی ایسا باقی نہیں رہ جاتا جو سیدنا و مولانا محمد ﷺ کے سامنے مطاع کہلانے کی جرأت کر سکتا ہو، یا جس کی اطاعت محمد ﷺ کی اطاعت کو چھوڑ کر باعث ہدایت و قرب ربانی بن سکتی ہو وحدیث پاک و لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا لَفَسَدَ إِلَّا أَنِّي أَسْرَعُ اِی راز کی کاشف ہے۔ ہاں ہر ایک کلمہ خواں اسلام کا دین و ایمان یہی ہے کہ قریب الہی اور رضوان سبحانی اور مغفرت و نجات کا ذریعہ خالق اور مخلوق کے درمیان صرف ایک ہے اور وہ اطاعت محمدی ﷺ ہے۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اگر آج کوئی شخص سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کا مدعی بن کر رسول اکرم ﷺ کی اطاعت سے اظہار استغفار کرے تو وہ مغفرت و نجات سے دور ہے اور قریب و رضوان کے منازل عالیہ سے محجور۔ نبی ﷺ ہی مطاع ہیں اور رسول اکرم ﷺ کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے۔ ائمہ دین اور اصحاب کرام کے مدارج

و مناسب اس لئے دیگر حقوق سے برتر و عالی ہیں کہ یہ بزرگوار رسول اکرم ﷺ کی اطاعت میں مستحکم اور کامل ترین ہیں۔

محمد عربی کا بروئے ہر دوسرا ست کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر ادست
(۶) سیدنا شاہد ﷺ..... آپ ﷺ کا ایک نام شاہد ہے، چنانچہ اچھا شاہد اور سچا گواہ وہ ہے جس کی شہادت واقعات صحیحہ کو کتمان سے ظاہر میں لے آئے، جس کی شہادت بے خبروں کو باخبر دار بے علموں کو باعلم اور غائبین کو مثل حاضر بنادے۔ رسول اکرم ﷺ شاہد ہیں۔ اور اُنْھِمْ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ کی شہادت جملہ عالم کے سامنے رسول اکرم ﷺ ہی نے ادا فرمائی ہے اور اپنی شہادت سے رب العالمین کے لئے استحقاق الوہیت و معبودیت ثابت کیا ہے۔ عبادات و استعانت بغیر اللہ کے مسئلہ میں متکفلوں مذاہب سرگرواں و حیران و پریشان تھے۔ رسول اکرم ﷺ ہی کی شہادت نے ان حقائق خفیہ کو آشکار کیا۔ رسول اکرم ﷺ ہی نے اُنْھِمْ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰہ کی شہادت ادا کی رسالت و نبوت کے خصائص و حقی ربانی کی حقیقت و اعمال کا روح سے تعلق، جزا و سزا کا اعمال پر ترتب و شریعت کی ضرورت اور شرائع الہیہ و قوانین حکمیہ کا استحکام۔ یہ سب رسول اکرم ﷺ ہی کی شہادت سے ہوا۔ اللہ اکبر! شاہد کسی زبردست شہادت اور اعلیٰ صداقت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے کہ جہاں عالم میں شہادت کے لئے اکیلا آیا اور اپنی واپسی سے پیشتر ہزار ہزار بندگان الہیہ کو اس شہادت پر قائم بلکہ اسندہ آنے والی نسلوں کے سامنے اُن کو بھی شاہد بنا کر گیا اور تَحْکُوْنَا شٰہِدَآءَ عَلٰی النَّاسِ کی سند عطا فرمایا گیا۔

(۷) سیدنا فاتح..... بمعنی کھولنے والے۔ حدیث معراج میں ہے اللہ پاک نے فرمایا وجعلک فاتحاً و خاتماً اور حدیث نبوی ﷺ میں ہے کہ وجعلنی فاتحاً و خاتماً تو آپ ﷺ فاتح ہیں ہر چیز کے لئے آپ ﷺ فاتح ہیں اور کھولنے والے ہیں امت پر رحمت کے دروازوں کو اور جنت کے دروازوں کو اور خشیتِ اخیر میں قسرتِ نبوت کے لئے۔

(۸) سیدنا مفتاح..... اس میں مبالغہ ہے یعنی آپ ﷺ سخت سے سخت امور کے

کھولنے والے ہیں۔

(۹) سیدنا مفتاح الرحمة..... رحمت کو کھولنے والا۔ دنیا میں اگر کوئی کسی پر رحم کرتا ہے تو آپ ﷺ کی متابعت کی وجہ سے ہے اور آخرت میں اگر کسی پر رحم کیا جائے گا تو آپ ﷺ کی شفاعت کی وجہ سے ہوگا تو آپ ﷺ مفتاح رحمت ہیں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

(۱۰) سیدنا عزیز..... بمعنی غالب جلیل القدر۔ لا نظیر لہ بڑی عزت والے ہیں ان کی کوئی نظیر نہیں۔

(۱۱) سیدنا مہین..... اس کے معنی رسول اللہ ﷺ کے حق میں یہ معنی شاہد اور امین کے آتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جل شانہ کے احکام کے امین ہیں۔

(۱۲) سیدنا جبار..... شکتہ حال کو جوڑنے والا۔ اس نام سے زیور داؤد علیہ السلام میں مشہور تھے۔ ۳۴ ویں باب میں ہے کہ تقلد ایہا الجبار سیفک اپنی تلوار کو گلے میں ڈال دو اے جبار اور ہامت نبی (اور جہاد کرو کفار سے، اسلام کا بول بالا اور کفر کا منہ کالا کرنے کے لئے) یا یہ معنی کہ شکتہ دل اور پریشان حال بندوں کے دلوں پر جبریرہ یعنی پٹی لگاؤ۔ ان کے دکھ درد میں ان کو سہارا دو۔ یہ نام قرآن مجید کی آیت ذیل سے مستنبط ہے: وَ اخْفِضْ جُنَا حَكَ لِّلْمُؤْمِنِينَ۔ طیور کو دیکھو، وہ اپنے انڈوں یا اپنے بچوں کی تربیت کبھی محبت، کیسے پیار، ہوشیاری اور کبھی نگہداشت سے اپنے شہیروں کے نیچے رکھ کر کرتے ہیں۔ اہل ایمان کے ساتھ نبی ﷺ کی محبت و پیار اور نگہداشت و حفاظت کا سلوک، اس مثال سے بھی بڑھ کر تھا۔ محترم قارئین! بطور نمونہ کے آپ ﷺ کے چند نام خصوصاً دو نام جو اللہ کے نام سے ملنے ہیں مختصراً آپ کے سامنے پیش کر دیئے، امید ہے کہ اس قدر کا نام سے ہماری ترتیب دی ہوئی اس خصوصیت کی وضاحت ہوگئی ہوگی انشاء اللہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور ﷺ سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

يَا رَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلَى حَبِيبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمْ

خصوصیت نمبر ۷۵

رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیات کا حامل ہے قابل احترام قارئین! رسول اکرم ﷺ کی امتیازی خصوصیات میں سے یہ پختہ نمبر خصوصیت ہے، جس کا عنوان ہے رسول اکرم ﷺ کا لایا ہوا انقلاب عظیم خصوصیت کا حامل ہے الحمد للہ دیگر خصوصیات کی طرح اس خصوصیت کو ترتیب دینے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے روضہ رسول کا قرب عطا فرمایا اور روضہ رسول کے سائے میں بیٹھ کر میں نے اس خصوصیت کو فاضل ترتیب دیا، اللہ تعالیٰ اس کام کو شرف قبولیت عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

بہر حال محترم قارئین! ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت بھی عظیم خصوصیت ہے کہ ہمارے نبی ﷺ کا لایا ہوا انقلاب بڑی عظمت و خصوصیات کا حامل ہے، اگرچہ دیگر انبیاء اکرام بھی جو انقلاب لائے وہ بھی خصوصیات رکھتے تھے لیکن ان کی خصوصیات محدود اور پھر ان کا لایا ہوا انقلاب محدود زمانے تک کے لئے ہوتا تھا، جبکہ ہمارے نبی ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کی خصوصیات بھی بے شمار ہیں اور یہ انقلاب محدود زمانے کے لئے نہیں بلکہ قیامت تک کے لئے ہے، جیسا کہ آنے والے اوراق میں تفصیل سے آپ ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب کی خصوصیات کو واضح کیا گیا ہے، انشاء اللہ اس کو پڑھ کر آپ کے ایمان میں اضافہ ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے نبی ﷺ کے لائے ہوئے انقلاب پر عمل کرنے اور اس انقلاب کی دعوت کو ساری دنیا میں عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اب اس خصوصیت کی تفصیل کو ملاحظہ فرمائیے، اللہ تعالیٰ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

چتر ہویں خصوصیت کی وضاحت قرآن و احادیث کی روشنی میں

دنیا میں اب تک کی انقلابات روشناس ہو چکے ہیں۔ ایک انقلاب حضور نبی کریم ﷺ نے بھی برپا کیا تھا۔ اس محمدی انقلاب کی چند اہم خصوصیات ذہن میں نقش کر لیجئے۔ یہ وہ کی باتیں ہیں جن کا سفر کی دنیا کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ جب آپ ان سے پوچھیں گے تو وہ اپنی عقلیں جھانکی شروع کریں گے۔

سب سے پہلی خصوصیت تو یہ تھی اللہ کے محبوب ﷺ نے دنیا کے اندر اتنا انقلاب اتنے کم وسائل کے ساتھ پیدا کیا کہ پوری دنیا میں اتنے کم وسائل کے ساتھ اتنا بڑا انقلاب برپا نہیں کیا گیا۔ یہ معمولی بات نہیں بلکہ یہ خدائی مدد کی دلیل ہے۔

انقلاب پیدا کرنے کے لئے وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ محمدی انقلاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقط دس سال کے عرصہ میں برپا ہو گیا۔ جب آپ ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے اصل میں اس وقت کام کے مکمل کر کرنے کی ابتداء ہوئی۔ فقط دس سال کے عرصہ میں قرآن بھی مکمل نازل ہو چکا تھا۔ اور پھر اسلام کا پیغام لے کر بھی چل پڑے تھے۔ اس قلیل عرصہ میں اللہ کے محبوب ﷺ نے اس دنیا کو علم و اخلاق کا انقلاب برپا کر کے دکھا دئے تھے کہ وقت میں کوئی بھی اتنا بڑا انقلاب پیدا نہیں کر سکتا۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں قوموں کا رخ بدل دینا کوئی آسان بات نہیں ہے۔

محمدی انقلاب کی تیسری خصوصیت یہ تھی کہ اس انقلاب کے دوران سب سے کم جہلی نقصان ہوا۔ تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک زندگی میں جتنی بھی جنگیں لڑی گئیں ان میں مسلمان شہداء اور کفار کی کل تعداد 1082 افراد تھی۔ اس اعتبار سے آپ اس انقلاب کو ”غیر خونِ انقلاب“ کہہ سکتے ہیں۔

محترم قارئین! ہمارا یہ اسلامی ملک ہے۔ اس میں امن بھی ہے مگر یہاں پر بھی آپ دیکھیں تو مختلف شہروں میں مجتہدوں کے دوران ایک دو ماہ میں ایک ہزار سے زائد انسان قتل

ہو چکے ہونگے۔ لیکن ہمارے محبوب ﷺ نے پوری دنیا میں دس سال میں جو انقلاب پیدا کیا اس میں فقط 1062 انسان کام آئے۔

غور کیجئے کہ بغداد کے اندر ہزاروں کو حقان نے بھی ایک انقلاب برپا کیا تھا۔ مگر ایک دن کے اندر بغداد میں دو لاکھ مسلمانوں کا خون بہایا گیا۔ یہ تو ایک دن کی بات ہے۔ اور پورے انقلاب میں نہ معلوم کتنے لاکھ مسلمان کام آئے تھے۔ قرآن کے انقلاب میں 25 لاکھ انسانوں کو قتل کیا گیا۔ قیام پاکستان کے وقت بھی ایک کروڑ انسانوں کو جو نہیں دینا پڑیں۔ مگر میرے محبوب ﷺ نے اتنے کم جانی نقصان کے ساتھ دنیا کو ہدایت کا راستہ دکھا دیا۔ پوری دنیا میں اس انقلاب کی مثال نہیں ملتی۔ (عزیز غفرے لکیر)

آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب اور اسکے نتائج و تعلیمات

رسول اکرم ﷺ جس عظیم الشان پیغام کو لے کر آئے تھے اور جس ہمت پر اٹھان کا کام کو انجام دینے کے لئے بھیجے گئے تھے، فیک، دل اور حقیقت شناس لوگ تو سننے اور دیکھنے کے ساتھ اس کے قول کرنے پر آمادہ ہو گئے لیکن جن کے دل کے آئینے (عکاس) آلود تھے، پیغام کی سچائی، وحی کی تاثیر و عظمت کی بڑا اثر دعوت، اعجاز معصومیت اور اخلاق کے پر تو سے صاف و شفاف ہوتے مجھے اور عوام کو، موانع، شبہات اور ٹھوک کی تو پر تو غلط فہمیاں اور تاریکیاں رفتہ رفتہ چھٹتی چلی گئیں اور اسلام کا نور روز بروز زیادہ صفائی اور چمک کے ساتھ عرب کے افق پر درخشاں اور تاباں ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۲۳ برس کی مدت میں ایک متحدہ قومیت، ایک متحدہ سلطنت، ایک متحدہ اخلاقی نظام، ایک کامل قانون، ایک مکمل شریعت، ایک اہل مذہب اور علمی جماعت، خدا پرستی، اخلاق ایثار، تدبیر، تقویٰ، ایمان داری، اخلاق اور سچائی کا ایک مجسم عہد یعنی ایک نئی زمین اور ایک نیا آسمان پیدا ہو گیا، اور گویا یہی حقیقت تھی، جس کی طرف آپ نے اپنی امت کے سب سے بڑے مجمع (جمعہ النودار) میں اپنی وفات سے تقریباً دو ماہ پیشتر یہ ارشاد فرمایا، جس کا مفہوم یہ ہے کہ: ہاں اس زمانہ کا دور اپنی اسی حالت پر آ گیا جس

حالت پر اس دن تھا جس دن خدا نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔

اور یہی حقیقت تھی جس کی نسبت رسول اکرم ﷺ نے اپنی وفات سے کچھ دنوں پیشتر ایک نہایت بزرگ و درویشی آفرینے والے خرمیں یا لفاظ فرمائے عید تو مکہ میں علی البیتاء لیلھا کھلوا، میں تم کو ایک روشن راستہ پر چھوڑ جاتا ہوں جس کی روشنی کا یہ حال ہے کہ اس کی رات بھی دن کے مانند ہے اور آخری حجۃ الوداع کے مجمع عام میں خلیل کی بشارت آئی کہ اليوم انکم ملت لکم فیکم والتممت علیکم نعمتی (امامہ) آج میں نے تمہارا دن کامل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر ختم کر دی۔

پروفیسر مارگولیتھ جن کی تاریخی شہادت بہت کم مل سکتی ہے، لکھتے ہیں: ”محمد ﷺ کی وفات کے وقت ان کا سیاسی کام غیر مکمل نہیں رہا تاہم ایک سلطنت کی جس کا ایک سیاسی وفد ہی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، رسول اکرم ﷺ نے عرب کے بیشتر قبائل کو ایک قوم بنادیا تھا رسول اکرم ﷺ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور ان میں ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خانہ دانی رشتوں سے زیادہ محکم اور مستحکم تھا، (محمد نے اس قوم) ایک دور (یورپ) کے بیگانہ مشرق کی بہ نسبت جس علم، عرب اور اسلام کے متعلق صرف چند کتابوں سے مستعار ہے، خود ایک عرب عیسائی اہل لقم کو فیصلہ کار زیادہ حق حاصل ہے، میردت کے مسیحی اخبار الوٹمن نے ۱۹۱۱ء میں لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم (دورجی اعظم) نے لکھا ہے۔

دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں ایک نئے مذہب، ایک نئے فلسفے، ایک نئی شریعت، اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی، جسکے قانون بدل دیے اور ایک نئی قوم پیدا کر دی اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، لیکن ان تمام کاموں کے باوجود اسی اور تاخیر اندہ تھا وہ کون؟ محمد بن عبد اللہ قریشی، عرب اور اسلام کا پیغمبر، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا، اور اپنی اور اپنے پیروؤں

کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جس کو اس نے قائم کیا ترقی اور دوام کے اسباب بھی خود مہیا کر دیئے اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں، جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہیں، حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا، تاکہ اقوام اسلام میں اہل استطاعت ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں، اپنی امت پر زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنادیا تاکہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہہ دیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقویٰ کی بناء پر بزرگی حاصل ہے، اس بناء پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا، جس کا رئیس قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے، مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا، یہ کہہ کر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں، اسلام میں داخل ہونا ہر شخص کے لئے آسان کر دیا، نابو مسلموں کے لئے اسلامی ملکوں میں عیش و آرام اور امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہہ کر اپنے اوپر لے لی، کہ تمام مخلوق خدا کی اولاد ہے، تو خدا کا سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے، خاندانی اور ازدواجی اصطلاحات بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں اس نے نکاح و وراثت کے احکام مقرر کئے، عورت کا مرتبہ بلند کیا، نزاعات اور مقدمات کے فیصلے کو اطمینان بنائے، بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی، اس نے حکمت کو ایک مومن کا نگشده مال قرار دیا، اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا، کیا ان کا ناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی قرار نہ پائے گا۔

انگلستان کے مشہور دانشور ہارڈن کا راولکھل نے اپنے ہیرڈز اینڈ ہیرڈورپ میں لاکھوں پیغمبروں اور مذہب کے بانیوں میں صرف محمد (ﷺ) ہی کے وجود گرامی کو اس قابل سمجھا کہ وہ آپ کو نبوت کا ہیر و قرار دے، انسائیکلو پیڈیا یا بزمائیکا کا مضمون نگار ”محمد“ آپ کی نسبت کہتا

ہے۔ قرآن سے اس شخص کے روحانی ارتقاء کا پتہ چلتا ہے، جو تمام نبیوں اور مذہبی لوگوں میں سب سے زیادہ کامیاب رہا۔ الغرض دوست و دشمن سب کو اس کا اعتراف ہے کہ انبیاء میں یہی برگزیدہ ہستی ہے جس نے کم سے کم مدت میں اپنی بحث اور رسالت کے زیادہ سے زیادہ فرائض ادا کئے، اور اصلاحات انسانی کا کوئی گوشہ ایسا نہ چھوڑا، جس کی تکمیل اس کی تعلیم اور عمل سے نہ ہوئی ہو، اور یہ اس لئے کہ تمام انبیاء میں خاتم نبوت، مکمل دین، اور آخری معلم کی حیثیت آپ ہی کو عطا ہوئی تھی، مگر انسان کی عملی و اخلاقی و دینی ضرورتوں کا کوئی گوشہ آپ کے فیض سے محروم رہ کر تکمیل کا محتاج ہوتا تو آپ کے بعد بھی کسی آنے والے کی حاجت باقی رہ جاتی، حالانکہ آپ نے فرمادیا کہ ”میرے بعد کوئی نبی نہیں میں نبوت کی عمارت کی آخری اینٹ ہوں“ (ﷺ)

آپ ﷺ کی تعلیمات کی یہی ہمہ گیری ہے جس پر کوتاہ بینوں کو آج نہیں بلکہ خود صحابہؓ کے عہد میں بھی تعجب ہوتا تھا، بعض مشرکوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے مذاقاً کہا کہ تمہارے پیغمبر تم کو ہر چیز کی تعلیم دیتے ہیں، یہاں تک کہ اس کی بھی کہ تم کو قضاے حاجت کیونکر کرنی چاہئے، حضرت سلمانؓ نے کہا ہاں یہ سچ ہے کہ آپ نے ہم کو یہ حکم دیا ہے کہ ہم ایسی حالت میں قبلہ رخ نہ بنیں نہ اپنے واسطے ہاتھ سے طہارت کریں، اور نہ تین ڈھیلوں سے کم استعمال کریں، جن میں کوئی ہڈی اور گوبر نہ ہو، نبوت محمدیؐ کی تعلیمات کی یہ ہمہ گیری ہی اس کی تکمیل کی دلیل ہے، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پست سے پست اور غیر متمددن اقوام سے لے کر بلند سے بلند اور متمددن سے متمددن قوموں تک کے لئے یکساں تعلیمات اور ہدایات رکھتی ہے، عرب کے بدویوں اور قریش کے رئیسوں دونوں کے لئے رسول اکرم ﷺ کی بعثت تھی، اس لئے آپ کی تعلیمات میں پست کو بلند اور بلند کو بلند تر بنانے کی برابر کی ہدایات ہیں، آج یہی چیز ہے کہ افریقہ کے وحشیوں میں اسلام اپنی تعلیمات کے ساتھ تہا جاتا ہے، اور ان کو متمددن اور مہذب بنانے کے لئے مذہب سے باہر کسی تعلیم کی اس کو ضرورت پیش نہیں آتی ہے، لیکن عیسوی مذہب کو چند اخلاقیات کو چھوڑ کر جن کا ماخذ انجیل

ہے، عقائد پادریوں کی کونسلوں سے، دعائیں اور عبادات کلیساؤں کے حکمرانوں سے اور تہذیب و تمدن کی تعلیمات یورپ کے بے دینوں اور لٹھروں سے حاصل کرنی پڑتی ہیں لیکن اسلام میں محمد رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کچھ نہیں، عقائد ہوں کہ عبادات اور دعائیں، اخلاق ہوں کی آداب و تمدن، خانگی معاملات ہوں یا لین دین کے کاروبار، انسانوں کے ساتھ معاملہ ہو، یا خدا کے ساتھ سب کا ماخذ محمد رسول اللہ ﷺ کی ہمہ گیر تعلیمات ہیں۔

رسول اکرم ﷺ کی ان ہمہ گیر تعلیمات کی کتاب جو انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے، چار ابواب پر منقسم ہے اور ان ہی کے مجموعہ کا نام اسلام ہے۔

آپ نے بتایا ہے کہ ہر انسان کا ایک تعلق تو اپنے خالق کے ساتھ ہے، اور دوسرا اپنے خالق کی دوسری مخلوقات کے ساتھ اسی مفہوم کو دوسری عبارت میں یوں کہو کہ اس کا ایک تعلق اپنے آقا اور مالک کے ساتھ ہے اور دوسرا اپنے آقا اور مالک کے غلاموں کے ساتھ یا یوں کہو کہ اس کا ایک رخ تو آسمان کی طرف ہے اور دوسرا زمین کی سمت، اس کو ایک لگاؤ تو عالم غیب سے ہے اور دوسرا عالم شہود سے، پہلے کے ساتھ اس کا تعلق ایک مہربان آقا اور فرمانبردار غلام کا ہے، اور دوسروں کے ساتھ اس کا تعلق برادری اور بھائی چارے کا ہے، خالق اور مخلوق یا خدا اور بندہ کے درمیان جو علاقہ اور رابطہ ہے، اس کا تعلق اگر صرف ہمارے ذہنی قوی اور قلبی حالات سے ہے تو اس کا نام عقیدہ ہے، اور اگر ان قلبی حالات کے ساتھ ہمارے جسم و جان اور مال و جائیداد سے بھی ہے تو اس کا نام عبادت ہے، باہم انسانوں اور انسانوں میں، یا انسانوں اور دوسری مخلوقات میں جو علاقہ و رابطہ ہے، اس کی حیثیت سے جو احکام ہم پر عائد ہیں، اگر ان کی حیثیت محض قانون کی ہے تو اس کا نام معاملہ ہے، اور ان کی حیثیت، قانون کی نہیں، بلکہ روحانی نصیحتوں اور برادرانہ ہدایتوں کی ہے تو اس کا نام اخلاق ہے۔

قرآن پاک کی اصطلاح میں پہلے تعلقات کی مضبوطی اور استحکام کا نام ایمان ہے، اور دوسرے تیسرے اور چوتھے کی بجا آوری کا نام عمل صالح ہے، اور ان ہی دونوں کے مجموعہ

پر کامل نجات کا انحصار ہے۔ عمل صالح کی تمن قسمیں ہیں، خدا کے سامنے اپنی عبودیت کا اظہار اور اس کے احکام کی تعمیل، بندوں کے ساتھ کاروبار اور معاملہ میں قانون الہی کی پابندی، اور ان کے ساتھ محبت، ملامت، ملامتگی اور بھلائی کا برتاؤ، اور اگر اس لحاظ سے کہ ان میں سے ہر ایک عمل کو جس میں خدائی کی خوشنودی اور رضامندی مقصود ہو، اسلام عبادت کہتا ہے، لیکن اصطلاح میں پہلے کا نام عبادت، اور دوسرے کا نام معاملات اور تیسرے کا نام اخلاق ہے، بالقرض محمد رسول اللہ ﷺ جو عالمگیر شریعت اور دائمی ہدایت لے کر آئے، وہ ان ہی چاروں عنوانوں کا مجموعہ ہے، یعنی عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق، ان ہی کی اصلاح تعلیم اور تحکیم کے لئے رسول اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی، اور یہی آپ کے پیغمبرانہ فرائض کے اصلی کارنامے ہیں۔

(بول شہادت سیرت النبی ص ۴۴)

مَا دَبَّ صَبْلٌ وَنُسِلَ نَسَبًا فَبَدَا عَلٰی حَبِيبِكَ غَوْرُ الْاَخْلَاقِ كُلِّهِمْ



ماخذ و مراجع

کی تفصیلی فہرست جلد نمبر ۴ کے آخر میں ملے گا۔

جزاک اللہ

